۳

معارفِ نبوی

احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ وتشریح

ترجمہ وتشریح

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہ



ترتیب وتحقیق

مولانا محمد زبیر طاہر

نواسہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ

مکتبہ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا

نام کتاب: معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ وتشریح: شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

ترتیب وتحقیق: مولانا محمد زبیر طاہر

طبع اوّل: جون ۲۰۱۲ء

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ وصال تک ہر ہر لمحہ خالقِ ارض وسما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں کے ذریعہ محفوظ کرادیا ہے۔ دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عمل وکردار اتنے تحقیقی اور سند کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو امت کی رہنمائی کے لیے مرتب فرمادیا ہے۔

ہمارے جدِّ امجد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب ''معارف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا طریقہ، عقائد ونظریات، زہد وتقویٰ، اخلاقیات، حسنِ سلوک، طہارت وپاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وعمرہ، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج معالجہ، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، فضائلِ جہاد وشہادت اور دیگر موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کی سادہ اور دل نشیں انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے جو علماء طلباء اور عوام الناس میں بے حد پسند کی گئی ہے۔ بقیہ صفحہ نمبر ۵۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

فہرست مضامین

کتاب الأذکار و الدّعوات

(ذکرواذکاراوردعاؤں کا بیان)

کتاب الأذکار والدّعوات

(ذکرواذکار اور دعاؤں کا بیان)

ذکر اللہ کی فضیلت

[حدیث:۸۰۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ، لَايَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔“ (رواہ مسلم: کتاب الذکر، بَاب فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ، حدیث:۴۸۶۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں بیٹھتے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے مگر گھیرا ڈال لیتے ہیں ان کا فرشتے، اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت اور نازل ہوتی ہے ان پر سکینت، اور یاد فرماتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس کے لوگوں میں۔“

تشریح: اس حدیث میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو قوم یا جماعت اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں، ”حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ“ ملائکہ ان کے اردگرد گھیرا ڈال لیتے ہیں، اور ایک حدیث میں ہے کہ گھیرا ڈالتے ڈالتے اُوپر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، ”وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ“ رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے، گویا کہ سرپوش ہوجاتا ہے رحمت کا، جیسے رحمت کا سائبان ہے، ”وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ“ ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، دل پر خاص اطمینان اور راحت کی کیفیت کا نام ”سکینہ“ ہے، آپ چاہیں تو اس کا ”تسکین“ رکھ لیں، اطمینان اور سکون کی کیفیت خاص میسر آتی ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے دل پر نازل ہوتی ہے، یہ ذکر اللہ کے انعام میں۔ اور ان کا چوتھا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس کے لوگوں کو جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رہتے ہیں یعنی انبیاء اور صدیقین کی ارواحِ طیبہ اور ملائکہ مقربین ان کے پاس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

اور ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ ان پر فخر فرماتے ہیں، جب ملائکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ

عالی میں حاضر ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ دریافت فرماتے ہیں کہ: میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ یا اللہ! آپ کا ذکر کر رہے تھے، آپ کو یاد کر رہے تھے، اللہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ: نہیں! دیکھا تو نہیں، اگر وہ دیکھ لیتے تو پھر آپ کا اور زیادہ ذکر کرتے۔ پھر اللہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: جی وہ جنّت مانگتے تھے، اللہ کہتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنّت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جی دیکھی تو نہیں! اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر وہ جنّت دیکھ لیتے تو؟ فرشتے کہتے ہیں: تو پھر اس کی اور زیادہ رغبت کرتے۔ اللہ پوچھتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگتے تھے! پھر اللہ پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں! اگر دیکھ لیتے؟ تو اس سے اور زیادہ بھاگتے، پناہ مانگتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تم گواہ رہو میں نے سب کی بخشش کر دی۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ: یا اللہ! ایک بندہ ان ذاکرین میں سے نہیں تھا، خاص ذکرِ الٰہی کے لئے نہیں آیا تھا، ویسے ہی چلتے چلتے ان کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا یا بیٹھ گیا تھا، ذرا دیکھیں کہ یہ مولوی کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے اس کی بھی بخشش کر دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے کو بھی محروم نہیں کیا جا سکتا۔

مجالسِ ذکر کی فضیلت

[حدیث:۸۰۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا يَقُولُ عِبَادِي قَالُوا يَقُولُونَ يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ قَالَ فَيَقُولُ هَلْ رَأَوْنِي قَالَ فَيَقُولُونَ لَا وَاللهِ مَا رَأَوْكَ قَالَ فَيَقُولُ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا قَالَ يَقُولُ فَمَا يَسْأَلُونِي قَالَ يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ قَالَ يَقُولُونَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا

قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُولُ فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔" (رواه البخاری: کتاب الدعوات، فی فضل ذکر اللہ، حدیث: ۵۹۲۹)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گھومتے رہتے ہیں راستوں میں، وہ تلاش کرتے ہیں اہلِ ذکر کو، پس جب وہ پاتے ہیں کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہاری حاجت یہاں ہے، پس وہ ان کا گھیرا ڈال لیتے ہیں اپنے پردوں کے ساتھ آسمانِ دُنیا تک، جب وہ لوگ اس مجلس سے منتشر ہوجاتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں، پس ان کا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ ان بندوں کو ان سے بہتر جانتا ہے) کہ: تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ: ہم آئے ہیں تیرے بندوں کے پاس سے جو زمین میں رہتے ہیں، پس ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے اور وہ ان کو ان سے بہتر جانتا ہے کہ: میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ: آپ کی تسبیح کر رہے تھے، آپ کی تکبیر کر رہے تھے، آپ کی حمد بیان کر رہے تھے، آپ کی تہلیل یعنی "لا الہ الا اللہ" کا وِرد کر رہے تھے، آپ کی بزرگی بیان کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر آپ کو دیکھ لیتے تو آپ کی اور زیادہ عبادت کرتے، آپ کی اور زیادہ بزرگی بیان کرتے، آپ کی اور زیادہ تسبیح پڑھتے، فرماتے ہیں کہ: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: آپ سے جنّت کی درخواست کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: کیا انہوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! اے پروردگار! انہوں نے جنّت کو دیکھا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر جنّت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جنّت کو دیکھ لیتے تو اس کی اور زیادہ حرص کرتے، اس میں اور زیادہ رغبت کرتے۔ فرماتے ہیں: کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ کہتے ہیں: دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے، حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟

فرشتے کہتے ہیں: دیکھا تو نہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: اگر وہ اس دوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا حالت ہوتی؟ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اس دوزخ کو دیکھ لیتے تو وہ اس سے اور زیادہ بھاگتے اور زیادہ خوف کرتے۔ اور فرشتے یہ بھی عرض کرتے ہیں: یا اللہ! یہ لوگ آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی بخشش کردی۔ ایک فرشتہ ان میں سے کہتا ہے: اے اللہ! ان میں ایک فلاں آدمی تھا جو ان میں کا نہیں تھا، وہ تو یونہی کسی کام سے آیا تھا، فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون واضح ہے، اور یہ آپ سب سن چکے ہیں کہ جب آپ سب مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں ان کو ذکر ہی کی تلاش ہوتی ہے، جب ان کو ذاکروں کی جماعت مل جاتی ہے تو فرشتے ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں کہ میاں! تمہارا مطلب مل گیا، تمہارا مطلوب مل گیا، اس مجلس کا احاطہ کرلیتے ہیں اور آسمان تک پہنچ جاتے ہیں ایک دوسرے پر اور جب یہ مجلس منتشر ہوجاتی ہے تو فرشتے وہاں سے فارغ ہوکر حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو سب ہی کچھ جانتے ہیں، ان سے پوچھتے ہیں: کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں: یا اللہ! کچھ لوگوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی تسبیح و تکبیر کہہ رہے تھے، ”لا الٰہ الا اللہ“ کہہ رہے تھے اور آپ کی بزرگی اور شان بیان کررہے تھے۔ فرماتے ہیں: انہوں نے ہمیں دیکھا ہے؟ کہا: دیکھا تو نہیں! کہا: اگر دیکھ لیتے؟ کہتے ہیں کہ: اگر دیکھ لیتے تو آپ سے اور زیادہ محبت کرنے والے ہوتے اور آپ کی اور زیادہ عبادت کرتے اور آپ کی اور زیادہ بزرگی بیان کرتے۔ اچھا کیا مانگ رہے تھے؟ کہا: یا اللہ! جنّت کی درخواست کررہے تھے، یا اللہ ہم سب کو جنّت عطا فرما۔ فرماتے ہیں: کیا انہوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں: دیکھا تو نہیں! کہا: دیکھ لیتے تو؟ کہا: یا اللہ! پھر اس کی اور زیادہ طلب کرتے، اس کی اور زیادہ حرص کرتے، ان کے اندر اس کا شوق و رغبت اور زیادہ بڑھ جاتا، یوں کہتے ہیں کہ اگر جنّت کی ایک نعمت کوئی دیکھ لیتا تو نیند اُڑ جاتی، پھر کسی کو نیند نہ آتی اتنا شوق اور اتنی رغبت ہوتی کہ نیند اُڑ جاتی۔ فرمایا: اچھا! کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ کہتے ہیں: وہ تو دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ فرماتے ہیں: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں: یا اللہ! دیکھا تو نہیں۔ اور اگر دیکھ لیتے تو؟ کہتے ہیں: اس سے اور زیادہ بھاگنے والے ہوتے اور زیادہ ڈرنے والے ہوتے اور آپ کی پناہ مانگنے والے ہوتے، اور فرشتے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں یا اللہ! وہ آپ سے بخشش بھی مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم گواہ رہو میں نے ان کی بخشش کردی، ایک فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! اس مجلس میں ایک اور آدمی بھی تھا، وہ چلتے چلتے یہاں کھڑا ہوگیا تھا، اپنے کسی کام سے آیا تھا، مجلس

میں شریک ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، یونہی کھڑا ہوگیا تھا دیکھیں یہ مولوی کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: اس کی بھی بخشش کردی، "هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى جَلِيْسُهُمْ" یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے کو بھی محروم نہیں رکھا جاسکتا، وہ بھی محروم نہیں رہتا، اگرچہ ان میں سے نہیں ہے، لیکن پاس تو آکر بیٹھ گیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس رہنے والا بھی محروم نہیں رکھا جاتا۔

اس سے ذکر الٰہی کی عظمت بھی ثابت ہوتی ہے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کو اپنے بندوں کے ساتھ جو عنایت ہے وہ بھی معلوم ہوجاتی ہے اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت کتنی بڑی چیز ہے اور برے لوگوں کی صحبت کتنی خراب چیز ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نیک صحبت کی مثال عطار کی دُکان کی طرح ہے، یا تو خریدلوگے اگر نہیں تو ایک پھایہ تمہیں ایسے ہی دیدے گا، اور یہ بھی نہ ہوا تو جتنی دیر بیٹھوگے دماغ تو معطر رہے گا، اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹی، دُھواں بھرا ہوا ہے، آگ کی گرمی الگ ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی چنگاری اُڑے تو وہ بھی تمہارے اُوپر آپڑے، اور کچھ نہیں تو جب تک بیٹھوگے دُھویں سے دَم گھٹے گا ہی۔ (صحیح مسلم، کنز العمال: ۲۴۸۴۹) اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے پاس بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک بات اور اس حدیث سے معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں، ان کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے ایک بار کہہ دیا تھا:

﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ﴾ (البقرۃ: ۳۰)

کہ آپ زمین میں ایسی مخلوق کو خلیفہ بنانے جارہے ہیں جو زمین میں فساد مچائے گی اور قتل ناحق کرے گی، تسبیح وتحمید کرنے کے لئے تو ہم بہت ہیں، اس وقت فرمایا تھا: "اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝" جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ تو جب بھی ان بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کوئی انعام فرماتے ہیں تو فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں کہ دیکھو! تم یہ کہہ رہے تھے ان کے بارے میں، ان کے اندر خواہشات، غفلتیں ہیں اور بشری تقاضے ہیں، اس کے باوجود ان کا کمال دیکھا کہ اپنے بشری تقاضوں اور آرزوؤں پر خاک ڈالتے ہوئے یہ ہماری پاک بارگاہ میں آتے ہیں۔

اللہ کا ذکر کثرت سے کرو

[حدیث: ۸۰۴] "فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ، فَاِنَّهٗ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِيْهُ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ، ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقْضِيْ عَلَى النَّاسِ

وَلَا یَقْضُوْنَ عَلَیْہِ، وَیَمْلِکُ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ، اللہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَظِیْمِ۔"

(حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۳۹۷، البدایۃ والنہایۃ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ: "پس تم اللہ کا ذکر زیادہ کرو، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ دُرست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہوجاتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس کا فیصلہ نہیں کرتے، اور وہ لوگوں پر اِختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اور نہیں قوّت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ۔"

تشریح: یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا، اس خطبے میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف اُمت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکرِ اِلٰہی تمہارے دِلوں کی صفت بن جائے، ذکرِ اِلٰہی تمہارے دِلوں میں پیوست ہوجائے، اور اس کے نور سے تمہارے دِل منوّر ہوجائیں، اور تمہاری رُوح اس کی لذّت وحلاوت سے سرشار اور مست ہوجائے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: "حَتّٰی یُقَالُ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ" یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور دیوانے ہوجاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ تو کثرتِ ذکرِ اِلٰہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتی الوسع تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے، ذکر زبان سے بھی کرو، دِل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذِکر کا مفہوم

"ذکر" کہتے ہیں یاد کرنے کو، یا تذکرہ کرنے کو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: "فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا" یعنی آپ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ "ذکر" کے اصل معنی "یاد" کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر سی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔ فرمایا:

"لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللہِ" (مشکوٰۃ ص:۱۹۸، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ: "تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے۔"

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہوگیا، پس اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو، تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہوجانا چاہیئے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا شعر ہے:

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصوّر، پھر حدیثِ دِل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لمحہ مل جائے، بس اللہ کے ذکر میں مشغول ہوجاؤ، یہ ہے کثرتِ ذکر۔

قرآنِ کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ کثرتِ ذکر کی قید بھی لگائی ہے: ''اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا'' یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دُوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا: ''اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا'' کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ یہاں پر بھی فرمایا: ''اللہ کو کثرت سے یاد کرو'' اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو، اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دِل کی صفت بن جائے، اور ذکرِ الٰہی تمہارے دِل کی ایک کیفیت بن جانی چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دُوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہوجائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دِل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دُوسری کیفیتوں کو مغلوب کرلیتی ہے، اب اگر دن بھر تو ہم دُوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کرلیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکرِ الٰہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی، اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہوجانا چاہیئے تب قلب کی دُوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

اللہ کے ذکر سے دِل زندہ ہوتا ہے، اور ذکرِ الٰہی کے بغیر دِل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۱۹۶)

ترجمہ: ''مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔''

ذکرِ الٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکرِ الٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے، آنحضرت ﷺ دُعا فرمایا کرتے تھے: ''یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دِل کا'' اپنے لطف و احسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دِل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی دُعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے

[حدیث:۸۰۵] ’’عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: ...... وَاَشْرَفُ الْحَدِیْثِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْقَصَصِ الْقُرْاٰنُ، وَخَیْرُ الْاُمُوْرِ عَوَاقِبُھَا، وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا، وَمَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی... الخ۔‘‘

(حلیۃ الأولیاء: فی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، ج:۱ ص:۱۳۸)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے، اور بہترین قصہ قرآن کریم ہے، اور سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، اور سب سے برا کام وہ ہے جس کو گھڑلیا گیا ہو، اور جو مال کم ہو اور کفایت کرنے والا ہو، وہ اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈالنے والا ہو۔‘‘

تشریح: یعنی آدمی جو بھی گفتگو کرتا ہے ان میں سب سے اشرف ذکرِ الٰہی ہے، ذکر اللہ میں قرآن کریم کی تلاوت بھی شامل ہے، تسبیحات، درود شریف، استغفار اور تمام وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔

کسی کلام کا شرف یا تو اس کے مقصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا جس کا تذکرہ کیا جائے اس کے تذکرہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، قرآن کریم سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے باوجود کلام اللہ شریف کے بعض حصے بعض حصوں سے افضل ہیں، سورۂ یٰسٓ کو قرآن کریم کا قلب فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کا دل ہے، آیت الکرسی کو ’’أَعْظَمُ آيَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ‘‘ فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت۔ سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن فرمایا گیا ہے، یعنی تہائی قرآن کریم کے برابر ہے، سورۂ کافرون کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔

پھر قل ھو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یہ ایک سورۃ ہے جو تہائی قرآن کے برابر ہے، یعنی دس پارے کے برابر، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے، اسی طرح آیت الکرسی میں حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات کا ذکر ہے، اور اس کے دس جملے ہیں اور دسوں میں الگ الگ صفت کو ذکر فرمایا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ کلام کا شرف اس کے اس مضمون کی وجہ سے ہے جس کا ذکر ہو رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ عالی کے بعد سب سے زیادہ صاحبِ مرتبہ ہیں، تو آپ ﷺ کا ذِکرِ خیر، ذکر اللہ کے بعد تمام اذکار سے افضل ہوگا، اس لئے درود شریف کی فضیلت بہت ہے، آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے:

''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔'' (مشکوٰۃ ص:۸۶)

ترجمہ: ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرمائیں گے۔''

دس مرتبہ درود شریف پڑھو تو سو رحمتیں، اور سو مرتبہ درود شریف پڑھو تو ہزار رحمتیں میسر آئیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ الٰہی پر جو کلام مشتمل ہو وہ سب سے افضل ہے، جو کلام ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہو وہ اشرف الحدیث ہے، جو بات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب سے اشرف ہے، اس لئے کہ اس پر اجر ملتا ہے اور اس کے ذریعہ بندے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت بندے کے دل میں آتی ہے، بندے کے دل میں عبدیت پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور بندے کی عبدیت یعنی فنائیت یہی حاصل ہے سب چیزوں کا، اس لئے بلاشبہ اشرف الحدیث ذکر اللہ ہے، سب سے بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس سے آدمی کو غافل نہیں ہونا چاہئے۔

ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا: یارسول اللہ! کوئی نصیحت فرمائیے، بات لمبی نہ ہو تاکہ میں اس کو ضبط کرسکوں۔ فرمایا:

''لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۹۸)

ترجمہ: ''تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔''

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ نے یہ حدیث فضائل اعمال کے فضائل ذکر میں ذکر کرکے اس کے اسّی فائدے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمادے۔

اشرف الحدیث کے ساتھ اپنی زبان کو منور کرو، زبان میں بھی نور آئے گا، دل میں بھی نور آئے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے!

اللہ کا ذِکر کرنے والوں کی مثال زندوں کی سی ہے

[حدیث:۸۰۶] ''عَنْ أَبِيْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ وَالْبَیْتُ الَّذِیْ لَا یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔''

(رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، بَاب اسْتِحْبَابِ صَلَاۃِ النَّافِلَۃِ، حدیث: ۱۲۹۹)

ترجمہ: ’’حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مثال اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا، مثال زندے اور مردے کی ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ مثال اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مردہ کی مثال ہے یعنی جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ ہے، اس کے در و دیوار وہاں کے رہنے والوں کو دعائیں دیتے ہیں اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی نیک آدمی کی روح نکلتی ہے تو اس کا بدن اور اس کی روح ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے ہماری بہت اچھی رفاقت رہی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور برے آدمی کی جب روح نکلتی ہے تو روح اور بدن ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، کہتے ہیں خدا تیرا ناس کرے، تیرے ساتھ بہت بری رفاقت رہی، یہی مثال گھر کی بھی ہے، جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، نماز پڑھی جاتی ہے، تلاوت کی جاتی ہے، وہ مکان وہاں کے رہنے والوں کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور جس میں ٹی وی چلایا جاتا ہے اور دوسری لغویات وفحش چیزیں چلائی جاتی ہیں وہ اس پر لعنت کرتے ہیں۔

فضائل قرآن

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر و قیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں، تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے، اس لئے قرآنِ کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ﴾ (الحشر:۲۱)

ترجمہ: ’’اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) آپ اس کو دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پھٹ جاتا۔‘‘

پہاڑ بھی اس کلامِ پاک کی عظمت کو برداشت نہیں کرسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قلب پر قرآنِ کریم نازل ہوا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعے سے ان کے دِلوں تک پہنچا، اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبریل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کا واسطہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کا واسطہ، پھر اِنسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآنِ کریم ہم تک پہنچا، اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہوسکا۔ براہِ راست اگر یہ کسی پر نازل ہوجاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، اس کا دِل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا، یہ تو اس کلامِ پاک کی عظمت ہے، اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے، دُنیا کی کوئی کتاب پڑھو، اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دُنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دِلوں میں اس کی محبت ڈال دی، قرآنِ کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں، اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے، گھروں میں قرآنِ کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اُونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظِ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے۔ مسلمانوں کو قرآنِ کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں، اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا، اتنی ہی حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلامِ پاک سے تعلق ہوگا، کلامِ پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے، اور نہ ہو تو ''قُلْ ھُوَ اللہ'' ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھئی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں، ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں، صرف ''قل ھو اللہ'' یاد رہتی ہے، وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی، اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے، اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے، جس میں چھوٹی سورتیں ہیں، اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں، الم ترکیف سے والناس تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۸۶، بحوالہ ترمذی ودارمی)

ترجمہ: ''وہ شخص جس کے دِل میں قرآنِ کریم کا کچھ حصہ نہ ہو، وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر۔''

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے، اسی طرح آدمی کا دِل بغیر قرآن کے ویران

ہے۔مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں، جس مؤمن کے دِل میں قرآنِ کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس پارے روزانہ قرآنِ کرم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تھا، اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی ہے جو فَمِیْ بِشَوْقٍ پڑھتے تھے، قرآنِ کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی، پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دُوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۂ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، پانچویں منزل شعراء سے، چھٹی منزل والصافات سے، اور ساتویں منزل سورۂ قٓ سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہوگیا فَمِیْ بِشَوْقٍ، بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فمی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم، جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتے کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم، اور اس سے نیچے یہ کہ دس دن میں قرآنِ کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین ختم ہوجائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآنِ کریم کا معمول ہو، جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآنِ کریم کی تلاوت کا بھی معمول ہونا چاہئے، ایک مہینے کے بعد قرآنِ کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ: ''آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے؟'' تو تم کہو کہ میں نے ۲۲واں پارہ پڑھا ہے، آج ۲۲؍تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہوگیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو، پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی ایک رُکوع، البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں، لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآنِ کریم ختم نہیں کرتے، تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ قرآنِ کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دِل میں قرآنِ کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دِل میں قرآنِ کریم کی محبت نہ ہو، قرآنِ کریم سے تعلق نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں، لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ بعض ضعیف حوالوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں اِکسٹھ قرآن پڑھتے تھے، ایک قرآن دن کا، ایک رات کا، اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول

اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے، اور یہی معمول اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کا تھا، لیکن اِکسٹھ کا نہیں بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔ میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعین ہوں گے، جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے، سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتا چلتا نہیں، لیکن کتنی طاقتور محبت ہے، کتنے درجے کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا، یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے، اب محبت کا کوئی پتا نشان نہیں ہوتا، وہ تو دِل میں چھپی ہوتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے؟

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآنِ کریم پڑھاتے ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، اَن پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا اتنا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے، تعلیم دِلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے، لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلے میں کتنی ہے؟ یا دُوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دُوسری تعلیم کے بجائے قرآنِ کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں، بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآنِ کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں اور بس۔ اور یہ جو بڑے اُونچے خاندان کے لوگ ہیں، ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے جج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں، یا اس قسم کے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتے ہیں، اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے، ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ جج صاحب کا روزانہ کا معمول قرآنِ کریم کی تلاوت ہو، جج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے۔ ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس کے والدین نے اس کو پڑھا دیا تو وہ دُوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے، لیکن یہ جو لوگ اُونچے اُونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے... اِلَّا ماشاء اللہ... اس طرف سے غافل ہیں، البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ اِدھر اُدھر سے کسی مؤذّن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے، ان کے بچے جاکر مسجد کی پُرانی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزّت کی بات نہیں، اس لئے بچوں کو مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ اُمراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآنِ کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے، یہ بچوں کو بس اتنا کردیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھادیا، تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا، باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآنِ کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو

فارغ کردو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہو جائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ ایک سال میں قرآن یاد کر لیتا ہے، اور جو کوئی کمزور ہو تو وہ پانچ چھ سال لے لیتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے، قرآنِ کریم جس بچے نے حفظ کر لیا اس کو لے جا کر چھٹی جماعت میں داخل کر دو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا، کیوں بھئی! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا، اب پانچ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کر دیا اور بچے نے قرآنِ کریم حفظ کر لیا تو چھٹی میں اس کو داخل کرا دو، اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآنِ کریم جس بچے نے حفظ کیا ہوگا وہ ایسا چلے گا کہ دُوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، پھر بھی خسارہ نہ ہوا، لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآنِ کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہو گئے۔

اور بہت سے لوگوں نے دِل میں یہ بٹھا لیا ہے کہ قرآنِ کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی! قرآنِ کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے، قرآنِ کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دِل میں چونکہ قرآنِ کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رَٹتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں، انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رَٹ لی، مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا، جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رَٹنا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلق نہیں، یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔

ادھر قرآنِ کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت، تو ان غریبوں نے قرآنِ کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کر لیا، یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رَٹنے سے کیا فائدہ؟

میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں، ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآنِ کریم حفظ کرنے کے لئے، اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا، اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①" کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے، بار بار رَٹتا ہے، تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①" میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور جتنی مرتبہ دُہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔

اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو! وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتہ الگ نہیں کھلتا، اس کا نامۂ عمل شروع نہیں ہوتا، ہر ایک کا نامۂ عمل ہوتا ہے نا! جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامۂ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمے لکھے نہیں جاتے اور جو نیک کام کرتا ہے، ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں، تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآنِ کریم کے پڑھے، جتنی مرتبہ پڑھا، وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی، تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح رَٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح الصدور'' میں ایک قصہ نقل کیا ہے، اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے: ایک بزرگ چلے جارہے تھے، قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ ''کشف'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے، اگر دیوار ہٹادی جائے تو اُدھر اُس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دُوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے، کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دِکھا دیتے ہیں، قبر میں میّت کا حال نظر آجاتا ہے، تو اس کو ''کشف'' کہتے ہیں، اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جارہے تھے، ان کو کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی، تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھِلیں (مکئی جب بھونتے ہیں تو کھِلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مُردے ان کو چن رہے ہیں، یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اُوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے، یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں: بھائی! یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ: مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو اِیصالِ ثواب کرتے ہیں، دُعا و اِستغفار کرتے ہیں، وہ ساری کی ساری تقسیم ہوجاتی ہے، اور یہ کھِلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں، قعدہ اخیرہ میں پڑھتے ہونا:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾

ترجمہ: ''اے پروردگار! میری بخشش کردے اور میرے والدین کی بخشش فرمادے، اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرمادے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو۔''

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے، یہ ایک مثال میں نے دی ہے، تو یہ وہ دُعا اور اِستغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے، مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کردیا جاتا ہے، اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں، گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں۔ اس بزرگ نے پوچھا: بھائی! تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا: بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں اور یہ بے چارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں۔ بزرگ نے پوچھا: بھائی کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ: میرا بیٹا

حافظِ قرآن ہے، روزانہ قرآن پڑھ کر مجھے ایصالِ ثواب کرتا ہے، لہٰذا مجھے ان صدقات و خیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا: تمہارا بیٹا کون ہے؟ کیا نام ہے؟ کہا: فلاں شہر میں اس کی دُکان ہے، اس کا نام یہ ہے، تم دیکھو گے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے، مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا۔ یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: میں وہاں گیا، اس دُکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگتا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یا دینے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کر لیتے ہوں گے، میں نے قریب جا کر پوچھا کہ: کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے: ہاں! میں نے پوچھا کہ: آپ اپنے والد کو روزانہ قرآن پڑھ کر بخشتے ہیں؟ کہنے لگے: ہاں! پھر پوچھنے لگے: آپ کو کیسے پتا چلا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا: صحیح ہے، یہی میرا نام ہے اور میں حافظِ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا، کچھ عرصے کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جا رہے تھے، پھر وہی منظر سامنے آ گیا، اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دُوسروں کے ساتھ چننے میں مصروف ہے، بزرگ نے پوچھا: اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ: میرا وظیفہ ختم ہو گیا ہے، میری پنشن بند ہو گئی، اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نامۂ عمل نہیں، ان کا اپنا کھاتا نہیں، وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا، اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے، وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن مسلمانوں کے دِل میں اس کی قیمت نہیں ہے، لہٰذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں، کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں، یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دُنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھا دو۔

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظِ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں، مجھ سے محبت کرتے ہیں، وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں، ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاندھلے میں (حضرتِ شیخ کا قصبہ کاندھلہ تھا) ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاندھلے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ

مؤذِّن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا، اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوادیا حفظ نہیں کیا، نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے (آمین) ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا، ادھر گھر میں تو کیا اِردگرد بھی کوئی حافظ نہیں تھا، رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی داڑھی نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجہول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ فرماتے: ''مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کرلیا ہوتا!'' اللہ نے ان کی دُعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کرادیا اور ان کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمدللہ! ان کی اولاد میں پچاس سے زیادہ حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشیں تو ان کا کام بن جائے گا، الحمدللہ، الحمدللہ!

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ: میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے چار بیٹے ہوں، ہر ایک تھوڑا تھوڑا ٹکڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو، تھوڑا تھوڑا بھی بخش دوگے تو اِن شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ اِمام الاولیاء فرماتے تھے، ہاں اِمام الاولیاء! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے، وہاں جاکر پتا چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے؟ دُنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی، تو بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے، اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے، اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے، اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

قرآنِ کریم کے حقوق

[حدیث:۸۰۷] ''اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْئٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۸۶)

ترجمہ: ''جس انسان کے دل کے اندر قرآن مجید کا کچھ حصہ نہ ہو، اس دل کی مثال ویران گھر کی سی ہے۔''

تشریح: حدیث شریف میں آتا ہے کہ: حق تعالیٰ شانہ کا قرب کسی چیز سے اتنا حاصل نہیں ہوتا، جتنا کہ قرآن مجید سے حاصل ہوسکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی کلام ہے، یہ حبل اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، خوب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوطی سے تھام لو، اس رسی کے تھامنے میں کسی کا اختلاف نہیں، جتنا قرآن کریم سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنا انسان کھنچتا، چلا جائے گا۔

قرآن مجید کے تین حقوق ہیں، حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، حضرت

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''اصلاح انقلاب اُمّت'' ہے، جس میں اس سلسلہ کی ہماری کوتاہیوں کی تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔

بہرحال قرآن مجید کا پہلا حق اس کی عظمت ہے، ہمارے دل میں اس کی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عظمت ہونی چاہئے۔ باطنی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا جتنا مرتبہ اور اس کی بڑائی ہے، وہ خوب دل میں بیٹھ جائے، چنانچہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو، مثلاً حافظ ہو، عالم ہو، تو وہ دنیا کی نعمت کو دیکھ کر کبھی دل میں یہ حسرت نہ لائے کہ: افسوس مجھے یہ چیز (مثلاً کار، کوٹھی وغیرہ) نہیں ملی، واللہ العظیم دنیا کی کوئی نعمت قرآن مجید سے بڑھ کر نہیں، یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ: دنیا کی دوسری تمام نعمتیں اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اس نعمت قرآن کے سامنے گردِ راہ ہیں، اور تخت سلیمانی اس کے سامنے ہیچ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام تختِ سلیمانی پر کہیں تشریف لے جارہے تھے، آپ کے جلو میں جنات، انسان اور پرندے پرا باندھے ہوئے تھے، عجیب سماں تھا، اتنے میں کسی نے زمین سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس کروفر کو دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ کہتے ہوئے کسی سے سنا، تو حکم فرمایا کہ تخت زمین پر اُتارا جائے، زمین پر اُتر کر اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کہا؟ اس نے سمجھا کہ شاید گستاخی ہوگئی ہے، کہنے لگا: حضرت! یہ بے اختیار نکل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی حکومت عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ: بندۂ خدا تیرے منہ سے جو ''سبحان اللہ'' نکلا ہے، وہ ہزار تختِ سلیمانی سے بہتر ہے۔

قرآن مجید کی دولت کے مقابلے میں، کائنات کی تمام چیزیں بچوں کے کھلونوں کی طرح ہیں، اصل دولت تو یہ قرآن مجید ہے، اس کی جتنی عظمت دل میں آئے گی، قرآن مجید اتنا ہی اپنا رنگ دکھائے گا۔

دوسرا حق قرآن مجید کی تلاوت کا ہے، قرآن مجید میں ہے: ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ'' (وہ رسول ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے)۔

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲﴾ (رسول، اللہ کی طرف سے تلاوت کرتا ہے پاکیزہ صحیفے)۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ: یہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان میں دو واسطے ہیں۔ ایک حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اور دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید کا جاری ہونا، اگر یہ واسطے درمیان میں نہ ہوتے، تو ہم قرآن مجید کی تلاوت پر قادر نہ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست قرآن مجید سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید سن کر دلوں پر کیا

اثرات پڑے ہوں گے؟ کون اندازہ کرسکتا ہے؟ وہ حضرات تلاوت سن کر رونے لگے۔

آج ہم لوگوں کو تلاوت کی توفیق کم ہوتی ہے، آج مسلمانوں کے گھروں میں کتنے پڑھے لکھے لوگ ہیں، مگر انہیں قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق کم ہی ہوتی ہے۔ دوسری کتابیں کتنی پڑھی جاتی ہیں، جب سے اخبارات، ٹی وی آگیا ہے اور ناول، افسانے آگئے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرآن مجید چھین لیا گیا ہے، بہت سے گھر ہیں، جن میں مہینوں تک قرآن مجید کی تلاوت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے:

”اِنَّ الَّذِی لَیسَ فِی جَوْفِہٖ شَیئٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۱۸۶)

ترجمہ: ”جس انسان کے دل کے اندر قرآن مجید کا کچھ حصہ نہ ہو، اس دل کی مثال ویران گھر کی سی ہے۔“

مثال مشہور ہے ”خانہ خالی را دیو مے گیرد“ (خالی گھر میں شیطان بسیرا جمالیتا ہے)۔

افسوس آج ہمارے گھر قرآن مجید کی تلاوت سے خالی ہوگئے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ شیاطین نے بسیرا کرلیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہر گھر میں پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، گھر میں ہر نعمت موجود ہے، مگر قلب کا سکون نہیں ہے، آپ کسی کو تھوڑا سا نشتر لگا دیں، اور ٹٹولیں تو وہ اپنی پریشانیوں کی داستان سنانا شروع کردے گا، پریشانیاں ہیں، مگر وجہ معلوم نہیں ہے، گھر میں بچے کا فوٹو لگا ہوا ہے، ۹۰ فیصد گھروں میں فوٹو لگے ہوئے ہیں، آپ حضرات نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد تو سنا ہوگا کہ: ”لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیہِ کَلْبٌ وَلَا تَصَاوِیْرُ“ (مشکوٰۃ ص:۳۸۵) (کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہوگا اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے)۔

گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، ذکر نہیں ہوتا، درود شریف نہیں پڑھا جاتا اور دوسری دین کی بات نہیں ہوتی، اس لئے رحمت رخصت ہوگئی، دل کا مسکرانا کہاں سے حاصل ہوگا؟

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْہِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّھِمْ اِلَّا کَانَ عَلَیْھِمْ تِرَۃً فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَھُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَھُمْ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۷۴)

ترجمہ: ”ان لوگوں کی مثال جو ایک جگہ جمع ہوئے (اور انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا) مگر اللہ کا ذکر کئے اور درود شریف پڑھے بغیر اٹھ گئے، انہوں نے بہت بڑا نقصان کیا، اگر اللہ پاک چاہیں تو ان کو عذاب دیں یا چاہیں تو ان کو معاف فرمادیں۔“

اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے:

”مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔“ (ابوداؤد ج:۲ص:۳۱۰)

ترجمہ: ”جو لوگ کسی مجلس سے اس حال میں اٹھے کہ انہوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا تو وہ ایسے ہیں جیسے (چند کتّے) مُردار گدھے پر جمع ہوئے اور کھا کر چلے گئے، ایسی مجلس ان لوگوں پر قیامت کے دن حسرت وافسوس کا سبب ہوگی۔“

ہم شام سے لے کر صبح تک اور صبح سے لے کر شام تک اپنی زندگی کا جائزہ لیں، کہ گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے یا نہیں؟ پہلے ہر گھر میں اس کا اہتمام ہوتا تھا، روزانہ گھروں میں تلاوت ہوتی تھی، سب سے بہترین وقت تلاوت کا نماز فجر کے بعد کا وقت ہے، فجر کی نماز سے پہلے تسبیحات افضل ہیں اور نماز کے بعد تلاوت، باقی دونوں سونے کی کانیں ہیں، بڑے گھروں میں لوگ اُٹھتے ہی نو بجے ہیں، دیر سے سوتے ہیں، عشاء کے بعد ٹی وی دیکھا جارہا ہے، تبصرے ہورہے ہیں، باتیں کی جارہی ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

”كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔“ (موطا امام مالک ص:۱۰۱)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ عشاء سے پہلے نیند کرنے کو اور نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔“

حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں عشاء کے بعد قانوناً بات کرنے کی ممانعت تھی، حکم تھا کہ عشاء کے بعد سو جاؤ، جلدی سونے سے تہجد کے لئے اُٹھنا آسان ہوگا، بے خوابی کی شکایت نہیں ہوگی، گولیوں کی ضرورت نہیں رہے گی، سنّت کے خلاف کروگے تو ایسا ہی ہوگا، بہرحال مسلمانوں کا کوئی گھر تلاوت سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔

تلاوت کے معمول اکابر کے مختلف رہے ہیں، روزانہ ایک قرآن مجید، ۱۵ سپارے روزانہ، ۱۰ سپارے روزانہ اور کم سے کم معمول ایک پارہ روزانہ اور مہینہ میں ۳۰ سپارے، یہ اپنے اُوپر لازم کرلینا چاہئے، جتنا ادب واحترام کے ساتھ پڑھوگے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ نوازیں گے، ایک صاحب قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے، انگلی پھیر کر ”هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ! هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ!“ پڑھتے رہتے تھے، حق تعالیٰ شانہٗ نے بخش دیا۔

اب تو دیندار گھروں میں بھی تلاوت کا معمول نہیں رہا، باپ نیک ہے، تو بیٹا آزاد ہے، سارا شیرازہ بکھر گیا ہے، اب لوگ بودے (انگریزی بال) رکھتے ہیں، پہلے اس کا رواج نہیں تھا۔ ایک صاحب نے مجھے

جدہ ایئر پورٹ پر بتلایا کہ ایک نوجوان فوج میں گئے، جب واپس آئے تو بودے بنوائے اور ننگے سر پھرنا شروع کر دیا، پرانے زمانے کی بات ہے، کچھ عورتیں چرخہ کات رہی تھیں، انہوں نے اس کو دیکھا تو محبت کے ساتھ بلایا، ایک بڑھیا گھر میں گئی، چولہے کی راکھ لے کر آئی اور اس کے سر پر ڈال دی، اس کو کہا کہ تو لڑکیوں کو بال دکھاتا پھرتا ہے؟

اس وقت نیکی غالب تھی، اس کو نصیحت آگئی اور اس نے بال کٹوا لئے، اللہ کی شان! اب نیکی مغلوب اور بدی غالب آرہی ہے، باپ اپنے بچّوں کی اصلاح وتربیت سے گھر میں عاجز ہو رہا ہے، شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنے شوہر کی اصلاح سے عاجز ہے، باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی اصلاح سے عاجز ہے، ہم نے حضرت محمد ﷺ کو دیکھنے کی بجائے یہود ونصاریٰ کے معاشرے کو دیکھنا شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بدی غالب آرہی ہے اور نیکی مغلوب ہو رہی ہے، اب نیکی کا پنپنا مشکل ہو گیا ہے، یہ سب کچھ مسلمانوں کے معاشرے میں ہو رہا ہے، اگر کوئی شادی بیاہ سنّت کے مطابق کرنا چاہتا ہے، تو اس کو معاشرہ نہیں کرنے دیتا، ''خود کردہ را علاج نیست۔''

پہلے تلاوت قرآن مسلمانوں کے روزہ مرہ کے معمولات میں تھی، تلاوت سے دل، بدن اور آنکھوں میں نور آتا ہے، دل مجمع الانوار، نور الانوار بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ہر ہر حرف کے نیچے تجلیات رکھی ہیں، تلاوت کا ثواب قیامت کو تو ملے گا ہی، مگر دنیا میں بھی بہت کچھ ملے گا، مشکلات آسان ہوں گی، دل میں سکون آئے گا، گھروں میں برکتیں اور رحمتیں آئیں گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝٥٧﴾ (یونس:۵۷)

ترجمہ: ''اے لوگو تمہارے پاس آتی ہے نصیحت تمہارے ربّ سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے لئے۔''

تم اس کو کہاں بھول گئے؟ یہ بھولنے کی چیز نہیں ہے، واللہ العظیم قرآن مجید تمہاری سب ظاہری، باطنی اور اندرونی، بیرونی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔

قرآن مجید کا تیسرا حق: قرآن مجید کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک شاگرد حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ آپ کی خدمت میں تھے، انہوں نے عرض کیا: ''يَا اُمَّاهُ! نَبِّئِينِى عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' (امّاں جان! مجھے حضور ﷺ کے اخلاق بتلایئے۔) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''يَا بُنَىَّ اَوَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ'' (صاحب زادے! کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا خُلُق تو قرآن ہی تھا)۔ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن ہی تھا،

جہاں قرآن نے کھڑا کر دیا، کھڑے ہو گئے، جہاں بٹھا دیا، بیٹھ گئے، جہاں روک دیا، رک گئے، جہاں چلا دیا چل دیئے، جہاں کھانے کو کہا، کھا لیا، آپ ﷺ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، قرآن مجید ہمارے لئے نازل ہوا ہے، ہمیں چاہیئے کہ ہم قرآن مجید کے مطابق بن جائیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے: ”مَثَلُ الْقُرْآنِ مَثَلُ الْاِبِلِ الْمُعَلَّقَةِ اِنْ تَعَاهَدَهَا صَاحِبُهَا أَمْسَكَهَا وَاِنْ تَرَكَهَا ذَهَبَتْ“ (مسند احمد ج:۲ص:۲۳)۔

یعنی قرآن کی مثال اس اُونٹ کی سی ہے جس کی ناک میں نکیل ہو، (اور ناک زخمی ہو، اگر بچہ بھی اس اُونٹ کو لے چلے گا، تو چلا جائے گا، جہاں اس کو بٹھائے وہ بیٹھ جاتا ہے، اگر اُٹھا دیا جائے تو اُٹھ جاتا ہے) اور اگر چھوڑ دیا تو بھاگ جاتا ہے۔ یعنی قرآنِ کریم کا حافظ اگر مستقل پڑھتا رہے تو یاد رہے گا ورنہ جیسے ہی اس نے چھوڑ دیا تو بھول جائے گا۔

ہمیں چاہیئے کہ جہاں قرآن مجید بٹھا دے، ہم بیٹھ جائیں، جہاں چلا دے، چل پڑیں، ہم نے آج قرآن پر عمل کرنے کے بجائے اسے طاق میں رکھ دیا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: کیا قرآن مجید کو چومنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ”چومنا تو جائز ہے ہی، اس کو دِل میں اُتارا جائے۔“ اب تو یہ ہونے لگا ہے کہ اگر قرآن مجید کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو اس میں تاویل کی جاتی ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ (النور:۶۰)

ترجمہ: ”وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی حد سے گزر گئی ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (پردہ) اتار رکھیں، کہ نہ دکھاتیں پھریں اپنا سنگھار، اگر وہ اس سے بچیں (یعنی پردہ میں رہیں) تو ان کے لئے بہتر ہے۔“

اب قصہ برعکس ہو گیا، بوڑھی کجا نوجوان بھی پردہ نہیں کرتیں، برقعہ تو گیا، دوپٹہ بھی اُتر گیا ہے، اگر ہماری بہنیں چاہتی ہیں کہ گھروں میں آرام اور چین وسکون ہو، دلوں کو راحت نصیب ہو، تو قرآن مجید پر عمل کریں، آج چہرے کے پردے کا انکار کیا جاتا ہے، اگر چہرے کا پردہ نہیں، تو کس کا پردہ ہے؟ قرآن مجید میں ”قَرْنَ“ کا لفظ ہے کہ ٹک کر اور جم کر گھروں میں بیٹھیں، بناؤ سنگار نہ کرتی پھریں، مگر آج معاملہ اس کے برعکس ہو گیا ہے، عورتیں گھروں میں بیٹھنے کی بجائے دفاتر اور اسمبلیوں میں ہیں، اور ان کی بھرتی ہو رہی ہے، یہاں تک کہ وزارت عظمیٰ کے حصول کے لئے بے تاب ہیں، بلکہ اب تو یہ منصب بھی ان کے زیر پا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

قرآن کریم سیکھ کر پڑھنے کے فضائل

[حدیث:۸۰۸] ”تَعَلَّمُوْا كِتَابَ اللهِ فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ الْحَدِيْثِ، وَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ فَاِنَّهٗ رَبِيْعُ الْقُلُوْبِ، وَاسْتَشْفُوْا بِنُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ شِفَاءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ، وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُ الْقَصَصِ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْكُمْ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ، وَاِذَا هُدِيْتُمْ لِعِلْمِهٖ فَاعْمَلُوْا بِمَا عَلِمْتُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ، فَاِنَّ الْعَالِمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ كَالْجَاهِلِ الْجَائِرِ الَّذِىْ لَا يَسْتَقِيْمُ عَنْ جَهْلِهٖ بَلْ قَدْ رَأَيْتُ اَنَّ الْحُجَّةَ اَعْظَمُ وَالْحَسْرَةَ اَدْوَمُ عَلٰى هٰذَا الْعَالِمِ الْمُنْسَلِخِ مِنْ عِلْمِهٖ عَلٰى هٰذَا الْجَاهِلِ الْمُتَحَيِّرِ فِىْ جَهْلِهٖ، وَكِلَاهُمَا مُضَلَّلٌ مَثْبُوْرٌ، لَا تَرْتَابُوْا فَتَشُكُّوْا، وَلَا تَشُكُّوْا فَتَكْفُرُوْا، وَلَا تُرَخِّصُوْا لِاَنْفُسِكُمْ فَتَذْهَلُوْا، وَلَا تَذْهَلُوْا فِى الْحَقِّ فَتَخْسَرُوْا۔“ (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۷)

ترجمہ: ”اللہ کی کتاب کو سیکھو، اس لئے کہ یہ افضل کلام ہے، اور دین میں تفقہ حاصل کرو، اس لئے کہ یہ دلوں کی بہار ہے، اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کیونکہ وہ شفا ہے سینوں کی بیماریوں کے لئے، اور اس کی خوب تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ سب سے بہترین بیان ہے، اور جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اور جب تم کو ہدایت حاصل ہو جائے اس علم کی جو تم نے قرآن کریم سے سیکھا ہے، تو اس پر عمل کرو تا کہ تم کو ہدایت کا راستہ نصیب ہو، پس بے شک جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو وہ اس جاہل کی مانند ہے جو راستے سے بھٹکا ہوا ہو اور اپنی جہالت سے سیدھی راہ پر نہ آتا ہو، بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ جو عالم اپنے علم سے نکلا ہوا ہو اس پر حجت بڑی اور حسرت دائمی ہے بہ نسبت اس جاہل کے جو اپنے جہل میں متحیر ہے، اور دونوں گمراہ اور ہلاک ہونے والے ہیں، تردد میں نہ پڑا کرو ورنہ تم شک میں پڑ جاؤ گے، اور دینی حقائق میں شک میں نہ پڑو ورنہ تم کافر ہو جاؤ گے، اور اپنے لئے رخصتیں نہ تلاش کیا کرو ورنہ تم بھول میں پڑ جاؤ گے اور حق کے معاملے میں بھول اختیار نہ کرو ورنہ تم خسارے میں پڑ جاؤ گے۔“

تشریح: اس خطبہ میں یہ بات فرمائی کہ اللہ کی کتاب کو سیکھو اس لئے کہ یہ سب سے بہتر کلام ہے، اس سے احسن، اس سے افضل، اس سے انفع اور اس سے بہتر کوئی کلام نہیں ہے۔

میں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ محض اس کی تلاوت کرنا، اس کا پڑھنا موجب اجر وثواب ہو، جبکہ قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے کہ اس کے الفاظ کی تلاوت بھی موجب اجر وثواب ہے، صرف اس کے الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی مستقل عبادت ہے، چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاذَرٍّ! لَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آيَةً مِّنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ وَلَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِهِ اَوْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تُصَلِّيَ اَلْفَ رَكْعَةٍ۔" (ابن ماجہ ص:۲۰)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! تو اس طور پر صبح کرے کہ قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لے، یہ تیرے لئے ایک سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، اور یہ کہ تو اس طور پر صبح کرے کہ دین کا ایک باب سیکھ لے چاہے تو اس پر عمل ہو یا نہ ہو، تیرے لئے ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔"

پہلی بات کہ ایک آیت سیکھ لے یہ سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! سمجھ کر یا بے سمجھے؟ فرمایا: خواہ سمجھ کر یا بے سمجھے۔ تو قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لیں چاہے اس کا مضمون سمجھ میں آئے یا نہ آئے دونوں صورتوں میں یہ اجر برابر ہے۔

دوسری بات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! خواہ عمل کرے یا نہ کرے؟ فرمایا: خواہ عمل کرے یا نہ کرے۔ یعنی علم سیکھنے کی فضیلت الگ ہے اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت الگ ہے، یہ مضمون آگے آرہا ہے۔ تو کتاب اللہ کو سیکھو اور سیکھنے کا شوق پیدا کرو۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد میں تشریف لائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول تھے، ان میں سے کچھ چھوٹی عمر کے تھے، کچھ بڑی عمر کے تھے، عام طور پر بڑی عمر کے لوگوں کی زبان سیدھی نہیں ہوتی، تلفظ میں بڑی مشکل ہوتی ہے، ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں کچھ عرب تھے، کچھ عجم تھے، عجمیوں کے لئے عربی زبان کا تلفظ مشکل ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ: "اِقْرَؤُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ" (مشکوٰۃ ص:۱۹۱) یعنی سب ٹھیک ہے، سیکھتے رہو۔

ہمارے اس زمانے میں یہ رسم چل نکلی ہے کہ ہر چیز کو سیکھنے کی ضرورت ہے پر قرآن سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ آپ ہی آپ آجاتا ہے، کسی میاں جی کے پاس، کسی قاری صاحب کے پاس الفاظ سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، جیسے اردو الفاظ خود ہی آجاتے ہیں، ویسے ہی یہ قرآن بھی آجاتا ہے اور قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یعنی معنی سیکھنے کی ضرورت نہیں بس ترجمہ دیکھ لینا کافی ہے، حالانکہ عربی زبان وادب سے ناواقف ہوتے ہیں جو قرآن فہمی کے لئے اولین شرط ہے، بہت سے لوگ مجھے حوالے دیا

کرتے ہیں کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں یہ مضمون لکھا ہے میں نے اس پر عمل کیا ہے، اپنے پاس سے مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ تم یہ مسئلہ بتاتے ہو۔

ایک واعظ صاحب وعظ کہہ رہے تھے، امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پاس سے گزرے، اس سے فرمایا: تم قرآن کریم کے ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہو؟ مجمل اور مفصل کو، محکم اور متشابہ کو جانتے ہو؟ اس واعظ نے کہا کہ: نہیں! فرمایا: تم سے کس نے کہا تھا وعظ کہنے کو؟ غلط سلط جو منہ میں آئے گا ہانکو گے، قرآن کریم کے الفاظ کو بھی سیکھو اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، اس کا معنی اور مفہوم بھی سمجھو۔

میں ہمیشہ ایک بات کہا کرتا ہوں، ایک فقرہ کہا کرتا ہوں کہ میں نے دنیا میں قرآن کریم سے زیادہ آسان کتاب نہیں دیکھی اور قرآن کریم سے زیادہ مشکل کتاب نہیں دیکھی، پڑھتے پڑھاتے عمریں بیت گئیں، بال سفید ہوگئے لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ لوگ قرآن کریم کا ترجمہ دیکھ کر مجتہد بن جاتے ہیں، لوگوں کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ سب کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، لیکن قرآن کریم سیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ اپنے آپ ہی آجاتا ہے اور یہ جو ہمارے لوگ ہیں جو علماء سے تھوڑا بہت تعلق رکھتے ہیں یہ تو بے چارے تھوڑا بہت اردو ترجمہ دیکھ لیتے ہوں گے، یہ جو اونچے طبقے کے لوگ ہیں ان کے لئے اردو ترجمہ دیکھنا بھی گناہ ہے، یہ انگریزوں کا ترجمہ دیکھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ پکتال کا ترجمہ دیکھ لیا، یوسف علی کا دیکھ لیا بس۔ حالانکہ ان ترجموں پر ماہرین قرآن کے اعتراضات ہیں۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی معلومات کی تصحیح کرواؤ کہ تم نے جو سیکھا ہے وہ صحیح بھی ہے؟ اور تم نے جو سمجھا ہے وہ صحیح بھی سمجھا ہے یا نہیں؟

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے اُمراء، وزراء میں مسجد کی طرف رغبت کچھ کم ہو رہی ہے، حکم دے دیا کہ جو میاں جی سے، مسجد کے امام سے اتنی آیتیں سیکھ کے آئے گا اس کو اتنا انعام ملے گا، اور اتنی ترقیات ہوں گی، سب لوگ دوڑے میاں جی اور قاری صاحب کے پاس، یہ تو عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا انعام تھا۔

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے خدا کا انعام یہ ہے کہ قرآن کے قاری سے کہا جائے گا:

”اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۸۶)

ترجمہ: ”پڑھتا جا اور چڑھتا جا (جتنی آیتیں پڑھو گے اتنے درجے بلند کردیں گے) جس طرح تم ترتیل کے ساتھ، آہستگی کے ساتھ دنیا میں پڑھتے تھے، ویسے پڑھو، جہاں تمہارے قرآن کی آخری آیت ختم ہوگی وہی تمہارا مرتبہ ہوگا (چڑھ جاؤ جتنا تم

سے اونچا چڑھا جاتا ہے، یہ ترقیات ہیں)۔"

تو قرآن کریم کو سیکھو بھائی! اس کے الفاظ کو بھی سیکھو، اس میں عار نہ کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے ایسے تھے جن کی عمریں پختہ ہوگئی تھیں، ساٹھ سال کے تھے، ستّر سال کے تھے، اس کے باوجود انہوں نے قرآن کریم سیکھا، تو مجھے یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن کریم پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کوئی دس سال کی تھی، صحیح بخاری میں یہ قصہ ہے۔ تو اتنے بڑے اونچے جلیل القدر صحابی جن کا شمار ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بشارت دی تھی اور جو "اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" ہیں، (اس اُمّت میں سب سے افضل ہیں)، لیکن ان کو عار نہیں ہے کہ میں ایک چھوٹے بچے سے قرآن پڑھتا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن کریم کی مشق کرتے تھے، جب کہ یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سیکھتے تھے، تو قرآن کریم کو سیکھو "فَإِنَّهُ أَفْضَلُ الْحَدِيْثِ" سب سے افضل حدیث اور سب سے افضل کلام ہے، "وَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ" اور دین کا فہم حاصل کرو۔

یادرکھو! ایک ہے دینداری، اور ایک ہے دین کا فہم، اور ایک ہے مزاج کا دین کے مطابق ڈھل جانا، یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔

میں بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ماشاءاللہ دیندار ہیں، متشرع ہیں، داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے، ماتھے پر محراب ہے، حاجی بھی ہیں، نمازی بھی ہیں لیکن مزاج دینی نہیں ہے، دین میں ڈھلا ہوا نہیں ہے، اور بہت سے ایسے ہیں کہ ماشاءاللہ دیندار ہیں، مسئلے مسائل پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن دین کا فہم نہیں ہے، عربی زبان بھی کماحقہٗ نہیں آتی، بس ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر اسرار احمد ہے، خود ہی مجتہد بن گئے، اکبر مرحوم نے کہا تھا:

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں؟
پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں!

وہی بات جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ ساری عمر تو انگریزی پڑھتے رہے، گھوٹتے رہے اور اپنے بیانات میں بھی حوالے نامعلوم کن کن انگریزوں کے دیتے ہیں، الفاظ تو بولتے ہی تھے، تحریر میں بھی دیکھو تو آدھے الفاظ انگریزی رسم الخط میں لکھتے ہیں، اب میرے جیسا اس کو کیا سمجھے گا؟ لیکن دین کسی سے سیکھا نہیں ہے، ان کا دین بس اپنے فہم کی پیداوار ہے، جتنا خود مطالعے سے سمجھ لیا، سمجھ لیا کسی سے سیکھنے، سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ بھائی! اپنے آپ مطالعہ کرکے آپ کبھی عدالت میں وکیل کی حیثیت سے کھڑے نہیں ہوسکتے کہ میں نے قانون کا مطالعہ کیا ہے، قانون کو جج سے زیادہ جانتا ہوں، اور ڈاکٹری کے فن کا اپنے آپ مطالعہ کرکے بھی آپ

کسی ہسپتال میں مریض کا آپریشن نہیں کر سکتے بلکہ دوا بھی نہیں دے سکتے، آپ یہ کہیں کہ میں نے بہت مطالعہ کیا ہوا ہے، پوچھنے والے پوچھیں گے: ڈگری ہے؟ استادوں نے تمہارے علم کی تصدیق کی ہے یا نہیں؟ کیا قرآن اور حدیث کے علم کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ کسی استاذ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟ خالد اسحق بھی محقق، ڈاکٹر اسرار بھی محقق اور فلاں بھی محقق اور فلاں بھی محقق، بڑے اونچے اونچے القاب کے ساتھ نام چھپتا ہے، ممتاز دینی اسکالر، نہ شکل دین کے مطابق، نہ عقل دین کے مطابق! تفقہ فی الدین کی ضرورت ہی نہیں، جو سمجھ میں آ گیا بس وہ ٹھیک ہے:

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارُ

ترجمہ: ”یہ غبار چھٹنے دو تو جب پتہ چلے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟“

وہاں میدان محشر میں یہ کرتب نہیں چلیں گے کہ اتنے مقالے لکھے تھے اور اس طرح اس طرح لوگ داد و تحسین دیا کرتے تھے، وہاں ایک ایک حرف کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس سے سیکھ کر لکھا تھا؟ کیسے لکھا تھا اور کس نیت سے لکھا تھا؟ اسی لئے فرمایا: ”یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ“ (اس دن دلوں کے بھید اگل دیئے جائیں گے)، بھائی! دین کا فہم حاصل کرو، دین کے مسائل سیکھو اور ان مسائل کا صحیح فہم بھی حاصل کرو، اس لئے کہ: ”فَاِنَّہٗ رَبِیْعُ الْقُلُوْبِ“ (یہ دلوں کی بہار ہے) دین کا فہم حاصل کرنے سے دل باغ و بہار ہو جائیں گے۔

ہمارے مفتی ولی حسن مرحوم مجھ سے فرماتے تھے کہ میں جب فقہ کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا لطف آتا ہے جیسے لوگوں کو ناول افسانے پڑھنے میں لطف آتا ہے۔

فقہ قانون کو کہتے ہیں اور قانون سب سے زیادہ خشک موضوع ہے، شعروں کی کتاب پڑھنا آسان، وعظ کی کتاب پڑھنا آسان کیونکہ اس میں وعظ اور چٹکلے ہوتے ہیں اور تاریخ و سوانح پڑھنا آسان، کیونکہ اس میں قصے کہانیاں ہوتی ہیں، خالص قانونی الفاظ کا نام فقہ ہے اور پھر اس کی بال کی کھال اتارنا یہ شق کیوں رکھی گئی ہے؟ اس مسئلے میں یہ قید کیوں لگائی گئی ہے؟ لہٰذا فقہ بڑا خشک موضوع ہے، لیکن اگر کسی کو تفقہ فی الدین نصیب ہو جائے تو پھر ربیع القلوب، دلوں کی بہار بن جاتی ہے۔

تیسری بات فرمائی: ”وَاسْتَشْفُوْا بِنُوْرِہٖ فَاِنَّہٗ شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ“ قرآن کے نور سے شفا حاصل کیا کرو، اس لئے کہ سینے کی بیماریوں کے لئے، یعنی روحانی بیماریوں کے لئے قرآن شفا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۲)

ترجمہ: ’’اور ہم اُتارتے ہیں قرآن سے وہ جو شفا ہے اور رحمت ہے اہلِ ایمان کے لئے۔‘‘

یہاں ایک لطیفہ ذکر کردوں کہ قرآن کریم کی چھ آیتوں میں شفا کا لفظ آیا ہے، قرآن کریم کے لئے بھی ’’شفاء‘‘ کا لفظ آیا ہے اور ایک جگہ شہد کے لئے بھی یہی ’’شفاء‘‘ کا لفظ آیا ہے، بعض اکابر رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ ان چھ آیتوں کو جن کو ’’آیاتِ شفاء‘‘ کہا جاتا ہے آدمی پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتے ہیں۔

بہرحال قرآن کریم روحانی امراض کے لئے بھی شفا ہے اور جسمانی امراض کے لئے بھی شفا ہے، اور سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۃ الشفاء بھی ہے، ہر بیماری کا علاج سورۂ فاتحہ ہے۔ سورۂ فاتحہ اکتالیس (۴۱) مرتبہ پڑھ لو، اکتالیس مرتبہ نہیں پڑھ سکتے تو گیارہ مرتبہ پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرلو کہ اس کلام پاک کی برکت سے شفا عطا فرمادیں، اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی امراض سے شفا عطا فرمادیں گے۔

قرآن کریم ایسی شفا ہے کہ اس سے دلوں کے کفر دُھل جاتے ہیں، دلوں کے نفاق دُھل جاتے ہیں، دلوں کی گندگیاں دُھل جاتی ہیں، دل خوب پاک صاف ہوجاتے ہیں، لیکن قرآن کریم کے نور سے شفا حاصل کرو، نور آئے گا تو سیاہی اور سفیدی کے درمیان امتیاز ہوگا، آج کل تو ایکسرے مشینیں لگی ہوئی ہیں، اس سے پتا چلے گا کہ اندر کیا چیز ہے؟ جب اس کی ایکسرے کی لائٹ پڑے گی تو بتائے گی کہ اندر کیا چیز ہے؟ قرآن کریم کی روشنی اور قرآن کریم کا نور اندر آئے گا، تو اپنے امراض کا پتا چلے گا اور اگر درمیان میں دیوار حائل کردی تو پھر کیا نور پہنچے گا؟

چوتھی بات یہ فرمائی: ’’وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُ الْقَصَصِ‘‘ اور خوب بنا سنوار کر قرآنِ کریم کی تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ بہترین واقعات اور بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر کون بیان کرسکتا ہے؟ کیونکہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔

ہمارے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ قرآنِ کریم میں جہاں ایک لفظ آیا ہے اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا ممکن ہی نہیں، حالانکہ دوسری جگہ قرآنِ کریم میں وہ لفظ موجود ہے، اگر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے جو قرآنِ کریم ہی میں آیا ہے تو قرآنِ کریم کا نظم مختل ہوجائے گا، بگڑ جائے گا۔ تو قرآنِ کریم میں ہر چیز کا بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر قرآنِ کریم کا فہم دیا ہو تو تم قرآنِ کریم کھول کر دیکھو اور قرآنِ کریم کا آئینہ سامنے رکھ لو اور پھر اپنا سر سے لے کر پاؤں تک، ظاہر سے لے کر باطن تک اپنے تمام اعمال کو قرآنِ کریم پر پیش کرو، ایک ایک چیز کو دیکھو تمہیں پتا چلے گا کہ قرآن کیا کہتا ہے، اور میں کیا ہوں؟ قرآنِ کریم کی تلاوت بہترین طریقے سے کرو، بہترین طریقے سے کیسے کروگے؟

قرآنِ کریم کی تلاوت کی ایک منزل مقرر کرلو، بدن کی غذا کے لئے تم دو وقت کی روٹی کھانا ضروری سمجھتے ہو کہ نہیں؟ اب تو دو وقت کا نہیں بلکہ چار وقت کا ضروری سمجھتے ہیں، ایک ناشتہ، ایک دوپہر کا کھانا اور ایک عصرانہ اور ایک عشاء کے بعد کا کھانا، چار وقت کھاتے ہیں، کم سے کم قرآنِ کریم کو غذا سمجھ کر اس کی تلاوت کرو، اور یہ سوچ لو کہ مجھے روزانہ اتنی خوراک لینی ہے اور نفس سے کہہ دو کہ برخوردار! یہ تو تم سے کام کروانا ہی کروانا ہے، ہاں سفر ہو یا بیماری ہو تو یہ تو عذر ہے، اپنی گپ تراشیوں میں، اپنے فضول اوقات میں کچھ تخفیف کرلو، بے ہودہ مشاغل، لایعنی کام اور بے مصرف ضرورتوں کو ختم کردو، قرآنِ کریم کی تلاوت کو اپنا یومیہ معمول بناؤ۔

دوسرے یہ کہ قرآنِ کریم کا صحیح تلفظ کرو، اس کے الفاظ صحیح ادا کرو، سیکھو اور سیکھ کر ادا کرو، عجمی زبانوں میں قرآن نہ پڑھو۔

اور تیسری بات یہ کہ اگر تم غور کروگے، سوچ کر پڑھوگے تو قرآنِ کریم کے آدھے الفاظ تو تمہیں خود سمجھ میں آنے لگیں گے۔

مدینہ طیبہ میں اَقدامِ عالیہ میں ایک صاحب قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا تھا، وہ تھا تو داڑھی منڈا مگر وہ قرآنِ کریم پڑھتا ہی رہتا تھا، پڑھتا ہی رہتا تھا، اس سے جب بات چیت ہوئی تو کہنے لگا میں حیدرآباد دکن کا ہوں، میں نے کہا تم نے داڑھی کیوں نہیں رکھی؟ کہنے لگا کہ یہ میری کمزوری ہے، اس نے کہا: تلاوت کرتے کرتے قرآنِ کریم مجھے سمجھ میں آنے لگا ہے، اس کا مطلب سمجھ میں آنے لگا ہے، قرآنِ کریم کا یہ اعجاز ہے کہ تلاوت کی برکت سے اس سے شناسائی ہوجاتی ہے، سمجھ میں آنے لگتا ہے، اسی طرح بھائی! اگر تم بھی سیکھ سیکھ کر تلاوت کروگے تو تمہیں بھی قرآنِ کریم سے مناسبت ہوجائے گی اور قرآنِ کریم خود تم سے پیار کرنے لگے گا۔

اور پھر تلاوت کرتے وقت یہ دو چیزیں سوچنے کی ہیں، ایک تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہوں، یہ ابتدائی درجہ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ اُونچا مقام عطا فرمادیں تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہوں، جیسے کہ جبلِ طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام سن رہے تھے، میں اللہ کا کلام سن رہا ہوں، متکلم وہ ہیں، یہ میری زبان اسپیکر ہے، اس طرح جم کر تلاوت کرو، تو اِن شاء اللہ اسی طرح قرآنِ کریم کی تلاوت کے انوار اور برکات تمہیں نصیب ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

آگے فرماتے ہیں جب قرآنِ کریم تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، خوب متوجّہ ہوجاؤ، اپنے کانوں کی ساری کھڑکیاں کھول دو اور خاموش رہو، جس محفل میں قرآنِ کریم پڑھا جائے اس کے لئے دو چیزوں کی شرط ہے، ایک یہ کہ جتنے حاضرین ہیں وہ سب کے سب پوری طرح قرآنِ کریم کی طرف

کان لگائیں جیسے کسی دور کی آواز کو متوجّہ ہو کر سنتے ہیں، اور اسی طرح کبھی کبھی دور کی آواز سننے کے لئے کانوں پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں، اس کو عربی میں اِستماع کہتے ہیں، کان دھرنا، سننا نہیں بلکہ پوری طرح متوجّہ ہو جانا اور اس کے لئے خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ قرآنِ کریم کی آیت کا اقتباس ہے، قرآنِ کریم کی آیت کا ٹکڑا ہے، اور اسی آیت سے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں ہے، مکروہِ تحریمی ہے، اس لئے کہ امام قراءت کر رہا ہے، تمہارے سامنے پڑھ رہا ہے، اس کو سنو، اس کی طرف کان لگاؤ، صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا: "وَأَنۡصِتُوۡا" خاموش بھی رہو، سنتا ہے یا نہیں سنتا، آواز تم تک پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی، تمہارا فرض ہے کہ اس کی طرف کان لگا کے رہو، اور دوسرا فرض یہ ہے کہ خاموش رہو اور خاموش رہنا خود پڑھنے کے منافی ہے، جب خاموش رہنے کا حکم دیا تو پڑھنے کی ممانعت ہو گئی۔

حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں اور حافظ ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی" میں اور یہ دونوں حنبلی بزرگ ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں، دونوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ قرآنِ کریم کی آیت نماز اور خطبے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، عام طور پر آدمی پڑھتا ہو تو پڑھنے والے کے ذمہ واجب نہیں ہے کہ وہ دوسروں کا سنے بلکہ وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو، قرآنِ کریم دوسروں کے سامنے اونچی آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ہے نماز اور خطبے کے بارے میں، جب نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی جائے تو مکمل سناٹا ہونا چاہئے اور پوری طرح لوگ قرآنِ کریم کی طرف متوجہ ہوں تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اسی طرح خطبے کے اندر قرآنِ کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو پورے خطبے کا بھی یہی حکم ہے، حتیٰ کہ جب خطیب یہ کہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾﴾ (الاحزاب)

ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت درود شریف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، جب خطبہ ہو رہا ہو اور درود شریف پڑھنا ہو تو دل میں پڑھو، نماز میں اور خطبے میں مکمل طور پر خاموشی کا اور قرآنِ کریم کی اِستماع کا یعنی کان دھرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی لئے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، مکروہِ تحریمی ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، لمبا قصہ ہے، اس قصے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ہمیں نماز کا طریقہ بتایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِذَا کَبَّرَ الۡاِمَامُ فَکَبِّرُوۡا، وَاِذَا قَالَ: "غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ"

فَقُوْلُوْا: ”آمِیْن“ یُحْبِبْکُمُ اللہُ، فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا، فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ...... وَاِذَا قَالَ: ”سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ“ فَقُوْلُوْا: ”رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ“...... وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔“ (مسلم ج:۱ ص:۱۷۴)

ترجمہ: ”جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب امام: ”غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ“ کہے تو تم: آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، جب امام تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو (پہلے نہیں کرو) اس لئے کہ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے، اور جب امام ”سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ“ کہے تو تم: ”رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ“ کہو اور جب امام سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔“

یہ تو کہیں نہیں فرمایا کہ جب سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو، نماز کا پورا طریقہ اوّل سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ بلکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث میں سلیمان کی روایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: ”وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا“ (مسلم ج:۱ ص:۱۷۴) اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش ہوجاؤ۔ جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب قراءت کرے خاموش ہوجاؤ اور جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو آمین کہو، سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش مقتدی کے لئے کہاں رہی؟

قرآنِ کریم پر اجرت لینے کا حکم

[حدیث:۸۰۹] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا، اِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللہِ۔“

(رواہ البخاری: کتاب الطب، بَابُ الشَّرْطِ فِي الرُّقْيَةِ، حدیث:۵۲۹۶)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں پر تم مزدوری لیتے ہو، ان میں قرآن پاک پر مزدوری لینا سب سے زیادہ لائق تر ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا جن چیزوں پر تم اُجرت لو، سب سے زیادہ اُجرت لینے کی مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ صحابہ کا ایک وفد سفر میں تھا، اللہ کے راستے میں، ان کے پاس توشہ ختم ہوگیا تھا تو وہاں بستی والوں سے کہا کہ: ہماری ضیافت کرو، عربوں کے یہاں چونکہ سخاوت بہت تھی اس لئے کھانا کھلانا ان کی طبیعت ثانیہ تھی اور یہ کہنا کہ کھانا کھلاؤ یہ بھی ان کے یہاں کوئی عار کی بات نہ تھی، بلکہ مکارم

اخلاق میں شمار ہوتا تھا۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا تھا اور میں نے خود اپنی ذات پر اس کا تجربہ کیا کہ بخیل وہ نہیں جو اپنے یہاں کسی کو نہ کھلائے، بخیل وہ ہے جو کسی کے یہاں کھا نہ سکے، بخل کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ بخیل آدمی کسی دوسرے کے یہاں کھاتا نہیں، کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ اگر کھائے گا تو کھلانا بھی پڑے گا اور تو یہ مسکین اپنے مال میں تو بخل کرتا تھا، دوسرے کے مال میں بھی بخل کرتا ہے، دوسرے کا کھا کر بھی راضی نہیں ہے۔

عربوں کے یہاں بے تکلفی تھی، بخل نہیں تھا، اس لئے اگر ضرورت ہوتی تو کہہ بھی دیا کرتے کہ بھائی! کھانا کھلاؤ، ہم مسافر ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصے میں ذکر کیا گیا ہے:

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا﴾ (الکہف:۷۷)

ترجمہ: ”جب دونوں حضرات چلتے چلتے ایک بستی پر پہنچے تو ان سے کھانا طلب کیا، پس انہوں نے کھلانے سے انکار کر دیا۔“

ایسے بھی بخیل ہوتے ہیں، پوری بھری بستی اور آبادی میں نبی اور اس کے ساتھی کو کوئی کھانا کھلانے والا نہیں۔ تو یہی ان صحابہ کے ساتھ ہوا، بستی میں گئے ان سے کہا: کچھ کھلاؤ پلاؤ، انہوں نے کہا: کچھ نہیں ہے، کھلانے کے لئے۔ خیر! انہوں نے بستی کے قریب ہی ڈیرہ لگا لیا، شام ہو گئی تھی، ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی: تم میں کوئی شخص دَم دُرود، جھاڑ پھونک جانتا ہے؟ ایک صحابی کہنے لگے کہ: مجھے آتا ہے! کہنے لگی! ہمارے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے، اس کا دَم آتا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے آتا ہے، وہ چلے گئے، وہ کہنے لگے: ہم نے تم سے مہمانی مانگی لیکن تم لوگوں نے ہماری مہمانی نہیں کی، مفت میں دَم نہیں کروں گا، دَم تو مجھے آتا ہے، مگر میں کروں گا نہیں، اس کی اُجرت تیس بکریاں ہیں، چونکہ وہ مر رہا تھا اس لئے انہوں نے کہا کرو، وہ صحابہ پڑھ پڑھ کر لعاب لگاتے رہے یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو گیا، تیس بکریاں ہنکائیں اور لے کر آ گئے، ان کے ساتھیوں نے پوچھا: تم نے کیا پڑھا؟ فرمانے لگے: میں نے تو کچھ نہیں پڑھا، وہ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے، میں سورۃ فاتحہ پڑھتا رہا اور دَم کرتا رہا، اللہ نے اپنی رحمت سے شفا دی، ورنہ دَم پڑھنا مجھے کہاں آتا ہے؟ ساتھی کہنے لگے: تم نے قرآن کی اُجرت لی ہے، بعض کہنے لگے: تم نے ٹھیک کیا، ہم اللہ اور رسول کے مہمان ہیں، اللہ کے راستے میں ہیں، دوسروں نے کہا: یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ تو اللہ کی کتاب کو بیچنا ہوا۔ فیصلہ ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قصہ عرض کیا جائے، جیسے حضور ارشاد فرمائیں اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ حاضر خدمت ہوئے قصہ عرض کیا تو ان صحابی سے آپ نے دریافت کیا: تمہیں کس نے بتا دیا تھا کہ سورۃ فاتحہ میں شفا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ نے، اس کے بعد فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، اس میں ہمارا بھی حصہ لگاؤ، اور اس موقع پر فرمایا کہ:

بے شک جس چیز پر تم اُجرت لو ان میں سب سے زیادہ اللہ کی کتاب اس کی مستحق ہے۔

مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر قرآن پاک کا پڑھنا، اس کی تلاوت محض رضائے الٰہی کے لئے ہے اور کوئی مقصود نہیں ہے تو اس کی اُجرت لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت کی اُجرت لینا جائز نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے لئے جو تلاوت کروائی جاتی ہے، میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جو قرآن پڑھوایا جاتا ہے جس کو ''قرآن خوانی'' کہا جاتا ہے، یہ قرآن خوانی چونکہ ثواب کی غرض سے ہوتی ہے اور میت کو ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی اُجرت لینا بھی جائز نہیں، قرآن خوانی کرکے آپ چاہیں کہ اُجرت لیں تو قرآن خوانی کا ثواب باطل، نہ پڑھنے والوں کو ملا، نہ میت کو ملا۔ میاں جی کا کام بن گیا کہ اس کی روٹی چل گئی، اب یہ میاں جی کی روٹی حلال ہے یا حرام؟ یہ الگ بحث ہے، لیکن بہرحال اتنا اطمینان رکھو کہ اُجرت لے کر جو قرآن پڑھا جائے گا اس کا ثواب نہیں۔ نہ مردے کو ملا، نہ کسی اور کو۔ ایک صاحب کہنے لگے: یہ فاتحہ کے ثواب کے قائل نہیں ہیں، یہ وہابی ہیں، مرگیا مردود نہ فاتحہ نہ دُرود! اس کے مقابلے میں کسی ظریف نے کہا:

''مرگیا مردود، از فاتحہ چہ سود؟''

مردود تو مرگیا، اب فاتحہ سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ پہلے ایمان تو ہو، فاتحہ تو جب فائدہ کرے گی اور فاتحہ بھی ڈھنگ سے پڑھو، مولوی جی نے تو فاتحہ پڑھی، روٹی کھائی، پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور چلا گیا، تمہیں کیا ملا؟ وہ جو اُجرت لے کر جا رہا ہے اسی سے پوچھ لو کہ جس فاتحہ کی اُجرت لے لی جائے اس کا ثواب ملتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جو قرآنِ کریم کا پڑھنا اللہ کی رضا کے لئے ہو اس کی اُجرت نہیں لی جاسکتی، اگر اُجرت لے لی تو ثواب نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی جگہ برکت کے لئے پڑھنا، جیسے نئی دُکان کھلی ہے، اس میں لوگ برکت کے واسطے قرآنِ کریم پڑھواتے ہیں، تو جو قرآن دُکان یا کارخانے کے افتتاح کے وقت پڑھوایا جاتا ہے تو اس کی اُجرت لینا جائز ہے کیونکہ یہ ثواب کے لئے نہیں برکت کے لئے ہے۔

اور اسی طرح جو قرآنِ کریم بطور علاج کے پڑھا جائے اس کی اُجرت لینا بھی جائز ہے، اور یہیں سے حکم معلوم ہوگیا ہے تعویذ گنڈوں کا، اگر کسی کو تعویذ گنڈا دیا بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز کلمات نہیں تھے تو اس کی اُجرت لینا جائز ہے، لیکن میرے اکابر کا یہ ذوق رہا ہے کہ ان تعویذ گنڈوں سے آدمی کا دین بالکل برباد ہوجاتا ہے، اس لئے میں بھی اس فن سے واقف نہیں ہوں اور اگر کوئی اِصرار کرتا ہے تو لکھ بھی دیتا ہوں، کوئی بات مناسب سمجھ میں آئی تو لکھ دیتا ہوں، چلو اس کا بیڑا پار، لیکن مجھے آتا نہیں ہے لکھنا، صاف جواب دے دیتا ہوں کہ لکھنا نہیں آتا۔

تو تعویذ گنڈوں کی اُجرت لینا جائز ہے، اس لئے یہ کوئی کارِ ثواب نہیں، یہ تو علاج ہے، اور یہی

مطلب ہے اس حدیث شریف کا کہ جہاں تم اور چیزوں پر اُجرت بھی لے سکتے ہو۔ اور یہاں بھی جہاں پھونک کے طور پر پڑھا تو اس کی اُجرت بھی لے سکتے ہو۔ اور یہاں میں ایک اور بات بھی کہہ دوں، لوگ کہتے ہیں کہ جسمانی علاج بھی کروایا، رُوحانی علاج بھی کروایا، تعویذ گنڈوں کو ''روحانی علاج'' کہتے ہیں، لاحول ولا قوۃ! مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل سے ناواقف ہے اس کے نزدیک حجاج جیسا خونی آدمی عادل ہوگا، جس کو عدل فاروقی کا علم نہیں وہ حجاج کو عادل کہے گا۔

ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ ''روحانی علاج'' کیا ہوتا ہے؟ وہ بے چارے تعویذ گنڈوں کو روحانی علاج کہتے ہیں، اس کا کوئی تعلق روحانی علاج سے نہیں، چاہے کالا علم ہو یا پیلا ہو، یہ عملیات کا چکر ہے اس کو روحانی علاج نہیں کہتے، اس کا روحانی علاج سے کوئی تعلق نہیں، یہ عوام کی غلط اصطلاح ہے۔ روحانی علاج کہا جاتا ہے روح کے امراض کا علاج۔ تکبر، بخل، کینہ، حسد اور یہ جو دل کے امراض ہیں ان کا علاج ''روحانی علاج'' کہلاتا ہے، بدن کا علاج یا ان کی مادّیات کا یہ روحانی علاج نہیں اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ تعویذ گنڈا اور جھاڑ پھونک جائز ہے، سر پھروں کا ایک گروہ یہاں پیدا ہوا ہے (اشارہ جماعت المسلمین کی طرف ہے) وہ پکا سا فتویٰ دیتے ہیں کہ تعویذ گنڈا شرک ہے، پمفلٹ چھاپے ہوئے ہیں، اور یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے، جس کا واقعہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں۔

سورۂ اِخلاص کی فضیلت

[حدیث: ۸۱۰] ''عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، إِنَّ اللهَ تَعَالىٰ جَزَّأَ الْقُرْاٰنَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ وَّ جَعَلَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ جُزْأً مِّنْ أَجْزَاءِ الْقُرْاٰنِ۔'' (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، بَاب فَضْلِ قِرَاءَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، حدیث: ۱۳۴۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تین حصے کئے، سو قل ھو اللہ احد کو قرآن کریم کے تین حصوں میں سے ایک حصہ ٹھہرایا۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تین حصے کئے ہیں، ایک حصہ ''قل ھو اللہ احد'' ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت، اللہ کی صفات اور تیسری قسم ہے قصص یا احکام، تو قل ھو اللہ احد قرآن کریم کا ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کامل ترین بیان ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کافروں نے کہا: **''اُنْسِبْ لَنَا رَبَّکَ''** اور ایک روایت میں ہے کہ: **''صِفْ لَنَا رَبَّكَ''** (ترمذی) مشرکین نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے رب کا نسب بیان کرو، یا اس کی صفت بیان کرو، اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

وہ جس کی تم بات کررہے ہو، وہ یکتا ہے، واحد کا معنی ہے ایک، احد کا معنی ہے یکتا، کہ نہ اس کے ساتھ کوئی اور ہے اور نہ وہ کسی اور کے ساتھ ہے، ایک دو، نہ تین چار پانچ، گنتی ایک سے شروع ہوتی ہے، اس سے پہلے صفر ہوتا ہے، عدد شروع ہوتا ہے ایک سے، کسی صاحب نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ ساری مخلوق کو تو پیدا کیا اللہ نے، اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پوچھا کہ گنتی کہاں سے شروع کرتے ہو؟ کہا: ایک، دو، تین، چار۔ پوچھا: دس کس کو کہتے ہو؟ کہا: جس میں دو اکائیاں ہوتی ہیں، اور تین وہ جس میں تین اکائیاں ہوتی ہیں، تمام کے تمام عدد پیدا ہوئے ایک سے اور ایک سے پہلے کیا تھا تو کہا: کچھ نہیں! تو فرمایا: جب تمہارے ایک سے پہلے کچھ نہیں تو کائنات کے ایک سے پہلے کون ہوگا؟ ایک سے پہلے کچھ نہیں صفر ہے بس! تم کسی کا حوالہ نہیں دے سکتے کہ ایک فلاں سے پیدا ہوا ہے تمام اعداد منتہی ہوجاتے ہیں ایک پر اور تمام کائنات کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے احد پر، وہ یکتا ہے، اکیلا ہے، ''قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد'' وہ بے نیاز ہے، ہم ترجمہ کرتے ہیں اللہ بے نیاز ہے۔ بنتی نہیں بات۔

امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے ساتھ جیل میں ایک پنڈت تھا، وہ مجھ سے قرآن پڑھا کرتا تھا، اور میرے پاس ترجمہ تھا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا، میں نے اس کو پڑھایا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا تھا: ''اللہ نرادھار ہے'' میں نے کہا کہ: ''یہ نرادھار'' کیا ہوتا ہے؟ یہ ہندی زبان کا لفظ ہے، کہنے لگا، ہندی میں ''نرادھار'' اس کو کہتے ہیں کہ جس کے سب محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ اب یہ مکمل ترجمہ ہے، بے نیاز مکمل ترجمہ نہیں، بے نیاز کا مطلب ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں، لیکن ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ سب کو اس کی ضرورت ہے، بے نیاز میں ''صمد'' کا آدھا ترجمہ ہے آدھا نہیں، ہماری زبان میں اس کے لئے کوئی مناسب لفظ ہی نہیں، اُردو کا دامن تنگ ہے اس مفہوم کو ادا کرنے سے، ہم اس کا مفہوم ایک فقرے میں تو اَدا کرسکتے ہیں لیکن ایک لفظ میں ادا نہیں کرسکتے، عربی میں ''صمد'' اس کو کہتے ہیں: ''الَّذِيْ يُصْمَدُ الْحَوَائِجُ كُلُّهَا إِلَيْهِ'' صمد وہ ہے کہ پیش کی جاتی ہیں تمام حاجتیں اس کی بارگاہ میں، آسمان والے ہوں یا زمین والے، نیک ہوں یا بد ہوں، پہلے ہوں یا پچھلے ہوں، مرد ہوں یا عورتیں، سب کے سب اپنی تمام حاجات میں اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں، کسی کا بھی محتاج نہیں، تمہاری نیکیوں کا بھی محتاج نہیں، تمہاری طاعت و عبادات کا بھی محتاج نہیں، نبیوں اور رسولوں کا بھی محتاج نہیں، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرتے ہیں ''محبوبِ ربّ العالمین'' بے شک کوئی شک نہیں، لیکن لوگ تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ایک عاشق نامراد ہیں، والہانہ محبت رکھتے ہیں اور آپ پر عاشق ہیں، لاحول ولاقوۃ!

اللہ صمد ہے، نرادھار ہے، کسی کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں، ''لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ'' ہے،

اس نے کوئی نہیں جنا اور نہ کسی سے پیدا ہوا، "ولم یکن له کفوا احد" اس کی ٹکر کا کوئی نہیں، "کفو" کہتے ہیں برابر کا، لڑکے اور لڑکی کا رشتہ کرتے ہیں، تو فقہ میں مسئلہ ہے کفو کا کہ لڑکا اور لڑکی میں برابری ہونی چاہئے۔

قوموں کا عروج وزوال قرآن سے

[حدیث: ۸۱۱] "عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، إِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْکِتَابِ أَقْوَاماً وَّیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ۔"

(رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، بَاب فَضْلِ مَنْ یَقُومُ بِالْقُرْآنِ، حدیث: ۱۳۵۳)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بلند کردیں گے اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو، اور نیچا کردیں گے بہت سی قوموں کو۔"

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو اُونچا کریں گے اور بہت سے لوگوں کو گرادیں گے، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اسلام کی پوری تاریخ اسی سے عبارت ہے، آپ حضرات نے مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہوگا، امام الاولیاء بھی کہتے ہیں، شیخ التفسیر بھی کہتے ہیں، ایک سکھ خاندان کی اولاد تھے، کتنا اُونچا کردیا اللہ تعالیٰ نے! جس دن ان کا جنازہ اُٹھایا گیا خدام الدین سے اور میانی کے قبرستان میں دفن ہوئے، وہاں سے لے کر دونوں راستوں پر عورتیں اور بچے کھڑے پھول بکھیر رہے تھے، جہاں جہاں سے جنازہ گزر رہا تھا، "عاشق کا جنازہ" ہے، ذرا دُھوم سے نکلے!" اس کلام پاک نے کتنا اُونچا کردیا؟ اور بہت سے لوگوں کو نیچے کردیں گے، قریش کے بڑے بڑے لوگ، اُونچے خاندانی لیکن اس قرآن سے ان کا رشتہ کٹ گیا، گمنامی کا کفن ان کو پہنادیا گیا، اور زمانے کی کروٹوں میں آکر کچلے گئے۔ اور جن کے نام تاریخ میں نگینوں کی طرح چمک رہے ہیں یہ ان کی خاندانی وجاہت کی وجہ سے نہیں بلکہ قرآن پاک سے تعلق کی وجہ سے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک عجمی ہیں، لیکن تم نے دیکھا کہ دوتہائی اُمت کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اقتداء میں جمع کیا:

یہ رُتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں!

یہ اس کتاب سے تعلق کی برکت تھی اور بہت سے بڑے بڑے اکابر ہوئے ہیں لیکن ان کی اولاد نے اس کتاب سے اپنا تعلق ختم کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو گوشہ گمنامی میں ڈال دیا، گرادیا، اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے! میں نے کہا کہ اسلام کی پوری تاریخ اس حدیث کا نمونہ ہے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نبوت ہے۔

قرآنِ کریم کا ادب کرو

[حدیث:۸۱۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَإِنِّی لَا اٰمَنُ أَنْ یَّنَالَهُ الْعَدُوُّ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الامارۃ، بَابُ النَّھْیِ أَنْ یُسَافَرَ، حدیث:۳۴۷۶)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم کو لے کر سفر میں نہ جایا کرو، کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ دُشمن اس کو پائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ لڑائی کے موقع پر جب دُشمن سے جہاد کے لئے جانا ہو تو قرآن کریم ساتھ نہ لے کر جایا کرو، دُشمن کے ملک میں قرآن کریم نہ لے کر جاؤ، ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ وہ غالب آجائیں اور قرآن کریم کی بے حرمتی کریں، اور اگر اس کا اطمینان ہو کہ مسلمان ان شاء اللہ مغلوب نہیں ہوں گے تو جہاد میں قرآن کریم کا نسخہ ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اندیشے کی بناء پر کہ کفار ناہنجار قرآن کریم کی بے ادبی نہ کریں یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شعائر اللہ کی تعظیم اور ادب کرنا ایمان کی علامت ہے، اور قرآن میں یہ بات ہے:

﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَإِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۝۳۲﴾ (الحج)

ترجمہ: ”جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔“

”شعائر“ ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی علامت ہیں، بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے: نبی، قرآن اور کعبہ یہ تین چیزیں اُمہات الشعائر ہیں، یعنی شعائر اللہ میں سب سے اُونچی اور باقی سب اس کی فروع اور شاخیں؛ تو قرآن کریم کی تعظیم کرنی چاہئے، اس کی بے ادبی نہ کی جائے، اسی طرح قبلہ شریف کی تعظیم کی جائے اس کی بے ادبی نہ کی جائے، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی غلط کام کا ذریعہ بننا بھی صحیح نہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے: ملعون ہے وہ شخص جو اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ماں باپ کو کون گالی دے گا؟ فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، کنز العمال) تو یہ گالی دلانے کا سبب بنا، یہ اس کے ماں باپ کو برا بھلا نہ کہتا تو وہ اس کے ماں باپ کو نہ کہتا۔ دوسرے کی ماں بہن کو کچھ کہو گے وہ تمہاری ماں بہن کو کچھ کہے گا، تو یہ ذریعہ بنا، یہ بھی بدترین گناہ کی بات ہے، معلوم ہوا کہ کسی برائی کا ذریعہ بننا بھی صحیح نہیں۔

قرآنِ کریم کے متشابہات کا حکم

[حدیث:۸۱۳] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا، إِذَا رَأَیْتَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْکَ فَأُولٰئِکَ الَّذِیْنَ سَمَّی اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔“

(رواہ مسلم: کتاب العلم، بَاب النَّهْيِ عَنْ اتِّبَاعِ مُتَشَابِهِ الْقُرْآنِ، حدیث:۴۸۱۷)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو پیچھے پڑتے ہیں قرآن کی متشابہ آیتوں کے تو یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، ان سے بچو۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط﴾ (آل عمران:۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جنہوں نے آپ پر کتاب قرآن پاک نازل کی، اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ آیتیں ہیں ملتی جلتی۔“

تو اس آیت شریفہ میں یہ فرمایا کہ قرآن پاک کی آیتیں دو قسم کی ہیں، محکمات اور متشابہات، محکمات کا مطلب ہے کہ ان کا مضمون اور معنی بالکل کھلا ہوا اور واضح ہے، اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی پیچیدگی اور اُلجھن نہیں ہوتی، جیسے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط﴾ (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بالغ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔“

اب اس مضمون کے سمجھنے میں کوئی اُلجھن نہیں ہے، چنانچہ پوری کی پوری اُمت اس پر اجماع اور اتفاق رکھتی ہے بلا کسی جھگڑے اور بغیر کسی نزاع اور اختلاف کے کہ خاتم النّبیین کا معنی ہے آخری نبی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد بھی فرمادیا:

”سَیَکُوْنُ مِنْ ثَلَاثِیْنَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ“ (کذا فی مسند احمد بن حنبل و کشف الاسرار للعجلونی)

ترجمہ: ”میری اُمت میں تیس جھوٹے دجال فریبی پیدا ہوں گے یا تیس کے قریب،

ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا قرآن کریم کی ایک سو کے قریب آیتوں سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ کی تقریباً دوسو احادیث سے ثابت ہے، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک اُمّت کا ایک ایک فرد اس پر عقیدہ اور ایمان رکھتا ہے، تو یہ مضمون بالکل واضح ہے۔

اور دوسری قسم کی آیتیں بھی ہیں جن کے مضمون کے سمجھنے میں کچھ پیچیدگی آسکتی ہے، اس میں کئی احتمال ہیں، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں نازل فرمائی ہیں محکم اور متشابہات۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (آل عمران:۷)

ترجمہ: ''لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے کجی ہے، وہ ان آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جن کی مراد مشتبہ ہے، لوگوں میں فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور اس کی قطعی مراد معلوم کرنے کے لئے۔''

یہ آیت شریفہ نجران کے عیسائیوں کے ردّ میں نازل ہوئی تھی، ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا کبھی کہتے کہ مسیح، اللہ کا بیٹا ہے، کبھی کہتے کہ تین میں سے ایک ہے، اور کبھی کہتے تھے کہ عین خدا ہے۔ بیٹا ہونے پر دلیل یہ دیتے تھے کہ کوئی اولاد بغیر باپ کے نہیں ہوتی، مسیح کا کوئی باپ نہیں تھا لہٰذا اس کا باپ اللہ ہے، اس کا جواب قرآنِ کریم ہی میں دے دیا ہے:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۵۹﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، ان کو مٹی سے پیدا کیا، فرمایا کہ: بن جا! پس وہ بن گئے۔ جیتے جاگتے انسان بن گئے۔''

ان کا یعنی آدم علیہ السلام کا نہ باپ ہے نہ ماں، اور ان سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا کیا، ان کی ماں نہیں تھی، تو اگر کسی شخص کے باپ نہ ہونے سے یہ دلیل پکڑی جاسکتی ہے کہ اس کا باپ خدا ہے تو پھر تو آدم میں بھی یہ جاری ہوتی، عیسائی نعوذ باللہ یہ بھی تسلیم کریں کہ حضرت آدم کا باپ بھی خدا ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہیں، اس لئے کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ کہا گیا ہے: ''اردنا''، ''فعلنا'' ہم ارادہ کرتے ہیں، اور ''ہم'' کا لفظ ایک جماعت پر بولا جاتا ہے اکیلے

آدمی پر نہیں بولا جاتا، اگر خدا تین نہ ہوتے تو ''ہم'' کا لفظ کیوں بولتے ہیں؟ حالانکہ یہ موٹی سے بات ہے کہ ایک متکلم فرد واحد ہے، سامنے بیٹھا ہوا ہے لیکن ''ہم'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، بادشاہ کہتا ہے: ''ہم حکم دیتے ہیں'' ، انگریزوں کی طرح ''میں حکم دیتا ہوں'' نہیں کہتے، حاکم یا بادشاہ ''میں حکم دیتا ہوں'' نہیں کہتے، بلکہ ''ہم حکم دیتے ہیں'' اور ''ہم'' کا لفظ بولنا جمع کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کا صیغہ ہے، تو یہ بالکل ہی معمولی سا شبہ تھا۔

یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خدا ہیں، اس کے لئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ''روح اللہ'' کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاس فرشتے بھیجے اور ان فرشتوں نے کہا: اے مریم! ہم آپ کو بشارت دیتے ہیں ﴿بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ﴾ ایک اللہ کے کلمے اور اس کی جانب سے آنے والی روح کی۔ تو ان کا لقب ہے ''روح اللہ'' (اللہ کی روح) معلوم ہوا کہ عیسیٰ میں اللہ کی روح تھی تو وہ اللہ ہوئے۔

حالانکہ قرآن کریم میں: ''ناقة الله'' کا لفظ بھی آیا ہے، اللہ کی اُونٹنی، کوئی یہ ترجمہ نہیں کرتا کہ نعوذ باللہ! اللہ اس پر سوار ہوتا ہے، یہ اللہ کی سواری کا کام دیتی ہے، بلکہ مراد تعظیم ہے کہ خاص اللہ کی قدرت سے پیدا ہونے والی اُونٹنی، کعبہ شریف کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے، مسجد کو بھی اللہ کا گھر کہتے ہیں، کیا مسجدوں میں اللہ رہتا ہے؟ نہیں! بلکہ تعظیم کے طور پر ان کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ کی تجلیات وہاں ہیں۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ کو جو ''روح اللہ'' کہا گیا اس سے مراد ہے اللہ کی جانب سے آنے والی روح، اللہ کی روح نہیں، اگر نعوذ باللہ، نعوذ باللہ! یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب ہے ایک اس کا دھڑ ہے اور ایک اس کی روح ہے، ''روح اللہ'' کا معنی ہے اللہ کی جانب سے آنے والی روح یعنی وہ جو بغیر ظاہری اسباب کے پیدا کی گئی، ماں کے پیٹ میں جس عادت کے طریقے سے بچہ آتا ہے اس طریقے سے نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ اور اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے، یہ مطلب ہے ''روح اللہ'' کا۔

تو ان عیسائیوں نے ایسے لیچڑ شبہات کئے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کی آیتوں سے استدلال کرنا اس طرح درست نہیں، سیدھی محکم بات ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے: ''اِنِّیْ عَبْدُ اللهِ'' میں اللہ کا بندہ ہوں، یہ بات محکم ہے، اس کو تو چھوڑ دینا اور اس قسم کے واہی تباہی شبہات لے کر استدلال کرنا یہ دل کے کج اور ٹیڑھا ہونے کی دلیل ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ لوگ ایک محکم اور پکی بات قطعی اور دوٹوک بات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کے پیچھے پڑتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ ان کے دلوں میں کجی ہے، ٹیڑھا پن ہے، ''فَاحْذَرُوْهُمْ'' ان سے بچو، نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کی بات سنو۔

اسلامی عقائد بالکل ٹھوس، دو اور دو چار کی طرح قطعی اور یقینی ہیں، لوگ ان کو چھوڑتے ہیں اور نئے

نئے شبہات پیدا کرتے ہیں، خاص طور پر قادیانی، مرزائی یہ کام کرتے ہیں، اور منکرین حدیث اور اس قسم کے اور بھی جتنے گمراہ لوگ ہیں وہ عوام کو، بھولے بھالے لوگ جن کو دین کے اُصول وفروع کو پتا نہیں، جنہوں نے کبھی آکر دین کی بات کو سمجھا ہی نہیں اور کبھی ان کو دین داروں کے پاس بیٹھنا نصیب نہ ہوا، کبھی انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ نہیں سنا، آنحضرت ﷺ کے پاک ارشادات انہوں نے نہیں سنے، اور حد یہ کہ کلمہ تک نہیں آتا، نماز نہ آتی ہے نہ پڑھتے ہیں، یہ مرزائی اور دوسرے تیسرے لوگ اس قسم کے لوگوں کو پکڑتے ہیں کہتے ہیں کہ: دیکھو! مولویوں نے فساد مچا رکھا ہے، کبھی کچھ کبھی کچھ، کہتے ہیں کہ: دیکھو! دُنیا ترقی کرتے کرتے آسمان تک پہنچ گئی، چاند پر پہنچ گئی، سائنس نے اتنی ترقی کرلی، اور یہ ابھی دقیانوسی خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ اگر آسمان پر بیٹھے ہیں تو یہ بات ناجائز اور اگر عیسیٰ کے گمراہ اُمتی چاند پر چلے جائیں تو اس پر ایمان، کیسی بے وقوفی کی بات ہے۔

حضور اقدس ﷺ معراج پر تشریف لے جائیں تو عقل میں نہیں آئے گی، اور سائنس دانوں کے کیمرے اگر سورج کی تصویریں لے لیں تو یہ بات عقل میں آجاتی ہے، تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ دیکھو جی! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ﴿يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ﴾ (آل عمران:۵۵) اے عیسیٰ! میں تجھے وفات دینے والا ہوں، کس کا نام لکھا ہوا ہے؟ اور آگے لکھا ہوا ہے ''متوفی'' اس کا مطلب ہے مرگیا۔

ایک مرزائی تقریر کر رہا تھا، کہنے لگا کہ: مولوی صاحب تو ''متوفی'' کا معنی نہیں بتاتے چلو پٹواری صاحب سے پوچھ لیں۔ سبحان اللہ! مولوی صاحب کو نہیں معلوم کہ ''متوفی'' کیا ہوتا ہے پٹواری بتائے گا۔ حالانکہ یہ لفظ ''متوفی'' ہوتا ہی نہیں، پٹواری بھی غلط پڑھتا ہے اور وہ مرزائی بھی غلط پڑھ رہا ہے، وہ لفظ ''متوفی'' نہیں بلکہ ''متوفٰی'' ہوتا ہے، وہ جو لکھا ہوتا ہے ''متوفی'' اور آگے سن لکھا ہوتا ہے وہ اصل میں ''متوفی'' ہے ہی نہیں، وہ لفظ ''متوفّٰی'' ہے، لیکن وہ کیا جانے کیا صیغہ ہے' کیا لفظ ہے...!

برطانیہ میں میرے ایک دوست ایک قادیانی کو پکڑ کر لائے، وہ ان کا بڑا مبلغ تھا، تو قادیانیوں سے اگر صرف مرزا کی بات کریں تو ایک منٹ میں چت ہو جاتے ہیں، اس لئے وہ اس پر بات ہی نہیں کرتے بلکہ نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بات کرتے ہیں اور اس میں تاویلات شروع کر دیتے ہیں کہ یہ مطلب ہے، یہ مطلب ہے، اس نے بھی یہی آیت پڑھی کہ: ﴿يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ﴾ میں نے کہا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمائی تھی کہ ''يٰعِيْسٰٓى'' اے عیسیٰ! ''اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ'' میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں، میں متوفی کا ترجمہ وفات ہی کرتا ہوں اور سب چھوڑتا ہوں کیونکہ تم اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ متوفی کا اصل معنی کیا ہے عربی زبان میں، مگر میں تمہیں پھنساتا نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ عیسیٰ کو جب یہ بات فرمائی تھی تو وہ زندہ تھے یا مرگئے تھے؟

مرے ہوئے کو کہا تھا یا زندہ کو کہا تھا؟ میں تجھے وفات دینے والا ہوں، کہا: زندہ تھے! میں نے کہا کہ: اس آیت سے تو حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت نہیں ہوتی بلکہ زندگی ثابت ہوئی، جب کسی کو یہ کہا جائے کہ میں تجھے وفات دینے والا ہوں تو یہ زندے کو کہا جائے گا مردے کو نہیں، تو اس آیت سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوا کہ اس وقت حضرت عیسیٰ زندہ تھے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، اب پورے قرآن میں ایک آیت بتا دو، جس میں یہ فرمایا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو مار دیا، سورۂ مائدہ میں ہے: ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ جب تو نے مجھے وفات دے دی، اور یہ قصہ قیامت کا ہے، ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۱۹) یہ بات قیامت کے دن کی ہے اور اس دن حضرت عیسیٰ مر کے اُٹھیں گے، اس پر میرا بھی ایمان، تمہارا بھی ایمان ہے، لہٰذا یہ آیت خارج، اس آیت کے علاوہ تم یہ بتاؤ کہ اس دُنیا میں حضرت عیسیٰ کی وفات ہو چکی ہے اس پر کون سی آیت ہے؟ پٹواری سے متوفی کا معنی پوچھتے ہو، مجھ سے بات کرو! یہ متوفی کا معنی پٹواری سے پوچھنے والے یہ گمراہ کرتے ہیں، کہنے لگا: میرا ایمان ہے کہ عیسیٰ مر گئے! کس آیت سے تم نے یہ ثابت کیا کہ وہ مر گئے یہ تو بتاؤ! ﴿وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ اور میں تجھ کو اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔ پوری کی پوری اُمت اس پر متفق ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک کہ ﴿وَرَافِعُكَ﴾ کا معنی ہے میں تجھے آسمان پر اُٹھانے والا ہوں، ﴿وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ میں تجھے اپنے پاس اُٹھانے والا ہوں، اور سورۂ نساء میں فرمایا: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ﴾ (النساء:۱۵۸) انہوں نے قطعاً ان کو قتل نہیں کیا جھوٹ بولتے ہیں، جب انہوں نے قتل ہی نہیں کیا تو مطلب کیا ہوا؟ ان کو دعویٰ کرنے کا موقع کیسے مل گیا؟ فرمایا: اللہ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا، عیسیٰ غائب ہو گئے، انہوں نے ایک آدمی کو پکڑ کر سولی دے دی، گپ اُڑادی کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا، سولی دے دی، قرآن نے پورا واقعہ بیان کر دیا، یہ کہنے لگے توبہ توبہ توبہ، عیسیٰ کو آسمان پر اُٹھالیا کیسے اُٹھالیا؟ کیوں اُٹھالیا؟ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت زبردست ہے، اس آسمان اور زمین کو توڑ کر دوبارہ پیدا کر سکتا ہے ایک آن میں، تم عیسیٰ کے اُٹھانے کو مشکل سمجھتے ہو، ایک عیسیٰ کے اُٹھانے کو، ایک آن میں اللہ تعالیٰ زمین کو توڑ کر نئے آسمان زمین پیدا کر سکتا ہے، ایسا عزیز ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸﴾ وہ حکیم ہے اس کی حکمتوں کا تم احاطہ کہاں کر سکتے ہو؟ تمہیں اگر بتا دی جائیں تو تمہاری عقل میں اس کی حکمتیں کہاں سے آسکتی ہیں، اور عیسیٰ کو اس عزیز حکیم نے اُٹھالیا لیکن انجام کیا ہوگا؟ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ﴾ اور کوئی نہیں رہے گا اہل کتاب میں سے مگر اس پر ایمان لائے گا حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے، پورے قرآن میں صرف اس جگہ موت کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ موت اس وقت ہوگی ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝۱۵۹ۚ﴾ اور قیامت کے دن عیسیٰ ان لوگوں پر گواہ ہوں گے، شہادت دیں گے کہ میں نے اپنی زندگی میں ان کو بگڑنے نہیں دیا، یہ بعد میں بگڑے ہیں، بتائیے کیا اشکال ہے؟

لیکن ان مرزائیوں نے لوگوں کا دماغ خراب کر دیا اور اسی طرح اور گمراہوں نے بھی۔

تو اس حدیث میں نصیحت فرمائی جو لوگ محکمات یعنی پکی باتوں کو چھوڑ کر، دو اور دو چار کی طرح پکی باتیں اور محکم اور قطعی عقائد کو چھوڑ کر ادھر اُدھر کی باتیں کھینچے پھرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے یعنی ان کے دل میں کجی ہے، ان کج رو لوگوں سے بچ کر رہو ان کے پاس نہ جایا کرو۔

مشکوٰۃ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کچھ لوگ آئیں گے ''يَأْتُوْنَكُمْ بِالْأَحَادِيْثِ مَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ'' وہ تمہارے پاس ایسی باتیں لائیں گے جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے کبھی سنی بھی نہ ہوں گی، ان سے بچو، ان سے پرہیز کرو، ہر چمکتی چیز کو سونا نہیں سمجھ لیا کرو، یہ ٹھگ ہیں، دجال اور فریبی، کس طرح لوگوں کو لوٹتے پھرتے ہیں اور لوگ اس چمک دمک سے دھوکا کھا لیتے ہیں۔

تو اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ جو اُلٹی پلٹی باتیں کرے اس کی سنو ہی نہیں، لیکن یہ تو ان کو سمجھایا جائے جنہوں نے کبھی اللہ اور اس کے رسول کی بات کو سنا ہو...!

فضیلت سورۂ فاتحہ

[حدیث:۸۱۴] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ هِيَ خِدَاجٌ۔''

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، بَابُ وُجُوْبِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ، حدیث: ۵۹۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز پڑھے اور اس میں الحمد شریف نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، تو یہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔ حدیث میں ''خداج'' کا لفظ آیا ہے، ''خداج'' کہتے ہیں اس نومولود بچے کو (خواہ کسی جانور کا ہو یا انسان کا،) جس کے بعض اعضاء بنے ہوئے نہ ہوں، ایسی حالت میں پیدا ہو کہ اس کا کوئی عضو بنا ہوا نہیں، یہ ناقص کہلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بڑا ضروری ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ: حضرت! میں اگر امام کے پیچھے ہوں؟ تو فرمایا کہ: پھر اپنے دل میں پڑھا کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ'' (السنن الکبریٰ للبیہقی، سنن الترمذی)

میں نے سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے، جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱﴾ تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: ''حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ'' میرے بندے نے میری تعریف کی، اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲﴾ وحق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: ''اَثْنیٰ عَلَیَّ عَبْدِیْ'' میرے بندے نے میری ثنا کہی ہے، جب کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ وحق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ'' میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور جب کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''هٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ'' یہ آیت آدھی میری، آدھی میرے بندے کی، ''نَعْبُدُ'' اللہ کی اور ''نَسْتَعِيْنُ'' ہماری، اور جب بندہ کہتا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷﴾

تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: ''هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ'' یہ تین آیتیں میرے بندے کے لئے ہیں اور میرے بندے کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کا اس نے سوال کیا، یعنی اس کی درخواست منظور۔ یہاں اس حدیث سے متعلق دو مسئلے ہیں، ایک یہ کہ سورۃ فاتحہ نماز میں پڑھنا فرض ہے یا واجب؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرض ہے، ہم یعنی اَحناف فرماتے ہیں کہ واجب۔

مطلق قراءت یعنی کچھ حصہ قرآن پاک کا پڑھنا خواہ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ یہ درجہ تو فرض کا ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ تین آیتیں پڑھنا، یا بڑی ایک آیت یا ایک سورۃ ملانا یہ واجب ہے، دونوں الگ الگ واجب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ''خداج'' فرمایا ہے جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ''خداج'' ہوگی، ناقص ہوگی، ناقص نامکمل کو کہتے ہیں، یعنی ہوئی تو سہی کچھ نہ کچھ لیکن نامکمل ہوئی، جیسے بچہ پیدا ہو اس کا ایک ہاتھ بنا ہوا نہیں تھا، بچہ تو ہوا لیکن نامکمل ہوا، تو جس نے سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی اس کی نماز گویا کہ ناتمام بچے جیسی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ واجب ہے، یوں نہیں فرمایا کہ نماز باطل ہوگئی قطعاً، اس سے ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا کہ فاتحہ واجب ہے جیسے کہ ساتھ میں سورۃ ملانا واجب ہے۔

اور دوسرا مسئلہ امام کے پیچھے قراءت کرنے کا ہے کہ فاتحہ امام کے پیچھے بھی پڑھی جائے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جیسے امام پر فرض ہے اور جیسے منفرد پر فرض ہے ویسے ہی مقتدی پر بھی فرض ہے، ہر ایک پر فرض ہے۔ لیکن ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قراءت امام کا وظیفہ ہے، مقتدی کا نہیں، مقتدی کا وظیفہ سننا ہے۔ اس پر لمبی طویل بحث ہے دونوں طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جھگڑا تو آپ جانتے ہیں کہ ایک دفعہ شروع ہو جائے تو پھر ختم ہی نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے نماز پڑھائی، پیچھے سے کسی نے کچھ پڑھ دیا، نماز پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر فرمایا کہ:

کس نے پڑھا؟ اب سب خاموش، تین بار پوچھا کہ کس نے پڑھا تھا؟ کوئی ڈر کے مارے بولتا نہیں، جو اس کے راوی ہیں ان سے پوچھا کہ: تم نے پڑھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ توبہ کرو، جی! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ میری جان نکال دیں گے۔ میں نے نہیں پڑھا، پھر فرمایا کہ: ابھی وقت نہیں آیا کہ تم بات کو سمجھو، آنحضرت ﷺ نے ہمیں نمازیں پڑھائیں اور نماز کے سنن، آداب اور احکام بیان کئے اور آپ نے فرمایا کہ: جب امام تکبیر کہے تو تم بھی کہو، اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو، اور جب امام رُکوع سے سر اُٹھائے اور ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہے تو ''ربنا لک الحمد'' کہو اور سر اُٹھاؤ اسی طرح سجدے کا ذکر فرمایا، اور بیچ میں فرمایا: ''وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا'' جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور قرآن پاک میں سورۂ اعراف میں بھی ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا﴾ (الاعراف: ۲۰۴) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متوجہ ہو کر سنو، اگر تم دور ہو اور تمہیں آواز نہیں آرہی تب بھی تم غور سے سنو، سننے کی کوشش کرو اور خاموش رہو۔ اب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس پوری روایت میں جو صحیح مسلم میں ہے کہیں یہ نہیں کہ جب سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۃ فاتحہ پڑھو، بلکہ یوں فرمایا: جب قراءت کرے تو خاموش رہو، اور جب کہے ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو کہو: ''آمین''۔ اور یہ سندِ صحیح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے: ''مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَتُهٗ قِرَاءَةٌ لَّه'' جس کے لئے امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔ اور بھی بہت سے دلائل ہیں، جن کی بناء پر ہمارے امام فرماتے ہیں کہ امام تمہاری جگہ پڑھ رہا ہے، تم کہتے ہو ''آمین'' آمین کا معنی اپنی مہر لگانے کے ہیں، ایک کی طرف سے درخواست پیش کی گئی جس کو تم نے نمائندہ بنایا اور باقی سب نے کہا: سب متفق، سب کی طرف سے ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اعراف کی آیت میں:

﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ إِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّأَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ۝۸۸﴾ (یونس)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دُعا نقل کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اے اللہ! آپ نے فرعون اور اس کے درباریوں کو اتنا مال دیا ہے وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے گمراہ کر رہے ہیں، اے اللہ! ان کو ایمان کی بھی توفیق نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں موسیٰ علیہ السلام کی دُعا نقل کی اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ﴿قَالَ قَدْ أُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ فرمایا کہ: تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی، اور اس دُعا کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی دُعا فرمایا، کہتے ہیں کہ اس آیت میں دلیل ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسلک کی کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھے اور مقتدی آمین کہے تو دونوں کی ہو گئی۔

سورۂ بقرہ سے کفایت کا وعدہ

[حدیث:۸۱۵] ”عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ قَرَأَ بِالْاٰيَتَيْنِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔“

(رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن، بَاب فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ، حدیث: ۴۶۲۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے، تو وہ اس کو کفایت کر جائیں گی۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے ﴿الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ تک۔ رات میں ان دو آیتوں کو پڑھا کرے، بس یہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گی، پورا رُکوع آخر کا پڑھنا یہ بہتر ہے۔

دُعا اور اس کے آداب

مقامِ بندگی اور دُعا کی حقیقت

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: ”جب میرے بندے، میرے بارے میں آپ سے پوچھیں، تو ان کو بتادو کہ میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارے، سو ان کو چاہئے کہ میری بات ہی مانیں، مجھ پر ایمان اور یقین رکھیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا بھلا ہو جائے ان کو رشد و ہدایت مل جائے۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے، انہوں نے یہ پوچھا تھا کہ: ”يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ؟“ یعنی یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے آہستہ آہستہ سرگوشی کے انداز میں بات کریں؟ یا دور ہے تا کہ ہم اس کو پکار کر کہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ میں سنا چکا ہوں۔

بندہ مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ جب وہ ایک بار ہاتھ اٹھالے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی مان لیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کی اتنی وجاہت تو کم از کم ہونی چاہئے، ورنہ انسان کی وجاہت کیا ہوسکتی ہے؟

قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے کی عزت کیا ہے؟ اس کی کوئی عزت نہیں ہے، لیکن جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرمانبرداری، عبدیت اور بندگی بڑھتی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اتنی ہی وجاہت بھی بڑھتی جائے گی۔

ارے تم کیا بڑا بن کر دکھاؤ گے کہ میں نے اتنے عمل کئے ہیں، میں نے اتنی عبادتیں کی ہیں، اتنی ٹکریں ماری ہیں، کیا دکھاؤ گے؟ یہ چیزیں کچھ نہیں ہیں، اپنی عبدیت کا اظہار کرو، اپنے کو مٹاؤ، اپنی نفی کرو، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھو اور جتنا اس میدان میں آگے بڑھو گے، اتنا اتنا عجز و انکسار کا استحضار ہوتا جائے گا اور اپنی بے کسی کا اظہار ہوگا۔

میں نے ''اِختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم'' میں لکھا ہے کہ ہمارے جو دوست جن اولیاء اللہ کو مالک و مختار مانتے ہیں اور جن سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، ان سے ذرا جا کر پوچھو کہ کیا حال ہے ان کا؟ ہم تو اپنی طرف سے جو چاہیں گھڑتے رہیں، مگر ان بزرگوں سے تو پوچھو کہ ان کا کیا حال ہے؟ ہم لوگ تو اپنے اوپر اختیار کی تہمت دھر بھی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا، میں نے ویسا کیا، میں یہ کرتا ہوں، اور میں وہ کرتا ہوں، مگر ان حضرات کے نزدیک تو یہ بھی نہیں ہے، تم ان کو خدائی کے اختیارات دے رہے ہو، لیکن وہ تو اس کے کہنے سے بھی گریزاں ہیں کہ میں یہ کرتا ہوں، میں وہ کرتا ہوں۔

میں نے اسی کتاب میں حضرت پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''مخلوق ساری کی ساری اللہ رب العزت کی بارگاہ عالی کے سامنے بے بس اور عاجز محض ہے، لاچار ہے۔'' یعنی کوئی چارہ نہیں ہے ان کے پاس، بندے اور خدا کا بھی بھلا کوئی مقابلہ ہے؟ تمام کی تمام مخلوق آسمان کی ہو یا زمین کی، ولی ہوں یا نبی، انسان ہوں یا جن، سب کے سب محض ناکارہ اور لاچار ہیں، اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے بعد اوپر کا لفظ کہا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ عدم محض ہیں، عدم محض، جن کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے۔

یعنی بالکل ہیں ہی نہیں، خیر یہ بات تو بیچ میں آگئی، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کی کچھ تو وجاہت ہونی ہی چاہئے اللہ تعالیٰ کے ہاں، لیکن وجاہت بڑا بننے سے نہیں ہوتی کہ مونچھوں کو تاؤ دے لو اور کالر رکھوا لو، تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے بن جاؤ گے؟ بڑے خان صاحب کہلانے سے اللہ کے ہاں بڑے نہیں بنو گے، بلکہ اپنے آپ کو جتنا ذلیل سمجھو گے، اور اپنے آپ کو جتنا مٹاؤ گے، اتنے ہی اللہ کے ہاں بڑے بنو گے، تمہاری عاجزی اور بے کسی کی کیفیت جتنی بڑھتی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری وجاہت اتنی بڑھتی جائے گی، اور جس قدر اپنے اوپر ہستی کی تہمت رکھو گے، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرتے جاؤ گے، عاجزی و بے کسی، توبہ اور گناہ بس یہ چار ہتھیار ہیں، بندہ مؤمن کے پاس، جتنا ان میں کمال پیدا ہوتا جائے گا، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں وجاہت بڑھتی جائے گی، اور پھر وہ حال آئے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

"عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِىْ طِمْرَيْنِ لَا يُوْبَهُ لَهُ، لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ وَمِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ۔" (مشکوٰۃ ص:۵۷۹)

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچیلا ہے اور دو پھٹی پرانی چادریں پہنی ہوئی ہیں، ایک اوپر اوڑھنے کی چادر ہے، کرتہ وغیرہ نہیں ہے، جیسے احرام والوں نے باندھی ہوئی ہوتی ہیں، اور ایک نیچے کی لنگی اور وہ بھی پھٹی پرانی، اب اس نقشہ کا آدمی، اس کی عزت و وقعت لوگوں کی نظر میں کیا ہوگی؟ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچیلا ہے، گویا بدبو آرہی ہے اور ڈھنگ کا کوئی کپڑا بدن پر نہیں، صرف دو چادریں ہیں اور وہ بھی پھٹی پرانی میلی کچیلی، تمہارے نزدیک اس آدمی کی قیمت کیا ہوگی یہ تم جانو! لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و قیمت یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ آج اللہ ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کردیں گے، اور انہی لوگوں میں سے براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی جنگ بہت سخت ہوجاتی تھی، مقابلہ سخت ہوتا تھا، بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا، تو حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلا کر لے جاتے اور فرماتے تھے کہ قسم کھاؤ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمادیا تھا: "لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین تھا، اس لئے حضرت براء بن مالک کو لے جاتے تھے، جب دیکھتے کہ صرف ظاہری اور مادی اسباب سے جیتتے نظر نہیں آتے، تو براء بن مالک کو کہتے کہ قسم کھاؤ اللہ پر، وہ زبان سے اتنا کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا، بس پھر اللہ تعالیٰ فتح دے دیتے تھے، میں اس کو عزت و وجاہت کہہ رہا ہوں کہ دعا مانگنے کے لئے تمہاری، اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسی عزت ہونی چاہئے۔

یوں ٹکڑا تو کتے کو بھی آدمی ڈال ہی دیتا ہے، دعائیں تو سب کی منظور ہوتی ہیں، بلکہ شاہ تاج الدین ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ان کا کام جلدی کردو، ان کا ہاتھ اُٹھانا مجھے اچھا نہیں لگتا، اس کا کام جلدی نمٹادو، کام ہوجائے گا تو ہاتھ اُٹھانا بند کردے گا، مگر بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ اللہ سے ہاتھ اُٹھا کر کوئی دعا مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کا کام ذرا تاخیر سے کرنا، اس کا ہاتھ اُٹھانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے، جی چاہتا ہے کہ ہاتھ اُٹھائے رکھے، اُٹھائے رکھے۔ تمہیں تمہارے مالک کے ہاں سے ملے، نہ ملے، اور کیوں نہ ملے؟ ضرور ملے گا! لیکن تمہارا ہاتھ

اُٹھانا اللہ کو بہت اچھا لگتا ہے، کاش! ہم ایسے بن جائیں کہ ہمارا ہاتھ اُٹھانا اللہ کو محبوب بن جائے، اور کیا تمہارے مانگنے پر دیں گے نہیں؟ بھولتے ہو، وہ تو تمہارے بنانے اور پیدا کرنے سے پہلے دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دُعا مانگنے کے بارے میں کہا، تو فرمانے لگے کہ ہاں اگر وہ بھول گیا ہے تو اس کو یاد دلا دو۔ اللہ کو یاد دلاتے ہو؟ اللہ میاں! شاید آپ کو یاد نہیں رہا، ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ میری ضرورت یہ ہے، نعوذ باللہ! ہمارے جدِّ امجد حضرت آدم علیہ السلام عرفات کے میدان میں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، آپ نے پیدل سو حج کئے تھے، آپ عرفات کے میدان میں کھڑے ہیں، اور صرف اتنا مانگتے ہیں: ”اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَتِنِیْ سُؤْلِیْ“ کہ یا اللہ آپ کو میری حاجتیں معلوم ہیں، میری حاجتیں پوری فرمادے، یہ ہمارے اَبّا جی کی دُعا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہ دلاؤ، اس کو یاد ہے، اس کے علم میں نہ لاؤ، وہ جاہل نہیں ہے، تمہاری ضرورتوں اور تمہاری حاجتوں کو جانتا ہے، سوال یہ ہے کہ پھر یہ ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہیں؟ مانگتے کیوں ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا مانگنا اچھا لگتا ہے، ہمارا ہاتھ اُٹھانا اس کو پسند آتا ہے، فقیر کا کام ہے مانگنا، اگر ہم مانگیں نہیں، اگر ہم ہاتھ نہ اٹھائیں، تو کیسے پتہ چلے گا کہ ہم فقیر ہیں؟ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴿۱۵﴾﴾ (فاطر) لوگو! تم سب کے سب اللہ کے فقیر ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی غنی وحمید ہے، فقہاء کہتے ہیں کہ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی شے نہ ہو، اس کو فقیر کہتے ہیں، اور جس کے پاس تھوڑا ہو مگر نصاب کے برابر نہ ہو، تو اس کو مسکین کہتے ہیں، فقیر فقر سے ہے اور فقر کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ﴾ کا جو بھی جتنا زیادہ ورد کرے گا اتنا زیادہ مال دار اور غنی بنتا چلا جائے گا۔

یہاں ایک اور نکتہ عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ﴾ (التوبہ:۶۰) (صدقات، فقراء اور مساکین کے لئے ہیں) بھائی فقیر بنو گے، تو صدقہ ملے گا، اپنے آپ کو خالی کرو گے اور واقعتاً فقیر الیٰ اللہ بنو گے، تو پھر صدقات ملیں گے اور اگر نہیں بنتے، تو جاؤ دفع ہو جاؤ، بھئی مالدار تو مالدار کو نہیں دیا کرتا، نہ مالدار، مالدار سے مانگتا ہے، ہم اس سے مانگنے کیوں جائیں؟ تو مالدار، مالدار سے مانگتا بھی نہیں اور مالدار، مالدار کو دیا بھی نہیں کرتا، غنی، غنی سے مانگتا بھی نہیں اور غنی، غنی کو دیتا بھی نہیں، ہاں البتہ غنی، فقیر کو دیتا ہے، اور فقیر، غنی سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فقیر بنو گے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بنا کے اللہ تعالیٰ سے مانگو گے، تو اللہ تعالیٰ دیں گے، اور اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پاس بھی بہت کچھ ہے، تو پھر جاؤ، پھر مانگنے کیوں آئے ہو؟

خیر یہ تو چونکہ درمیان میں بات آ گئی اور میں نے کہہ دی۔ تو رمضان المبارک کا تذکرہ چل رہا تھا اس کے آگے بھی اور پیچھے بھی، درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرما دیا، شاید اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ رمضان المبارک کے اعمال سے خصوصیت کے ساتھ ایک عمل یہ بھی ہے یعنی دُعا و اِلتجا، اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور گڑگڑانا۔ پھر مانگنے کی مختلف شکلیں ہیں۔ ایک مانگنا دل سے ہوتا ہے، ایک مانگنا زبان سے ہوتا ہے، اور ایک مانگنا پورے وجود سے ہوتا ہے، ہمارا پورا وجود سراپا سوال بن جائے اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو، اس کا اہتمام کرو، اور حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت یاد رکھو:

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس

دربندے آں باش شنید آں یا نہ شنید

(حافظ تمہارا کام صرف دعا مانگنا ہے، اس فکر میں نہ پڑا کرو کہ سنی بھی کہ نہیں سنی۔) یہ ان کا کام ہے ان پر رہنے دو، تم اپنا کام کرو۔ کہاوت ہے کہ! ”اَلْحَائِکُ یُصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ یَنْتَظِرُ الْوَحْیَ“ جولاہا دو رکعت پڑھ لیتا ہے اور وحی کے انتظار میں ہوتا ہے کہ اب جبرئیل علیہ السلام راستے میں ہوں گے۔ ایک دفعہ کہیں اُلٹی سیدھی دُعا مانگ لی، یعنی دِل کہیں دماغ کہیں؟ اور لگے انتظار میں کہ اب دُعا قبول ہوتی ہے اور جبرئیل علیہ السلام ابھی قبولیت کا پیغام لے کر آتے ہوں گے کہ تمہاری دُعا قبول ہوگئی۔ اس فکر میں نہ پڑو کہ قبول ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ سنی ہے یا نہیں سنی؟ سنانا تمہارا کام نہیں، مانگنا تمہارا کام ہے، بلکہ صرف اور صرف مانگنا تمہارا کام ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دعا ہر آدمی کی قبول ہوتی ہے:

”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

یُسْتَجَابُ لِاَحَدِکُمْ مَا لَمْ یُعَجِّلْ۔ یَقُوْلُ دَعَوْتُ فَلَمْ یُسْتَجَبْ لِیْ۔“

(ترمذی ص:۱۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”بندے کی دُعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ جلد بازی نہ کرے، (عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟) فرمایا کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بہت مانگا مگر ملتا ہی نہیں، اور تھک ہار کر مانگنا چھوڑ دیا۔ اچھا چھوڑ دیا؟ تو پھر اَب کسی اور خدا کی تلاش ہے؟ کسی اور خدا کو تلاش کرو گے؟ اور اس سے مانگو گے؟ بھائی بنیادی غلطی یہاں سے لگی کہ تم اس فکر میں لگ گئے کہ منظور ہوئی یا نہیں؟ جب تم نے ہاتھ اُٹھا لئے، منظور ہوگئی، بس ختم! اب یہ ان پر چھوڑ دو کہ تمہاری دُعا کی قبولیت کو کس شکل میں ظاہر فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو دُعاؤں کا اِلتزام کرو، اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنے لئے بھی مانگو اور اپنے والدین کے لئے بھی مانگو، اپنے عزیز و اقارب کے لئے بھی مانگو، اور پوری اُمّت کے لئے مانگو۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ جو شخص اُمّت کی مغفرت کے لئے روزانہ ۲۵ مرتبہ دُعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کو ''اَبدال'' میں لکھ دیتے ہیں، اُمّت کے لئے مانگنا بڑی چیز ہے، آج اپنے لئے رونے والے موجود ہیں، بیوی بچوں کے لئے رونے والے موجود ہیں، عزیز و اقارب کے لئے رونے والے موجود ہیں، لیکن اُمّت کے لئے رونے والے نہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اُمّت دوزخ میں جانے سے بچ جائے۔ ہم گنہگاروں کو نظر حقارت سے تو دیکھتے ہیں، لیکن کبھی جذبۂ ترحم ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتا اور ہمارے ہاتھ نہیں اٹھتے کہ: یا اللہ یہ صورت بھی دوزخ میں جائیگی؟ یا اللہ اس کو جنّت میں داخل کر دیجئے؟ اُمّت کے لئے مانگنے والا آنحضرت ﷺ کو محبوب ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس لئے کہ اُمّت کی نسبت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے، اُمّت کے لئے مانگنے والا دراصل آنحضرت ﷺ کے لئے مانگ رہا ہے، یا اللہ اُمّت میں جتنے نیک اور صلحاء گزرے ہیں، ان کے درجات بلند فرما اور یا اللہ اُمّت کے جتنے گناہ گار بندے ہیں، ان کو اپنے مقبول اور نیک بندوں کے طفیل معاف فرما، بس سارے آ گئے، تمہاری کوئی دُعا اس قرآنی دُعا سے خالی نہیں ہونی چاہئے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰﴾ (الحشر)

اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو یہ دُعا سکھائی ہے کہ بعد میں جو لوگ آئیں وہ یہ کہیں۔ پہلے مہاجرین کا ذکر فرمایا پھر انصار کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد تیسرے فریق کا ذکر فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰﴾

(الحشر)

ترجمہ: ''جو لوگ کہ آئے مہاجرین اور انصار کے بعد، وہ یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے سبقت لے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ رکھئے ہمارے دلوں میں کینہ ایمان والوں کی جانب سے (خدا کرے ہمارے سینے میں کسی مؤمن کی جانب سے کینہ نہ رہے بغض دشمنی اور عداوت اللہ کے دشمنوں سے ہو، اللہ کے دوستوں سے نہیں، کسی اللہ کے دوست سے ہمارے دل میں بغض اور کینہ نہ ہو) اے ہمارے پروردگار! تو بہت ہی بخشنے والا، شفقت کرنے والا، بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔''

دُعا کے قبول ہونے کا عمل

[حدیث:۸۱۶] ”عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي أَوْ دَعَا اسْتُجِيبَ لَهُ فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ۔“

(رواہ البخاری: کتاب الجمعة، بَاب فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، حدیث:۱۰۸۶)

ترجمہ: ”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص رات کو سونے سے جاگا، اور اس نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه“ سے اخیر تک پڑھا، پھر ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی“ پڑھا اور کوئی دُعا کی تو قبول ہوگی، اور اگر وضو کر کے تہجد بھی پڑھی تو نماز بھی اس وقت کی نہایت قبول ہوگی۔“

تشریح: جو شخص رات کو اُٹھے، اچانک آنکھ کھل گئی، چوتھا کلمہ پڑھے: ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْر“ تیسرا کلمہ پڑھے: ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْم“ اور پھر اس کے بعد یہ کہے: ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ“ اے اللہ! آپ میری بخشش فرمادیں، تو اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ کو پیار آتا ہے کہ میرا بندہ لیٹا ہوا بھی مجھ سے بخشش مانگتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی بھی دعا مانگے تو اللہ اس کی دعا قبول فرمائیں گے، اور اگر اُٹھ کر نماز پڑھ لے تو سبحان اللہ کیا بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

پختگی کے ساتھ دُعا کرنی چاہئے

[حدیث:۸۱۷] ”عَنْ أَنَسٍ..... إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، وَلَا يَقُولَنَّ اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ۔“ (صحیح بخاری ج:۱۹، ص:۴۱۳، حدیث نمبر:۵۸۶۳، بَاب لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص دُعا کرے تو چاہئے کہ پختگی کے ساتھ دُعا کرے اور یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر آپ چاہتے ہیں تو مجھے یہ دے دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون بہت مختصر ہے، کبھی کبھی آدمی دُعا کرتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اللہ کو مجبور کرتا ہوں کہ یا اللہ دے یہ چیز، اس لئے کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ یوں کہنا چاہئے: یا اللہ! آپ چاہیں تو مجھے دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دعا کا ادب نہیں، یہ خلافِ اَدب ہے، جو چیز مانگنی ہو اللہ سے وہ خوب پختگی سے مانگو، جم کر مانگو، جیسے بچہ ضد کرتا ہے یہ چیز مجھے عطا کر دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں، دینی ہوگی تو دے دیں گے اور تمہارا کمال یہ ہونا چاہئے کہ جب مانگو تو خوب ڈٹ کر مانگو اور مانگنے کے بعد مطمئن ہو جاؤ، دیں گے یا نہیں دیں گے ان کی مرضی ہے، دے دے سبحان اللہ اور نہ دے تو الحمدللہ، آگے ان کی حکمت کے حوالے کر دو۔

تسبیحاتِ فاطمہ کی فضیلت

[حدیث:۸۱۸] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، غُفِرَتْ لَهٗ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔“

(رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ، حدیث: ۹۳۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار ”سبحان اللہ“، تینتیس بار ”الحمدللہ“ اور تینتیس بار ”اللہ اکبر“ کہے تو یہ ننانوے ہوئے اور سو پورا کرنے کے لئے ”لا الٰہ سے آخر تک“ کہے تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔“

تشریح: یہ تسبیحات ہر نماز کے بعد بھی پڑھنی چاہئیں اور رات کو سوتے وقت بھی، ان کو تسبیحاتِ فاطمی کہتے ہیں، اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تاکید فرمائی تھی۔

تینتیس بار ”سبحان اللہ، تینتیس بار ”الحمدللہ“ اور چونتیس بار ”اللہ اکبر“ پڑھا جائے، یہ سو ہو جائیں گے، اور اس کے بعد چوتھا کلمہ پڑھا جائے۔ اور اس کے بعد ساتھ یہ بھی کہا جائے:

”اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، سُبْحَانَكَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ”اے اللہ! نہیں کوئی روکنے والا اس چیز کا جو آپ عطا فرمائیں، اور نہیں کوئی

دینے والا اس چیز کو جس کو آپ روک دیں، آپ پاک ہیں، کسی مال دار کو آپ کے مقابلے میں مال داری کام نہیں دے سکتی۔"

جو شخص یہ تین کلمات تینتیس بار پڑھے، پھر آخر میں کلمہ مذکورہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

اس حدیث کے ذیل میں چند باتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ان تسبیحات کے پڑھنے کے بہت سے طریقے حدیث میں مروی ہیں، ایک حدیث میں یوں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دس دس بار پڑھا جائے، یعنی دس بار تسبیح، دس بار تحمید وغیرہ۔ ایک حدیث میں یوں ہے کہ ہر کلمہ ان میں سے پچیس بار پڑھا جائے، اور پھر پچیس بار چوتھا کلمہ پڑھا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تینوں چیزیں تینتیس بار، یہ ننانوے ہوں گے اور سو پورا کرنے کے لئے ایک بار چوتھا کلمہ۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تینتیس بار "سبحان اللہ، تینتیس بار "الحمد للہ" اور چونتیس بار "اللہ اکبر" پڑھا جائے، یہ سو ہو جائیں گے، اور اس کے بعد چوتھا کلمہ پڑھا جائے۔ اور ایک حدیث میں پوری یہی ترتیب ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ساتھ یہ بھی کہا جائے:

"اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ، سُبْحَانَکَ لَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دوسری بات یہ ہے کہ ایک پڑھنا ہے ہماری طرح کا، گویا ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبا دیا اور اس سے آواز آنے لگی، اس بیچارے ٹیپ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اندر کیا ہے کیا نہیں؟ ہم نے بھی سلام پھیرا اور "سبحان اللہ، سبحان اللہ" اُنگلیوں پر تعداد کو پورا کر لیا، بس! قصہ ختم۔

اور ایک یہ ہے کہ معنی اور مفہوم کا تصور کرتے ہوئے پوری عظمت کے ساتھ نہایت فہم اور آہستگی کے ساتھ اور پورے اطمینان کے ساتھ آپ پڑھیں، "سبحان اللہ" اللہ پاک ہیں۔ اطمینان سے ایک ایک کلمہ پڑھیں، اس طرح "الحمد للہ" تمام خوبیاں اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ "اللہ اکبر" اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مخلوق کی بڑائی سے بالاتر ہیں، اس کی کبریائی، بڑائی اور عظمت کا تصور کرتے ہوئے "اللہ اکبر" کہا جائے، آسمان و زمین اس کی ادنیٰ مخلوق ہیں، فرشتے اور پیغمبر اس کی مخلوق، اس کے بنائے ہوئے ہیں، جس قدر اس کی کبریائی اور عظمت کا تصور کر کے پڑھیں گے اس قدر نفع زیادہ ہوگا، تو یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تکبیر یہ اطمینان اور معنی و مفہوم کے سمجھنے کے ساتھ ہو، اور گویا ہر لفظ کے ساتھ آپ قصد کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک نکتہ اور ذہن میں رکھنا چاہیئے، وہ یہ کہ مثال کے طور پر "الحمد للہ" یہ بسم اللہ شریف کے بعد قرآن شریف کا سب سے پہلا لفظ ہے، اور وہاں آپ ترجمہ پڑھتے ہیں کہ: "تمام تعریفیں اور خوبیاں اللہ

کے لئے ہیں'' یہ تو ہم خبر دے رہے ہیں، کیا مطلب اس کا کہ اللہ کے لئے خوبیاں ہیں؟

علماء فرماتے ہیں کہ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی خبر دے رہے ہیں تاکہ تم اس پر ایمان لاؤ اور ایمان لا کر اس کی عظمت دل میں پیدا کرو، اور تمہارا سینہ اور دل اس کے شکر سے لبریز ہو جائے۔ ایک تو یہ مطلب ہے۔ اور ایک یہ کہ یہ ہم اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں کہ ''الحمد للہ ربّ العالمین'' اس کا مطلب یہ کہ میں تمام خوبیوں کو ثابت کرتا ہوں اللہ کے لئے، یہ گویا کہ ہماری طرف سے ہے، جیسے نکاح کرتے وقت کہتے ہیں: ''تجھ سے نکاح کیا'' یہ تو خبر ہوئی، یہ خبر نہیں نکاح کرنا مقصود ہے۔ جس طرح ''نکحت'' اور ''قبلت'' میں ایک ہی ''ت'' ہے: میں نے نکاح کیا''، دوسرا کہتا ہے: ''میں نے قبول کیا'' خبر دینا مقصود نہیں، اِنشاء مقصود ہے، مجلس عقد میں ''نکحت'' میں نے نکاح کیا، ''قبلت'' میں نے قبول کیا سے خبر نہیں بلکہ انشاء مقصود ہوتی ہے، یعنی نکاح کو وجود میں لانا، اسی طرح ''الحمد للہ'' یہ لفظ خبر کے ہیں، بلاشبہ تمام خوبیاں ان کے لئے ہیں، لیکن ہم اس کی خبر نہیں دے رہے بلکہ اپنی طرف سے اس کا اثبات کررہے ہیں، یہ ذہن میں رکھ کر کہ تمام خوبیوں کو میں اللہ کے لئے ثابت کررہا ہوں ''الحمد للہ'' کہو کہ وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے، یہی مسئلہ ''سبحان اللہ'' میں بھی ہے کہ وہ تمام نقائص سے پاک ہے، میں اس کی تسبیح کرتا ہوں، یعنی تمام نقائص سے اسکی پاکیزگی کا اظہار کرتا ہوں، یہاں بھی اِنشاء مقصود ہے، ہم یہاں خبر نہیں دے رہے، اور یہی تصور تکبیر کا ہے، ''اللہ اکبر'' اللہ سب سے بڑا ہے، یہ ایک خبر ہے، یقیناً وہ سب سے بڑا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ میں اس کے لئے بڑائی کا اِنشاء کررہا ہوں۔ لہٰذا ان تصورات سے ان کلمات کو پڑھا جائے، اور یہ جب ہی ہوگا جبکہ قصداً اور توجہ کے ساتھ کہیں، مشین کی طرح آٹومیٹک چلیں گے تو کام تو نہیں بنے گا۔

ہمارے اکابر یوں فرماتے ہیں کہ پوری کی پوری سورۃ فاتحہ بطور اِنشاء کے پڑھو، یہ عجیب نقطۂ نظر ہے، جب نماز میں قرآن کی دُعائیں آتی ہیں، اس میں اِنشاء کا قصد نہ کرو، یعنی دُعا مانگنے کا قصد نہ کرو بلکہ یہ تصور ہو کہ ہم تو کلام الٰہی میں جو کچھ آیا ہے اس کو نقل کررہے ہیں، ہمارا مدعا نقل کرنا ہے، قرآنِ کریم کی دُعائیں تلاوت کرتے وقت اس دُعا کو کرنے کا قصد نہ کرو کہ میں یہ دُعا کررہا ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو دُعا نقل فرمائی ہے میں اس کو نقل کررہا ہوں، لیکن سورۂ فاتحہ میں بزرگ فرماتے ہیں کہ اِنشاء کا قصد کرو، یعنی میں یہ بات اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں، ہے تو یہ کلام الٰہی، لیکن جیسا کہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ یہ سورۃ اللہ نے بندوں کی زبان پر نازل فرمائی کہ یوں کہا کرو، تو ہے تو کلامِ الٰہی، لیکن ہمیں مضمون بتا گیا کہ تم یوں کہا کرو، اس لئے سورۂ فاتحہ کو پڑھتے ہوئے اپنی طرف سے پڑھو کہ میں کہہ رہا ہوں، صرف کلامِ الٰہی کو نقل مت کرو۔

اور یوں بھی فرمایا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کیا جائے، ویسے تو جائز ہے

کہ آپ سارا ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالیں، کسی جگہ بھی نہ ٹھہریں، جیسا کہ تراویح میں پڑھا کرتے ہیں، "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پر جا کر سانس لیتے ہیں، لیکن مستحب یہ ہے کہ ہر آیت پر رک جائیں، اس کی سات آیات ہیں، بالاتفاق، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "بسم اللہ" پہلی آیت ہے، (اور اس صورت میں وہ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ" سے آخر تک ایک آیت بتاتے ہیں)، اور ہمارے امام کے نزدیک "الحمدللہ" سے سورت شروع ہے، یہ "بسم اللہ" تبرکا ہر سورت کے شروع میں لکھی گئی ہے، یہ کسی سورت کا جزء نہیں، یہ مستقل ایک آیت ہے جو تمام سورتوں کے شروع میں تبرک کے طور پر لکھی گئی ہے۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان تسبیحات کے پڑھتے وقت بھی اِنشاء کا قصد کیا جائے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ جو فرمایا کہ اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ عام طور سے حضرات علماء اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ مراد اس سے صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ نہیں، صغیرہ گناہ عبادات اور نیک کاموں سے معاف ہوجاتے ہیں، لیکن کبیرہ گناہوں سے معافی کے لئے تو توبہ شرط ہے، ویسے اللہ تعالیٰ کسی کو معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے، اس کی رحمت پر کوئی پابندی نہیں، قانون تو ہمارے لئے ہیں، اللہ کے لئے تھوڑی ہے! وہ تو غنی مطلق ہے، جو چاہے کرے، سب ہی کو معاف کردے، اس کا کیا بگڑتا ہے؟

تو عام ضابطہ یہی ہے کہ بڑے گناہوں کے لئے توبہ ضروری ہے، البتہ صغیرہ گناہ عبادات سے معاف ہوجاتے ہیں، تو جتنی احادیث میں یہ بات آتی ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، مراد اس سے صغیرہ گناہ ہیں، لیکن کبیرہ گناہ بھی معاف ہوسکتے ہیں کیونکہ جو شخص ان کلمات کو پڑھے گا تو کبھی تو جھوٹے منہ سے نکلے گا کہ: "یا اللہ! معاف کردے" اور کچھ نہیں تو "استغفر اللہ" ہی کہے گا، استغفار کرلیا تو اللہ چاہیں تو کبیرہ گناہ بھی معاف کردے۔

یہاں پر ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ بہت سی عبادات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ کرو تو سارے گناہ معاف ہوجائیں گے، جب ایک ہی عمل سے سارے گناہ معاف ہوگئے تو باقی جو اعمال ہوں گے ان کا کیا کریں گے؟ جیسے یہ تسبیحات ہیں، ان کے پڑھنے کے بعد سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، تو جب سارے گناہ معاف ہوگئے تو دوبارہ پڑھنے پر کیا اجر ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ ایک عمل کرلیا اس سے اب تک کے گناہ معاف ہوگئے، لیکن یہ آگے اور بھی تو گناہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مختلف اعمال عطا فرمائے ہیں تاکہ ہمارے گندے کپڑوں پر صابن لگتا رہے اور یہ صاف ہوتے رہیں۔ جمعہ کو کپڑے پہنتے تھے، دیکھو یہ میلے ہوگئے تو کہا ان کو صابن لگاتے رہو پانچ وقت، تو

ایمان کے کپڑے کو روزانہ صاف کرتے ہیں تا کہ یہ میلا نہ ہو، اور اگر ایسا ہی ہے کہ ایک عمل سے سارے گناہ معاف ہوگئے اور اس نے پھر کوئی ایسے گناہ نہیں کئے، دوسرا عمل کرلیا اس سے بھی سارے گناہ معاف ہوتے ہیں، پھر تیسرا عمل کرلیا، اعمال تو رسول اللہ ﷺ نے اتنے بتائے ہیں کہ شمار نہیں کرسکتے، اور یہ بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت ورحمت ہے اس اُمت پر، گناہ ہم لوگ بے شمار کرتے ہیں، اس لئے ان گناہوں کو دھونے کے لئے صابن بے شمار بتادیئے، تو پھر ایسا ہوتا ہے جیسے ایک کپڑا دھویا، پھر دوبارہ دھویا تو اور چمکے گا، پھر دھویا اور چمکے گا، تو جب گناہ معاف ہوگئے اور ایمان کا دامن صاف ہوگیا اور پھر اعمال کروگے تو ترقی ہوگی، درجات میں ترقی ہوگی، خلاصہ یہ نکلا کہ اگر گناہ ہوں تو وہ معاف ہوں گے اور اگر گناہ نہ ہوئے تو درجات بلند ہوں گے۔

اور چوتھی بات یہ کہ یہ تسبیحات ہر نماز کے بعد بھی پڑھنی چاہئیں اور رات کو سوتے وقت بھی، اس لئے ان کو تسبیحات فاطمی کہتے ہیں کہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تاکید فرمائی۔

فرض نماز کے بعد مجرّب وظیفہ

فرض نماز کے بعد چار چیزیں پڑھا کرو:

① سورۃ فاتحہ۔

② آیۃ الکرسی۔

③ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر: ۱۸ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۸﴾

④ اور اسی سورۃ کی آیت: ۲۶، ۲۷ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۷﴾

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چار چیزیں ہر نماز کے بعد پڑھے، تو اللہ اس کا ٹھکانہ جنّت میں بنادے گا اور اس کو حظیرۃ القدس میں جگہ دے گا اور ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کرے گا اور اس کی ستر حاجتیں پوری کرے گا اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دے گا اور ان پر اس کو غالب رکھے گا (معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۷)۔

سورۂ بقرہ سے جادو، آسیب، جنات اور شیاطین سے حفاظت کا وعدہ

[حدیث: ۸۱۹] ”مَنْ قَرَأَ بِالْاٰيَتَيْنِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔“

(رواہ مسلم)

ترجمہ: ”حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو رات کو سورۃ بقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھے، تو وہ اس کو کفایت کر جائیں گی۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں ”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ“ سے ”عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ“ تک، رات میں ان دو آیتوں کو پڑھا کرے، بس یہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گی، پورا رُکوع آخر کا پڑھنا بہتر ہے۔

جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ جس گھر میں آسیب کا اندیشہ ہو یا جنات کا یا شیطان کے عمل دخل کا، وہاں سورۂ بقرہ پڑھا کرو، مولویوں سے تعویذ دَم دُرود کرانے کے بجائے یہ دَم کرو۔

صبح و شام کا افضل عمل

[حدیث: ۸۲۰] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِيْ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ إِلَّا أَحَدٌ قَالَ مِثْلَهَا أَوْ زَادَ عَلَيْهِ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الذکر، باب فَضْلِ التَّهْلِيلِ، حدیث: ۴۸۵۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح اور شام کو ”سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ“ سو بار پڑھا کرے، قیامت کے دن کوئی شخص اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا، مگر وہ شخص جس نے اسی قسم کا وظیفہ پڑھا ہو یا اس پر زیادہ کیا ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام ”سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ“ پڑھے قیامت کے دن کوئی شخص اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا، اِلّا یہ کہ کسی شخص نے بھی یہی پڑھ لیا ہو یا اس سے زیادہ پڑھ لیا ہو، ظاہر بات ہے کہ وہ تو پھر اس سے بھی آگے نکل گیا، یہ سو بار پڑھ کے آیا تھا، کسی نے پانچ سو مرتبہ روزانہ کا معمول بنا لیا، تو یہ تو پھر آگے نکل گیا، ورنہ جتنے بھی نیکی کے کام ہیں یہ سب سے اُوپر چلا جائے گا۔

ان کلمات کو پڑھنے پر چار اِنعامات کا وعدہ

[حدیث: ۸۲۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ قَالَ: ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ“ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَّكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَّمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَّكَانَ لَهٗ حِرْزٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُمْسِيَ يَوْمَ ذٰلِكَ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الذکر، بَاب فَضْلِ التَّهْلِيلِ، حدیث: ۴۸۵۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“ ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا تو اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا، سو نیکیاں اس کے لئے لکھی جائیں گی، سو برائیاں اس کی مٹائی جائیں گی اور اس دن شام تک اس کو شیطان سے پناہ رہے گی اور اس سے بہتر کوئی شخص نہیں مگر جس نے اس سے زیادہ پڑھا ہو، اور جو شخص ”سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ“ دن میں سو مرتبہ پڑھے، اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔“

کسی بھی چیز کے ضرر سے بچنے کا وظیفہ

[حدیث: ۸۲۲] ”عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُمَا، مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْئٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الذکر، بَاب فِي التَّعَوُّذِ مِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ، حدیث: ۴۸۸۱)

ترجمہ: ”حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص کسی جگہ اُترے اور ان مذکورہ کلمات کو پڑھ لے تو اس کو کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ نہ کرلے۔“

تشریح: جو شخص سفر میں کسی جگہ پر اُترے اور وہاں جا کر یہ دُعا پڑھے:

”أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“

ترجمہ: ”میں پناہ لیتا ہوں اللہ پاک کے کامل کلمات کی ان تمام چیزوں کی برائی سے

جس کو اس نے پیدا کیا“
جب تک وہ کوچ نہیں کرتا، ان کلمات کی وجہ سے اس کو یہاں کوئی چیز ضرر نہ دے گی۔

دو ہلکے پھلکے کلمے میزان کو بھرنے والے ہیں

[حدیث: ۸۲۳] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِی الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔“ (متفق علیه)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو کلمے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں مگر میزان میں بہت بھاری ہوں گے اور رحمان کو بہت زیادہ محبوب ہیں۔اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔“

قبولیتِ دُعا کا وقت

[حدیث: ۸۲۴] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ۔“ (رواہ البخاری: کتاب الجمعة، بَابُ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ حدیث: ۱۰۷۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نازل ہوتے ہیں ہمارے رب ہر رات کو قریب کے آسمان پر جبکہ باقی رہ جاتا ہے رات کا آخری تہائی، فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اس کی دُعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے میں اس کی بخشش کروں؟“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر رات کا آخری تہائی حصہ جب رہتا ہے تو قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں، یہ نزول فرمانا اللہ کی شان کے مطابق ہوگا، اس کی حقیقت معلوم نہیں، بہر حال قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں: کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اس کو دوں؟ اور کوئی مجھ سے سوال کرنے والا ہے کہ اس کے سوال کو پورا کروں؟ کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کردوں؟

یہاں تو روایت اتنی ہے، دوسری جگہ اس میں یہ اضافہ ہے "هل من كذا هل من كذا" کیا ایسا آدمی ہے؟ کیا ایسا آدمی ہے؟ کیا ایسا آدمی ہے؟ کیا ایسا آدمی ہے؟ یعنی ایک ایک ضرورت کو پورا نقل کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اس حاجت کے رکھنے والا موجود ہیں کہ میں ان کی حاجت کو پورا کر دوں؟ یہ سلسلہ صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے، خواجہ فرید الدین گنج شکر پنجابی میں فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: "فرید تم سو رہے ہو، اُٹھ کر مسجد میں جھاڑو دو! یہ مسجد ہے اللہ تعالیٰ کی، تو سو رہا ہے، ربّ جاگ رہا ہے، اور تیری دوستی زبردست ہستی کے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے، یہ جو رات کا آخری وقت ہے اس وقت اگر آدمی کو توفیق ہو جائے اللہ کو یاد کرنے کی، کچھ نماز پڑھ لے تو بہت ہی عجیب و غریب چیز ہے، اس وقت کا سونا بھی بہت عمدہ ہے اور اس وقت کا جاگنا بھی بہت عمدہ ہے، ہم لوگ تو سوتے رہتے ہیں لیکن اللہ کے بندے جاگتے ہیں۔

مسلمان بھائی کے لئے دُعا کی فضیلت

[حدیث: ۸۲۵] "عَنْ أَبِی دَرْدَاءَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ لِأَخِیْهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلِکُ وَلَکَ بِمِثْلٍ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الذکر، بَاب فَضْلِ الدُّعَاءِ، حدیث: ۴۹۱۲)

ترجمہ: "حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں ہے کوئی مسلمان بندہ جو دُعا کرے اپنے بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے مگر فرشتہ کہتا ہے اور تیرے لیے ایسے ہی۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں کسی مسلمان کے لیے پیٹھ پیچھے دُعا کرنے کی فضیلت ہے یعنی کوئی مسلمان کسی مسلمان کے لیے غائبانہ طور پر دُعا کر لے، جس کے لیے دُعا کر رہا ہے اس کو پتا بھی نہیں کہ یہ میرے لئے دُعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کی دعا پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو کہتا ہے کہ آمین! اللہ تعالیٰ تیری دُعا قبول کرے اور ساتھ کہتا ہے "وَلَكَ بِمِثْلٍ" یعنی یہی دُعا اللہ تعالیٰ تیرے حق میں بھی قبول کرے۔ پیٹھ پیچھے، یعنی اس شخص کو اطلاع دیئے بغیر دُعا کرنا، یہ دلیل ہے کہ کمالِ اِخلاص کی کہ اس شخص کو اس کے ساتھ صرف ایمانی تعلق ہے، کوئی سمع، رِیا یا کوئی دُنیوی غرض درمیان میں حائل نہیں اور اللہ تعالیٰ مخلصین کی دُعاؤں کو قبول فرماتے ہیں اور ہر ایسے آدمی کے لئے ایک فرشتے کا مقرر کر دیا جانا یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مزید رحمت و غایت ہے۔

بزرگ یوں کہتے ہیں کہ تم کسی بڑے سے بڑے ولی سے دُعا کراؤ تو آخر انسان کی دُعا ہے، انسان

کی زبان ہے اور اگر تم کسی بندہ مومن کے لیے دُعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرشتوں کی زبان سے دُعا نصیب فرمائیں گے اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگی، یہ حق تعالیٰ شانہ' کی اس اُمّت پر کمال عنایت اور کمال رحمت ہے کہ اُمّت کے لیے ایسے سامان پیدا فرما دیئے۔

ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں

[حدیث: ۸۲۶] ”عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّكْسِبَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ أَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِّنْ جُلَسَائِهِ كَيْفَ يَكْسِبُ أَحَدُنَا أَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يُسَبِّحُ مِائَةَ تَسْبِيْحٍ فَيُكْتَبُ لَهُ أَلْفُ حَسَنَةٍ وَيُحَطُّ عَنْهُ أَلْفُ خَطِيْئَةٍ۔“ (رواہ مسلم: کتاب الذکر، بَاب فَضْلِ التَّهْلِيلِ، حدیث: ۴۸۲۶)

ترجمہ: ”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کما لیا کرے؟ آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک سائل نے سوال کیا کہ: حضرت! ہم میں سے ایک آدمی ایک ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟ فرمایا: سو دفعہ تسبیح کہہ لیا کرے، اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی یا ایک ہزار گناہ اس سے مٹا دیئے جائیں گے اور ایک روایت میں ہے اور ایک ہزار گناہ اس سے مٹا دیئے جائیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی عاجز ہے اس بات سے کہ ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں کما لیا کرے؟ آپ کے جُلساء میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ! ایک ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟ فرمایا: ایک سو تسبیح پڑھ لے، ”سبحان اللہ“ پڑھ لے، سبحان اللہ، سبحان اللہ، ایک سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور ایک کے دس ملتے ہیں ہزار ہوگیا۔

حضرت قبیصہ ابن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ: میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، بڑھاپے میں ہڈیاں بھی کمزور ہو جاتی ہیں، میں حضرت کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے وہ چیز سکھائیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مجھے نفع عطا فرمائیں دنیا میں بھی نفع ہو، آخرت میں بھی نفع ہو، مرنے کے بعد جب اٹھیں اس وقت بھی نفع ہو یہاں تک کہ وہ جنّت میں پہنچا دے، مجھے کوئی ایسی چیز سکھائیں؟ زیادہ لمبی بات مجھے یاد نہیں رہتی، بس کوئی مختصر سی بات سنا دیں تا کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قبیصہ! جب تم اپنے گھر سے چلے ہو، راستے میں جتنے پتھر آئیں، جتنے درخت آئیں یا جتنے کچی مٹی کے

ڈھیلے آئے ان سب نے تیرے لئے استغفار کی ہے، قبیصہ! تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ:

”إِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ثَلاثاً سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ“

صبح کی نماز پڑھے تو تین مرتبہ یہ پڑھا کر، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ: میں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جو بہت عظمت والا ہے اور ساتھ ساتھ اس کی حمد بھی بیان کرتا ہوں۔

اگر اس کو اپنا معمول بنالیں کہ فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ ”سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ“ پڑھا کریں تو اللہ تعالیٰ تجھ کو اندھے پن سے، جذام سے، اور فالج سے محفوظ رکھیں گے بشرطیکہ اس کو معمول بنالو، اللہ تعالیٰ اندھے پن سے بھی حفاظت فرمائیں گے، فالج سے بھی حفاظت فرمائیں گے اور اپنی رحمت کے ساتھ جذام سے بھی حفاظت فرمائیں گے، قبیصہ ایک دُعا یہ پڑھ لیا کرو:

”اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ وَأَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ وَانْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَحْمَتِكَ وَأَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ“

چار فقرے ہیں، یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں ان نعمتوں میں سے جو آپ کے پاس ہیں اور اللہ کے پاس کون سی چیز نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پاس کیا نہیں ہے؟ یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں ان نعمتوں کے بارے میں جو آپ کے پاس ہیں، مخلوق کے پاس نہیں ہیں۔

”وَأَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ“ اور مجھ پر اپنے فضل کی بارش برسا، ہر طرف تیرا فضل ہی فضل ہو، تیرا فضل ہی فضل نظر آئے اور تیری طرف سے جو معاملہ بھی کیا جائے میں سمجھوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

اور تیسرا فقرہ ”وَانْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَحْمَتِكَ“ اور اپنی رحمت کی گھٹائیں مجھ پر پھیلا دے، ”وَأَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ“ اور اپنی برکتیں مجھ پر نازل فرمائیے۔

ہر قسم کی آفت و پریشانی سے حفاظت کے لئے، دُعائے انس (رضی اللہ عنہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک دعا سکھلائی تھی۔ اس کی برکت سے وہ ہر قسم کے مظالم اور فتنوں سے محفوظ رہے۔ اس دُعا کو علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جمع الجوامع“ میں نقل فرمایا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح فارسی زبان میں تحریر فرمائی ہے، اور اس کا نام ”اِسْتِئْنَاسُ أَنْوَارِ الْقَبَسِ فِي شَرْحِ دُعَاءِ أَنَسٍ“ تجویز فرمایا ہے، آنجناب، حضرات علماء وطلباء و مبلغینِ اسلام اور تمام اہلِ اسلام صبح و شام اس دُعا کو پڑھا کریں، اِن شاء اللہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، وہ دُعا یہ ہے:

”بِسْمِ اللهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ، بِسْمِ اللهِ عَلٰى اَهْلِيْ وَمَالِيْ وَوَلَدِيْ، بِسْمِ اللهِ عَلٰى

مَا اَعْطَانِیَ اللّٰہُ، اللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا۔ اللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَعْظَمُ مِمَّا اَخَافُ وَاَحْذَرُ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ مَّرِیْدٍ، وَّمِنْ شَرِّ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اِنَّ وَلِیِّ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ۔‘‘

اِستخارے کی دُعا

[حدیث:۸۲۹] ’’اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَأَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَأَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَإِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ۔ اَللّٰھُمَّ إِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ أَمْرِیْ فَقَدِّرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَإِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ أَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ ثُمَّ اقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ شِئْتَ ثُمَّ أَرْضِنِیْ بِہٖ۔‘‘

(صحیح بخاری، مسند احمد بن حنبل، ابن ماجۃ)

ترجمہ: ’’یا اللہ! میں آپ کے علم کے مطابق خیر کا طالب ہوں اور آپ کی قدرت کے ساتھ قدرت کا طالب ہوں اور میں آپ کا فضل عظیم مانگتا ہوں، اس لئے کہ آپ کو قدرت ہے مجھے قدرت نہیں، آپ کو علم ہے مجھے علم نہیں، یا اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ چیز میرے حق میں بہتر ہے، میری آخرت کے اعتبار سے اور میری دُنیا کے اعتبار سے، میرے دین اور انجام کے اعتبار سے، تو اس کو میرے لئے مقدر فرما، میرے لئے آسان فرما، پھر اس میں میرے لئے برکت عطا فرما۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ چیز میرے لئے اچھی نہیں میرے دین کے اعتبار سے، میری دُنیا کے اعتبار سے، میری آخرت کے اور انجام کے اعتبار سے، تو اس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھ کو اس سے ہٹا دیجئے، پھر جہاں خیر آپ کے علم میں ہے وہاں مقدر فرما دیں، پھر اس پر مجھ کو راضی بھی کریں۔‘‘

صبح وشام کی نعمتوں کا حق

[حدیث:۸۳۰] ’’اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ

فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔''

(مشکوٰۃ ص: ۲۱۱)

ترجمہ: ''یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں ہیں، یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے۔''

تشریح: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو شخص تین مرتبہ یہ دُعا صبح کو پڑھے، اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کردیا، شکر اَدا کردیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر اَدا کردیا، لیجئے شکرِ نعمت کی کیسی مختصر سی تدبیر اِرشاد فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو! اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمے ہو فطرتاً اس کی محبت دِل میں پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی دَب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کو سوچوگے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر اَدا کروگے تو اللہ کو تم سے محبت ہوجائے گی۔

درود پاک کی فضیلت

[حدیث: ۸۳۱] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔'' (رواہ مسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں دُرود شریف کی فضیلت بیان فرمائی ہے: جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

ایک رحمت اس کے دُنیا کے سارے کام بنانے کے لئے کافی ہوجائے گی، نو رحمتیں اس کے لئے نفع رہیں گی، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا، تو حدیث شریف کا مضمون یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر دُرود شریف پڑھنا بے حد اَجر و ثواب رکھتا ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے دُرود پڑھتے ہیں، ان کو قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا، ارشاد ہے:

''أَقْرَبُهُمْ مِنِّيْ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً۔'' (سنن الترمذی)

''جو شخص جس قدر درود شریف پڑھتا ہوگا وہ قیامت کے دن اسی کے بقدر رسول اللہ ﷺ سے قریب ہوگا۔''

تو درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، حضرت اقدس حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دُرود پر ایک کتاب لکھی ہے ''زاد السعید'' اس میں لکھا ہے کہ: حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری بہت بڑے عربی ادیب گزرے ہیں، فرماتے ہیں کہ: شب جمعہ کو سونے کا معمول نہیں تھا، بلکہ رات بھر دُرود شریف پڑھنے کا معمول تھا، ان کی وفات کے بعد اس کمرے سے خوشبو آتی تھی۔ بہرکیف! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف پڑھنا بہت بڑی عبادت ہے اور ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل دُرود شریف پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ ایک بزرگ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، ارشاد فرمایا کہ: یہ صاحب سب سے فوقیت لے گئے۔ یعنی اس موضوع پر جتنے رسالے لکھے گئے ہیں ان میں یہ رسالہ ''فضائل دُرود شریف'' سب سے بڑھ گیا۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا مجھ پر بہت بڑا انعام ہے کہ جب سے میں فارغ ہوا ہوں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم اور حدیث شریف کی خدمت میں لگائے رکھا ہے، لیکن مجھے اس کا افسوس تھا کہ میرے قلم سے دُرود شریف پر کوئی رسالہ نہیں لکھا گیا، اگرچہ ضرورت نہیں تھی اکابر کے لکھے ہوئے رسالے موجود ہیں، اصل چیز و مقصود تو عمل ہے، لیکن پھر بھی جی چاہا کہ دُرود شریف پر کوئی رسالہ لکھوں تو حضرت شیخ ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے دُرود شریف پر ''ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' سندھ میں ایک جگہ ہے ''ہالہ'' وہاں ایک ڈاکٹر شوکت صاحب ہوتے ہیں، انہوں نے مجھے یہ رسالہ بھجوایا اور فرمایا کہ میں اس کا ترجمہ کردوں۔ مجھے فرصت نہیں مل رہی تھی، ابھی اعتکاف سے فارغ ہوا تو میں نے کہا چلو گھر میں اعتکاف کرتے ہیں، اس کا ترجمہ کردوں۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔

(اور اب یہ سات دن کی منزل کی ترتیب پر بھی موجود ہے: ''مناجات مقبول مع ذریعۃ الوصول'')۔

اسمائے حسنیٰ کی فضیلت

[حدیث: ۸۳۲] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدَةً مَّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔'' (مشکوٰۃ حدیث، ۲۱۷۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جس نے ان کو محفوظ کرلیا وہ جنّت میں داخل ہوا۔''

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ننانوے پاک نام ہیں، جن کو ''اسمائے حسنیٰ'' کہتے ہیں، جو ان کو شمار کرلے اور جس نے ان کو یاد کرلیا وہ جنّت میں داخل ہوگیا۔ علماء فرماتے ہیں:

احصاء یعنی شمار کرلے اس کے تین درجے ہیں، ایک یہ کہ زبانی یاد کرلے، عام طور پر اسمائے حسنیٰ کے چارٹ لگے ہوتے ہیں، ان کو یاد کرلے اور پڑھا کرے۔ اور پڑھنے کی بھی تین شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے:
''هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ......''اسی طرح آگے تک ملا کر پڑھتا رہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ سب کو الگ الگ پڑھے، الرَّحْمٰنُ ،الرَّحِيْمُ، الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ، السَّلَامُ ، وغیرہ۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ سب کے شروع میں ''یا'' لگا کر پڑھے: ''یا اللہ'' ''یا رحمٰن'' ''یا رحیم'' ''یا ملک'' تو ایک درجہ تو زبان سے پڑھنے کا ہے۔

یہاں ایک بات کہتا ہوں کہ صرف ایک ہی نام ہے جس کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے اور وہ ہے ''اللہ'' آنحضرت ﷺ کی ذات عالی پوری کائنات میں برگزیدہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن ''محمد، محمد، محمد'' کہتا رہے آدمی تو ثواب نہیں۔ ہاں! دُرود شریف پڑھے اس کا حکم بھی ہے، اس کا اجر بھی ملے گا، جو ایک دفعہ دُرود پڑھے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائیں گے، لیکن نام کا ورد کرنا کسی کا حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کا بھی، یہ عبادت نہیں۔ صرف ایک پاک نام ہے اللہ کا جس کا وِرد کرنا ثواب ہے۔ ''اللہ، اللہ، اللہ، اللہ'' کہنا عبادت ہے، اور اعلیٰ ترین عبادت ہے، جگہ جگہ فرمایا: ''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ'' تو ''یا اللہ'' ''یا رحمٰن'' ، ''یا رحیم'' ، یہ اللہ کو پکارنا ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ اللہ ہی کے ہیں نام اچھے اچھے، سو تم پکارو اس کو ان ناموں کے ساتھ۔

تو پکارنے کا ایک درجہ تو زبان سے ادا کرنے کا ہے، یا تو یاد کرلیں یا لکھے ہوئے کو پڑھ لیں، ثواب مل جائے گا، ''احصاء'' کا دوسرا درجہ اعتقاد کرنے کا ہے، دل میں بٹھالو، ''اللہ'' اس پاک ذات کا نام ہے جو تمام کمالات کی جامع اور جو تمام نقائص سے منزہ اور پاک ہے، ''الرحمٰن'' سب سے زیادہ بہت زیادہ مہربان، ''الرحیم'' بہت ہی رحم کرنے والا۔

ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں، ایک حصہ زمین پر اُتارا ہے، ننانوے اپنے پاس رکھے، اور جتنا تمہیں رحمت کا اثر نظر آرہا ہے یہ اس کے سوویں حصے کا اثر ہے، وہ رحمن ہے جس کی رحمت کامل ہے، غرض جتنے اللہ تعالیٰ کے نام ہیں ان کا معنی اور مفہوم سمجھ لو اور سمجھنے کے بعد دل میں بٹھالو کہ بس اس پر میرا عقیدہ ہے، ''القدوس'' وہ پاک ہے، ''المتکبر'' بڑائی والا، شان والا، بڑائی اس کی ذات وشان کے زیبا ہے، اس کے علاوہ کسی کی شان کبریائی کی نہیں۔

تو دل سے اعتقاد کرنا یہ دوسرا درجہ ہے، ان اسمائے مبارکہ کا، علماء فرماتے ہیں کہ: اللہ ان کا ذاتی نام ہے، اور باقی سارے کے سارے صفاتی نام ہیں۔

اور تیسرا درجہ ہے ان اسمائے الٰہیہ کا حق ادا کرنا، اللہ اس ذات واجب الوجود کا نام ہے جو تمام کمالات کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، اس کے مقابلے میں ہم تمام نقائص کے جامع اور ہر خوبی سے خالی، جب ہماری یہ حالت ہوجائے گی تو گویا ہم نے اللہ کے نام کا حق ادا کردیا، ''القدوس'' کہا اور خیال کیا کہ وہ تمام عیب سے پاک اور اپنے آپ کو کہا ہمارے اندر تمام عیوب، اگر اس کو بھی پاک کہا اور اپنے آپ کو بھی منزّہ سمجھا تو پاک پاک میں مقابلہ ہوگیا، وعلیٰ ہذا۔ یہ تیسرا درجہ ہے اور یہی سب سے اکمل درجہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ان پاک ناموں کے آئینے میں اپنے آپ کو پیش کرو۔

ترمذی کی روایت میں اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے آگے وہ اسماء ذکر فرمائے اور ان کو ذکر کرتے ہوئے یہ آیت: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ ساتھ ملادی۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو ترمذی شریف کی حدیث میں آئے ہیں، بخاری میں ننانوے کا ذکر ہے اور ترمذی میں ان کی تفصیل آئی ہے، ننانوے نام آنحضرت ﷺ نے گن کر بتائے ہیں، اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ان اسماء میں سے بعض نام تو ایسے ہیں کہ ان صفات کا اطلاق یعنی بولنا مخلوق کے لئے بھی جائز ہے، جیسے رحیم: رحم کرنے والا، فلاں آدمی بڑا رحیم ہے، قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو فرمایا: ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾﴾۔

لیکن خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری صفات کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے درمیان سوائے لفظی مشارکت کے اور کچھ نہیں، بندے کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا کوئی حصہ نہیں مل سکتا، تمہاری جو رحیمیت ہے وہ مخلوق کے دائرے کی ہے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کی رحیمیت اس پاک ذات کی اُلوہیت کے دائرے کی ہے، ہمارے رحیم ہونے کو اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، پوری کی پوری کائنات کی اچھی صفات ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں، بس لفظ ایک ہے ورنہ حقیقت بالکل جدا جدا ہے۔

اور بعض اسمائے مبارکہ ایسے ہیں کہ ان کا استعمال کرنا اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں، جیسے **رَزَّاقٌ:** رزق دینے والا، **بَارِئٌ:** پیدا کرنے والا، **خَالِقٌ:** بنانے والا، وغیرہ تو جو اسماء ایسے ہیں کہ وہ صفات مخلوق کے لئے استعمال ہوسکتی ہیں، ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفات ہم اپنے اندر بھی پیدا کریں، حدیث شریف میں کہا گیا: **''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ''** اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ہے رحم کرنا، تم بھی رحم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے معاف کرنا تم بھی معاف کرو، اس کو اپنی صفت بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بخشنا، تم بھی اس صفت کو اپناؤ، وعلیٰ ھذا۔

اور جو صفات کہ مخلوق میں نہیں آسکتیں ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں رُبوبیت اور اُلوہیت پائی جاتی ہے، دوسری طرف تمہاری ذات میں عبدیت، بندگی پائی جانی چاہیۓ، اگر وہ واحد و یکتا بے مثال ہے تم اپنے دل میں یہ خیال پیدا کرو کہ کبریائی میں اس کی کوئی مثال نہیں، برائی میں میری کوئی مثال نہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت رزّاقیت ہے تم اپنے دل میں یہ مضمون پیدا کرو کہ میرے قبضے میں ایک ذرّہ بھی نہیں رزق کا، اس کے خزانے کی چابی اسی کے پاس ہے میرے پاس نہیں، وہ تنہا رزّاق ہے، اور میں میرے ماں باپ ساری کائنات مرزوق ہے، رزق ان کے قبضے میں نہیں، صرف اس کے قبضے میں ہے، یہ مضمون پیدا کرو، وعلیٰ ہذا۔

اب ترمذی شریف کی روایت میں جو نام آتے ہیں ان کا مختصراً ترجمہ کر دیتا ہوں۔

(نوٹ: اسماءِ حسنیٰ کے خواص قارئین کی افادیت کے لئے حضرت مولانا محمد یونس پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''بکھرے موتی'' سے نقل کئے گئے ہیں)۔

لفظ ''اللہ'' کے معنی اور اس کے خواص

① اَللّٰہُ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ (الحشر:۲۲)

(وہ اللہ ہے، ایسا اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

تشریح: سورۂ حشر کی آیت شریفہ میں جو آیا ہے یہ پہلا پاک نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پورے جملے کو ایک ساتھ پڑھا ہے، ''وہ اللہ ہے ایسا اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔

خواص:

۱:...... جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے پاک و صاف ہو کر خلوت میں پڑھنے سے مقصود آسان ہو جاتا ہے خواہ کیسا ہی مشکل ہو۔

۲:...... چھیاسٹھ (۶۶) بار لکھ کر دھو کر مریض کو پلانے سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے، خواہ آسیب کا اثر ہی کیوں نہ ہو۔

۳:...... جو ہر نماز کے بعد سات (۷) مرتبہ ''هُوَ اللّٰهُ الرَّحِیْمُ'' پڑھتا رہے گا اس کا ایمان سلب نہیں ہوگا اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۴:...... جو شخص ایک ہزار (۱۰۰۰) بار ''یَا اللّٰهُ یَا هُوَ'' پڑھے گا اس کے دل میں ایمان اور معرفت کو مضبوط کر دیا جائے گا۔

۵:...... جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر قبلہ رخ بیٹھ کر مغرب تک ''یَا اللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ'' پڑھتا رہے گا پھر اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگے گا اللہ تعالی اس کو عطا فرمائیں گے۔

② اَلرَّحْمٰنُ : نہایت مہربان

③ اَلرَّحِیْمُ : بے حد رحم کرنے والا

تشریح: ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' دونوں رحمت سے مبالغے کے صیغے ہیں، اور علماء نے ان دونوں کے درمیان فرق کی بہت سی وجوہات وصورتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ رحمٰن وہ ہے کہ جس کی رحمت دنیا اور آخرت کو محیط ہے، اور رحیم وہ ہے جس کی رحمت دنیا میں مومن اور کافر دونوں کو عام ہے، مطیع اور نافرمان کو عام ہے، بڑے بڑے اُمور کا تعلق رحمانیت سے ہے اور چھوٹے اُمور کا تعلق رحیمیت سے ہے، اور بھی بہت سے فرق بیان کیئے ہیں۔

''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں تینوں آتے ہیں، اللہ، الرحمٰن اور الرحیم، اس کے علاوہ ایک لفظ ''اسم'' رہ جاتا ہے، ایک ''با'' رہ جاتی ہے، باقی تین اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کو بسم اللہ شریف بہت محبوب ہے، تو یہ تین نام ہو گئے۔

خواص:

۱:...... ان اسماء کو لکھ کر دھو کر پلانے سے گرم بخار سے شفا نصیب ہوتی ہے۔

۲:...... جو کوئی اکتالیس (۴۱) دن تک روزانہ اکتالیس (۴۱) بار ''یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ یَا رَحِیْمَھُمَا'' پڑھے گا اس کی ضروری حاجت پوری ہو جائے گی۔

۳:...... جو کسی جابر حاکم کے پاس جاتے وقت ''یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ'' پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ظالم کے شر سے بچا لیتے ہیں۔

۴:...... جو شخص روزانہ پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ ''یَا رَحِیْمُ'' پڑھے گا دولت پائے گا۔

۵:...... جو ''یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ رَحِیْمَھُمَا'' اکتالیس (۴۱) روز پڑھے گا اس کی حاجت پوری ہو گی۔

④ اَلْمَلِکُ : بادشاہ

تشریح: بادشاہ کے کچھ اختیارات ہوتے ہیں، جس ملک کا بادشاہ ہے اس ملک میں اس کے احکام چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے کہ پوری کی پوری کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے اور کسی کا نہیں، باقی سب کے

سب اسی کے تابع ہیں، چاہے مانیں یا نہ مانیں۔

سورۂ فاتحہ میں آتا ہے: ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴿۳﴾'' مالک ہے قیامت کے دن کا، اور ایک قراءۃ میں: ''مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴿۳﴾'' بادشاہ قیامت کے دن کا، یہ اس لئے فرمایا کہ یہاں تو بادشاہی کی ڈینگیں دوسرے لوگ بھی مارتے ہیں، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' کس کی ہے سلطنت آج کی؟ کوئی جواب نہیں دے گا، خود ہی فرمائیں گے: ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' ایک واحد قہار کی حکومت ہے۔ وہ مَلِک ہے، وہ بادشاہ ہے، حقیقی بادشاہ کہ جس کا حکم سب پر چلتا ہے پر اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، اور اس کی حکومت کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں کہ ایک وقت میں ہو ایک وقت میں نہ ہو، آج ایک شخص حاکم ہے کل کو حکومت سے اُتر گیا وہ ایسا نہیں۔

خواص:

۱:......جو شخص اس اسم کو پڑھتا ہے اس کا نفس اس کی اطاعت کرتا ہے اور اسے عزت و حرمت حاصل ہوتی ہے۔

۲:......جو سورج نکلنے کے وقت تین ہزار (۳۰۰۰) بار یہ اسم مبارک پڑھے گا وہ جو مراد مانگے گا حاصل ہو جائے گی۔

۳:......جو کوئی روزانہ صبح نماز کے بعد ''یا مَلِکُ'' کثرت سے پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اسے غنی فرما دیں گے۔

⑤ اَلْقُدُّوْسُ: نہایت پاک

تشریح: قدوس قدس سے ہے جس کا معنی پاک کے ہیں، اور اس کا مطلب ہے ہر عیب و نقص سے پاک۔

خواص:

۱:......جو کوئی ہزار بار اس اسم کو پڑھے گا سب سے بے پروا ہو گا (یہاں تک کہ ناجائز شہوات سے بھی)۔

۲:......جو شخص دشمن سے بچنے کے لئے بھاگتے وقت اس کو کثرت سے پڑھے گا وہ محفوظ رہے گا۔

۳:......جو سفر میں اس کی مداومت کرے گا کبھی نہیں تھکے گا۔

۴:......جو اس کو تین سو انیس (۳۱۹) بار شیرینی پر پڑھ کر دشمن کو کھلا دے تو دشمن مہربان ہو جائے گا۔

۵:...... جو جمعہ کی نماز کے بعد "سُبُّوۡحٌ قُدُّوۡسٌ" روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھاتا رہے فرشتہ صفت ہو جائے گا۔

⑥ اَلسَّلَامُ : سلامتی والا

تشریح: سب کو سلامتی اسی کی بارگاہ سے ملتی ہے، وہ خود بھی سلامتی والا ہے یعنی اس میں عیب نہیں ہے، اس میں کوئی نقص نہیں وہ خود بھی سلام ہے اور باقی بھی جس کو سلامتی ملتی ہے اس کی جانب سے ملتی ہے، جیسے کہ ہم نماز کے بعد یہ پڑھتے ہیں "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ" اے اللہ! آپ سلامتی والے ہیں اور آپ کی جانب سے سلامتی ملتی ہے۔

خواص:

۱:...... جو ہمیشہ صبح کی نماز کے بعد ہزار مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا اس کا علم زیادہ ہوگا۔

۲:...... اگر کوئی اس اسم کو (۱۳۱) بار یا (۱۶۱) بار پڑھ کر بیمار پر دم کرے گا تو بیمار صحت پائے۔

۳:...... جو اس اسم کو کثرت سے پڑھے یا لکھ کر پاس رکھے وہ دشمن سے بے خوف رہے گا۔

۴:...... جو کوئی کثرت سے اس اسم کو پڑھتا رہے گا ان شاء اللہ تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

۵:...... جو کوئی (۱۱۵) مرتبہ یہ اسم پڑھ کر بیمار پر دم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صحت و شفاء عطا فرمائیں گے۔

⑦ اَلۡمُؤۡمِنُ : امن دینے والا

تشریح: "مؤمن" کا لفظ امن سے ہے، "المومن" کا معنی امن دینے والا، جس کو بھی امن دیتا ہے وہی امن دیتا ہے، اور اگر وہ امن نہ دے تو پھر کسی کو کہیں سے امن نہیں ملتا، جیسا کہ سورۃ قریش میں فرمایا:

﴿الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ٪﴾۔

بعض حضرات نے "مومن" کا ترجمہ کیا ہے ایمان والا، یعنی اپنے بھیجے ہوئے دین پر یقین رکھنے والا، جس ذات نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اور جو احکام انبیائے کرام کی معرفت صادر فرمائے وہ قطعاً برحق ہیں، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کا یقین ہے، جیسا کہ ایک آیت شریفہ میں فرمایا:

﴿شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ﴾ (آل عمران:۱۸)

ترجمہ: "گواہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس بات کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اہل علم بھی گواہی دیتے ہیں۔"

تو گواہی یقین پر ہی ہے، اللہ تعالیٰ کو یقین ہے اپنے معبود برحق ہونے کا، جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا یقین ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک برحق ہے ہم اس سب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے

نزدیک غلط؛ اگر ہم نے غلطی سے اس کو صحیح سمجھا تو ہماری اس سے توبہ۔

خواص:

۱:...... جو کثرت سے اس کا ورد کرے گا اس کا ایمان قائم رہے اور مخلوق اس کی مطیع و معتقد ہو جائے۔

۲:...... جو کوئی روزانہ تین مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھا کرے اسے کوئی خوف نہیں رہے گا۔

۳:...... جو کوئی ایک سو چھتیس بار یہ اسم مبارک پڑھا کرے ظالموں کے ظلم اور جملہ آفات سے محفوظ رہے گا۔

۴:...... خوف زدہ آدمی اگر فرضوں کے بعد (۳۶) بار اس اسم کا ورد رکھے تو اس کی جان و مال محفوظ رہے گی۔

۵:...... جو اس اسم کو (۱۱۵) بار پڑھ کر دم کرے گا اِن شاء اللہ ہر طرح کے خوف اور نقصان سے محفوظ رہے گا۔

⑧ اَلْمُهَيْمِنُ : سب کا نگہبان

تشریح: ''مہیمن'' کا معنیٰ نگہبان ہیں، وہ سب کا نگہبان اور سب کا محافظ ہے، پوری کائنات کی نگہبانی اللہ کے سپرد ہے، وہی حفاظت کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا: اے اللہ! آپ کو نیند بھی آتی ہے؟ کہا: موسیٰ! پانی کے دو پیالے لے لو اور کھڑے ہو جاؤ، وہ دونوں آپس میں ٹکرائیں نہیں، وہ بھرے ہوئے ہوں وہ چھلکیں نہیں، موسیٰ علیہ السلام تو آخر گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان تھے، اُونگھ آئی تو ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے، پیالے چھلک گئے، آپس میں ٹکرا کے گر کے ٹوٹ گئے، فرمایا: موسیٰ! تمہیں اُونگھ آ گئی، دو پیالے نہیں سنبھل سکے، اگر مجھے اُونگھ آ گئی تو زمین و آسمان کا نظام کون سنبھالے گا؟ اسی لئے فرمایا:

''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ'' اسے نیند اور اُونگھ نہیں آتی۔

خواص:

۱:...... جو کوئی غسل کرے پھر خلوت میں توجہ کے ساتھ نماز پڑھے اور سو (۱۰۰) بار یہ اسم پڑھے اس کے دل میں نور پیدا ہوگا اور اس کی مراد پوری ہو جائے گی اور عالی ہمت ہو جائے گا۔

۲:...... جو کوئی اسے (۲۹) بار پڑھے گا اس کو کوئی غم نہ رہے گا۔

۳:...... جو یہ اسم ہمیشہ پڑھتا رہے گا تمام بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔

⑨ اَلْعَزِیْزُ: عزت والا، ہر غالب سے غالب

تشریح: قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۸﴾

(المنافقون)

ترجمہ: ''اور اللہ کے لئے ہے عزت اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔''

اور ہم امریکہ والوں سے عزت لیتے ہیں، یورپ والوں سے عزت مانگتے ہیں۔

عزیز کے ایک معنیٰ ''غَالِبٌ عَلٰی کُلِّ غَالِبٍ'' ہر غالب سے غالب، باقی تمام کی تمام مخلوق اس کے سامنے مغلوب اور وہ سب پر غالب ہے۔

خواص:

۱:...... جو شخص چالیس دن تک چالیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو معزز و مستغنی فرمائیں گے۔

۲:...... جو شخص نماز فجر کے بعد اکتالیس مرتبہ پڑھتا رہے وہ اِن شاء اللہ کسی کا محتاج نہ ہو اور ذلت کے بعد عزت پائے۔

۳:...... اگر رات کے آخری حصے میں جمع ہو کر دو ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھیں تو رحمت کی بارش ہوگی۔

۴:...... جو اس اسم کو (۹۴) بار پڑھ لیا کرے وہ معزز و کامران رہے۔

۵:...... جو اس کو (۴۱۱) دن تک (۲۰۰) مرتبہ اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھے گا اس کے سب کام درست ہو جائیں گے۔

۶:...... جو متواتر سات (۷) دن تک ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اس کا دشمن ہلاک ہو جائے۔

۷:...... جو کسی (دشمن کے) لشکر کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے (۷۰) بار یہ اسم مبارک پڑھے وہ لشکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست کھا جائے۔

⑩ اَلْجَبَّارُ: بگڑے ہوئے کاموں اور حالات کو درست کرنے والا

تشریح: اس کے بھی دو معنی ہیں، ایک ہے جبر کرنے والا، جیسے کہ کہا جاتا ہے: ''یہ کام مجھ سے جبراً کروایا گیا''، ''میں مجبور تھا''، تو جبار کا معنی ہے ''سب پر جبر کرنے والا'' اور باقی ساری کائنات اس کے سامنے

مجبور ہے، لیکن جبر کرنے کے معنی وہ نہیں جو ہمارے یہاں سمجھے جاتے ہیں، بلکہ جو معنی ''عزیز'' کے ہیں کہ ''وہ سب پر غالب ہے'' قریب قریب وہی معنی ''جبار'' کے ہیں کہ ''وہ سب پر حاوی ہے''، سب پر غالب ہے، سب اس کے پنجہ قدرت میں ہیں اور کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اس کا ارادہ سب کے ارادوں پر غالب، اس کی طاقت سب طاقتوں پر غالب، اور اس کی مشیت سب کی مشیت پر غالب، اس کے مقابلے میں ساری کائنات مجبور ہے کہ دَم نہیں مار سکتی۔

''جبر'' کے دوسرے معنی عربی زبان میں ہڈی جوڑنے کے آتے ہیں، ''جبار'' کا معنی ''ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا''۔ بعض دفعہ ہڈی ٹوٹ جاتی ہے اس میں لوگ جوڑ لگا دیتے ہیں، اس پر پلاسٹر کر دیتے ہیں کچھ عرصے بعد ہڈی جڑ جاتی ہے، ہڈی کا ایک دوسرے سے جڑنا کوئی مطلب نہیں رکھتا، کوئی مصالحہ لگاتے ہیں اس کو۔ کانچ اگر ٹوٹ جائے تو اس کو دوبارہ نہیں جوڑ سکتے سوائے اس کے کہ کوئی مصالحہ لگاؤ، اور مصالحہ لگانے کے بعد نظر بھی آتا رہتا ہے، شیشے میں لگایا ہوا مصالحہ مٹ نہیں سکتا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ ہے کہ ٹوٹی ہڈی کو بھی جوڑ لگا دیتے ہیں، باوجود اس کے کہ ہڈی ایسی چیز ہے کہ وہ کسی کے ساتھ جڑ نہیں سکتی، ایک ہڈی دوسرے کے ساتھ کیسے جڑ جائے گی؟ جو اس کے ٹکڑے ہو گئے یہ آپس میں کیسے جڑیں گے؟ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ اپنی قدرت سے ہڈی میں جوڑ لگا دیتے ہیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں میں بھی جوڑ پیدا فرما دیتے ہیں، پیوند لگا دیتے ہیں۔

خواص:

۱:...... جو شخص روزانہ صبح و شام (۲۲۶) مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا اِن شاء اللہ ظالموں کے ظلم و قہر سے محفوظ رہے گا۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو ہمیشہ پڑھتا رہے وہ مخلوق کی غیبت اور بدگوئی سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ہر ظالم و جابر سے حفاظت فرماتا ہے۔

۳:...... اس اسم کے ساتھ (ذُوْ الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ) ملا کر پڑھنا بھی حفاظت کے لئے بہت مفید ہے۔

⑪ اَلْمُتَکَبِّرُ: عالی شان، بڑائی والا

تشریح: ہم میں سے کسی شخص کا متکبر ہونا یہ اس کے لئے عیب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے عیب نہیں بلکہ یہ اس کی شان ہے، اس لئے کہ کبریائی اس کی صفت ہے، تو متکبر کا معنی کبریائی والا، شان والا، اس لئے کوئی بجا طور پر اُونچا قد کرنے کی کوشش کرے تو برا لگے گا، اچھا نہیں لگے گا، اور جو نیچا ہو اور بڑا بننے کی

کوشش کرے تو اہل عقل اس کو پسند نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ: بھئی! اپنے جامے میں رہو، اپنی چادر میں رہو، جتنی تمہاری حیثیت ہے وہیں رہو۔ تو بندے کی صفت کبریائی ہے ہی نہیں، بڑائی اس کی شان کے لائق نہیں، اس لئے جب یہ بڑائی کا مظاہرہ کرتا ہے تو متکبر کہلاتا ہے، اور یہ متکبر ہونا اس کے لئے عیب اور نقص ہے، لیکن اللہ کے لئے عیب نہیں، متکبر ہونا اللہ کی شان ہے، اس کے مقابلے میں بندے کا کام متواضع ہونا ہے، ہاں! حدیث میں یوں آتا ہے:

”مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ“ (مشکوٰۃ، کنز العمال: ۵۷۳۰)

ترجمہ: ”جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو نیچا کردے اللہ اس کو بلند کر دیتا ہے“۔

خواص:

۱:...... کسی کو بے حیائی سے روکنے کے لئے اس کا دس (۱۰) بار پڑھنا بہت مفید ہے۔

۲:...... جو کوئی ہم بستری سے پہلے دس بار (۱۰) یہ اسم مبارک پڑھے اللہ جل شانہ اسے پرہیزگار اور نیک فرزند عطا فرمائیں گے۔

۳:...... جو اسے ہر کام کے آغاز میں کثرت سے پڑھے گا اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔

۴:...... جو اس کو (۲۱) بار پڑھ کر سوئے گا اِن شاء اللہ خواب میں نہیں ڈرے گا۔

۵:...... جو اس کو (۶۶۲) دن تک (۶۶۲) مرتبہ روزانہ پڑھے گا صاحب صولت و سیاست ہوگا۔

⑫ اَلْخَالِقُ: عدم سے پیدا کرنے والا، بنانے والا

تشریح: آج کل لوگ یہ لفظ غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں، ”یہ اس نظریئے کا خالق ہے“، اور ”یہ اس کی تخلیق ہے“، لاحول ولا قوۃ! عدم سے وجود میں لانے کو ”تخلیق“ کہتے ہیں اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ تم جو چیز بناتے ہو، یہ عدم سے وجود میں نہیں لاتے، دو چار چیزوں کو جوڑ کر ایک چیز بنا لیتے ہو۔

خواص:

۱:...... جو شخص آدھی رات کے بعد ایک گھنٹہ یا اس سے زیادہ اس اسم مبارک کا ورد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل اور چہرے کو منور فرمادے گا۔

۲:...... جس کا مال یا بیٹا گم ہو گیا ہو اگر وہ پانچ ہزار (۵۰۰۰) بار اس کا ورد کرے تو گمشدہ واپس آجائے گا۔

۳:......جو سات روز تک متواتر اس کو (۱۰۰) بار پڑھے تمام آفات سے محفوظ رہے۔

۴:......جو اسے (۱۰۰۰) ہزار بار پڑھا کرے اسے اولاد نرینہ نصیب ہو۔

۵:......اگر کوئی شخص ہمیشہ ''اَلْخَالِقُ'' پڑھتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کر دیتے ہیں جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے اور اس کا چہرہ منور رہتا ہے۔

⑬ اَلْبَارِئُ : بغیر مثال اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا

تشریح: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے البراء سے، اس کا معنی بھی پیدا کرنے کے ہیں، لیکن اس میں جو بات ملحوظ ہے وہ یہ کہ بغیر مثال اور بغیر نمونے کے پیدا کرنا، یا یوں کہو کہ بغیر مادے کے پیدا کرنا، ایک مستری لکڑی کا سامان بناتا ہے، مادّہ پہلے سے موجود ہے، اور ایک لوہار لوہے کی چیزیں بناتا ہے، لوہا پہلے سے موجود ہے، سنار سونے چاندی کی چیزیں بناتا ہے، سونا پہلے ہی سے موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانہ بنایا اور مادہ پہلے سے موجود نہیں تھا، کسی مادے سے نہیں بنایا ہے بلکہ مادے کو بھی پیدا فرمایا ہے، یہ معنی ہیں باری کے۔

خواص:

۱:......اگر طبیب اس اسم کو پابندی سے ہمیشہ پڑھے تو اس کے ہاتھ میں شفا ہوگی۔

۲:......جو کوئی اس اسم کو (۲۴۴) بار پڑھے اس کی جو بھی مراد ہوگی وہ پوری ہوگی۔

۳:......اگر بانجھ عورت سات روز روزے رکھے اور پانی سے افطار کرنے کے بعد اکیس مرتبہ (اَلْبَارِئُ اَلْمُصَوِّرُ) پڑھے تو اِن شاء اللہ اولاد نرینہ نصیب ہو۔

۴:......اس کا بکثرت ذکر کرنے سے صنائع عجیبہ کا ایجاد آسان ہو جاتا ہے۔

۵:......جو شخص سات دن تک روزانہ اس کو (۱۰۰) بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے امراض سے شفا اور آفات سے سلامتی عطا فرمائے گا۔

⑭ اَلْمُصَوِّرُ : صورت گری کرنے والا

تشریح: تصویر بنانے والا، صورت گری کرنے والا، یہ مصور بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، تم جانتے ہو کہ ماں کے پیٹ میں جو پانی کا قطرہ جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نقش نگاری کرتے ہیں، یہ اس کی قدرت ہے۔

کون ہے کہ جس نے پانی پر تصویر بنا کر دکھا دی؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کتنے انسان پیدا ہوئے اور ہوں گے؟ کبھی بھی دو آدمیوں کی شکل اللہ تعالیٰ نے ملنے نہیں دی، اب اندازہ کرو اس کے پاس کتنی تصویریں ہیں؟ بعض دفعہ دو جڑواں بچے ہوتے ہیں بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے، اور یہ تو انسانوں کی صورت ہے، یہ درختوں کے پتے ان کی بھی ایک

صورت ہے، حکماء کہتے ہیں کہ ایک پتا اللہ تعالیٰ نے دوسرے سے ملنے نہیں دیا، ایک انڈا دوسرے انڈے سے ملنے نہیں دیا، ایک انسان کے دانت بتیس دوسرے سے ملنے نہیں دیئے، یہ انگوٹھے کے نشانات ایک کے دوسرے کے ساتھ ملنے نہیں دیئے، یہ مصور ہے، تصویر بنانے والا، اور یہ جو فوٹو گرافی کرتے ہیں یا کیمرے یا قلم سے بناتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ''اَشَدُّ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ'' قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا: تم نے بندر کی صورت تو بنا دی تھی اب اس میں جان بھی ڈال کر دکھاؤ، وہ کہاں سے ڈالیں گے؟

خواص:

۱:...... اگر کوئی شخص سات دن تک روزہ رکھے اور غروب آفتاب کے بعد افطار سے پہلے اکیس مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھ کر دم کرے اور پانی بانجھ عورت کو پلائے تو اِن شاء اللہ اس کا بانجھ پن دور ہو جائے گا۔

۲:...... جو کوئی وضو کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سے اس کو اپنی پیشانی پر رکھے تو جس سے ملاقات کرے وہ اس کا دوست ہو جائے۔

۳:...... جو اسے پانی پر پڑھ کر دم کرے اور پی لے تو اعلیٰ مرتبہ پائے۔

⑮ اَلْغَفَّارُ: بہت بخشنے والا

تشریح: غفار کے اصل معنی ڈھانکنے والے کے ہیں، اور اس کے لازمی معنی کئے جاتے ہیں گناہوں کو بخشنے والا، الغفار مبالغے کا صیغہ ہے یعنی بہت مغفرت کرنے والا اور اپنے بندوں کے گناہوں کو ڈھا کنے والا، اور اس ڈھانکنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب کسی بندے کی بخشش فرما دیتے ہیں تو مخلوق کو اس پر مطلع نہیں فرماتے بلکہ مخلوق کی نظروں سے اس کو اوجھل فرما دیتے ہیں، صرف علم الٰہی میں وہ چیز باقی رہ جاتی ہے، باقی اس کے تمام ثبوت یا تمہاری زبان میں اس کے تمام ریکارڈ ختم کر دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ فرشتوں کے دفتر سے بھی مٹا دیا جاتا ہے، فرشتوں کے حافظے سے بھی مٹا دیا جاتا ہے اور زمین کے وہ حصے جن پر بندے نے گناہ کیا تھا ان حصوں سے بھی گناہ کو مٹا دیا جاتا ہے، حق تعالیٰ ہم سب کی بخشش فرمائے، کامل مغفرت فرمائے۔ (آمین)

خواص:

۱:...... جو کوئی ''یَا غَفَّارُ'' کی مداومت کرے گا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے نفس کی بری خواہشات دور ہوں گی۔

۲:...... جو اس اسم کو جمعہ کے بعد سو بار پڑھے گا تو مغرت کے آثار پیدا ہوں گے، تنگی دفع ہوگی اور

بے گمان رزق ملے گا۔

۳:......غصہ کرنے والوں پر یہ اسم پڑھا جائے تو ان کا غصہ زائل ہو جاتا ہے۔

⑯ اَلْقَھَّارُ : سب پر غالب

تشریح: قہار کا لفظ قہر سے ہے، قہر کا معنی ہے غلبہ، یعنی سب پر غالب۔

خواص:

۱:......جس شخص کی کوئی حاجت ہو وہ اپنے گھر یا مسجد میں سر ننگا کر کے ہاتھ اٹھا کر سو (۱۰۰) بار ''یَاقَھَّارُ'' کہے اِن شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

۲:...... جو اِشراق کی نماز کے بعد سجدہ کر کے سات بار ''یَا قَھَّارُ'' پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی فرما دے گا۔

۳:......بکثرت اس کا ذکر کرنے سے دنیا کی محبت اور ماسوی اللہ کی عظمت دل سے جاتی رہے اور دشمنوں پر غلبہ ہو۔

۴:......جو کسی مشکل کے واسطے اس کو سو بار پڑھے مشکل حل ہو۔

۵:......اگر چینی کے برتن پر لکھ کر ایسے شخص کو پلایا جائے جو بوجہ سحر کے عورت پر قادر نہ ہو، سحر دفع ہو۔

⑰ اَلْوَھَّابُ : بہت عطا کرنے والا

تشریح: وہاب کا لفظ ''ہبہ'' سے ہے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کوئی چیز بغیر معاوضے کے دے دی جائے تو ہبہ کہلاتا ہے، ہبہ کا معنی ہے کہ کسی کو کسی چیز کا بغیر معاوضے کے مالک بنا دینا، اور اگر معاوضہ لے کر دیا جائے تو تجارت کہلاتی ہے، سوداگری کہلاتی ہے، بیع کہلاتی ہے، تو الوہاب کا معنی ہے بغیر معاوضے کے عطا کرنے والا اور بہت دینے والا، حق تعالیٰ شانہٗ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب کی سب عطیات ہیں اور ان نعمتوں کا کوئی شمار نہیں، ظاہری بھی ہیں باطنی بھی ہیں، جسمانی بھی ہیں رُوحانی بھی ہیں، دُنیاوی بھی ہیں اُخروی بھی ہیں، اور یہ ساری کی ساری بغیر معاوضے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا معاوضہ نہیں لیا اور معاوضہ لینا تو دُور کی بات، تم سے درخواست بھی نہیں لکھوائی کہ درخواست لکھ کر بھیجو پھر ہم تمہیں دیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ بندے ہیں فلاں فلاں چیزوں کے محتاج ہیں، ہماری زبان حال نے ہی تقاضا کیا ورنہ ہم نے کوئی درخواست بھی نہیں دی تھی، اللہ میاں کو درخواست بھیجی تھی کہ میری آنکھیں رکھنا؟ صحیح سالم، آنکھ، ناک، کان، دوسرے اعضاء صحیح سالم رکھنا؟ کسی نے درخواست دی؟ میں نے تو نہیں دی، تو وہاب ہے بغیر معاوضے کے ہبہ کرنے والا، عطا کرنے والا، میں نے کہا کہ یہاں تک کہ تم سے درخواست بھی نہیں

لکھوائی بلکہ بغیر درخواست کے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطا فرمایا، اور یہ بھی مبالغے کا صیغہ ہے، بہت عطا کرنے والا، اس لئے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی تحفہ دے دیتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ انسانوں، جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کو عطا کررہا ہے، یوں کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں، اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوق ہیں، جن میں ایک یہ ننھی ننھی چیونٹیاں بھی ہیں ان کو بھی عطا فرماتا ہے، اٹھارہ ہزار قسم کے عالم کو عطا کرنے والا وہ ایک تنہا ہے، اس لئے بجا طور پر اس کا نام ہے ''الوہاب'' بہت عطا کرنے والا، بے شمار عطا کرنے والا۔

خواص: بارہ ہیں:

۱:......جو سات بار اس کو روز پڑھے گا، مستجاب الدعوات ہوگا۔

۲:......جو اس اسم کو عشاء کی نماز کے بعد چودہ سو چودہ بار پڑھے گا اسے رزق کی فراخی نصیب ہوگی۔

۳:......جو کوئی فقر و فاقہ سے پریشان ہو وہ اس اسم کی مداومت کرے اللہ تعالیٰ اسے ایسی راحت عطا فرمائے گا کہ حیران رہ جائے گا۔

۴:......جو چاشت کی نماز کے بعد سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدے میں سات بار ''**الوھاب**'' پڑھے گا مخلوق سے بے پروا ہوجائے گا۔

۵:......جو کوئی رزق کی فراخی چاہتا ہو، چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھے، پھر سلام کے بعد سجدے میں جاکر ''**الوھاب**'' ایک سو چار بار اور اگر فرصت نہ ہو تو پچاس بار پڑھے مال دار ہوجائے گا۔

۶:......کوئی بھی حاجت پیش آئے تو آدھی رات کے وقت گھر یا مسجد کے صحن میں تین بار سجدہ کرکے ہاتھ اٹھا کر سو بار اس کو پڑھے یہ عمل تین یا سات رات کرے، اِن شاء اللہ العزیز حاجت پوری ہوجائے گی۔

۷:......جو اسے عشاء کے بعد ساڑھے گیارہ سو بار پڑھے مقروض نہ رہے گا۔

۸:......جو شخص فقر و فاقہ میں گرفتار ہو وہ کثرت سے اس اسم کو پڑھا کرے یا لکھ کر اپنے پاس رکھے یا چاشت کی نماز کے آخری سجدہ میں چالیس بار پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے فقر و فاقہ سے اِن شاء اللہ حیرت انگیز طریق پر نجات دے دیں گے۔

۹:......حفاظت ایمان کے لئے ہر نماز کے بعد سات بار یہ آیت پڑھنا مجرب ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۸)۔

۱۰:......برکت کے لئے اس اسم کو ''**اَلْكَرِيْمُ ذُو الطَّوْلِ**'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا مفید ہے۔

۱۱:......ہر چیز میں برکت کے لئے اس اسم کو ''**اَلْكَافِيْ**'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا مفید ہے۔

۱۲:......جب کوئی مشکل پیش آئے کسی میدان میں جاکر دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر

سو بار ''یَا وَهَّابُ'' پڑھے اِن شاء اللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

⑱ الرَّزَّاقُ : رزق پہنچانے والا

تشریح: رزق پہنچانے والا، روزی دینے والا باقی ساری کائنات مرزوق یعنی اس کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ اکیلا رزّاق ہے۔

خواص: نو ہیں:

۱:...... جو اس اسم کو نہار منہ بیس مرتبہ پڑھنے کا معمول بناوے اللہ تعالیٰ ایسا ذہن عطا فرماتا ہے جو باریکیوں اور مشکلات کو سمجھ لیتا ہے۔

۲:...... جو شخص اپنے مکان کے چاروں کونوں میں نماز صبح سے پہلے دس مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رزق کے دروازے اِن شاء اللہ کھول دیں گے، بیماری اور مفلسی اس کے گھر میں ہرگز نہ آئے گی، پڑھنے کا آغاز داہنے کونہ سے کرے اور منہ قبلہ کی طرف رکھے۔

۳:...... جو فجر کے فرض و سنّت کے درمیان اکتالیس دن تک ساڑھے پانچ سو مرتبہ یہ اسم روز پڑھے گا، دولت مند ہوگا، اس میں فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا اور اس اسم مبارک کے اول و آخر گیارہ بار درود شریف پڑھنا شرط ہے۔

۴:...... جو عشاء کی نماز کے بعد سر ننگا کر کے ''یَا رَزَّاقُ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ یَا رَزَّاقُ'' گیارہ بار اول آخر درود شریف کے ساتھ اکتالیس روز پڑھا کرے گا اس کے لئے رزق کے دروازے کھلیں گے۔

۵:...... جو کوئی اس کو پانچ سو پینتالیس بار روز پڑھے گا، رزق اس کا کشادہ ہوگا اور کوئی دشواری اور درماندگی نہ آئے گی۔

۶:...... جو اس اسم کو روزانہ تنہائی میں ایک ہزار بار پڑھے گا، اِن شاء اللہ خاص روحانی مقام پائے گا۔

۷:...... جو ہر نماز کے بعد اس کے پڑھنے کا معمول بنائے گا غیب سے روزی پائے گا۔

۸:...... جو شخص اس اسم کو سترہ بار اس شخص کے سامنے پڑھے جس سے کوئی حاجت ہو اِن شاء اللہ وہ حاجت پوری ہو جائے گی۔

۹:...... جو اس اسم کو سو بار قیدی کی رہائی کے لئے پڑھے گا اسے خلاصی ملے گی اور اگر بیمار کی صحت یابی کے لئے پڑھے گا اسے شفا ملے گی، اِن شاء اللہ (مجرب ہے)۔

⑲ اَلْفَتَّاحُ : بہت کھولنے والا

تشریح: بہت کھولنے والا، فتح دروازہ کھولنے کو کہتے ہیں، بندوں کی روزی اور اپنی رحمت کے

دروازے کھولنے والا، اس کی رحمت کے دروازے سب پر کھلے ہیں، اور اس کی روزی کے دروازے بھی سب پر کھلے ہیں، جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے اور دروازے بند نظر آتے ہیں تو وہی ان بند دروازوں کو کھولتا ہے، مشکلات کے وقت دروازوں کو وہی کھولنے والا ہے۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو کوئی اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کر نماز کے بعد اکہتر بار یہ اسم پڑھے گا، اس کا دل پاک اور منور ہو جائے گا اور حق کے راستے کا حجاب اس سے ہٹا لیا جائے گا اور اسے اِن شاء اللہ تمام امور میں آسانی اور رزق میں برکت عطا کی جائے گی۔

۲:...... اگر کند ذہن چینی کی رکابی پر اس کو لکھ کر زبان سے چاٹے، ذہین ہو جائے۔

۳:...... جو اسے سات بار پڑھے گا دل کی تاریکی جاتی رہے گی۔

۴:...... جو اس کا بکثرت ورد رکھے، اس کے دل کی کدورت دور ہو جائے گی اور فتوحات کے دروازے اس پر کھل جائیں گے۔

⑳ اَلْعَلِیْمُ: بہت جاننے والا

تشریح: بہت جاننے والا، علیم اور عالم میں فرق ہے، ایک ہوتا ہے عالم، یعنی جاننے والا اور ایک ہوتا ہے معلوم یعنی جس چیز کو جانا گیا، جو چیز علم میں آئی وہ اس کا عالم ہے اور جب تک علم اس کو حاصل ہے وہ عالم کہلاتا ہے، اور جب علم ہٹ جاتا ہے تو وہ عالم نہیں رہتا، بخلاف علیم کے، علیم کا معنی ہے ایسا جاننے والا کہ جاننا اس کی صفت بن گیا ہے، جو کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتی، جب مخلوق نہیں تھی اس وقت بھی وہ مخلوق کے سارے حالات جانتا تھا، اور جب اس کارخانے کو مٹا دیا جائے گا درہم برہم کر دیا جائے گا ساری مخلوق فنا کے گھاٹ اُتر جائے گی اور وہ ایک تنہا باقی رہ جائے گا اس وقت بھی ساری مخلوق کے حالات کو جانتا ہے۔ ان کے اول کو بھی جانتا ہے ان کے آخر کو بھی جانتا ہے، ہر ایک کے مبدأ کو جانتا ہے ہر ایک کے منتہا کو جانتا ہے، ہر مخلوق کی ہر ہر چیز کو جاننے والا اور ہمہ وقت جاننے والا ہے یہ ہے علیم، اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ کے سوا کسی کی صفت نہیں۔

خواص: سات ہیں:

۱:...... جو کثرت سے ''یَا عَلِیْمُ'' کا ورد کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر اِن شاء اللہ علم و معرفت کے دروازے کھول دے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے مانگے گا جلد ملے گا اور حافظہ قوی ہوگا۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو دل میں پڑھے، صاحبِ معرفت ہو جائے اور اگر فرض نماز کے بعد ڈیڑھ

سو بار پڑھا کرے، صاحب یقین ہوجائے۔

۳:...... جو کوئی نماز کے بعد سو بار "یَا عَالِمَ الْغَیْبِ" پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو صاحب کشف بنادے گا۔

۴...... جو استخارہ کرنا چاہے شب جمعہ کو نماز کے بعد سو بار مسجد میں یہ اسم مبارک پڑھ کر سو رہے، مطلوبہ حال سے آگاہی پالے گا۔

۵:...... جو کوئی نامعلوم امر دریافت کرنا چاہے اول دو رکعت نماز پڑھے پھر درود شریف، پھر: "سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ" ستر بار پڑھ کر "یَا عَلِیْمُ عَلِّمْنِیْ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْنِیْ یَا مُبِیْنُ بَیِّنْ لِیْ" سو سو بار پڑھ کر اپنا مطلب تصور کر کے لیٹ جائے، اگر نیند نہ آئے تو اٹھ کر کسی مجمع میں چلا جائے وہاں لوگوں کی باتوں سے بطریق اشارہ مطلب معلوم کرے۔

۶:...... جو ہر نماز کے بعد سو بار "یَا عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ" کو معمول بنائے گا اِن شاء اللہ صاحب کشف ہوجائے گا۔

۷:...... اگر کوئی شخص "یَا عَلَّامُ الْغُیُوْبِ" کو اس قدر پڑھے کہ اس پر حال طاری ہوجائے تو اس کی روح کو عالم بالا کی سیر نصیب ہوگی۔

㉑ اَلْقَابِضُ: بند کرنے والا

تشریح: بند کرنے والا، قبضے میں لینے والا، پوری کی پوری کائنات اسی کے قبضے میں ہے، کہتے ہیں کہ اس پر فلانے کا قبضہ ہے، فلانا قابض ہے، اس جائیداد پر فلانا آدمی قابض ہے تو قابض کا معنی قبضے والے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے قابض ہے کہ ساری کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے، عرش سے فرش تک، ثریٰ سے ثریا تک، کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے اختیار اور قبضہ قدرت سے باہر ہو، پھر وہ قابض ارواح بھی ہے، کہتے ہیں اس کی روح قبض ہوگئی، اس کا کیا معنی ہے؟ اس کی روح نکل گئی اور اللہ کے قبضے میں چلی گئی، تمام کی تمام اَرواح اس کے قبضے میں ہیں، اَرواح پر قبضہ کرنے والا ہے، اور قبض کا معنی بند کرنا بھی ہیں، تو "القابض" کا معنی روزی بند کرنے والا جس کی چاہے روزی بند کردے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں: "وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ" اللہ تعالیٰ ہی روزی بند کرتا ہے، اور وہی فراخ کرتا ہے۔

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو اس اسم کو ہر روز تیس بار پڑھے اِن شاء اللہ دشمن پر فتح پائے گا۔

۲:...... جو کوئی اسے چالیس دن تک ہر روز چار یا چالیس نوالوں پر لکھ کر کھالیا کرے گا، وہ بھوک

اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا، اسی طرح زخم اور درد وغیرہ کی تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا، اِن شاءاللہ!

۳:......جو کوئی اس اسم کو آدھی رات کے وقت پڑھا کرے، دشمن اس کا مقہور ہوگا۔

تنبیہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ: ''اَلْقَابِضُ'' کو ''اَلْبَاسِطُ'' کے ساتھ ''اَلْمُذِلُّ'' کو ''اَلْمُعِزُّ'' کے ساتھ، ''اَلْمُمِيْتُ'' کو ''اَلْمُحْيِ'' کے ساتھ، ''اَلْمُؤَخِّرُ'' کو ''اَلْمُقَدِّمُ'' کے ساتھ ''اَلْمَانِعُ'' کو ''اَلْمُعْطِيْ'' کے ساتھ اور ''اَلضَّارُّ'' کو ''اَلنَّافِعُ'' کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے اور ان میں ہر پہلے اسم مثلاً: ''اَلْمُذِلُّ'' کو دوسرے اسم مثلاً: ''اَلْمُعِزُّ'' کے ساتھ ملائے بغیر پڑھنا مناسب نہیں ہے۔

۲۲ اَلْبَاسِطُ : کشادہ کرنے والا

تشریح: کھولنے والا، کشادہ کرنے والا، روزی کو کشادہ کرنے والا، اور اسی طرح جب اس کا حکم ہوگا اس کی مشیت ہوگی تو اَرواح کو چھوڑ دے گا وہ ابدان میں چلی جائیں گی اپنے اپنے بدنوں میں چلی جائیں گی۔ تو قابض اور باسط کا تعلق مخلوق سے ہے، اس اعتبار سے کہ تمام مخلوق اس کے قبضے میں ہے جب چاہے کسی چیز کو بند کردے جب چاہے کسی چیز کو کھول دے، روزی بھی اسی کے قبضے میں ہے جب چاہے اس کو کھول دے جب چاہے اس کو بند کردے۔

خواص: دس ہیں:

۱:......جو اس اسم کو چاشت کی نماز کے بعد دس بار پڑھے گا، اسے ہر معاملے میں کشادگی نصیب ہوگی اور اِن شاءاللہ کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔

۲:......جو دس بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ اسم پڑھے اور پھر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے تو اس کے لئے غنا کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

۳:......جو اسے چالیس بار پڑھے اِن شاءاللہ مخلوق سے بے پروا ہوگا۔

۴:......مشکلات سے نجات کے لئے ہر نماز کے بعد ایک سو چالیس بار ہر روز اس کا پڑھنا مفید ہے۔

۵:......کشائش کے لئے (۷۲) دن تک روزانہ بارہ ہزار بار یہ اسم پڑھے۔

۶:......جو کوئی تین رات میں سوالاکھ بار ''یَا بَاسِطُ'' ختم کرے اور اول و آخر سو سو بار درود شریف پڑھے، اسے اِن شاءاللہ غیب سے روزی ملے گی، تین راتوں کے بعد روزانہ سو بار پڑھ لیا کرے۔

۷:......جو کوئی سحر کے وقت آنکھیں بند کرکے گیارہ مرتبہ یہ اسم پڑھے اور ہاتھ پر دم کرکے منہ پر پھیرے پھر آنکھیں کھول کر ہاتھوں کو دیکھے پھر بہتر بار پڑھ کر یہ دعا مانگے: ''اَللّٰھُمَّ زِدْ ثُمَّ زِدْ وَ لَا تَنْقُصْ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔'' اِن شاءاللہ اس دن بھوکا نہ رہے گا۔

۸:...... جو (۲۷) بار روزانہ اس اسم کو پڑھا کرے، اسے حق تعالیٰ تمام آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔

۹:...... جو کوئی اس اسم کو رات کے آخری حصہ میں ہاتھ اٹھا کر دس بار کہے، ہمیشہ خوش دل رہے، کوئی غم والم نہ ہو اور ایسی جگہ سے نفع ہو، جس کی امید نہ ہو۔

۱۰:...... جو اس اسم کو ہر روز پڑھا کرے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے اس کو اِن شاء اللہ غم نہیں پہنچے گا اور وہ غیب سے روزی پائے گا، کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

۲۳ اَلْخَافِضُ : نیچا کرنے والا

۲۴ اَلرَّافِعُ : اُونچا کرنے والا

تشریح: یہ دونوں متضاد صفات ہیں، وہ جس کو چاہے اونچا کردے، جس کو چاہے نیچا کردے، ایک دفعہ شاہ روم نصرانی بادشاہ نے خلیفہ اسلام کو خط لکھا کہ میں تین سوال بھیجنا چاہتا ہوں، اور تمہارے علماء میں سے کوئی اس کا جواب دیدے تو ٹھیک ہے ورنہ ان سب پر جزیہ لگانا چاہئے، ایک آدمی بھیجا، تین سوالات اللہ تعالیٰ کے بارے میں تھے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟ دوسرے اللہ تعالیٰ کا منہ کس طرف ہے؟ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

دوسرے علماء ان سوالات کو سن کر حیران ہوئے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، فرمانے لگے: اگر اجازت ہو تو میں ان سوالوں کا جواب دوں؟ اجازت دی گئی، وہ تخت پر بیٹھا سوال کر رہا تھا، حضرت امام نیچے کھڑے جواب دے رہے تھے، اس نے پہلا سوال کیا: اللہ تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: گنتی جانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: شروع کرو! اس نے کہا: ایک، دو، تین، چار، فرمایا کہ: ایک سے پہلے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں، ایک سے تو گنتی شروع ہوتی ہے۔ فرمایا: یہ تمہاری گنتی کا واحد ہے اور وہ واحد حقیقی ہے، جب تمہاری گنتی کے واحد سے پہلے کچھ نہیں تو اس واحد حقیقی سے پہلے کون ہوگا؟ کہنے لگا: ٹھیک جواب ہے۔ دُوسرا سوال تھا کہ: اللہ تعالیٰ کا رُخ کس طرف ہے؟ ارشاد فرمایا کہ: شمع چراغ کسی کمرے میں روشن کی جائے تو اس کا رُخ کس طرف ہوتا ہے؟ کہا کہ: ہر طرف ہوتا ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس طرف ہے؟ فرمایا کہ: یہ تمہاری معمولی سی روشنی اور ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، جب تمہارے اس معمولی نور کا رُخ کسی ایک طرف نہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے جہت ثابت کرتے ہو؟ کہنے لگا: یہ بھی ٹھیک۔ اور تیسرا سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہا ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں ادب کی وجہ سے اب تک سوالوں کا جواب دیتا رہا ہوں، ورنہ تقاضائے انصاف یہ ہے کہ مفتی اونچی جگہ بیٹھے اور سائل نیچے

کھڑا ہو، تم تخت سے اُتر کر میری جگہ آؤ میں تمہاری جگہ بیٹھ کر جواب دوں گا۔ کہنے لگا: بالکل صحیح ہے، عقل کی بات ہے، چنانچہ وہ نیچے آ گیا اور حضرت اس کی جگہ بیٹھ کر فرمانے لگے کہ: اللہ تعالیٰ اس وقت تیرے جیسوں کو نیچے کر رہا ہے اور میرے جیسوں کو اُوپر کر رہا ہے۔ یہی ہے الخافض الرافع نیچا کرنے والا اُونچا کرنے والا، جس کو چاہے نیچا کر دے، جس کو چاہے اُونچا کر دے، جس کو وہ نیچا کر دے اس کو کوئی اُونچا نہیں کر سکتا اور جس کو وہ اُونچا کر دے تم ہزار کوشش کر و اس کو نیچا نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات نے رافع کا معنی درجے اُونچے کرنا کیا ہے، درجے اُونچے کرنے والا، یہ دو متضاد صفتیں ہیں کسی کو اُونچا کرتا ہے کسی کو نیچا کرتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: بھاؤ کو اُونچا اور نیچا کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کبھی کسی چیز کا بھاؤ اُونچا کر دیتا ہے، کبھی کسی چیز کا بھاؤ نیچا کر دیتا ہے، لیکن اب اس کا ٹھیکہ شاید امریکہ نے لے رکھا ہے۔

اَلْخَافِضُ:

خواص: چھ ہیں:

۱:...... جو اس اسم کو پانچ سو بار پڑھے گا، اِن شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی اور اس کی پریشانی دور ہو جائے گی، دشمن کے صدمہ سے بچ جائے گا اور حفاظت الٰہی اس کے شامل حال رہے گی۔

۲:...... جو اسے ایک ہزار بار پڑھے گا، اِن شاء اللہ تمام دشمنوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

۳:...... اگر کوئی تین روزے رکھے پھر چوتھے دن ایک مجلس میں چند آدمی ستر ہزار بار اس کو پڑھیں تو دشمن پر فتح نصیب ہوگی، اِن شاء اللہ اسی مقصد کے لئے تین روزے رکھ کر ستر بار پڑھنا بھی مفید ہے۔

۴:...... جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے حاکم وقت اس سے رضامند ہے۔

۵:...... اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ہر نماز کے بعد ایک ہزار چار سو اکیاسی بار اس کا پڑھنا بہت مفید ہے۔

۶:...... جو کوئی ظالم سے ڈرتا ہو اس اسم کو ستر بار پڑھا کرے اس کے ظلم سے بچا رہے گا۔

اَلرَّافِعُ:

خواص: چھ ہیں:

۱:...... جو کوئی پیر کے دن یا جمعہ کی رات مغرب یا عشاء کے بعد چار سو چالیس مرتبہ اس اسم کا ورد کرے گا، اسے مخلوق کے درمیان ایک رعب نصیب ہوگا۔

۲:...... جو کوئی اسے آدھی رات یا دوپہر کو سو بار پڑھے گا تو حق تعالیٰ شانہ اس کو برگزیدہ کرے گا اور وہ تو انگر اور بے نیاز ہوگا۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو ہر روز بیس بار پڑھے گا، اِن شاء اللہ مراد پائے گا۔

۴:...... جو کوئی ہر مہینہ کی چودھویں رات کو آدھی رات میں سو مرتبہ ''الرافع'' پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے اِن شاء اللہ مخلوق سے بے نیاز اور تو انگر بنا دے گا۔

۵:...... جو کوئی اسے تین سو اکیاون بار پڑھے گا مخلوق کے درمیان عزیز ہوگا۔

جو اسے ستر بار پڑھے گا ظالموں سے امن میں رہے گا اور اِن شاء اللہ سرکشوں سے محفوظ رہے گا۔

۲۵ اَلْمُعِزُّ: عزت دینے والا

۲۶ اَلْمُذِلُّ: ذلت دینے والا

تشریح: یہ بھی دونوں متضاد صفات ہیں، عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، وہ عزت کا مالک ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون:۸) عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اللہ کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے۔ عزت اس کی صفت ہے، جس کو چاہتا ہے باعزت کر دیتا ہے، اپنی عزت کی ذرا سی تجلی فرما دیتا ہے، ذرا سی تجلی پر ایک بات یاد آ گئی، ہم نے ابھی ایک کتاب میں پڑھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے، کسی پہاڑ میں ایک راہب ملا، بے چارا بڑا نحیف بڑا کمزور سا تھا، حضرت نے سلام کیا، اس نے جواب دیا، فرمایا کہ: میری شفاعت کر دیں، سفارش کر دیں تو درخواست پوری ہو جائے، پوچھا کہ: کیا درخواست ہے تیری؟ کہنے لگا: وہ ایک ذرّہ معرفت کا نصیب فرما دے، حضرت نے دُعا فرمائی اور چلے گئے، تیسرے دن واپس آئے تو دیکھا وہاں ایک بہت گہرا غار بنا ہوا ہے اور وہ راہب وہاں ہے، اس کو آواز دے کر کہا: کیا ہوا؟ وہ بے چارہ مدہوشی کی حالت میں تھا کچھ ہوش وحواس نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: یا اللہ! یہ کیا قصہ ہوا؟ فرمایا کہ: تم نے سفارش کی تھی کہ اس کو ایک ذرّہ معرفت کا دے دیا جائے، ہم نے اس کو ایک ذرّہ کا ستر ہزارواں حصہ دیا، یہ اس کو برداشت نہیں کر سکا، یہ تو ایک ذرّہ مانگتا تھا، اپنی معرفت کی ذرا سی تجلی ڈالی برداشت نہیں کر سکا، زمین میں بھی گڑھا ہو گیا۔

تو میں نے کہا کہ ''المعز'' کا معنی ہے عزت دینے والا، عزت تو اس پاک ذات کی صفت ہے جس پر چاہتا ہے ذرا سی تجلی کر دیتا ہے، ذرا سی بھی نہیں، ستر ہزارواں حصہ، وہ بھی اس کو برداشت نہیں کر سکا، وہ جس کو ذرا نظرِ عزت سے دیکھ لیتا ہے وہ عزت والا ہو جاتا ہے، وہ ایسا پاک ہے، عزت اور ذلت اس کے قبضے میں ہے۔ لوگ کہتے ہیں شاید پیسے سے عزت مل جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید عہدے سے عزت مل جاتی

ہے، ہرگز نہیں! غلط خیال ہے، اگر کسی کو سب کچھ مل جائے لیکن جب تک اللہ عزت نہ دے عزت نہیں ملتی اور کسی کے پاس کچھ نہ ہو، نہ عہدہ، نہ مال، نہ منصب، نہ پیسہ اور اللہ تعالیٰ چاہیں تو عزت عطا فرما دیتے ہیں۔

اَلْمُعِزُّ:

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو شخص پیر یا جمعہ کی رات میں مغرب کے بعد چالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اِن شاء اللہ خدا تعالیٰ اس کی ہیبت مخلوق کے دل میں ڈال دے گا۔

۲:...... جو شخص نمازِ عشاء کے بعد پیر یا جمعہ کی رات میں ایک سو چالیس بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ہیبت و حرمت مخلوق کے دل میں ڈال دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا اور اسی کی پناہ میں رہے گا۔

۳:...... جو ایک سو چالیس دن تک اکتالیس بار ہر روز بلا ناغہ اس کو پڑھے گا دنیا و آخرت میں عزت پائے گا، پڑھنے کا آغاز پیر یا جمعہ کی شب سے کرے۔

اَلْمُذِلُّ:

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو اس اسم کو پچھتّر بار پڑھ کر سجدے میں دعا کرے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

۲:...... جو کوئی کسی ظالم یا حاسد سے ڈرتا ہو تو پچھتر بار یا اکیس بار ’’یَا مُذِلُّ‘‘ یا ’’اَلْمُذِلُّ‘‘ پڑھ کر سجدے کرے اور کہے: ’’یا الٰہی! فلانے ظالم کے شر سے مجھے محفوظ رکھ‘‘ حق تعالیٰ اس کو امان دے گا اور اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

۳:...... جو سات سو ستر بار روزانہ کوئی وقت مقرر کر کے ’’یَا مُذِلَّ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ بِقَهْرِ عَزِیْزِ سُلْطَانِکَ‘‘ پڑھ لیا کرے تو اس کا دشمن دفع ہوگا۔

۴:...... جس کا کوئی حق کسی کے ذمہ ہو اور وہ ادا کرنے سے ٹال مٹول کر رہا ہو تو اس اسم کو بکثرت پڑھنے سے وہ اس کا حق اِن شاء اللہ ادا کر دے گا۔

㉗ اَلسَّمِیْعُ: بہت سننے والا

㉘ اَلْبَصِیْرُ: بہت دیکھنے والا

تشریح: سمیع سننے والا، بصیر دیکھنے والا، میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سننا اور دیکھنا ہماری بھی صفت ہے، لیکن ہماری صفت ایسی ہے کہ ایک بات سنیں گے تو دوسری نہیں سن سکیں گے، ایک چیز کو دیکھیں گے تو

دوسری نہیں دیکھ سکیں گے، اور سننا اور دیکھنا اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے، تمام کائنات کی تمام آوازیں بیک وقت الگ الگ سنتا ہے، اور اس کو کبھی اشتباہ نہیں ہوتا کہ اس کی آواز ہے یا اُس کی آواز ہے، یہ ہے سمیع۔ اور اسی طرح تمام مخلوق کو بیک وقت دیکھتا ہے، اوّلین کو آخرین کو سب کو دیکھتا ہے، سب اس کی نظروں میں ہیں، ایک ایک فرد بلکہ ایک ایک ذرّے کی حرکت وسکون اس کی نظروں کے سامنے ہے، یہ ہے بصیر۔ بصیر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی دوسرے کی نہیں۔

اَلسَّمِیْعُ:

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو کوئی اس اسم کو جمعرات کے دن چاشت کی نماز کے بعد پانچ سو بار پڑھے گا، اِن شاءاللہ مستجاب الدعوات بن جائے گا۔

۲:...... جو اسے کثرت سے پڑھے کم سننے کے مرض سے اِن شاءاللہ شفا پائے گا۔

۳:...... اگر کوئی جمعرات کے دن چاشت کی نماز کے بعد پانچ سو بار ''اَلْسَمِیْعُ'' پڑھے گا اور ایک قول کے مطابق ہر روز سو بار پڑھے گا اور پڑھتے وقت بات چیت نہیں کرے گا اور پڑھ کر دعا مانگے گا تو جو مانگے گا اِن شاءاللہ پائے گا۔

۴:...... جو شخص جمعرات کے دن فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اس کو سو مرتبہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو نظر خاص سے نوازے گا۔

اَلْبَصِیْرُ:

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو کوئی نماز جمعہ سے پہلے یا بعد میں سو مرتبہ ''یَا بَصِیْرُ'' پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی نگاہ میں اِن شاءاللہ روشنی اور دل میں نور پیدا فرما دے گا اور اسے صالح اقوال واعمال کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۲:...... جو کوئی جمعہ کے دن فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ خصوصی نظر عنایت فرمائے گا۔

۳:...... جو اس کا بکثرت ورد کرے گا، آنکھوں کے امراض سے اِن شاءاللہ محفوظ رہے گا، اس کے لئے یہ دعا بھی مفید ہے: ''اَللّٰھُمَّ یَا سَمِیْعُ یَا بَصِیْرُ مَتِّعْنِیْ بِسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاجْعَلْھُمَا الْوَارِثَ مِنِّیْ۔''

۴:...... کوئی اس اسم کو ہر روز عصر کے وقت سات بار پڑھ لیا کرے گا ناگہانی موت سے امن میں رہے گا۔

۵:...... جو اس اسم کو جمعہ کے خطبہ سے پہلے سو بار پڑھ لیا کرے گا اِن شاءاللہ منظور نظر الٰہی ہوگا۔

۲۹ اَلْحَکَمُ: فیصلہ کرنے والا

۳۰ اَلْعَدْلُ: انصاف کرنے والا

تشریح: ''حکم'' فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں، حاکم فیصلہ کرنے والا۔ عدل عادل کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرنے والے ہیں تمام مخلوق کا، انسانوں کا اور دوسرے حیوانوں کا فیصلہ فرمائیں گے، اور اس کا فیصلہ منصفانہ فیصلہ ہے، عادلانہ فیصلہ تو ہے ہی بلکہ رحیمانہ فیصلہ ہے، اکابر فرماتے ہیں کہ: یا اللہ! اگر آپ عدل فرمائیں گے تو ہم پکڑے جائیں گے، اگر آپ فضل اور لطف کریں گے تو ہماری بخشش ہوجائے گی، جور وظلم تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے ہی نہیں، ایک بہت لمبی حدیث قدسی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں، اس میں پہلا فقرہ یہاں سے شروع ہوتا ہے: ''یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ'' (مشکوٰۃ) اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اُوپر حرام کر رکھا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اُوپر حرام کر رکھا ہے، حرام ہے کہ وہ ظلم کرے، یعنی ممکن ہی نہیں: ''وَمَا رَبُّکَ بِظَلاَّمٍ لِّلْعَبِیْد'' اور نہیں ہے آپ کا رب ذرا بھی ظلم کرنے والا بندوں پر، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، تو وہ فیصلہ کرنے والا ہے اور نہایت ہی منصف، عدل کا فیصلہ کرنے والا کہ ایک بال برابر بھی کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔

اَلْحَکَمُ:

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو کوئی اخیر شب میں ننانوے مرتبہ باوضو یہ اسم پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کا دل اِن شاء اللہ محل اسرار وانوار بنادے گا۔

۲:...... جو کوئی جمعہ کی رات یہ اسم اس قدر پڑھے گا کہ بے حال و بے خود ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اِن شاء اللہ کشف والہام سے نوازے گا۔

۳:...... جو کوئی شب جمعہ میں آدھی رات کو یہ اسم پڑھے گا، حق تعالیٰ اس کا باطن پاک صاف کردے گا۔

۴:...... جو پانچوں وقت ہر نماز کے بعد (۸۰) بار ''اَلْحَکَمُ'' پڑھ لیا کرے گا، کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

اَلْعَدْلُ:

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو اس اسم کو پڑھے اور روٹی کے بیس لقموں پر شب جمعہ کو لکھ کر کھالے تو اس کے لئے دلوں کو مسخر کردیا جاتا ہے۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو ہر نماز کے بعد پڑھے غیب سے روزی پائے اور اسے نیک عمل کی توفیق نصیب ہو۔

۳:...... جو کوئی مغرب کی نماز کے بعد ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا آسمانی بلاؤں سے نجات پائے گا۔

۳۱ اللَّطِيفُ : مہربان

تشریح: ''اللطیف'' کے دو معنی ہیں، ایک ہے لطیف لطف سے، لطف کے معنی مہربانی اور کرم کے آتے ہیں، تو لطیف کا معنی ہے لطف واحسان کرنے والا۔ اور دوسرا معنی لطیف کے باریک بین یعنی ایسی باریک چیزوں کو دیکھنے اور جاننے والا جہاں تک مخلوق کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ حدیث شفاعت میں ہے کہ آخر میں حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے: جن کے دل میں ایک ذرّہ ایمان ہے ان کو بھی جہنّم سے نکال لو، اور ذرّے کا ادنیٰ سے ادنیٰ ہے اس کو بھی نکال لو، چنانچہ آخر میں تمام شفاعت کرنے والے یہ کہہ دیں گے کہ یا اللہ! اب دوزخ کے اندر ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہا جس کے اندر ذرّہ برابر کسی قسم کی کوئی خیر ہو، یعنی ایمان کا کوئی حصہ ہو۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی، اللہ کے مقرب فرشتے بھی، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ، صالحین سب کے سب عرض کریں گے کہ اب جہنّم میں ایسا کوئی شخص نہیں رہا جس میں ایمان کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ رمق بھی ہو، اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ تین لپیں دوزخ سے نکالیں گے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کتنی مخلوق آئے گی، علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جن کے ایمان اتنے درجے کا کمزور تھا کہ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہ تھی، یہ ہے باریک دان اور باریک بین، ہر شخص کی نیت اور ارادے میں کتنے کھوٹ چھپے ہوئے ہیں اس کی نظر میں ہیں، لوگوں کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی، لیکن اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔

خواص: آٹھ ہیں:

۱:...... جو شخص ایک سو تینتیس مرتبہ ''یَا لَطِيفُ'' پڑھا کرے اِن شاء اللہ اس کے رزق میں برکت ہوگی اور اس کے سب کام بخوبی پورے ہوں گے۔

۲:...... جو شخص فقر و فاقہ، دکھ بیماری، تنہائی، کسمپرسی یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو وہ اچھی طرح وضو کر کے دوگانہ پڑھے اور اپنے مقصد اور مطلب کو دل میں رکھ کر سو مرتبہ یہ اسم پڑھے اِن شاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

۳:...... جو اس اسم کو روزانہ (۱۷۳) بار پڑھے، اس کو اسباب معیشت نصیب ہوں گے اور حاجات پوری ہوں گی۔

۴:...... بیٹیوں کے رشتے اور نصیب کھلنے اور امراض سے صحت کے لئے ہر روز تحیۃ الوضو (وضو کی نماز) کے بعد سو بار اس کا پڑھنا مفید ہے۔

۵:...... ہر دینی اور دنیوی مہم کے لئے خالی جگہ پر دعا کی شرائط کے ساتھ سولہ ہزار چھ سو اکتالیس بار اس کا پڑھنا مفید ہے۔

۶:...... جو ایک سو ساٹھ بار ''اَللّطِیفُ'' پڑھے اور اس کے ساتھ یہ آیت پڑھے: ﴿لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ﴿۱۰۳﴾﴾ وہ خوف سے اِن شاء اللہ امن پائے گا۔

۷:...... بیماریوں سے شفا کے لئے اس اسم کے ساتھ کوئی آیت شفا پڑھ لی جائے تو فائدہ ہوگا۔

۸:...... پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات کے لئے اس اسم کا ورد بہت مفید ہے۔

۳۲ اَلۡخَبِیۡرُ: خبر دار

تشریح: ''الخبیر'' خبردار، خبر رکھنے والا، جس کو اگلی پچھلی ساری چیزوں کی خبر ہے اور ہر وقت خبر رہتی ہے، یہ نہیں کہ کسی نے رپورٹ کردی تو خبر ہے، نہ کی تو نہیں، ایسا نہیں۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو سات دن متواتر اس کا ورد کرے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانیت نصیب ہوتی ہے جو مطلوبہ امور میں اس کی راہنمائی کرتی ہے۔

۲:...... جو نفس امارہ کے ہاتھ گرفتار ہو وہ کثرت سے اس کا ورد کرے اِن شاء اللہ نجات پائے گا۔

۳:...... استخارہ کے واسطے اکتالیس دن تک روزانہ تین تین سو بار ''یَا خَبِیۡرُ اَخۡبِرۡنِیۡ'' پڑھے، پھر جب ضرورت پڑے تین سو بار پڑھ کر سو جائے نیک و بد حال کی اِن شاء اللہ اطلاع ہو جائے گی۔

۴:...... جو کسی موذی کے پنجہ میں گرفتار ہو اس اسم کو بکثرت پڑھے، اِن شاء اللہ خلاصی نصیب ہوگی۔

۳۳ اَلۡحَلِیۡمُ: بُردبار، حلم والا

تشریح: بُردبار، حلم والا، اہل کفر اور اہل فسق پر جلدی سے پکڑ نہیں فرماتا، سب سے زیاد حوصلے والی ہستیاں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور خاص طور سے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے حلم اور حوصلے کی کوئی مثال ہی نہیں، لیکن انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حوصلہ بھی ایک حد پر جا کر جواب دے دیتا ہے، اور وہ پریشان ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ اُحد میں صدمہ پہنچا، دندان مبارک شہید کئے گئے اور زرہ کی ایک کڑی گال مبارک میں دھنس گئی تھی جس کو بڑی مشکل سے نکالا، لمبا قصہ ہے جنگ اُحد کا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سی شکایت کردی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ﴾ (آل عمران:۱۲۸)

آپ کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہے، یا ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ ظالم تو ہیں ہی، آپ کو بد دُعا کرنے کی اجازت نہیں۔ کفار، سیّد الکائنات آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ صدمہ پہنچاتے ہیں اور آپ اس کی شکایت فرماتے ہیں، لیکن اللہ کے حلم کا یہ عالم ہے کہ آپ کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔ ہم لوگ نعوذ باللہ! معاملاتِ الٰہیہ کو بھی اپنے اُوپر قیاس کرنے لگتے ہیں، ذرا سی کوئی پریشانی آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ بھی نہیں سنتے!''، ''اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کو نہیں پکڑتے!''

میں نے کہا کہ: بڑے سے بڑے حوصلے والے، ان کے حوصلے کی ایک حد ہوتی ہے، اس پر جاکر ان کا حوصلہ جواب دے دیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا حلم غیر محدود ہے، اس لئے کارِ خدائی کو اسی کے حوالہ کردو، وہ اپنے معاملات کو بہتر جانتا ہے، اس کو خدائی کرنا آتی ہے، اس کو مشورہ نہ دو کہ فلانے کو نہیں پکڑتا، فلانے کو نہیں پکڑتا، وہ جانتا ہے کہ کس کو پکڑنا ہے کس کو نہیں پکڑنا، کس وقت پکڑنا ہے کس طرح پکڑنا ہے؟ تم اپنا کام کرتے رہو، تمہیں فریاد کرنے کی، اپنی شکایت پیش کرنے کی اجازت ہے، لیکن اللہ میاں کو مشورے مت دو، وہ حلیم ہے اور اس کے حلم کی کوئی انتہا نہیں، کیونکہ صفاتِ الٰہیہ لامحدود ہیں، ان کی کوئی حد نہیں۔

خواص: نو ہیں:

۱:...... جو اس کا ہر وقت ورد رکھے گا اِن شاء اللہ فتح مند رہے گا اور ہر آفت سے بچا رہے گا۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو ہر روز ظہر کی نماز کے بعد نو مرتبہ پڑھا کرے گا اِن شاء اللہ تمام خلقت میں سرخرو رہے گا۔

۳:...... جو دشمن یا مدعی یا حاکم کے سامنے ہوتے ہی پانی سے ہاتھ بھگو کر گیارہ مرتبہ ''یَا حَلِیْمُ'' پڑھ کر منہ پر مل لیا کرے اِن شاء اللہ دشمن سختی نہ کرسکے گا اور حاکم نرمی و مہربانی سے پیش آئے گا۔

۴:...... جو کوئی اس کو کاغذ پر لکھ کر پھر اس کو دھوئے اور پانی اپنی کھیتی پر چھڑک دے تو اِن شاء اللہ زراعت کی ہر آفت سے حفاظت رہے گی اور کمال کو پہنچے گی اور اس میں برکت ہوگی۔

۵:...... جو کوئی اس اسم کو بادشاہ کے روبرو پڑھے گا اِن شاء اللہ اس کے غصّے سے محفوظ رہے گا۔

۶:...... جو کوئی اس اسم کو پڑھے، حلیم الطبع ہوجائے اور صبر و سکون اس کے دل میں آجائے۔

۷:...... جو کوئی درخت بوتے وقت اٹھائیس بار یہ اسم مبارک پڑھے تو درخت سرسبز ہو اور خزاں سے محفوظ رہے۔

۸:...... اگر رئیس آدمی اس کو بکثرت سے پڑھے اس کی سرداری خوب جمے اور راحت سے رہے۔

۹:...... اگر اس اسم مبارک کو کاغذ پر لکھ کر پانی سے دھو کر اپنے پیشہ کے آلات و اوزار پر ملے تو اس پیشہ میں برکت ہوگی۔

۳۴ اَلْعَظِيْمُ : بڑی عظمت والا

تشریح: بڑی عظمت والا، اتنی عظمت کہ وہم وخیال کی ساری بلندیاں اس کی عظمت کے سامنے پست ہیں، آسمان کی رفعتیں، عرش وکرسی کی بلندی، اس کی عظمت کے سامنے ایک ریت کے ذرّے کے برابر بھی نہیں، وہ بڑی عظمت والا ہے، اس کی عظمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو کوئی حکمراں سے خوفزدہ ہو وہ بارہ بار اس اسم کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے، اِن شاء اللہ محفوظ رہے گا اور نرمی پائے گا۔

۲:...... اس کا بکثرت ذکر کرنے سے عزت نصیب ہوگی اور ہر مرض سے شفا ملتی ہے۔

۳:...... جو اس اسم مبارک کو سات مرتبہ پانی پر پڑھ کر دم کرے پانی پی لے تو اِن شاء اللہ اس کے پیٹ میں درد نہ ہوگا۔

۳۵ اَلْغَفُوْرُ : بہت بخشنے والا

تشریح: بہت بخشنے والا، بے حد بخشش کرنے والا، اتنا بخشنے والا کہ اگر ساری عمر کوئی شخص نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہے اور کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو عقل عطا کردے اور وہ کہہ دے: اے اللہ! میں نے غلطی کی ہے، مجھے معاف فرمادے۔ وہ فرماتے ہیں: چلو معاف کردیا! معاف کردیا! ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میرے بندے جب تک تو گناہ کرکے مجھ سے معافی مانگتا رہے گا میں بخشتا رہوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں، جتنی دفعہ بخشش مانگے گا اتنی دفعہ معاف کروں گا اور اگر تو اتنے گناہ لے کر آئے جن سے آسمان وزمین کے درمیان کا خلا بھر جائے یعنی تیرے گناہ آسمان کی بلندی کو پہنچ جائیں اور آسمان وزمین کے درمیان کا کوئی حصہ تیرے گناہوں سے خالی نہ رہے اور پھر تو میری بارگاہ میں آکر یہ کہہ دے: یا اللہ! گناہگار ہوں، مجھے معاف کردے، میں اتنی ہی مغفرت لے کر آؤں گا۔ وہ بہت بخشنے والا ہے، اس کی بخشش کی کوئی حد نہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو اس کو بکثرت پڑھے گا اس کے دل سے اِن شاء اللہ سیاہی گھٹے گی۔

۲:...... تپ یا دردِسر کا مریض یا غمگین آدمی اگر اس اسم کو کاغذ پر لکھ کر روٹی پر اس کا نقش جذب کرکے کھائے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو شفا اور خلاصی بخشے گا۔

۳:...... جو اس کو بکثرت پڑھے گا، بُرے اخلاق، روحانی امراض اور ظاہری بیماریوں سے اِن شاء اللہ

محفوظ رہے گا اور اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی۔

۳۶ الشَّکُوْرُ : قدردان

تشریح: شکور کا معنی شکر کرنے والا، اور آپ جانتے ہیں کہ آپ اگر کسی کا شکریہ ادا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے جو اچھا کام کیا ہے آپ کے دل میں اس کی قدر ہے، اس لئے یہاں الشکور کا معنی ہے قدردان، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے تقدس اور اپنے علوشان کے باوجود بندوں کی نیکیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بے قدری نہیں کرتے۔

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے لمبا قصہ ہے، مختصر یہ کہ ایک بادشاہ شکار کے لئے آیا ہوا تھا، کسی دیہاتی کے یہاں رات کو رہا، تو دیہاتی سے کہا کہ: میاں! تم کبھی ہمارے پاس آنا۔ ایک دن اس کو خیال آیا کہ بادشاہ کے یہاں چلنا چاہئے، لیکن کیا لے جائیں؟ تو اس نے کہا کہ: ہمارے تالاب کا پانی بہت ٹھنڈا ہے، ایک گھڑا اسی کا لے چلیں۔ اب اس نے گھڑا بھرا اور سر پر اُٹھایا اور چلا، کافی وقت لگ گیا، پانی ٹھنڈا بھی نہ رہا اور سڑ بھی گیا، دیہاتی بے چارہ اپنے پھوہڑ پن کی وجہ سے بادشاہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے لگا: حضور! ہمارے یہاں جو تالاب ہے اس کا ٹھنڈا پانی آپ کے لئے لے کر آیا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اب اس کا یہ ہدیہ اس لائق ہے کہ اس کو سزا دی جائے، بادشاہوں کے لئے ایسا تحفہ لایا کرتے ہیں؟ لیکن بادشاہ نے قبول کرلیا اور کہا: شاباش! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، بہت اچھے آدمی ہیں آپ۔ پانی گرا دیا ہوگا لیکن اس کے سامنے یہ بھی ظاہر نہیں کیا کہ یہ پانی پینے کے قابل نہیں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کچھ یہی حالت ہماری عبادات کی بھی ہے، ہماری عبادات اس قابل نہیں ہیں کہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کی جائیں، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ شکور ہیں، قدردان ہیں، جانتے ہیں کہ ان نادانوں نے اپنی نادانی کے مطابق عبادت کی ہے، چلو کی تو ہے ناں! اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرماتے ہیں، ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی کو قبول فرماتے ہیں اور اس کو پھر قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کو اپنی شان کے مطابق نہیں تولتے بلکہ تمہاری حیثیت کے مطابق تولتے ہیں۔

خواص: چھ ہیں:

۱:...... جو کوئی یہ اسم اکتالیس بار پانی پر پڑھے اور وہ پانی آنکھوں پر چھڑکے اس کی نظر تیز ہوجائے گی۔

۲:...... جس کو ضیق النفس (دمہ) یا تکان یا گرانی اعضاء ہو اس کو لکھ کر بدن پر پھیرے دے اور پانی پر دم کرکے پانی پی لے تو نفع ہو اور اگر کمزور نظر والا اپنی آنکھ پر پھیرے، نگاہ میں اِن شاء اللہ ترقی ہو۔

۳:...... جو شخص معاشی تنگی یا کسی اور دکھ درد یا رنج و غم میں مبتلا ہو وہ اس اسم کو اکتالیس مرتبہ روزانہ پڑھے، اِن شاء اللہ رنج و غم سے رہائی نصیب ہوگی۔

۴:...... جس شخص کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی ہو وہ اس اسم کو اکتالیس بار ہر روز پڑھا کرے اور لعاب دہن اپنی آنکھوں پر لگادے اور پانی پر دم کر کے پیئے اِن شاء اللہ روشنی برقرار ہوجائے گی۔

۵:...... جو کوئی مفلس ہو اس اسم کو اکتالیس بار پڑھے اِن شاء اللہ غنی ہوجائے گا اور جو کوئی بہت پڑھے، خلق میں باعزت رہے۔

۶:...... جو کوئی اس اسم مبارک کو پانچ ہزار بار روز پڑھے گا اِن شاء اللہ قیامت کے دن بلند مرتبہ پائے گا۔

۳۷ اَلْعَلِیُّ : بلند

تشریح: اتنا بلند، اتنا بلند، اتنا عالی شان کہ تمام بلندیاں اس کے سامنے پست ہیں:

''اے برتر از قیاس و خیال گمان و وہم''

اے وہ ذات جو بندوں کے قیاس سے، خیال سے، وہم سے، گمان سے بھی بالاتر ہے، اور تصور سے بھی بالاتر ہے۔

اِمام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی لکھتے ہیں یہ لکھتے ہیں: ''وَرَاءُ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرَاءِ'' وہ ہمارے خیال سے بھی بالاتر ہے، پھر اس سے بھی بالاتر ہے، پھر اس سے بھی بالاتر ہے کہ اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جنّت اس کی ادنیٰ مخلوق ہے اور اس کے بارے میں فرمایا: ''أَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِینَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' (مسند احمد بن حنبل، درمنثور) میں نے تیار کر رکھی ہے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی، اور کسی کان نے کبھی نہیں سنی، اور کبھی کسی دل پر اس کا خیال بھی نہیں گذرا۔ جب اس کی ادنیٰ مخلوق کا یہ عالم ہے کہ بندوں کے قیاس و خیال اور وہم سے بھی بالاتر ہے، کبھی خیال آ ہی نہیں سکتا تو اللہ تعالیٰ کی شان کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو شخص اس اسم کو ہمیشہ پڑھتا رہے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے اِن شاء اللہ اسے رتبہ کی بلندی خوشحالی اور مقصد میں کامرانی نصیب ہوگی۔

۲:...... جو اس اسم کو ورم یعنی سوجن پر تین بار پڑھ کر پھونکے گا، اِن شاء اللہ صحت یاب ہوجائے گا۔

۳:...... اگر فقیر اسے ایک سو دس بار پڑھے تو غنی ہوجائے اور دنیا میں عزت پائے۔

۴:......اگر یہ اسم مبارک لکھ کر بچے کو باندھ دیا جائے تو جلدی جوان ہو اگر مسافر اپنے پاس رکھے تو جلدی اپنے عزیزوں سے آملے اگر محتاج ہو تو غنی ہو جائے۔

۵:...... یہ اسم مشائخ، بزرگوں، طلبا اور سالکین کے لئے ایک روحانی خزانہ ہے، اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام ''اَلْعَلِیْمُ'' بھی ملا لیا جائے تو یہ بڑے اذکار میں شمار ہوتا ہے۔

۳۸ اَلْکَبِیْرُ : بڑائی والا

تشریح: الکبیر بڑائی والا، بڑی اس کی شان ہے، اس کے سوا بڑائی کسی مخلوق کو زیبا نہیں، بڑے بڑے لوگ گذرے ہیں کوئی شبہ نہیں لیکن اللہ کی بڑائی کے سامنے ان کو بڑا کہنا بھی غلط ہے۔

خواص: سات ہیں:

۱:......اس کا بکثرت ذکر کرنے سے علم و معرفت کا دروازہ کھلتا ہے۔

۲:......اگر یہ اسم مبارک کھانے کی چیز پر پڑھ کر میاں بیوی کو کھلا یا جائے تو باہمی الفت پیدا ہو۔

۳:...... جو شخص اپنے عہدہ سے معزول ہو گیا ہو وہ سات روزے رکھے اور روزانہ ایک ہزار مرتبہ ''یَا کَبِیْرُ'' پڑھے، اِن شاء اللہ اپنے عہدہ پر بحال ہو جائے گا اور اسے بزرگی و برتری نصیب ہوگی۔

۴:......جو کوئی اس اسم کو پڑھے مخلوق کی نظروں میں ممتاز ہو اور بلند مرتبہ پائے۔

۵:...... یہ بادشاہوں اور حکام کا وظیفہ ہے وہ اگر اس کا اہتمام کریں تو ان کا رعب رہے اور مہمات بخوبی سرانجام پائیں۔

۶:......جو اسے نو مرتبہ کسی بیمار پر پڑھ کر دم کرے اِن شاء اللہ بیمار تندرست ہو۔

۷:......جو اسے سو بار پڑھے گا مخلوق میں عزیز رہے گا۔

۳۹ اَلْحَفِیْظُ :حفاظت کرنے والا

تشریح: حفاظت کرنے والا، محافظ، اپنی مخلوق کا نگہبان اور محافظ، کہ ہر دم اس کی مخلوق اس کی نگرانی اور نگہبانی اور حفاظت میں ہے اور وہ سب کا محافظ ہے۔

خواص: چھ ہیں:

۱:......جو شخص بکثرت ''یا حفیظ'' کا ورد رکھے گا اور لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ اِن شاء اللہ ہر طرح کے خوف خطر اور نقصان و ضرر سے محفوظ رہے گا۔

۲:...... یہ اسم مبارک خوفناک سفر میں حفاظت کے لئے بے حد مفید اور سریع الاثر ہے حتی کہ اگر اسے پڑھ کر درندوں کے درمیان سو جائے تو اِن شاء اللہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اس اسم کے ذکر کے بعد

تین بار یہ دعا پڑھے: ''یَا حَفِیْظُ اِحْفَظْنِیْ''۔

۳:...... جو اس اسم کو ہر روز سولہ بار پڑھے گا، اِن شاء اللہ ہر طرح سے نڈر رہے گا۔

۴:...... جو مغرب کے بعد اکتالیس بار قبلہ کی طرف چہرہ کر کے: ''یَا حَافِظُ یَا حَفِیْظُ یَا رَقِیْبُ یَا مُجِیْبُ یَا اللّٰہُ یَا اللّٰہُ'' پڑھے اِن شاء اللہ غیب سے روزی پائے گا۔

۵:...... جو یہ اسم مبارک کسی بیمار پر چالیس ہفتہ تک ستر بار روز پڑھ کر دم کرے گا، اِن شاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔

۶:...... اس کو پڑھنے اور اپنے پاس لکھ کر رکھنے والا ڈوبنے، جلنے، دیو، پری اور نظر بد سے اِن شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۴۰ اَلْمُقِیْتُ: قدرت والا

تشریح: اس کا معنی بعض لوگوں نے کیا ہے قدرت والا، بعض نے کیا ہے محافظ، اور بعضوں نے کہا ہے: قوت دینے والا، ایسا قادر و مقتدر ہے کہ تمام کی تمام کائنات اسی سے قوت پاتی ہے، وہ نگہبان بھی ہے، محافظ بھی ہے، قدرت والا بھی ہے، قوت دینے والا بھی ہے، اور جس کو بھی جتنی بھی قدرت ملتی ہے وہ اس کی ذات عالی سے ملتی ہے۔

خواص: چھ ہیں:

۱:...... اگر کوئی خالی آبخورے میں سات مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کرے اور اس میں خود پانی پیئے یا کسی دوسرے کو پلائے تو اِن شاء اللہ مقصد حاصل ہوگا، یہ عمل سفر میں امن کے لئے بھی مفید ہے خاص طور پر جب اس کے ساتھ سورۂ قریش کو ملا کر صبح و شام پڑھی جائے۔

۲:...... جس کی آنکھ سرخ ہو اور درد کرتی ہو وہ اس اسم کو دس بار پڑھ کر دم کرے۔

۳:...... جو کسی کو غریب دیکھے یا خود اس کو غریبی پیش آئے یا کوئی لڑکا بدخوئی کرے یا بہت روئے سات بار خالی آبخورے پر یہ اسم مبارک پڑھ کر دم کرے اور اس میں پانی ڈال کر خود پیئے یا دوسرے کو پلائے اِن شاء اللہ فائدہ ہوگا۔

۴:...... اگر روزہ دار کو ہلاکت کا خوف ہو تو سو بار پھول پر پڑھ کر اسے سونگھے اِن شاء اللہ قوت پائے گا اور ہر روز روزہ رکھ سکے گا۔

۵:...... جو اس اسم کو ''القائم'' کے ساتھ ملا کر ہر نماز کے بعد سات بار پڑھے گا، سودائی امراض سے اِن شاء اللہ شفا پائے گا۔

۶:......جو اس اسم کو ہر روز سات بار پانی پر دم کر کے پیئے گا اِن شاءاللہ غیب سے روزی پائے گا اور کبھی بھوکا نہ رہے گا۔

㊶ اَلْحَسِیْبُ : کافی

تشریح: اس کا معنی ہے کافی، یعنی اس کی کفایت کے بعد پھر کسی کی کفایت کی ضرورت نہیں، جس کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے اسے اور کسی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ’’مناجات مقبول‘‘ میں دُعا ہے اور یہ دُعا مجھے بہت اچھی لگتی ہے، ہمیشہ اس کو صبح شام پڑھتا ہوں: ’’اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ‘‘ اے اللہ جو مالک ہے سات آسمانوں کا اور مالک ہے عرش عظیم، ’’اِکْفِنِیْ کُلَّ مُھِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ وَمِنْ اَیْنَ شِئْتَ‘‘ آپ کفایت فرمایئے میری ہر مہم کی، میری ہر ضرورت کی، میری مشکل کی، جیسے آپ چاہیں، جس طرح آپ چاہیں اور جس جگہ سے آپ چاہیں۔ ’’حَسْبِیَ اللّٰہُ لِدِیْنِیْ، حَسْبِیَ اللّٰہُ لِدُنْیَایَ، حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَنْ حَسَدَنِیْ، حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَنْ کَادَنِیْ بِسُوْءٍ، حَسْبِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمَوْتِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فِی الْقَبْرِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمِیْزَانِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ عَنِ الصِّرَاطِ، حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ‘‘ مجھ کو اللہ کافی ہے اس شخص کے مقابلے میں جو مجھ پر حسد کرے، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے اس شخص کے مقابلے میں جو مجھ کو برائی پہنچانا چاہے، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے موت کے وقت، مجھ کو میرا اللہ کافی ہے، قبر میں سوال و جواب کے وقت، میرا اللہ کافی ہے میزان کے وقت، قیامت کے دن اعمال نامہ تلنے کے وقت، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے پل صراط سے گزرنے کے وقت، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے، تمام ہموم و افکار اور حاسدین کے لئے، دُشمنوں کے لئے بس اللہ کافی ہے، تمام احوال کے لئے اللہ کافی ہے، تمام جہانوں کے لئے اللہ کافی ہے، اس لئے اس کا نام ہے ’’حسیب‘‘ کفایت کرنے والا۔

خواص: چھ ہیں:

۱:......جو کوئی چور یا حاسد یا ہمسایہ یا دُشمن یا چشم زخم یا نظر بد سے ڈرتا ہو ایک ہفتہ تک صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) اور شام (غروب آفتاب سے پہلے) ستر بار ’’حَسْبِیَ اللّٰہُ الْحَسِیْبُ‘‘ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہفتہ گزرنے سے پہلے امن عطا فرمائے گا اور اِن شاءاللہ تمام کام درست ہو جائیں گے پڑھائی کا آغاز جمعرات کے دن سے کرے۔

۲:......جو روزانہ ’’حَسْبِیَ اللّٰہُ الْحَسِیْبُ‘‘ پڑھے گا، اِن شاءاللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

۳:......جو کوئی اس اسم کو ستر بار پڑھے گا، اِن شاءاللہ دُشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۴:......اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ایک ہفتہ تک روزانہ صبح وشام ایک سو پینتالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے اِن شاءاللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

۵:......اگر کسی حساب میں تشدد کا اندیشہ ہو یا کسی بھائی برادری سے کسی معاملہ میں خوف ہو تو سات روز تک طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے بیس بار یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے۔

۶:......''اَلْحَسِیْبُ'' میں اسم اعظم کی طرف اشارہ ہے۔(واللہ اعلم)

۴۲ اَلْجَلِیْلُ : جلال والا

تشریح: جلال والا، بزرگی والا، عظمت والا، بڑائی والا۔

خواص: تین ہیں:

۱:......جو کوئی اس اسم کو(۷۳) بار پڑھا کرے، اِن شاءاللہ صاحب وقار ہو۔

۲:......جو کوئی اس کو دس بار اپنے اسباب پر پڑھے چوری سے محفوظ وسلامت رہے۔

۳:......جو بکثرت اس کا ورد رکھے گا اور مشک وزعفران سے لکھ کر پیئے گا اور اپنے پاس رکھے گا، اللہ تعالیٰ کو اِن شاءاللہ عزت وعظمت اور قدر ومنزلت عطا فرمائے گا۔

۴۳ اَلْکَرِیْمُ : کرم والا

تشریح: کرم والا، کرم کے معنی احسان کے ہیں، احسان کرنے والا۔

خواص: دو ہیں:

۱:......جو شخص روزانہ سوتے وقت ''یا کریم'' پڑھتے پڑھتے سو جایا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو علماء وصلحا میں عزت فرمائیں گے اور غیب سے روزی عطا فرمائیں گے۔

۲:......جو شخص ''اَلْکَرِیْمُ ذُوالطَّوْلِ الوَهَّابُ'' کو بکثرت سے پڑھے، اس کے اسباب واحوال میں برکت ظاہر ہوگی۔

۴۴ الرَّقِیْبُ : نگہبان

خواص: سات ہیں:

۱:......اس اسم کا ذکر کرنے سے مال وعیال محفوظ رہتے ہیں۔

۲:......اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی تو بکثرت اس کا ورد کرنے سے اِن شاءاللہ واپس مل جاتی ہے۔

۳:......اگر اسقاط حمل کا خطرہ ہو تو حاملہ عورت پر سات مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھنا مفید ہے۔

۴:......سفر میں جاتے وقت اپنے اہل واولاد میں سے جس پر کوئی خطرہ فکر ہو اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر سات بار یہ اسم مبارک پڑھے، اِن شاء اللہ وہ مامون رہے گا۔

۵:......جو کوئی اس اسم کو سات بار یا ستر بار اپنی بیوی، فرزند یا مال پر پڑھ کر دم کرے، جنات اور تمام دشمنوں اور آفتوں سے اِن شاء اللہ محفوظ رہے اور اس کا رعب بھی بڑھ جائے گا۔

۶:...... جو کوئی پھوڑے پھنسی پر تین بار یہ اسم مبارک پڑھ کر پھونک دے، اِن شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

۷:......جو کوئی اپنا مال اسباب (گاڑی وغیرہ) کہیں چھوڑتے وقت اس اسم کو پڑھ لے اِن شاء اللہ حفاظت رہے گی، مجرّب ہے۔

۴۵ اَلْمُجِیْبُ: قبول کرنے والا

تشریح: قبول کرنے والا، دُعاؤں کو قبول کرنے والا، ضرورتوں کو اور حاجتوں کو پورا کرنے والا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ (النمل:۶۲)

تم ہی بتاؤ ایک وہ ہے جو بے قرار کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارے، اور تکلیف اور برائی کو ہٹاتا ہے اور دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں ایک دوسرے کا نائب اور جانشین بناتا ہے کہ اَبّا چلا گیا اور بیٹا اس کی جگہ آگیا، دادے کی جگہ پوتا پہنچ گیا۔

﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۶۲﴾ (النمل:۶۲)

اس ذات عالی کے مقابلے میں کوئی خدا ہے؟ تم لوگ بہت کم سوچتے ہو۔ بس دنیا کمانے میں ہی ساری سوچ صرف کردیتے ہو، اللہ کے معاملات میں کبھی سوچا ہی نہیں۔

تو ''المجیب'' کا معنی ہے بےقراروں کی سننے والا اور ان کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے والا، اگر تم کہو کہ ہماری سنتا نہیں تو قصور تم میں ہے، اس میں نہیں۔ تم کو سنانا نہیں آیا' جس طرح سنانا چاہئے ایسے تمہیں سنانا نہیں آیا، وہ بےقرار کی سنتا ہے، سنتا ہے لیکن بےقرار کی سنتا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی بات کو نہیں سنتا، توجہ ہی نہیں فرماتا، یہ بھی بےچارے کو معلوم نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں، خیالات کسی اور طرف ہیں اور زبان پر ہے ''رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ...'' اور ختم بھی کردیا، الفاظ بھی صحیح ادا نہیں ہو پاتے، جلد بازی لگی ہوئی ہے، اس کے بارے میں تم توقع رکھتے ہو کہ اس کو سنا جائے اور نہیں سنی جاتی تو شکایت کرتے ہو، غلطی اپنی ہے تم نے مانگا کب تھا کہ دیا نہیں تم کو۔ تم نے سنایا کب تھا کہ اس نے سنی نہیں۔

بہر حال المجیب قبول کرنے والا، اعمال اور عبادات کو قبول کرنے والا، دُعاؤں کو بھی قبول کرنے والا اور لوگوں کی آہوں اور فریادوں کو بھی سننے والا۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو کوئی کثرت سے ''یَا مُجِیْبُ'' پڑھا کرے، اِن شاء اللہ اس کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے لگیں گی۔

۲:...... جو یہ اسم مبارک اپنے پاس لکھ کر رکھے گا، اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔

۳:...... جو کوئی دوسرے کے لئے یہ اسم مبارک تین بار پڑھ کر دم کرے گا اِن شاء اللہ دردسر دور ہوگا۔

۴:...... جو اس اسم کو طلوع آفتاب کے وقت پچپن بار پڑھنے کا معمول بنائے گا، اِن شاء اللہ مستجاب الدعوات ہوگا۔

۴۶ اَلْوَاسِعُ : وسعت کرنے والا

تشریح: وسعت کرنے والا، وسعت کے معنی فراخی اور کشادگی کے ہوتے ہیں، واسع کے معنی ہوئے کشادہ رحمت والا اور کشادگی عطا کرنے والا، اس کی رحمت وسیع ہے۔ اس کی رحمت آسمان وزمین کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے، وسیع الرحمۃ بھی ہے، اور اسی طرح وسیع العطاء بھی ہے۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو اس کا کثرت سے ذکر کرے گا، ظاہری اور باطنی غنا نصیب ہوگا، نیز اسے عزت، حوصلہ، بردباری، وسعت قلبی اور دل کی صفائی نصیب ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے معاملات میں کشادگی عطا فرمائے گا۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو پڑھتا ہے اس پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔

۳:...... جو اس اسم کو پڑھنے کا معمول بنالے اسے اِن شاء اللہ روزی ملے گی اور مفلس نہیں ہوگا۔

۴:...... جس کو بچھو کاٹ لے وہ یہ اسم مبارک ستر بار پڑھ کر دم کرے، اِن شاء اللہ زہر اثر نہ کرے گا۔

۵:...... جو کشائش (کشادگی) کے واسطے اس کا جتنا ورد بڑھائے گا، اتنا مالدار ہوجائے گا۔

۴۷ اَلْحَکِیْمُ : حکمت والا یا حکم والا

تشریح: ''الحکیم'' اگر یہ لفظ حکم سے ہے تو اس کا معنی حکم والا، اور اگر حکمت سے ہے تو حکمت والا،

اور حکمت کا معنی ہے ہر کام کو دانائی کے مطابق کرنا، جیسے یہ کام ہونا چاہئے تھا ویسا کیا، اور یہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی کی حکمت ہے جو چیزوں کا احاطہ کرسکتی ہے اور ہر ایک چیز کو اس کی شان کے مطابق وجود میں لاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ حکمت والے ہیں اور حکیم کے ایک معنی اور بھی آتے ہیں:

﴿الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾﴾ (لقمان:۱،۲)

الٓمّٓ یہ آیتیں ہیں کتاب محکم کی۔ یعنی ایسی مضبوط کتاب کہ اب اس کو کوئی قیامت تک نہیں مٹا سکتا۔

تو الحکیم کے معنی محکم کے بھی کئے گئے ہیں، محکم کہ اس کو اپنی جگہ سے کوئی نہیں ہلا سکتا، یعنی اس کے فیصلوں کو بدل نہیں سکتا، ورنہ اللہ تعالیٰ تو جگہ سے پاک ہے، یہ لفظ میں نے سمجھانے کے لئے کہا ہے، وہاں جگہ کا کیا سوال ہے؟ جگہ تو ساری اس کی مخلوق ہے۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو کوئی کثرت سے ''یَا حَكِيْمُ'' پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس پر اِن شاء اللہ علم وحکمت کے دروازے کھول دیں گے۔

۲:...... جس کسی کا کوئی کام پورا نہ ہوتا ہو وہ پابندی سے اس اسم کو پڑھا کرے، اِن شاء اللہ کام پورا ہوجائے گا۔

۳:...... جو ظہر کے بعد نوے بار اس اسم کو پڑھ لیا کرے تمام مخلوق میں سرخرو رہے گا۔

۴:...... جو اس کو (۷۲) بار پڑھا کرے، اِن شاء اللہ اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے اور سب حاجتیں بر آئیں۔

۵:...... جو کوئی اس کا بکثرت ورد رکھے گا علم وحکمت کے چشمے اس کی زبان سے پھوٹیں گے اور وہ لطیف اشارات اور معانی کے اسرار کو بھی سمجھ لے گا۔

۴۸ اَلْوَدُوْدُ : بے حد محبت کرنے والا

تشریح: ''الودود'' بہت محبت کرنے والا، ودود یہ لفظ ''ود'' سے ہے، ود کا معنی محبت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی محبت فرماتے ہیں، حالانکہ ان کو جانتے ہیں، یہ حضرت کہاں کے ہیں؟ ان کی اوقات کیا ہے؟ ان کا حدودِ اربعہ کیا ہے؟ ان کے پیٹ میں کتنی غلاظت ہے، سب کچھ ان کو معلوم ہے پھر بھی کوئی اچھا کام کرے تو ان سے محبت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ: کل میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دونگا ''یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ'' (مستدرک حاکم) جو اللہ اور اس کے رسول سے

محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا محب اور عاشق بھی ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کا محبوب اور پیارا بھی ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ﴾ (المائدۃ:۵۴)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر کوئی پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے (تو اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں، جائے جہنّم میں) عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائیں گے کہ اللہ ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔“

عجیب بات ارشاد فرمائی، پہلے یوں فرمایا کہ اللہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور وہ اللہ کے محبوب ہیں، اور وہ اللہ کے عاشق بھی ہیں:

عشق اوّل دردل معشوق پیدا می شود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے، عاشق کے دل میں بعد میں پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو محبوب فرمایا اس کے بعد فرمایا کہ یہ محب بھی ہیں۔

مرزائیت کے مقابلے میں مجلس احرار اسلام کا جلسہ تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی جلسے میں تشریف لائے، یہ آیت شریفہ پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ: میں بھرے مجمع میں گواہی دیتا ہوں کہ آج اس دور میں اس آیت کا مصداق عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی جماعت ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کا جھنڈا اُٹھانے والے ہیں، یہ مرتدین کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ﴾

”اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو ہوتا پھرے“

﴿فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ﴾

”اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں ایک قوم کو لائے گا، جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے۔“

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴾

باوجود اُونچا ہونے کے مؤمنین سے جھک کر ملیں گے کافروں کے سامنے گردن اَکڑ کر چلیں گے، سربلند رہیں گے، کافر کے سامنے نہیں جھکیں گے، ﴿یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ﴾ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کریں گے، کوئی کچھ بھی کہتا رہے، دُنیا ان کو گالی دیتی رہے اور کیا کیا گالی نہیں دی گئی انہیں، ”ہندوؤں کے زرخرید غلام“ اور نہ معلوم کیا

کیا کہا گیا، تمہارے بڑوں نے ہی ان کی شان میں کہا تھا، پہچانا ہی نہیں ان بے چاروں نے، کیونکہ ان کی نظر صرف ظاہر کو دیکھ رہی تھی، تمہاری نظر ان تک نہیں پہنچ سکتی، تم جان ہی نہیں سکتے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ان پر اللہ نے پردہ ڈالا ہوا ہے تمہیں ان کی باطنی خوبیوں کا پتا ہی نہیں، جن کی بناء پر اللہ نے کہا کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے، اب جب تمہاری نظر ان کے حسن پر ہے ہی نہیں تو گالیاں ہی دو گے، آج تک اللہ کے نیک بندوں کو گالیاں دیتے ہو، جبکہ ان کی قبریں ''رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ'' بنی ہوئی ہیں، جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ، اور جس کو تم ''رول ماڈلز'' کہتے ہو اس کی قبر کا پتا نہیں کیا حال ہے؟ اللہ تعالیٰ نہ میری سمجھ کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور نہ تمہاری سمجھ کے مطابق۔

خیر! ''الودود'' بہت محبت کرنے والا، کیا ٹھکانہ ہے ایک تو اللہ کی محبت کہ وہ تو خود ہی بہت ہوگی، اور یہ ودود مبالغے کا صیغہ ہے، اللہ کی جو صفت ہے وہ خود بے انتہا ہے، اور جب اس کو مبالغے کے ساتھ ذکر کریں تو بے انتہا کی بے انتہا ہوگی۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو کوئی ایک ہزار مرتبہ ''یَا وَدُوْدُ'' پڑھ کر کھانے پر دم کرے گا اور بیوی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گا تو اِن شاء اللہ میاں بیوی کا جھگڑا ختم ہو جائے گا اور باہمی محبت پیدا ہو جائے گی۔

۲:...... جس کا بیٹا بُرائیوں میں مبتلا ہو وہ جمعہ کے بعد ایک ہزار بار یہ اسم مبارک معطر و لطیف شیرینی پر پڑھ کر دم کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ شیرینی اس کو کھلائے اِن شاء اللہ صالح ہو جائے گا۔

۳:...... اس کا وِرد تسخیر کے لئے بھی مفید ہے۔

۴:...... جو شخص کسی پریشانی میں پڑ جائے وہ دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرے اِن شاء اللہ پریشانی دور ہو جائے گی۔

دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ یَا وَدُوْدُ (تین بار) یَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَا مُبْدِیُٔ یَا مُعِیْدُ یَا فَعَّالُ لِمَا یُرِیْدُ اَسْئَلُکَ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ مَلَاَتْ بِہٖ اَرْکَانَ عَرْشِکَ وَبِقُدْرَتِکَ الَّتِیْ قَدَرْتَ بِھَا عَلٰی جَمِیْعِ خَلْقِکَ وَبِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ'' (آخری جملہ تین بار)

۴۹ اَلْمَجِیْدُ: مجد اور بزرگی والا

تشریح: ''المجید'' بزرگی والا، مجید کا لفظ مجد سے ہے اور مجد کے معنی عربی زبان میں بزرگی، شرافت،

کرامت اور عزت کے ہیں۔ لوگ ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسے تھے، ویسے تھے، اپنے خاندان پر قریب قریب ہر آدمی فخر کرتا ہے، ہمارا نام ہے، ہماری ایک شہرت ہے، ہماری ایک عزت ہے، حالانکہ اللہ نے پردے رکھے ہوئے ہیں، حقیقت میں مجد اور بزرگی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی ہے، بزرگی تو اسی کی ذات کو زیبا ہے اور کسی میں کیا بزرگی پائی جائے گی؟ کیا عظمت پائی جاتی ہے؟

خواص: پانچ ہیں:

۱:......جو کوئی کسی موذی مرض مثلاً برص، آتشک، جذام وغیرہ میں گرفتار ہو وہ چاند کی (۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو روزے رکھے) اور افطار کے بعد بکثرت اس اسم کو پڑھا کرے اور پانی پر دم کر کے پیئے اِن شاء اللہ وہ مرض دور ہو جائے گا۔

۲:......بیس دن تک روزہ رکھ کر افطار کے وقت ستاون بار اس اسم کو پڑھنا موذی امراض کے لئے مفید ہے۔

۳:......جس کو اپنے ساتھیوں میں عزت وحرمت نہ ہو، وہ ہر صبح کو ننانوے بار یہ اسم پڑھ کر اپنے اوپر پھونکے اِن شاء اللہ عزت وحرمت حاصل ہوگی۔

۴:......جو گرمیوں میں اسم کو پڑھے گا تشنگی سے مامون رہے گا۔

۵:......جو اس اسم پر مداومت کرے گا بزرگ ہوگا۔

۵۰ اَلْبَاعِثُ : اُٹھانے والا

تشریح: الباعث قیامت کے دن سب کو اُٹھانے والا، تمام مردوں کو زندہ کرنے والا۔

خواص: چار ہیں:

۱:......جو کوئی روزانہ سوتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک سو مرتبہ ''یَا بَاعِثُ'' پڑھا کرے، اِن شاء اللہ اس کا دل علم وحکمت سے زندہ ہو جائے گا۔

۲:......جو اس اسم کو سو بار روزانہ پڑھنے کا معمول بنائے گا، اس سے اِن شاء اللہ نیکیاں سرزد ہوں گی اور بُرائیوں سے بچا رہے گا۔

۳:......جو کوئی اس اسم مبارک کو سات بار پڑھ کر اپنے اوپر پھونکے اور حاکم کے روبرو جائے تو حاکم مہربان ہوگا۔

۴:......جو اس کا بکثرت ورد رکھے گا خوفِ الٰہی اس پر غالب رہے گا۔

۵۱ الشَّهِيْدُ : گواہ

تشریح: شہید، ہر ایک چیز پر گواہی دینے والا، ہر ایک چیز پر حاضر و ناظر، ہر چیز اس کے سامنے اور وہ ہر چیز کے سامنے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۝۸۵﴾ (الواقعة:۸۵)

''مرنے والے کے جتنے تم قریب ہوتے ہو اس سے زیادہ ہم قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔''

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:۱۶)

''ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔''

چونکہ قرآنِ کریم میں حضور ﷺ کو بھی شہید فرمایا ہے تو ہمارے بریلوی حضرات نے عقیدہ قائم کرلیا کہ حضور ﷺ حاضر ناظر ہیں، وہ کیسے بھائی؟ کہنے لگے کہ: بھائی! یوں کہ شہید کے معنی کبھی تو حاضر کے آتے ہیں اور کبھی گواہ کے آتے ہیں، اور گواہی انسان اسی وقت دے گا جبکہ وہاں موجود ہو، اور واقعہ کو دیکھ رہا ہو، تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ حاضر ہیں، ناظر ہیں اور اپنی اُمّت کے اعمال پر گواہ ہیں۔ ہم نے کہا کہ: ذرا آیت کا پہلا حصہ بھی پڑھئے: ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تاکہ تم شہید ہو لوگوں پر، ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرة:۱۴۳) اور رسول ہوجائے تم پر گواہ، تو اگر یہاں شہید کا معنی حاضر ناظر کے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہہ رہے ہیں کہ تم سب پر گواہ ہو، حاضر ناظر ہو، تو کیا آنجناب بھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں حاضر ناظر تھے؟ مولوی صاحب سے پوچھو! ایک ہی آیت میں ایک لفظ دو دفعہ آرہا ہے، تم آدھی آیت کو دیکھ کر استدلال کرتے ہو، لیکن اس آیت میں وہی لفظ تمہارے دعوے کی تردید کررہا ہے، اس کو تم نے کبھی سوچا ہی نہیں، سوچنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ سامنے آدمی بھی تو ان جیسے ہی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں ناں! یاد رکھو کہ اُمت کے لوگوں کو پہلے اللہ تعالیٰ نے شہید فرمایا اور حضور ﷺ کو بعد میں تاکہ تم گواہی دو گزشتہ انبیاء کی اُمتوں کے مقابلے میں؛ اور رسول گواہی دیں تم پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تفسیر پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ: نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے اپنی اُمت کو تبلیغ کردی تھی، ہمارے احکام پہنچادیئے تھے؟ وہ کہیں گے کہ جی میں نے پہنچادیئے تھے، اُمت سے پوچھیں گے کہ: تمہیں انہوں نے احکام پہنچادیئے تھے؟ نعوذ باللہ! وہ کہیں گے کہ: ہمیں کسی نے کچھ نہیں پہنچایا۔ بے وقوف یہ سمجھتے ہیں کہ شاید خدا کے سامنے جھوٹ بول کر بچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے: یہ تو آپ کے دعوے کے منکر

ہیں، دعویٰ گواہوں سے ثابت ہوتا ہے، آپ گواہ پیش کریں۔ نوح علیہ السلام فرمائیں گے: میرے گواہ محمد ﷺ کی اُمت ہیں۔ اُمت محمدیہ کو طلب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ: یہ شیخ الانبیاء اپنی اُمّت کے خلاف تمہاری گواہی کو طلب کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اللہ کے احکامات کی تبلیغ کر دی تھی، اور ان کی اُمّت کے لوگ اس کے منکر ہیں، تم کیا کہتے ہو؟ یہ اُمت کہے گی: یہ صحیح کہتے ہیں، ان کی اُمّت غلط کہتی ہے، ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے احکام پہنچا دیئے تھے۔ یہ مطلب ہے آیت: ''لِتَكُوْنُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ'' کا، تا کہ تم ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔ تمام امتوں کے مقابلے میں تمہاری گواہی چلے گی اور محمد ﷺ کی عزت اور ان کا شرف ظاہر ہو گا قیامت میں کہ یہ تو بھئی بڑی اونچی اُمّت ہے جس کی سرکاری طور پر گواہی طلب کی جا رہی ہے، جس کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں وہی پھنس جاتا ہے یا چھوٹ جاتا ہے، اس پر اُمم سابقہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت جرح کرے گی کہ یہ تو ہمارے وقت میں موجود نہیں تھے، یہ کیسے گواہی دے سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ: جواب دو! تو اُمت کہے گی کہ: یا اللہ! ہمیں یہ بات ہمارے نبی محمد ﷺ نے بتائی تھی اور ان کی بتائی ہوئی بات اتنی پکی تھی جیسے آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز' اس لئے ہمیں اس بات کی گواہی دینے کا حق پہنچتا ہے، یہ ہمارے ایمان کی چیز ہے۔ اس پر رسول ﷺ سے کہا جائے گا کہ: یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ فرمائیں گے کہ: ہاں! میری اُمّت کے لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھو! کہ پچھلی اُمتیں اپنے نبی کو جھٹلاتی ہیں اور اس اُمّت کا نبی اپنی اُمّت کی تصدیق کرتا ہے، کتنی عظمت ہے اور یہ حضور ﷺ کی نسبت کی وجہ سے ہے۔ تو غرضیکہ آنحضرت ﷺ کے گواہ ہونے کا یہ مطلب ہے اور اُمّتیوں کے گواہ ہونے کا یہ مطلب، یہاں حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ تھا ہی نہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:......جس شخص کی بیوی یا اولاد نافرمان ہو وہ صبح کے وقت اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اکیس مرتبہ ''یَا شَهِیْدُ'' پڑھ کر دم کرے، اِن شاء اللہ فرمانبردار ہو جائے گی۔ بعض علماء کے نزدیک اکیس کے بجائے اکتیس بار پڑھنا مفید ہے۔

۲:......جو اس اسم کو پابندی سے پڑھے گا اسے اِن شاء اللہ گناہوں سے پرہیزگاری نصیب ہو گی۔

۳:......اہلِ مراقبہ اور شہادت کے متمنی حضرات کے لئے یہ اسم بہت مناسب اور مفید ہے۔

۵۲ اَلْحَقُّ: (حق کے معنی سچ)

تشریح: حق کے معنی سچ، وہ برحق ہے باقی سب جھوٹ، اس کا وجود، وجود ہے، باقیوں کا وجود، وجود کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے صوفیہ تلقین کرتے ہیں:

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ''

وہی ایک حق ہے اس کی ذات برحق ہے، اس کی صفات برحق، مخلوق کی اپنی ذات بھی کیا ہے وہ پیدا کی ہوئی ہے کسی کی اور اس کی صفات بھی کیا ہیں کچھ بھی نہیں۔

خواص:

۱:...... جو شخص روزانہ ایک ہزار بار اس اسم کا ورد کرے اس کے اخلاق اچھے ہو جائیں گے اور اس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے گی۔

۲:...... جو کوئی روزانہ (۱۰۰) بار ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ'' پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے فقر سے غنا عطا فرمائیں گے اور اِن شاءاللہ اس کے معاملات آسان ہو جائیں گے۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھے گا مخلوق میں عزیز ہو جائے گا۔

۴:...... اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ایک پاک چوکور کاغذ لے کر چاروں کونوں پر اس اسم کو لکھے اور آدھی رات کو ہتھیلی پر کاغذ رکھ کر آسمان کے نیچے کھڑا ہو جائے اور یہ اسم (۱۹۹) بار پڑھے اِن شاءاللہ گمشدہ چیز مل جائے گی۔

۵:...... اگر قیدی آدھی رات کو سر ننگا کر کے ایک سو آٹھ بار یہ اسم پڑھے تو اِن شاءاللہ قید سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۵۳ اَلْوَکِیْلُ : (کارساز، کام بنانے والا)

تشریح: وکیل کا معنی کارساز، کام بنانے والا، وہ ساری کائنات کا کام بناتا ہے، ساری کائنات کے کام اسی کے سپرد ہیں، ''عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ'' اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

خواص:

۱:...... جو کوئی بھی آسمانی آفت کے خوف کے وقت (یَا وَکِیْلُ) کا ورد کرے گا اور اس اسم کو اپنا وکیل بنا لے گا وہ اِن شاءاللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

۲:...... جو اس اسم کو بہت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کا ذمہ دار ہوگا اور اس کو اس کی خواہشوں کے حوالے نہیں فرمائے گا۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو (۱۹۶) بار ہر روز پڑھے وہ ظالم کے ظلم سے اِن شاءاللہ بچا رہے گا اور کسی سے نہیں ڈرے گا۔

۴:......یہ اسم، اسم اعظم، کے مطابق ہے۔

۵:......ہر حاجت کے لیےاس اسم کی کثرت ذکر مفید ہے۔

۵۴ اَلْقَوِیُّ :(طاقت ور،قوت والا)

خواص:

۱:......اگراس اسم کوکم ہمت پڑھے باہمت ہوجائے اگر کمزور پڑھے زورآور ہوجائے، اگر مظلوم ظالم کومغلوب کرنے کے لئے پڑھےتواِن شاءاللہ مغلوب ہوجائے۔

۲:......ظالم کی ہلاکت یااس کےشر سےحفاظت کے لئےاس اسم کوایک ہزار بار پڑھنا بہت مفید ہے۔

۳:......اگر جمعہ کی دوسری ساعت میں (چاشت کے وقت سے پہلے) یہ اسم بہت کثرت سے پڑھےگاتونسیان (بھول جانا) جاتارہےگا۔

۴:......جواس اسم کوبکثرت پڑھےگااِن شاءاللہ صاحب قوت ہوگااورجلد بڑےمنصب تک پہنچےگا۔

۵:......جس کارزق تنگ ہووہ ایک ہزار باریہ اسم مبارک (یا قوی) پڑھےاوراس کےساتھ اس آیت کاوردکرے ﴿اَللّٰهُ لَطِیۡفٌ بِعِبَادِهٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ﴾ اِن شاءاللہ اس کے ساتھ لطف وکرم کامعاملہ ہوگااورخیرکادروازہ اس کے لئےکھول دیاجائےگا۔

۵۵ اَلْمَتِیْنُ :(مضبوط)

تشریح: اس کامعنی ''القوی'' کےقریب قریب ہے، ایسا طاقت ورکہ کوئی اس کو ہرانہیں سکتا، اور ایسامضبوط کہ کوئی اس کوکچانہیں کرسکتا۔

خواص:

۱:......جس عورت کادودھ کم ہو یانہ ہوتواس کو یہ اسم مبارک (المتین) کاغذ پرلکھ کردھوکر پلائیں اِن شاءاللہ خوب دودھ ہوگا۔

۲:......جس بچے کادودھ چھڑایاگیاہواوروہ صبرنہ کرتاہواسےبھی یہ اسم مبارک دس بارلکھ کرپلایا جائےاِن شاءاللہ صبرکرےگا۔

۳:......جوکوئی کسی منصب کوچاہتاہووہ اتوارکےدن اول ساعت میں اسی منصب کی نیت سےتین سوساٹھ(۳۶۰) باریہ اسم مبارک پڑھےاِن شاءاللہ منصب پائےگا۔

۴:......جوکوئی اس اسم کابکثرت وردکرےگا،اس کی مشکل آسان ہوجائےگی اوراِن شاءاللہ حاجات پوری ہوگی۔

۵:...... جو کوئی فاسق و فاجر لڑکے یا لڑکی پر دس بار (اَلْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ) پڑھے گا تو اس کی اصلاح ہو جائے گی اور اِن شاء اللہ وہ غلطی سے باز رہے گا۔

۵۶ اَلْوَلِیُّ: نگران

تشریح: ولی کہتے ہیں اس شخص کو جو چھوٹے بچوں کا متولی ہو، کوئی شخص فوت ہو جائے اس کے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، تو جو ان کا نگران مقرر کیا جاتا ہے اس کو ''ولی'' کہتے ہیں کیونکہ چھوٹے بچے تو اپنی ضروریات کو جانتے نہیں، اس سے واقف نہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ تمام لوگوں کی ولایت کرنے والا، تمام کی کفایت کرنے والا، تمام کے کام بنانے والا۔ اور ولایت کا معنی حمایت کے بھی ہوتے ہیں، سب کی حمایت اور مدد کرنے والا۔ ولی کے معنی دوست کے بھی ہیں، جیسے کہ عرف عام میں کہا جاتا ہے: ''ولی اللہ'' اللہ کا دوست، اور ولی کے معنی حاکم اور ولایت والے کے بھی ہیں، اسکو ''والی'' بھی کہتے ہیں۔ ولی کے معنی مددگار کے بھی آتے ہیں، اور یہ سارے کے سارے معنی یہاں درست ہیں۔

ولی کا معنی اللہ تعالیٰ دوست ہیں، اپنے نیک بندوں سے دوستی کرنے والے، اور خود بھی محبوب حقیقی ہیں، اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے بھی ولی ہیں کہ وہ سب کے والی ہیں، الوالی کا اسم شریف بھی آگے آرہا ہے، اور الولی بمعنی متولی کے بھی ہیں کہ سب کے کاموں کے وہی متولی ہیں اور انہیں کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور الولی کا معنی ہے حمایتی، اور مددگار کے بھی آتے ہیں۔ ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۳۱﴾ (الشوریٰ) پھر نہ ہوگا تمہارا کوئی حمایتی اللہ کے سوا اور نہ کوئی مددگار۔ تو اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے مددگار ہیں اور وہی ان کی حمایت کرنے والے ہیں۔

خواص:

۱:...... جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا محبوب ہو جائے گا اور اسے ولایت عظمی کا مقام نصیب ہوگا، اور اس پر اشیاء کے حقائق کھول دیے جائیں گے۔

۲:...... جس کو کوئی مشکل پیش آئے وہ شب جمعہ میں ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے اِن شاء اللہ مشکل دور ہو جائے گی اور وہ اولیاء اللہ میں شامل کیا جائے گا۔

۳:...... بیوی کے پاس جاتے وقت اس اسم کو پڑھے گا تو دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے کارآمد بن جائیں گے۔

۴:...... جو شخص اپنی بیوی کی عادتوں اور خصلتوں سے خوش نہ ہو وہ جب اس کے سامنے جائے اس اسم کو پڑھا کرے اِن شاء اللہ نیک خصلت ہو جائے گی۔

۵۷ اَلْحَمِیْدُ: حمد کیا ہوا

تشریح: حمید، حمد سے ہے، حمد کا معنی ہے تعریف، اور الحمید کا معنی حمد کیا ہوا، سارے جہانوں کا حمد کیا ہوا کہ سارا جہان اس کی حمد کرتا ہے، اور حمد اس لئے کرتا ہے کہ وہ لائق حمد ہے، اسی لئے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ فرمایا ہے۔

خواص:

۱:...... جو کوئی اس اسم مبارک کو بہت پڑھے گا پسندیدہ افعال ہوگا۔

۲:...... جو فحش اور بری باتیں کرنے کا عادی ہو اور اس سے نہ بچ سکے، وہ ایک پیالہ پر (اَلْحَمِیْدُ) لکھے، پھر (۹۹) بار (یَا حَمِیْدُ) پڑھ کر دم کرے اور ہمیشہ اس پیالہ میں پانی پیا کرے اِن شاءاللہ فحش گوئی سے امان پائے گا۔

۳:...... اگر کوئی گونگا اس اسم مبارک کو گھول کر پیئے، زبان سے صاف باتیں کرنے لگے۔

۴:...... جو اس اسم کو فرض نماز کے بعد (۱۰۰) بار پڑھنے کا معمول بنالے اِن شاءاللہ صالحین میں سے ہوگا۔

۵:...... جو اس اسم کو فجر اور مغرب کے بعد چھیاسٹھ (٦٦) بار پڑھنے کا معمول بنالے اِن شاءاللہ اس کو اقوال وافعال حمیدہ حاصل ہوں گے۔

٦:...... سورۂ فاتحہ کے بعد یہ اسم لکھ کر کسی مریض کو پلانے سے اِن شاءاللہ شفا ہوگی۔

۵۸ اَلْمُحْصِی: شمار کرنے والا

تشریح: شمار کرنے والا، احصاء کا معنی ہے شمار کرنا، اس نے ریت کے ایک ایک ذرّے کو گن رکھا ہے، آسمان کے ستاروں تک سے واقف ہے، کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں، ہر شئے کا اس نے احاطہ کررکھا ہے، ہر ایک شئے کا اس نے علم حاصل کررکھا ہے۔

تو ''المحصی'' کا معنی ہے ساری کائنات کا احاطہ کرنے والا، ساری کائنات کا گھیرا ڈالنے والا، ساری کائنات کو شمار کرنے والا، کیونکہ اس کائنات کی عرش سے فرش تک کوئی مخلوق اور مخلوق کا کوئی فرد اور کوئی ذرّہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احاطہ علم سے باہر نہیں. ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو شمار کررکھا ہے، تو یہ معنی ہے المحصی شمار کرنے والا۔

سورہ رحمٰن میں ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ۳۳﴾ (الرحمٰن) اے جنو اور انسانو! اگر تم زمین اور آسمانوں کے

کناروں سے نکل بھاگ سکتے ہو تو نکل کے دکھاؤ، تم نہیں نکل کے بھاگ سکتے بغیر اللہ کی طرف سے راہ داری کے۔ جس طرح کہ کسی مملکت پر چاروں سے طرف پہرہ لگا ہوا ہے کہ کوئی آدمی نکل ہی نہیں سکتا تو تم بھی نہیں نکل سکتے۔

خواص:

۱:...... جو کوئی شب جمعہ میں ایک ہزار بار یہ اسم مبارک (یَا مُحْصِی) پڑھے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن حساب و کتاب سے نجات عطا فرما دے گا۔

۲:...... جو شخص روٹی کے دس ٹکڑے لے کر ہر ٹکڑے پر بیس بار یہ اسم مبارک پڑھ کر کھائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق کو مسخر فرما دیں گے۔

۳:...... جو اس اسم کا بکثرت ذکر کرے گا اسے مراقبہ نصیب ہو گا اور اگر کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے نام (اَلْمُحِیْطُ) کے ساتھ ملا کر (اَلْمُحْصِی الْمُحِیْطُ) پڑھ لیا کرے تو اسے بے شمار علوم عطا کئے جائیں گے۔

۴:...... جو کوئی اس اسم مبارک کو بہت پڑھا کرے اِن شاء اللہ گناہ سے بچا رہے۔

۵:...... جو کوئی دس بار یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں رہے۔

۵۹ اَلْمُبْدِئُ: شروع کرنے والا

تشریح: اس کو کبھی ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، کبھی بغیر ہمزہ کے بھی، اور یہ لفظ لیا گیا ہے ''الابداء'' سے، اور الابداء سے بدء، بدء کا معنی ہے آغاز اور شروع، اسی سے ابتداء کا لفظ آتا ہے، ابداء کا معنی ہے کسی چیز کو شروع کرنا، اور مبدی کا معنی ہے تمام کائنات کو بغیر کسی مادّے کے اور بغیر کسی مثال کے پہلی مرتبہ پیدا کرنا، المبدی کا معنی کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا، آغاز کرنے والا، ورنہ اس سے پہلے کائنات نہیں تھی، اور اس کے مقابلے میں المعید ہے، دوبارہ لوٹانے والا۔

خواص:

۱:...... اگر کوئی اس اسم کا ورد رکھے تو اس کی زبان سے صحیح اور درست بات جاری ہو گی۔

۲:...... جس کی بیوی کو حمل ہو اور اسقاط حمل سے ڈرتا ہو وہ سحری کے وقت (۹۰) بار یہ اسم مبارک (یَا مُبْدِئُ) پڑھ کر شہادت کی انگلی بیوی کے پیٹ کے گرد یا شکم پر پھیر دے حمل ان شاء اللہ ساقط نہ ہو گا۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے افعال نیک سرزد ہوں، گناہوں سے بچا رہے۔

۴:...... جس شخص کا مال چوری ہو گیا ہو وہ اس اسم (یَا مُبْدِئُ) بکثرت پڑھے ان شاء اللہ مال مل جائے گا۔

۵:......جو کوئی اس اسم کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا، حق تعالیٰ شانہ اسے تمام بلیات سے نجات دے گا۔

۶۰ اَلْمُعِيْدُ : لوٹانا

تشریح: یہ اعادہ سے ہے، اور اعادہ کا معنی ہے لوٹانا، عربی زبان میں عود کا معنی ہے لوٹنا اور اعادہ کا معنی ہے لوٹانا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: ''کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُه'' جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا دوبارہ پیدا کریں گے، اسی سے معید ہے، یعنی دوبارہ تخلیق کو لوٹانے والا، دوبارہ بنانے والا، دوبارہ پیدا کرنے والا، قیامت کے دن مردوں کو نئی زندگی دینے والا اور قیامت کے دن اس عالم کو نیا بخشنے والا۔

خواص:

۱:......گمشدہ شخص کو واپس بلانے کے لیے جب گھر کے تمام افراد سو جائیں تو گھر کے چاروں کونوں میں ستر ستر مرتبہ (یَا مُعِيْدُ) پڑھے اِن شاء اللہ گم شدہ شخص سات روز میں واپس آ جائے گا یا پتہ چل جائے گا۔

۲:......جو کوئی کسی معاملہ میں متحیر ہو وہ ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے خلجان دور ہو جائے گا اور ان شاء اللہ درست سمت کی طرف رہنمائی ہو گی۔

۳:......اگر کوئی بات یا چیز بھول گیا ہو تو (یَا مُبْدِئُ یَا مُعِيْدُ) کا ورد کرنے سے ان شاء اللہ یاد آ جائے گی۔ نیز اس کے پڑھنے سے مخفی امور کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے۔

۶۱ اَلْمُحْيِي : زندگی دینے والا

تشریح: یہ الاحیاء سے ہے اور الاحیاء حیات سے ہے، حیات کا معنی ہے زندگی، الاحیاء کا معنی زندگی دینا، اور اس کے مقابل میں ہے الممیت۔

خواص:

۱:......جو اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھنے کا معمول بنائے گا ان شاء اللہ اس کا دل زندہ ہو جائے گا اور بدن میں تقویت پیدا ہو گی۔

۲:......جو شخص (۸۹) بار (یَا مُحْيِي) پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے گا وہ ہر طرح کی قید و بند سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۳:......جو شخص کسی درد میں مبتلا ہو یا کسی عضو کے ضائع ہونے سے خائف ہو وہ (یَا مُحْيِي) سات بار پڑھے اور دم کرے اِن شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۴:......جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا اِن شاء اللہ اس کا دل منور رہے گا۔

۵:......جو کسی کے قہر سے ڈرتا ہو روٹی کے ٹکڑے پر (۵۸) بار یہ اسم پڑھ کر کھا لے اِن شاء اللہ

محفوظ رہے گا۔

۶۲ اَلْمُمِيْتُ : موت دینا

تشریح: یہ الاماتۃ سے ہے، اماتۃ کا معنی موت دینا، زندگی دینا اور موت دینا اللہ کے قبضے میں ہے، زندگی دینا تو لوگوں کی سمجھ میں آتا ہے لیکن موت دینا بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا، جیسا کہ تیسرے پارے کے دوسرے رُکوع میں ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ﴾ (البقرۃ:۲۵۸) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا (اس شخص کا قصہ سنا) جس نے جھگڑا کیا تھا ابراہیم علیہ السلام سے ان کے ربّ کے بارے میں اس غرور کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک دے رکھا تھا، اس غریب کو ہضم نہیں ہوا، ﴿اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ﴾ جب کہا ابراہیم نے کہ میرا ربّ وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے، یعنی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے، زندگی اور موت اس کے قبضے میں ہے اور اس کی تخلیق سے ہوتی ہے، ﴿قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ﴾ کہنے لگا: میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں، یہ وصف تو مجھے بھی حاصل ہے، ایک بے گناہ کو پکڑا اور اس کو قتل کردیا، اور ایک مجرم جو سزائے موت کا مستحق تھا اس کو معاف کردیا، کہنے لگا: دیکھو میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ غبی آدمی ہے، حکومت نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ یہ حکمران لوگ اپنے آپ کو عقلِ کُل سمجھا کرتے ہیں کہ عقل صرف اللہ نے ہمیں دی ہے، باقی کسی کو نہیں دی، حالانکہ شاید ان سے بڑا کوئی احمق نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو عقل مند سمجھنا ہی ان کی نادانی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ احمق ہے جلانے اور مارنے کا مطلب بھی نہیں سمجھتا، اس لئے دلیل بدل دی، استدلال بدل دیا اور فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۵۸) ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرا اللہ سورج کو نکالتا ہے مشرق سے تو نکال کے دکھا مغرب سے، پھر لاجواب ہوگیا اور کافر کا منہ بند ہوگیا۔ یہاں یہ نہیں کہہ سکا کہ مشرق سے تو میں نکالتا ہوں تیرا رب مغرب سے نکال کر دکھائے، جانتا تھا کہ وہ نکال دے گا، اس کا جواب نہیں دے سکا، آج کل کے سائنس دانوں سے تو پھر بھی عقل مند نکلا۔ ورنہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو کون نکالتا ہے؟ یہ تو اپنے آپ ہی گھومتا رہتا ہے، اور اس کے مغرب سے نکلنے کا کیا سوال؟ یہ فلاسفہ جن کو ''حکماء'' کہتے تھے اور ہمارے حضرت حکیم الاُمّت رحمۃ اللہ علیہ ان کو ''حمقاء'' فرماتے تھے، حکماء نہیں حمقاء ہیں، اسی طرح یہ سائنس دان بھی کہتے ہیں کہ سورج بھی چکر میں لگا ہوا ہے، ہم بھی چکر میں ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ اس احمق سے بھی زیادہ احمق ہیں، اس اتنے بڑے کافر کو بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اتنا یقین تھا کہ ابراہیم کا ربّ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے۔

تو غرضیکہ محیی کا معنی ہے حیات دینے والا، زندگی بخشنے والا۔ اور ممیت کا معنی ہے موت دینے والا، موت کی تخلیق کرنے والا۔ ظاہری اسباب میں یہ تمام چیزیں جو موت کا سبب بنتی ہیں اللہ نے موت کے ذرائع بنا دیئے، اوران ذرائع کی طرف موت کی نسبت بھی کی جاتی ہے، قتل کرنے والے کو قاتل کہا جاتا ہے، لیکن قاتل بھی جانتا ہے اور دوسرے لوگ بھی جانتے ہیں کہ اس نے قتل کیا ہے لیکن موت اس کی تخلیق نہیں، اس کا سبب ضرور بنا ہے اور اس سبب بننے پر اس کی گرفت بھی کی جاتی ہے لیکن موت اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے: ''خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ'' (الملک: ۲) جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا ہے، تو موت اور حیات اللہ کی مخلوق ہیں اور وہی موت اور حیات کو پیدا کرنے والا ہے، اس اعتبار سے اسکو کہا جاتا ہے المحی الممیت وہ ہے زندہ کرنے والا، وہ ہے مارنے والا۔

خواص:

۱:...... جو کوئی یہ اسم اس قدر پڑھے کہ اس پر حال طاری ہوجائے پھر وہ ظالموں فاسقوں میں سے کسی کی ہلاکت کی دعاء کرے تو اسی وقت ہلاک ہوجائے۔ ناجائز پر عمل نہ کرے۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو بکثرت پڑھے گا اس کا نفس اِن شاء اللہ مغلوب ہوجائے گا۔

۳:...... جو اس اسم کو سات بار پڑھ کر اپنے اُوپر دَم کرے گا، اِن شاء اللہ اس پر جادو اثر نہ کرے گا۔

۶۳ اَلْحَیُّ: ہمیشہ سے زندہ

تشریح: ''حی'' جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، ازل الازال سے ابد الآباد تک زندگی اس کی خانہ زاد ہے، کسی کی جانب سے ملی ہوئی نہیں، بخلاف مخلوق کے کہ زندگی کے ان کے پاس بھی ہے لیکن ملی ہوئی ہے، پرائی چیز ہے مانگی ہوئی، وہ جب چاہے چھین لے، اس کی حیات کسی کی مخلوق نہیں، مخلوق کی حیات اس کی مخلوق ہے، اس لئے وہ تنہا الحی زندہ کہلانے کا مستحق ہے، قرآن کریم میں آتا ہے: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۝۳۰﴾ (الزمر) بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔

بعض اکابر نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: آپ کا بھی دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آنے والا ہے اور ان کا بھی، پھر تم اپنے رب کے سامنے اُٹھائے جاؤ گے یا اپنے ربّ کے پاس جھگڑو گے۔

لیکن بعض اکابر نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ: آپ بھی اور یہ لوگ بھی عین اس حالت میں جبکہ زندہ کہلاتے ہو مردہ ہیں، اس لئے کہ زندگی اپنی نہیں کسی کی دی ہوئی ہے، اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے تم مردہ ہو۔

اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ کسی درویش کنگال کو کسی نے ایک لاکھ روپیہ بطور امانت کے دے دیا کہ اس کو اپنے پاس رکھو، ظاہر میں تو اس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، وہ مال دار دکھلائی دیتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ اب بھی فقیر اور کنگال ہے، اس لئے کہ یہ مال اس کا نہیں کسی اور کا ہے۔ تو ہم بھی عین اس

حالت میں جبکہ ہم زندہ ہیں مردہ کہلانے کے مستحق ہیں، اس لئے کہ زندگی اپنی نہیں نہ اپنے بس میں ہے، نہ اپنے قبضے میں ہے، دینے والا جب چاہے واپس لے لے، اور نہ یہ اپنی صفت ہے اپنی صفت تو عدم ہے، تو اللہ تعالیٰ الحی ہیں، زندگی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ صفت ہمیشہ ہمیشہ سے ازل سے ابد تک ہے، وہ صفت کسی کی بنائی ہوئی نہیں۔

خواص:

۱:...... جو کوئی روزانہ تین بار (یَا حَیُّ) کا ورد رکھے گا وہ ان شاء اللہ کبھی بیمار نہ ہوگا۔

۲:...... اگر کوئی بیمار اس اسم کو چینی کے برتن مشک اور گلاب سے لکھ کر شیریں (میٹھے) پانی سے دھوکر پئے یا کسی دوسرے بیمار کو پلائے تو ان شاء اللہ شفائے کامل نصیب ہو۔

۳:...... جو کوئی ایک ہزار بار یہ اسم مبارک (یَا حَیُّ) کسی بیمار پر پڑھے گا اس کی عمر ان شاء اللہ دراز ہوگی اور قوت روحانیہ اس میں زیادہ ہوگی۔

۴:...... کسی سخت حاجت کے وقت اگر کوئی اپنے نام کے اعداد کے موافق مع اول وآخر درود شریف، ایک وقت مقرر کرکے (یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ) پڑھا کرے تو اس کی حاجت پوری ہوجائے گی۔

۵:...... اگر کوئی اس اسم کو ایک سو بیس دفعہ کاغذ پر لکھ کر دروازہ پر لٹکا دے تو اس گھر میں جتنے لوگ رہتے ہوں گے وہ اِن شاء اللہ برے امراض سے محفوظ رہیں گے۔

۶۴ اَلْقَیُّوْمُ: تھامنے والا

تشریح: یہ قیام سے ہے، قیام کا معنی کھڑے ہونا، قائم ہونا، القیوم کا معنی: قائم رکھنے والا، تھامنے والا، سنبھالنے والا کہ پوری کائنات اسی کے ارادے اور مشیت سے قائم ہے، وہی سب کو تھامنے والا اور قائم رکھنے والا ہے، جب چاہے چھوڑ دے، ساری مخلوق اس کی مشیت کے سہارے کھڑی ہے، خود بے چاری کھڑی نہیں ہوسکتی، جیسے کوئی بے چارہ اتنا کمزور ہو کہ سہارا لے کر کھڑا ہوسکتا ہے پر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوسکتا، تو ساری کی ساری مخلوق اتنی کمزور ہے کہ اس کی مشیت وقدرت اور ارادے کے سہارے کھڑی ہے، وہ ذرا اس سہارے کو کھینچ لے تو یہ دھڑام سے گر جائے، یہ معنی ہے ''القیوم'' کا۔

خواص:

۱:...... جو طالب علم اس اسم کو ہر روز تنہائی میں (۷۰) بار پڑھے گا اِن شاء اللہ کند ذہنی سے نجات پائے گا اور اس کا حافظہ قوی اور دل منور ہوجائے گا۔

۲:...... جس آدمی کو نیند نہ آتی ہو وہ یہ دو آیتیں پڑھے اِن شاء اللہ نیند آجائے گی۔ ﴿وَتَحْسَبُهُمْ

اَیۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ﴾ (الکہف:۱۸)﴿فَضَرَبۡنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمۡ فِی الۡکَهۡفِ سِنِیۡنَ عَدَدًا ۝۱۱﴾ (الکہف) یہ عمل دوسرے پر بھی کیا جا سکتا ہے۔

۳:......جو زیادہ سونے کا عادی ہو اس کے سر پر ﴿الٓمّٓ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ﴾ پڑھ کر دَم کیا جائے اِن شاء اللہ اس کی نیند بھاگ جائے گی۔

۴:......جو شخص بکثرت (یَا قَیُّوۡمُ) کا ورد رکھے گا اِن شاء اللہ لوگو میں اس کی عزت زیادہ ہوگی۔

۵:......جو شخص تنہائی میں بیٹھ کر اس اسم کا ورد کرے گا اِن شاء اللہ خوش حال ہو جائے گا۔

۶:......جو شخص صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک (یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡمُ) کا ورد کرے گا اِن شاء اللہ اس کی سستی و کاہلی دور ہو جائے گی۔

۷:......سحری کے وقت جو کوئی بلند آواز سے اس اسم کو پڑھے گا اس کا تصرف دلوں میں ظاہر ہوگا یعنی لوگ اسے دوست رکھیں گے۔

۶۵ اَلۡوَاجِدُ : پانا اور غنی ہونا

تشریح: غنی جس کو کوئی احتیاج نہیں، واجد کا لفظ وجدان سے ہے، جس کا معنی پانا اور غنی ہونا ہے یعنی ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ ہر چیز کو پانے والا ہے، ہر چیز اس کی دسترس میں ہے اور کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر نہیں۔

خواص:

۱:......جو شخص کھانا کھاتے وقت (یَا وَاجِدُ) کا ورد رکھے، غذا اس کے قلب کی طاقت وقوت اور نورانیت کا باعث ہوگی اِن شاء اللہ۔

۲:......جو تنہائی میں بکثرت اس اسم کو پڑھے گا مالدار ہوگا۔

۳:......جو اس اسم کو بہت پڑھے گا اس کا دل اِن شاء اللہ غنی ہوگا۔

۴:......جو اس اسم کو پڑھے گا اِن شاء اللہ ظالم کے ظلم سے بچا رہے گا۔

۶۶ اَلۡمَاجِدُ : بزرگی والا

تشریح: مجد کا معنی بزرگ کے ہیں، الماجد بزرگی والا۔

خواص:

۱:......جو تنہائی میں یہ اسم اس قدر پڑھے کہ بے خود ہو جائے تو اِن شاء اللہ اس کے قلب پر انوار الٰہیہ ظاہر ہونے لگیں گے۔

۲:......اگر کوئی اس اسم کو پانی پر دم کر کے مریض کو پلائے تو اِن شاء اللہ مریض شفاء پائے۔

۳:......جو اس اسم کو دس بار شربت پر پڑھ کر پی لیا کرے گا وہ اِن شاء اللہ بیمار نہ ہوگا۔

۴:......جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا مخلوق کی نگاہ میں عزیز و بزرگ ہوگا۔

۶۷ اَلْوَاحِدُ : ایک

تشریح: اس کا معنی ہے ایک اور احد کا معنی ہے یکتا کہ اس جیسا اور کوئی دوسرا نہیں۔

خواص:

۱:...... جو کوئی روزانہ (۱۰۰۰) مرتبہ (اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ) پڑھا کرے، اس کے دل سے اِن شاء اللہ مخلوق کی محبت اور خوف جاتا رہے گا۔

۲:......جس شخص کی اولاد نہ ہوتی ہو وہ (الواحد الاحد) کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اِن شاء اللہ اس کو اولاد صالح نصیب ہوگی۔

۳:......جو کوئی تنہائی سے ہراساں ہو وہ باوضو ہو کر (۱۰۰۰) بار (یَا وَاحِدُ) کو پڑھے اِن شاء اللہ اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا اور اس کے عجائبات ظاہر ہوں گے۔

۶۸ اَلْاَحَدُ : یکتا

تشریح: ایک، یکتا، اکیلا، اسکا کوئی ہمسر ہی نہیں۔

خواص: سات ہیں:

۱:......جو کوئی روزانہ ایک ہزار مرتبہ ''اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ'' پڑھا کرے اس کے دل سے اِن شاء اللہ مخلوق کی محبت اور خوف جاتا رہے گا۔

۲:......جس شخص کی اولاد نہ ہوتی ہو وہ ''اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ'' کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اِن شاء اللہ اس کو اولاد نصیب ہوگی۔

۳:......حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سنا: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ذریعے دُعا کی ہے، جس کے ذریعے جب مانگا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے (ابوداؤد، ترمذی)۔

۴:......جو کوئی اس اسم کو پڑھے گا اِن شاء اللہ ظالم کے ظلم سے بچا رہے گا۔

۵:...... جو کوئی اس اسم کو نو مرتبہ پڑھ کر حاکم کے آگے جائے گا، اِن شاءاللہ عزت و سرفرازی پائے گا۔

۶:...... جو کوئی سانپ کے کاٹے پر ایک سو ایک بار ''اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ'' پڑھ کر دَم کرے اِن شاءاللہ سانپ کا کاٹا ہوا مریض تندرست ہو جائے گا۔

۷:...... جو تنہائی میں اسے ایک ہزار بار پڑھے گا اِن شاءاللہ فرشتہ خصلت ہو جائے گا۔

۶۹ الصَّمَدُ : بے نیاز

تشریح: اس کے کئی معنی کئے گئے ہیں، سورۃ اخلاص میں آتا ہے: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ بے نیاز ہے، صمد کا بعض حضرات نے معنی کیا ہے: سردار، اور بعض نے کہا: سرمدی، دائمی، ہمیشہ رہنے والا، اور بعض نے کہا: ''اَلَّذِیْ یُصْمَدُ اِلَیْهِ الْحَوَائِجُ کُلُّهَا'' وہ ذات کہ تمام حاجتیں اس کی بارگارہ میں پیش کی جاتی ہیں، پوری کی پوری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ کسی بھی چیز کا محتاج نہیں، نہ کسی انسان کا، نہ فرشتے کا، نہ آسمان و زمین کی کسی اور چیز کا، نہ کھانے پینے کا، نہ بیوی بچوں کا، کسی چیز کا محتاج نہیں، تو صمد کا معنی ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ الصمد اللہ تعالیٰ کا پاک نام ہے۔

اگر ایک لاکھ مرتبہ اس کا وظیفہ کیا جائے ''یَاصَمَدُ، یَاصَمَدُ'' مل کر پڑھو یا اکیلے ایک مجلس میں پڑھ لو یا الگ الگ، اور ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کے بعد اس پاک نام کی برکت سے دُعا کرو، جو بیمار کہ جس کے علاج سے مایوسی ہو گئی ہو اللہ تعالیٰ اس کو بھی شفا عطا فرما دیتے ہیں۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو کوئی سحر کے وقت سجدہ میں سر رکھ کر ایک سو پندرہ یا ایک سو پچیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، اس کو اِن شاءاللہ ظاہری سچائی نصیب ہوگی اور کسی ظالم کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہوگا۔

۲:...... جو شخص باوضو اس اسم کا ورد جاری رکھے وہ اِن شاءاللہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے گا۔

۳:...... جو کوئی یہ اسم ایک سو چونتیس بار پڑھے آثارِ صمدانی ظاہر ہوں اور اِن شاءاللہ کبھی بھوکا نہ رہے۔

۴:...... جو کوئی اسم کو بکثرت پڑھے اس کی مشکلیں آسان ہوں۔

۵:...... جو اسے ایک ہزار بار پڑھا کرے گا، دشمن پر اِن شاءاللہ فتح پائے گا۔

۷۰ اَلْقَادِرُ : بڑی قدرت والا

تشریح: قادر، قدرت سے ہے، بڑی قدرت والا کہ تمام چیزیں اس کے قبضے میں ہیں قدرت میں ہیں، پر اس پر کسی کو قدرت نہیں ہے۔ وہ کامل قدرت والا ہے۔

خواص: چار ہیں:

۱:......اگر کوئی وضو میں ہر عضو کو دھوتے وقت ''اَلْقَادِرُ'' پڑھے گا تو کسی ظالم کے ہاتھ اِن شاءاللہ گرفتار نہ ہوگا اور کوئی دشمن اس پر فتح نہ پائے گا۔

۲:......اگر کوئی مشکل پیش آئے تو اکتالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے اِن شاءاللہ وہ کام آسان ہوجائے گا۔

۳:......جو اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اِن شاءاللہ جمیع آفات سے بچا رہے۔

۴:......جو شخص دو رکعت نماز پڑھ کر سو مرتبہ ''اَلْقَادِرُ'' پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو ذلیل و رسوا فرما دے گا، اگر وہ حق پر ہوگا اور ظاہری طاقت کے علاوہ اسے عبادت کی باطنی طاقت بھی عطا فرمائے گا۔

۷۱ اَلْمُقْتَدِرُ : اِقتدار والا

تشریح: اقتدار والا، اقتدار بھی قدرت سے ہے، لیکن اقتدار کا مفہوم لیا جاتا ہے دوسروں کے اوپر قدرت والا، جس کو ہم ''حکومت'' کہتے ہیں، تو مقتدر کا معنی صاحب اقتدار، اس لئے کہ حقیقت میں سب پر اسی کا اقتدار ہے، سب اسی کے ماتحت ہیں، وہ کسی کے ماتحت نہیں۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:......جو کوئی سو کر اٹھنے کے بعد بکثرت ''اَلْمُقْتَدِرُ'' کا ورد کرے یا کم از کم بیس مرتبہ پڑھا کرے، اِن شاءاللہ اس کے تمام کام آسان اور درست ہوجائیں گے۔

۲:......جو کوئی اس اسم کو پڑھا کرے اِن شاءاللہ اس کا دشمن مغلوب ہوگا۔

۳:......جو اس کا روزانہ بیس مرتبہ وِرد رکھے گا اِن شاءاللہ رحمت الٰہی میں رہے گا۔

۴:......جو اس نام کو توجہ کے ساتھ پڑھتا رہے اِن شاءاللہ اس کی غفلت دور ہوجائے گی۔

۵:......جو شخص حقیقتاً مظلوم ہو وہ مہینے کی آخری رات میں اندھیرے کمرے میں ننگی زمین پر دو رکعت نماز پڑھے اور دوسری رکعت کے آخری سجدے میں: ''اَلْمُقْتَدِرُ اَلشَّدِیْدُ الْقَوِیُّ الْقَاهِرُ'' پڑھ کر ظالم کے خلاف دعا کرے اِن شاءاللہ قبول ہوگی۔

۷۲ اَلْمُقَدِّمُ : آگے کرنے والا

۷۳ اَلْمُؤَخِّرُ : پیچھے کرنے والا

تشریح: پیچھے کرنے والا، جس کو چاہے جس وقت چاہے آگے کر دے، اور جس کو چاہے جس وقت

چاہے پیچھے کردے۔ آگے کردینا پیچھے کردینا اس کا کام ہے، اسی کی صفت ہے۔

اَلْمُقَدِّمُ:

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو شخص جنگ کے وقت ''اَلْمُقَدِّمُ'' کثرت سے پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اسے پیش قدمی کی قوت عطا فرمائے گا اور دشمنوں سے محفوظ رکھے گا، زخم ورنج نہیں پہنچے گا۔

۲:...... جو شخص ہر وقت ''یَا مُقَدِّمُ'' کا ورد رکھے گا اِن شاء اللہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بن جائے گا۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھے وہ دشمن پر اِن شاء اللہ غالب رہے گا اور اطاعت الٰہی میں اس کا نفس فرمانبردار ہوگا۔

۴:...... جو اس کو نو مرتبہ شرینی پر پڑھ کر کسی کو کھلائے گا اِن شاء اللہ وہ اس سے محبت کرے گا غلط اور ناجائز مقصد کے لئے یہ عمل کرنا حرام ہے اور سخت نقصان دہ ہے۔

اَلْمُؤَخِّرُ:

خواص: سات ہیں:

۱:...... جو شخص کثرت سے ''اَلْمُؤَخِّرُ'' کا ورد رکھے گا اسے اِن شاء اللہ سچی توبہ نصیب ہوگی۔

۲:...... جو شخص روزانہ سو مرتبہ اس اسم کو پابندی سے پڑھا کرے اس کو اِن شاء اللہ حق تعالیٰ کا ایسا قرب نصیب ہوگا کہ اس کے بغیر چین نہ آئے گا۔

۳:...... علماء کرام فرماتے ہیں کہ ''اَلْمُقَدِّمُ'' اور ''اَلْمُؤَخِّرُ'' کو ایک ساتھ پڑھتا رہے جب کوئی مشکل پیش آئے اکیس بار اس اسم کو پڑھے اِن شاء اللہ مشکل آسان ہوجائے گی۔

۴:...... جو اڑتالیس دن تک روزانہ تین ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے، اِن شاء اللہ وہ جو چاہے گا پائے گا۔

۵:...... جو اکتالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے گا، اس کا نفس اِن شاء اللہ مطیع ہوگا۔

۶:...... جو ہر روز سو بار یہ اسم مبارک پڑھتا رہے گا اِن شاء اللہ اس کے سب کام انجام کو پہنچیں گے۔

۷:...... حضور اکرم ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' (بخاری شریف)۔

⑦④ اَلْاَوَّلُ : سب سے پہلا

⑦⑤ اَلْاٰخِرُ : سب سے پچھلا

تشریح: حدیث شریف میں حضور ﷺ نے اس کی شرح ذکر فرمائی ہے کہ ایسا پہلا کہ: ''لَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ'' تجھ سے پہلے کچھ نہیں، اور آخر ایسا پچھلا کہ: ''لَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ'' تیرے بعد کوئی نہیں، ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ فنا کر دیں گے صرف اس کی ذات باقی رہے گی، تو وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے۔

اَلْاَوَّلُ:

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو مسافر ہو وہ جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا اِن شاءاللہ جلد بخیریت وطن واپس پہنچے گا۔

۲:...... جس شخص کے لڑکا نہ ہو وہ چالیس مرتبہ روزانہ ''اَلْاَوَّلُ'' پڑھا کرے اِن شاءاللہ اس کی مراد پوری ہوگی اور سب مشکلیں آسان ہوں گی۔

۳:...... جو چالیس شب جمعہ ہر شب کو عشاء کی نماز کے بعد ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے اس کی اِن شاءاللہ تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

۴:...... جو ہر روز گیارہ بار یہ اسم مبارک پڑھے گا تمام خلقت اِن شاءاللہ اس پر مہربانی کرے گی۔

۵:...... جو سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اِن شاءاللہ اس کی بیوی اس سے محبت کرے گی۔

اَلْاٰخِرُ:

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو شخص روزانہ ایک ہزار مرتبہ ''اَلْاٰخِرُ'' پڑھا کرے اس کے دل سے غیر اللہ کی محبت دور ہو جائے گی اور اِن شاءاللہ ساری عمر کی کوتاہیوں کا کفارہ ہو جائے گا اور خاتمہ بالخیر ہوگا اور نیک اعمال سرزد ہوں گے۔

۲:...... جس کی عمر آخر کو پہنچ گئی ہو اور نیک اعمال نہ رکھتا ہو وہ اس اسم کا ورد کرے حق تعالیٰ اس کی عاقبت اِن شاءاللہ بہتر کرے گا۔

۳:...... جو کوئی کسی جگہ جائے اور اس اسم کو پڑھ لے وہاں عزت اور توقیر پائے گا۔

۴:...... جو اس اسم کو دفع دشمن کے لئے پڑھے گا اِن شاءاللہ کامیاب ہوگا۔

۵:...... جوعشاء کے بعد ایک سو مرتبہ یہ اسم پڑھنے کا معمول بنائے اس کی آخری عمر اِن شاء اللہ پہلی عمر سے بہتر ہو گی۔

⑦⑥ اَلظَّاهِرُ : ظاہر

⑦⑦ اَلْبَاطِنُ : پوشیدہ

تشریح: قدرت کے لحاظ سے کھلا ہوا جس میں کوئی شک نہیں، اور ایسا باطن چھپا ہوا کہ جس کی حقیقت اور گہرائی تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا، آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: "اَنْتَ الظَّاهِرُ لَيْسَ فَوْقَكَ شَئٌ" ظاہر کے معنی روشن کے بھی آتے ہیں اور غالب کے بھی آتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کا وجود اتنا روشن ہے کہ آپ سے اوپر کوئی چیز نہیں، اور آپ ہی اے اللہ باطن ہیں "لَيْسَ دُوْنَكَ شَئٌ" کہ آپ کی گہرائی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شبانہ نشستم دریں سحر گم
کہ حیرت گرفتہ آستینم کہ قم

کئی راتیں میں اس گم سحر میں بیٹھا غور کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا چیز ہے، آخر حیرت نے میری آستین پکڑ کر کہا کہ اُٹھو:

نہ بر جانے مرکب تواں داختن
کہ جاہا سپر پائے داختن

ہر جگہ گھوڑے نہیں دوڑایا کرتے، بہت سی جگہ سپر ڈال دیا کرتے ہیں، بہت سی جگہ سپر ڈالنا پڑتے ہیں۔

تواں در بلاغت بسحبان نصیب
نہ در ذات بے چوں سبحان نصیب

بلاغت میں سحبان وائل (عربی کے عظیم اور فصیح بلیغ ادیب وخطیب) تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن سبحان پاک ذات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔

تو وہ باطن ہے چھپا ہوا، اتنا چھپا ہوا کہ وہاں تک کسی کی عقل تو کیا کسی کے وہم اور خیال کی بھی پرواز نہیں ہے۔

اَلظَّاهِرُ:

خواص: چھ ہیں:

۱:...... جو شخص نماز اشراق کے بعد پانچ سو مرتبہ "اَلظَّاهِرُ" کا ورد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں روشنی اور دل میں نور عطا فرمائے گا، اِن شاء اللہ۔

۲:...... اگر بارش وغیرہ کا خوف ہو تو یہ اسم مبارک بکثرت پڑھے، اِن شاء اللہ امان پائے گا۔

۳:...... اگر کوئی گھر کی دیوار پر یہ اسم مبارک لکھے اِن شاء اللہ دیوار سلامت رہے۔

۴:...... جو کوئی سرمہ پر گیارہ بار یہ اسم مبارک پڑھ کر آنکھوں میں لگائے لوگ اس سے مہربانی کریں۔

۵:...... جو جمعہ کے دن پانچ سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا، اس کا باطن پرنور ہوگا اور اِن شاء اللہ دشمن مغلوب ہوگا۔

۶:...... یہ ارباب مکاشفات کا ذکر ہے۔

اَلْبَاطِنُ:

خواص: آٹھ ہیں:

۱:...... جو شخص روزانہ تینتیس بار ''یَا بَاطِنُ'' پڑھا کرے اِن شاء اللہ اس پر باطنی اسرار ظاہر ہونے لگیں گے اور اس کے قلب میں انس و محبت الٰہی پیدا ہوگی۔

۲:...... جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اس کے بعد ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ'' ایک سو پینتالیس بار پڑھے اِن شاء اللہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو اکتالیس بار پڑھے اِن شاء اللہ اس کا قلب نورانی ہو جائے گا۔

۴:...... جو اس اسم کو ہر نماز کے بعد تینتیس بار پڑھنے کا معمول بنائے تو اس کو جو دیکھے گا محبت کرے گا۔

۵:...... جو کوئی ہر روز اپنے دل میں یا زبان سے تین سو ساٹھ بار اس کا ورد عشاء یا فجر یا کسی بھی نماز کے بعد کرے گا، صاحب باطن اور واقف اسرار الٰہی ہوگا۔

۶:...... جو کسی کو امانت سونپے، یا زمین میں دفن کرے وہ کاغذ پر ''اَلْبَاطِنُ'' لکھ کر اس کے ساتھ رکھ دے اِن شاء اللہ کوئی اس میں خیانت نہ کر سکے گا۔

۷:...... جو ہر روز اسی بار کسی نماز کے بعد اس کو پڑھے گا واقف اسرار الٰہی ہوگا اِن شاء اللہ۔

۸:...... جو ہر روز تین بار ایک گھنٹہ تک اس کو پڑھے اس کو انسیت الٰہی نصیب ہوگی۔

⑦⑧ اَلْوَالِي: ولایت والا

تشریح: مالک، صاحب، ولایت والا، حکومت والا۔

خواص: سات ہیں:

۱:...... جو کوئی اپنا یا کسی اور کا گھر ہر بلا اور بربادی سے بچانا چاہتا ہے تین سو بار ''اَلْوَالِي'' پڑھے

اِن شاءاللہ وہ گھر محفوظ رہے گا۔

۲:...... اگر کسی کو تسخیر کرنے کی نیت سے گیارہ بار پڑھے گا وہ آدمی اس کا مطیع و منقاد ہوگا اِن شاءاللہ۔

۳:...... بالکل نئے اور کورے آبخورے پر ''اَلْوَالِی'' لکھ کر اور پڑھ کر اس میں پانی بھرے، پھر پانی کو گھر کے در و دیوار پر چھڑکے تو وہ گھر اِن شاءاللہ محفوظ رہے گا۔

۴:...... جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے مخلوق میں اِن شاءاللہ ذی مرتبہ ہوگا۔

۵:...... جو شخص کثرت سے ''اَلْوَالِی'' کا ورد رکھے گا وہ اِن شاءاللہ ناگہانی آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

۶:...... اسے کثرت سے پڑھنا بجلی کی کڑک سے حفاظت کے لئے مفید ہے۔

۷:...... اس اسم کا ذکر ان لوگوں کے لئے بہت مفید ہے جن کو لوگوں پر بالادستی حاصل ہے مثلاً: حاکم، افسر، شیخ وغیرہ۔

۷۹ اَلْمُتَعَالِی: عالی شان

تشریح: بلند شان، عالی شان، اتنا عالی شان کہ: ''لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: یا اللہ! میں آپ کی ثناء بیان نہیں کرسکتا، آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثناء بیان کی، ''مناجات مقبول'' میں آنحضرت ﷺ کی دُعا ہے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ اَنْزَلْتَه' فِیْ کِتَابِکَ'' اے اللہ میں سوال کرتا ہوں آپ کے ہر اسم اور ہر پاک نام کا واسطہ دے کر جو آپ نے اپنی کتاب میں اُتارا ہو، ''اَوْ عَلَّمْتَه' اَحداً مِنْ خَلْقِکَ اَوْ اِسْتَأْثَرْتَ بِه فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ'' یا آپ نے کسی کو سکھایا ہو، یا آپ نے کسی کو بھی نہیں بتایا اپنے علم غیب میں اس پاک نام کو رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں تک بھی پہنچنا ممکن نہیں، ذات کا کیا کہنا! المتعالی وہ بڑی شان والا ہے کہ وہاں تک مخلوق کی حمد و ثنا نہیں پہنچ سکتی۔

خواص: سات ہیں:

۱:...... جو شخص کثرت سے ''اَلْمُتَعَالِ'' کا ورد رکھے اِن شاءاللہ اس کی تمام مشکلات رفع ہوں گی۔

۲:...... جو عورت حالت حیض میں کثرت سے اس اسم کا ورد رکھے اِن شاءاللہ اس کی تکلیف رفع ہوگی۔

۳:...... جو بدکردار عورت ایام کی حالت میں اس اسم کو بہت پڑھے گی وہ اپنی بدفعلی سے نجات پائے گی۔

۴:......جو شخص اتوار کی رات کو غسل کر کے آسمان کی طرف منہ کر کے اس کو تین بار پڑھ کر جو دُعا مانگے گا اِن شاءاللہ قبول ہوگی۔

۵:......اس کا بکثرت ذکر کرنے سے رفعت (بلندی) حاصل ہوتی ہے۔

۶:......جو حاکم کے پاس جاتے وقت یہ اسم پڑھ لے اسے حجت اور غلبہ نصیب ہوگا، اِن شاءاللہ۔

۷:......دشمن کی ہلاکت کے لئے سات دن تک روزانہ ایک ہزار بار پڑھنا مفید ہے۔

⑧⓪ اَلْبَرُّ : نیکی

تشریح: بِر کے معنی نیکی اور بَر کے معنی نیکی کرنے والا، اس سے مراد ہے اپنے بندوں پر احسان کرنے والا، اپنے بندوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے والا۔ یہ بر سے ہے، بر مصدر ہوتا ہے، بر صفت کا صیغہ ہے۔

خواص: نو ہیں:

۱:......جو کوئی شراب خوری یا زنا کاری جیسے گناہوں میں گرفتار ہو وہ روزانہ سات بار یہ اسم پڑھے اِن شاءاللہ اس کا دل گناہوں سے ہٹ جائے گا۔

۲:......جو اس کو آندھی وغیرہ کی آفتوں کے ڈر سے پڑھے اِن شاءاللہ امن میں رہے گا۔

۳:......جو شخص جب دنیا میں مبتلا ہو وہ اس اسم کو بکثرت پڑھے، اِن شاءاللہ دنیا کی محبت اس کے دل سے جاتی رہے گی۔

۴:......جو کوئی اس اسم مبارک کو ایک سانس میں سات بار اپنے لڑکے پر پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے گا وہ بچہ اِن شاءاللہ بلوغ تک تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔

۵:......جو کوئی اس اسم کو پڑھے گا عزیز خلائق ہوگا۔ اِن شاءاللہ۔

۶:......یہ اسم خشکی اور سمندر کے مسافر کے لئے امان ہے۔

۷:......جو اس اسم کو اپنے بچے کے سر پر پندرہ بار پڑھ کر یہ دعا مانگے: ''اَللّٰھُمَّ بِبَرْکَۃِ ھٰذَا الْاِسْمِ رَبِّہٖ لَا یَتِیْماً وَّلَا لَئِیْماً'' تو اِن شاءاللہ یہ دعا قبول ہوگی اور بچہ نہ یتیم ہوگا اور نہ لئیم۔

۸:......گناہِ کبیرہ کا مرتکب اگر سات سو بار یہ اسم مبارک پڑھے تو اِن شاءاللہ گناہوں سے توبہ کی توفیق پائے۔

۹:......اگر اس کے ساتھ ''اَلرَّحِیْمُ'' ملا کر ''یَا بَرُّ یَا رَحِیْمُ'' پڑھا جائے تو یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

⑧① التَّوَّابُ :توبہ قبول کرنے والا

تشریح: توبہ قبول کرنے والا، بندوں کے حال پر رُجوع کرنے والا۔

خواص: چھ ہیں:

۱:......جو کوئی نمازِ چاشت کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ اس اسم کو پڑھا کرے گا، اِن شاء اللہ اسے سچی توبہ نصیب ہوگی۔

۲:......جو شخص کثرت سے اس اسم کو پڑھا کرے گا اِن شاء اللہ اس کے تمام کام آسان ہوں گے اور نفس کو طاعت میں خوشی ہوگی۔

۳:......اگر کسی ظالم پر دس مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کیا جائے تو اِن شاء اللہ اس سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۴:......جو کوئی چاشت کی نماز کے بعد ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ'' پڑھے اس کے گناہ اِن شاء اللہ بخشے جائیں گے۔

۵:......جو اکتالیس دن تک آٹھ سو بار یہ اسمِ مبارک پڑھے گا اِن شاء اللہ ظاہر و باطن کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

۶:......جو کوئی اس اسم کو لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر شراب کے عادی کو پلائے تو اس کی عادت چھوٹ جائے گی اور وہ اِن شاء اللہ تائب ہو جائے گا۔

⑧② اَلْمُنْعِمُ :نعمتیں دینے والا

تشریح: نعمتیں دینے والا، دُنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اسی کے پاس ہیں، دُنیا میں جس کو چاہے دیدے، آخرت میں صرف اپنے نیک بندوں کو عطا کرے گا، صبح سے شام ہم جتنی نعمتیں بھی استعمال کرتے ہیں سب اس کی طرف سے ہیں۔

⑧③ اَلْمُنْتَقِمُ :انتقام لینے والا

تشریح: انتقام لینے والا، نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ اپنے انتقام سے بچائے، انتقام کا معنی بدلہ لینا، انتقام کس سے لیتا ہے؟ گناہگاروں سے نہیں، جانتا ہے کہ بندے گناہگار ہیں، انتقام لیتا ہے گستاخی کرنے والوں سے، ظالموں سے جو ظلم پر اُتر آتے ہیں، اس کی مخلوق کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، ان سے انتقام لیتا ہے، یا جو اس کے بندوں کی شان میں، اس کے دین کی شان میں، اس کی کتاب کی شان میں یا اس کی ذاتِ عالی کی

شان میں گستاخی کرتے ہیں، ان سے انتقام لیتا ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے: ”مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ“ جو شخص میرے کسی ولی سے دُشمنی کرے، میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں، اس سے اللہ انتقام لیتا ہے۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو شخص حق پر ہو اور دشمن سے بدلہ لینے کی اس میں قدرت نہ ہو وہ تین جمعہ تک بکثرت ”یَا مُنْتَقِمُ“ پڑھے اللہ تعالیٰ دشمن سے خود اِن شاء اللہ انتقام لے لیں گے۔

۲:...... جو کوئی آدھی رات کو یہ اسم مبارک جس نیت سے پڑھے گا وہ کام اِن شاء اللہ سرانجام ہوگا۔

۳:...... جو کوئی عشاء یا فجر کی نماز کے بعد چالیس دن تک روزانہ ایک ہزار ایک بار ”یَا قَھَّارُ یَا مُذِلُّ یَا مُنْتَقِمُ“ پڑھے گا تو اِن شاء اللہ ظالم ہلاک ہوگا۔

۴:...... جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا اِن شاء اللہ اس کی آنکھ ہرگز نہیں دکھے گی۔

۸۴ اَلْعَفُوُّ : معاف کرنے والا

تشریح: معاف کرنے والا، بہت معاف کرنے والا، منتقم بھی ہے ظالموں سے انتقام لینے والا بھی ہے، باغیوں، ظالموں، گستاخوں سے انتقام بھی لیتا ہے، لیکن قصور کرنے کے بعد معافی مانگ لیں تو معاف کرنے والا ہے۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو شخص کثرت سے ”اَلْعَفُوُّ“ پڑھے گا اِن شاء اللہ اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا اور اچھے اعمال کی توفیق بخشے گا۔

۲:...... جو تین ہفتہ تک اس اسم کا ورد رکھے گا سب دشمن اس کے دوست بن جائیں گے اور لوگوں میں معزز ہوگا۔

۳:...... جو کوئی کسی شخص سے ڈرتا ہو اس اسم مبارک کو بہت پڑھے اِن شاء اللہ خوف دور ہوگا۔

۴:...... اگر اس اسم کے ساتھ ”اَلْغَفُوْرُ“ کو بھی ملا لیا جائے تو یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوگا۔

۵:...... جو اسے ایک سو چھپن بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے خوف سے امن عطا فرمائے گا۔

۸۵ اَلرَّءُوْفُ : بہت شفقت کرنے والا

تشریح: بہت شفقت کرنے والا، نہایت شفیق، اور اتنا شفیق اتنا شفیق کہ تمام ماؤں کی ممتا جمع کرلی جائے تو اس کی شفقت کی ایک ادنیٰ تجلی ہے، اس کی شفقت کا حصہ بھی نہیں، ساری مائیں دنیا کی مل جائیں اور

ان کی محبت جمع کر لی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی شفقت کی ایک معمولی کرن ہے، اس کا حصہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کی شفقت بے پایاں ہے۔

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو کسی مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے چھڑانا چاہے ''یَا رَؤُوفُ'' دس بار پڑھے وہ ظالم اس کی شفاعت قبول کرے گا۔

۲:...... جو کوئی اسے بکثرت پڑھے گا، ظالم کا دل اس پر مہربان ہوگا اور سب لوگ اس کو دوست رکھیں گے اور اِن شاء اللہ اس پر مہربان ہوں گے۔

۳:...... جو شخص دس مرتبہ درود شریف اور دس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، اِن شاء اللہ اس کا غصہ رفع ہو جائے گا اور دوسرے غضب ناک شخص پر دم کرے تو اس کا غصہ بھی دور ہو جائے گا۔

⑧⑥ مَالِكُ الْمُلْكِ: سلطنت کا مالک

تشریح: ملک کا مالک، سلطنت کا مالک۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو شخص ''یَا مَالِکَ الْمُلْکِ'' کو ہمیشہ پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو غنی اور لوگوں سے بے نیاز فرما دے گا اور اِن شاء اللہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہے گا۔

۲:...... جو بادشاہ کسی ملک کو فتح کرنا چاہتا ہو وہ اس اسم کو بہت پڑھے اِن شاء اللہ کامیاب ہوگا۔

۳:...... جو ''یَا مَالِکُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ'' بہت پڑھے گا وہ اگر فقیر ہوگا تو غنی ہو جائے گا، مگر یہ اسم کمال جلال رکھتا ہے۔

۴:...... جو بادشاہ اپنی حکومت کا استحکام چاہتا ہو وہ اس اسم کو بکثرت پڑھے۔

⑧⑦ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ: جلال اور عزت والا

تشریح: جلال اور عزت والا، جلال کا معنی بزرگی اور اس بزرگی میں عظمت پائی جاتی ہے جس کو قہر اور غلبہ کہتے ہیں، یعنی رُعب اور دبدبہ ہے جلال میں۔ اور اکرام کا معنی ہے عزت والا، بڑائی والا بزرگی والا، یہ بھی بزرگی ہوئی لیکن اس میں شفقت اور محبت کا پہلو پایا جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی شان میں دونوں قسم کی عظمتیں اور بزرگیاں پائی جاتی ہیں، رُعب اور دبدبے والی بزرگی بھی جس کو ''جلال'' کہتے ہیں اور شفقت و محبت والی بزرگی بھی جس کو ''اکرام'' کہتے ہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:......جو شخص کثرت سے ''یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ'' پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ اس کو عزت وعظمت اور مخلوق سے استغناء عطا فرمائیں گے۔

۲:......بعض اس کو اسم اعظم کہتے ہیں، جو شخص ''یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ بِیَدِکَ الْخَیْرُ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْ ءٍ قَدِیْرٌ'' سو بار پڑھ کر پانی پر دم کرے اور وہ پانی بیمار کو پلائے تو اِن شاء اللہ بیمار شفا پائے گا، اگر دل غمگین ہوگا تو اس عمل سے اِن شاء اللہ مسرور ہوگا۔

۳:...... جو کوئی روزانہ پابندی سے تین سو تینتیس بار ''یَا مَالِکَ الْمُلْکِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ'' پڑھے گا، دنیا اس کی فرمانبردار رہے گی۔

⑧⑧ اَلرَّبُّ: پالنے والا

تشریح: پالنے والا، وہی سب کی تربیت کرکے حالت کمال تک پہنچاتا ہے۔

⑧⑨ اَلْمُقْسِطُ: عدل وانصاف کرنے والا

تشریح: عدل وانصاف کرنے والا، کسی کا بدلہ کسی کے پاس رہنے نہیں دے گا قیامت کے دن، حدیث شریف میں ہے: اگر کسی بکری نے کسی بے سینگ بکری کے سینگ مارا ہوگا قیامت دن دونوں کو زندہ کرکے بے سینگ کو سینگ دے کر کہا جائے گا کہ اس کو اتنی ٹکر مار، اس کا بدلہ دلوادیں گے اس کے بعد فرمائیں گے: ''کُوْنُوْا تُرَابًا'' مٹی ہو جاؤ، یعنی جانور جو کہ مکلف بھی نہیں ہیں حق تعالیٰ شانہٗ ان میں بھی ایک کا بدلہ دوسرے کے پاس نہیں رہنے دینگے، اس لئے فرمایا گیا کہ: اللہ تعالیٰ کے گناہوں کا مسئلہ پھر بھی کسی قدر آسان ہے، اللہ تعالیٰ کے جو ہم نے قصور کئے ہیں اسی کو گناہ کہتے ہیں، ان کا مسئلہ پھر بھی آسان ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ معاف فرمادیں گے، لیکن بندوں کے حقوق کا معاملہ بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ بندے معاف بھی نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ چھوڑیں گے بھی نہیں جبکہ بدلہ دِلوا نہ دیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن تین دفتر ہوں گے، ایک دفتر جس کو معاف نہیں کیا جائے گا، یہ کفر وشرک کا دفتر، یہ ناقابل معافی بغاوت ہے، دوسرا وہ دفتر ہے جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کریں گے اور یہ وہ حقوق ہیں جو اس کے اور بندوں کے درمیان ہیں، چاہے اس کو معاف کردیں یا اس پر سزا دے دیں، اور اگر سب کو معاف کردے تو اس کو کوئی پروا نہیں، اور ایک دفتر وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دیں گے نہیں، یہ بندوں کے حقوق کا دفتر ہے، جس بندے کے ذمے جس کا جو حق ہوگا وہ اس کو ضرور دلائیں گے، یہی ہے ''المقسط'' عدل وانصاف کرنے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:......جو کوئی روزانہ اس اسم کو پڑھا کرے وہ اِن شاء اللہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہے گا۔

۲:......اگر کوئی شخص کسی خاص اور جائز مقصد کے لئے سات سو مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا تو اِن شاء اللہ وہ مقصد پورا ہوگا۔

۳:......جو کسی رنج میں مبتلا ہو وہ ہر روز ستر بار یہ اسم مبارک پڑھے اِن شاء اللہ رنج سے نجات پائے گا۔

۴:......جو کوئی اس اسم کو سو بار پڑھے گا، شیطان کے شر اور وسوسے سے بے خوف ہوگا۔

۵:......اس اسم کی کثرت عبادات میں وسوسوں سے بچنے کا بہترین علاج ہے۔

۹۰ اَلْجَامِعُ: جمع کرنے والا

تشریح: جمع کرنے والا کہ قیامت کے دن تمام اوّلین کو، آخرین کو سب کو جمع کر دیں گے۔

خواص: چار ہیں:

۱:......جس شخص کے رشتہ دار اور احباب منتشر ہو گئے ہوں وہ چاشت کے وقت غسل کرے اور آسمان کی طرف منہ کر کے دس مرتبہ ''یَا جَامِعُ'' پڑھے اور ایک انگلی بند کر لے اسی طرح ہر دس مرتبہ پر ایک ایک انگلی بند کرتا جائے، جب ساری انگلیاں بند ہو جائیں تو آخر میں دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے اِن شاء اللہ جلد سب جمع ہو جائیں گے۔

۲:......اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ''اَللّٰھُمَّ یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِجْمَعْ ضَالَّتِیْ'' پڑھا کرے وہ چیز اِن شاء اللہ مل جائے گی۔

۳:......جائز محبت کے لئے بھی مذکورہ بالا دُعا بے مثل ہے۔

۴:......اپنے بچھڑے ہوئے اقارب سے ملنے کے لئے اس اسم کا ایک سو چودہ بار کھلے آسمان کے نیچے پڑھنا مفید ہے۔

۹۱ اَلْغَنِیُّ: بے پروا

تشریح: بے پروا، اس کا معنی ظاہر ہے۔

خواص: آٹھ ہیں:

۱:......جو شخص ستر بار روزانہ ''یَا غَنِیُّ'' پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرمائے گا اور اِن شاء اللہ کسی کا محتاج نہ رہے گا۔

۲:......جو شخص کسی ظاہری یا باطنی مرض یا بلا میں گرفتار ہو وہ اپنے تمام اعضاء اور جسم پر ''یَا غَنِیُّ''

پڑھ کر دم کیا کرے اِن شاءاللہ نجات پائے گا یہ مرض طمع (لالچ) کا بھی علاج ہے۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھا کرے وہ اِن شاءاللہ مال دار ہو جائے گا اور محتاج نہ ہو گا۔

۴:...... جو اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے مفلس نہ ہو۔

۵:...... جو کوئی اس کو لکھ کر اپنے مال میں رکھے اِن شاءاللہ اس میں برکت ہوگی۔

۶:...... جو کوئی اس اسم کا ورد رکھے گا اس کے اعضاء کا درد جاتا رہے گا۔

۷:...... جو کوئی جمعرات کے دن ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اِن شاءاللہ دولت پائے گا۔

۸:...... جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد ستر بار پابندی سے یہ دعا مانگا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی فرمادے گا: ''اَللّٰھُمَّ یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا فَعَّالُ لِمَا یُرِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وُدُوْدُ اِکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔''

۹۲ اَلْمُغْنِی: غنی کرنے والا،

تشریح: غنی کرنے والا، بے پروائی کرنے والا، وہ خود غنی ہے، سب سے بے نیاز ہے، اسے کسی کی بھی احتیاج نہیں، احتیاج ہی سے پاک ہے ایک غنی تو وہ ہوتا ہے کہ جس کو ہم غنی کہتے ہیں یعنی اس کی ساری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، اس کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ اس کی ساری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، اور ایک غنی وہ ہے کہ جو احتیاج ہی سے پاک ہے، یہ نہیں کہ ضرورت ہے اور ضرورت پوری ہو رہی ہے، وہاں ضرورت ہی نہیں، بندوں میں جو غنی کہلاتے ہیں وہ وہ کہلاتے ہیں کہ جن کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، اور حق تعالیٰ شانہٗ کی جو صفت ہے ''غنی'' اس کا مطلب ہے کہ وہ احتیاج ہی سے پاک ہے، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: غنا سامان کی کثرت کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ غنا دل کا غنا ہوتا ہے۔ (کنزالعمال: ۶۹۴۵۴۳) یعنی دل ہی احتیاج سے پاک ہو جائے،

خواص: گیارہ ہیں:

۱:...... جو شخص اول اور آخر میں گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر گیارہ سو مرتبہ وظیفہ کی طرح یہ اسم پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہری و باطنی غنا عطا فرمائے گا یہ عمل فجر یا عشاء کی نماز کے بعد کرے اور اس کے ساتھ سورۂ مزمل بھی تلاوت کرے۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو ایک ہزار دو سو ستر سٹھ بار ہر روز بلا ناغہ پڑھے گا، اِن شاءاللہ غنی ہو جائے گا۔

۳:...... جو کوئی اس اسم مبارک کو لکھ کر اپنے پاس رکھے کبھی فقیر نہ ہو۔

۴:......جو کوئی دس جمعوں تک ہر جمعہ کو ایک ہزار بار یا دس بار یہ اسم پڑھے گا اِن شاءاللہ مخلوق سے بے نیاز ہوگا۔

۵:......جو کوئی قربت سے پہلے ستر بار یہ اسم پڑھ لے بہت امساک ہوگا۔

۶:......جو بہت مفلس ہو وہ فجر کے وقت فرض وسنّت کے درمیان دوسو بار اور ظہر، عصر اور مغرب کے بعد دوسو بار اور عشاء کے بعد تین سو بار یہ اسم مبارک پڑھے اِن شاءاللہ غنی ہوگا۔

۷:......جو کوئی اس اسم مبارک کو گیارہ سو بار روزانہ پڑھا کرے اسے صفائی قلب حاصل ہوگی۔

۸:......جو گیارہ سو مرتبہ ''یَا مُغْنِی'' اور بسم اللہ کے ساتھ گیارہ سو بار ''لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' اور بغیر بسم اللہ کے سو بار درود شریف اور دو مرتبہ سورۂ مزمل پڑھے گا اس کی روزی میں خوب وسعت ہوگی۔

۹:......جس جگہ تکلیف ہو یہ اسم پڑھ کر ہاتھ پر دم کر کے اس جگہ ملنے سے اِن شاءاللہ تندرست ہوجائے گا۔

۱۰:......جو شخص روزانہ گیارہ سو اکیس بار یہ اسم پڑھتا رہے، اِن شاءاللہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔

۱۱:......اگر کوئی سورۂ والضحیٰ پڑھ کر یہ اسم پڑھے گا پھر کہے گا: ''اَللّٰھُمَّ یَسِّرْلِی لِلْیُسْرِ الَّذِیْ یَسَّرْتَہٗ لِکَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقِکَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ'' تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے غیب سے مددگار بھیجے گا۔

۹۳ اَلْمُعْطِی: سب کو عطا کرنے والا

تشریح: سب کو عطا کرنے والا، اپنے خزانوں سے سب کو دینے والا، جس کے پاس جو کچھ ہے اس کی عطا کی وجہ سے ہے۔

۹۴ اَلْمَانِعُ: روکنے والا

تشریح: روکنے والا، جس سے جس چیز کو چاہے روک دے، حدیث شریف میں آتا ہے:

''اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ''اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں اس کو جو آپ عطا فرمائیں، اور کوئی دینے والا نہیں اس چیز کو جس کو آپ روک دیں۔''

خواص: پانچ ہیں:

۱:......اگر بیوی سے جھگڑا یا ناچاقی ہو تو بستر پر لیٹتے وقت بیس مرتبہ یہ اسم پڑھا کرے اِن شاءاللہ جھگڑا ختم اور ناچاقی دور ہوجائے گی اور باہمی انس ومحبت پیدا ہوجائے گی۔

۲:...... جوکوئی بکثرت اس اسم کا ورد رکھے گا اِن شاءاللہ وہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔

۳:...... اگر کسی خاص اور جائز مقصد کے لئے یہ اسم مبارک پڑھے گا تو اِن شاءاللہ مقصد میں کامیابی ہوگی۔

۴:...... جوکوئی اس اسم کو سو بار پڑھے گا اِن شاءاللہ دو شخصوں کے درمیان لڑائی ختم ہوجائے گی۔

۵:...... جو اپنی مراد تک نہ پہنچ سکے وہ اس کو صبح وشام پڑھا کرے، اِن شاءاللہ مراد حاصل ہوگی۔

۹۵ اَلضَّآرُّ : ضرر پہنچانے والا

تشریح: ضرر پہنچانے والا، نقصان پہنچانے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو شخص شب جمعہ میں سو مرتبہ "اَلضَّآرُّ" پڑھا کرے وہ اِن شاءاللہ تمام ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رہے گا اور قرب خداوندی اسے حاصل ہوگا۔

۲:...... جوکوئی اس اسم پاک کو پڑھے اور ظالم کا نام لے اِن شاءاللہ اس کو ضرر پہنچے گا اور پڑھنے والا اس کے ظلم سے محفوظ رہے گا۔

۳:...... جس کو ایک حال ومقام میسر ہو سو بار شب جمعہ میں اس اسم کو پڑھنے کا معمول بنائے، اللہ تعالیٰ اس کو ہر مقام میں ثابت رکھے گا اور اہلِ قرب کے مرتبہ تک پہنچا دے گا، اس مرتبہ کے آگے ظاہری کمال کی کچھ اصل نہیں۔

۴:...... جس کی عزت کم ہو، ہر شب جمعہ اور ایام بیض میں سو بار نماز عشاء کے بعد یہ اسم مبارک پڑھا کرے اِن شاءاللہ محترم رہے گا۔

۵:...... جو ہر شب جمعہ سو بار "اَلضَّارُ النَّافِعُ" پڑھا کرے گا اِن شاءاللہ اپنی قوم میں معزز اور جسمانی طور پر باعافیت رہے گا۔

۹۶ اَلنَّافِعُ : نفع پہنچانے والا

تشریح: نفع پہنچانے والا، یعنی نفع پہنچانے والا بھی وہی اور نقصان پہنچانے والا بھی وہی ہے، یہ نہیں کہ کسی کی ضد میں آ کر نقصان پہنچاتا ہے بلکہ نفع اور نقصان دونوں اسی کی طرف سے آتے ہیں۔

خواص: سات ہیں:

۱:...... جوکوئی کشتی وغیرہ سواری میں سوار ہونے کے بعد "اَلنَّافِعُ" کثرت سے پڑھتا رہے گا اِن شاءاللہ تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔

۲:...... جو شخص کسی کام کو شروع کرتے وقت اکتالیس مرتبہ ''یَا نَافِعُ'' پڑھا کرے اِن شاء اللہ وہ کام حسبِ منشا ہوگا۔

۳:...... جو شخص بیوی سے جماع کرتے وقت یہ اسم پہلے پڑھ لیا کرے تو اِن شاء اللہ اولاد صالح نصیب ہوگی۔

۴:...... جو کوئی اس اسم کو پڑھ کر مریض پر دم کرے اِن شاء اللہ وہ شفا پائے گا۔

۵:...... جو ماہ رجب میں اس کا ورد کرے گا اِن شاء اللہ اسرارِ الٰہی سے آگاہ ہوگا۔

۶:...... جو چار روز جہاں تک ہو سکے پڑھے گا اِن شاء اللہ کبھی کسی غم میں نہ پھنسے گا۔

۷:...... جو سفر حج میں اسے پڑھا کرے اِن شاء اللہ بخیر گھر واپس آئے گا۔

۹۷ اَلنُّوْرُ: وہ نور ہے

تشریح: وہ نور ہے، ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (النور:۳۵) قرآن مجید میں ہے، اور بہت سے علمائے کرام نے اس کی تفسیر میں فرمایا: نور کا معنی ہے منوّر، آسمان اور زمین کا روشن کرنے والا، نور کہتے ہیں اس چیز کو جو خود ظاہر ہو اور اس سے دوسری چیزیں ظاہر ہو جائیں، جیسے ہماری روشنی ہے یہ خود ظاہر ہے اور اسی سے دوسری چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا مطلب یہ ظاہری روشنی نہیں بلکہ بذات خود ظاہر ہے اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہے، وہ نور الانوار ہے، تمام کے تمام نور اسی کی ذات سے پھوٹتے ہیں، اسی کی ذات سے اقتباس کرتے ہیں۔

خواص: چار ہیں:

۱:...... جو شخص شب جمعہ میں سات مرتبہ سورۂ نور اور ایک ہزار بار اس اسم کو پڑھا کرے اِن شاء اللہ اس کا دل نورِ الٰہی سے منور ہو جائے گا۔

۲:...... جو کوئی اس اسم کو ''اَلنَّافِعُ'' کے ساتھ ملا کر پڑھے اور مریض پر دم کرے تو اِن شاء اللہ شفا ہوگی۔

۳:...... جو صبح کے وقت اس کے ذکر کو لازم پکڑے گا اس کا دل روشن ہوگا۔

۴:...... جو کوئی اندھیرے کمرے میں آنکھیں بند کر کے اس اسم کا اس قدر ذکر کرے کہ حال طاری ہو جائے وہ عجیب وغریب انوار کا مشاہدہ کرے گا اور اس کا دل نور سے بھر جائے گا، یہ اسم اہلِ بصیرت و مکاشفات کے لئے بہت مناسب ہے۔

۹۸ اَلْھَادِی : ہدایت کرنے والا

تشریح: ہدایت کرنے والا، راہ راست کی ہدایت کرنے والا بھی وہی ہے اور جو لوگوں کے مقاصد اور مطالب ہیں ان تک رہنمائی کرنے والا بھی وہی ہے۔

خواص: آٹھ ہیں:

۱:...... جو شخص ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کر کے بکثرت ''یَا ھَادِیُ'' پڑھے اور آخر میں چہرہ پر ہاتھ پھیر لے اس کو اِن شاءاللہ کامل ہدایت نصیب ہوگی اور اہلِ معرفت میں شامل ہو جائے گا۔

۲:...... جو کوئی گیارہ سو بار: ''یَا ھَادِیُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرے وہ اِن شاءاللہ کسی کا محتاج نہ رہے گا اور سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوگی۔

۳:...... جب کسی کو کوئی مشکل پیش آئے وہ دو رکعت نماز پڑھے، اور دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد یہ اسم ایک سانس میں جس قدر ہو سکے پڑھے، جب سانس ٹوٹ جائے تو دعا مانگے گا اِن شاءاللہ قبول ہوگی۔

۴:...... جو کوئی سفر پر ہو اور اسے راستہ نہ ملے تو وہ کہے: ''یَا ھَادِیُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' اِن شاءاللہ راستہ مل جائے گا۔

۵:...... اس کے ذکر سے یا لکھ کر پاس رکھنے سے بصیرت اور فہم صحیح پیدا ہوتا ہے، اس کا ذکر اہلِ حکومت کے لئے بھی مناسب ہے۔

۶:...... جو فرائض کے بعد چار سو بار اس کا ورد کرے گا، اسے مددِ عظیم حاصل ہوگی۔

۷:...... اگر بادشاہ اس کا اس قدر ذکر کریں کہ حال طاری ہو جائے تو رعایا ان کی فرمانبردار ہوگی۔

۸:...... سالکین کی سیر علوی (عالم بالا کی سیر) کے لئے اس کا ذکر مفید ہے۔

۹۹ اَلْبَدِیْعُ : بے نظیر

تشریح: بے نظیر اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جس شخص کو کوئی غم یا مصیبت یا کوئی بھی مشکل پیش آئے وہ ایک ہزار مرتبہ ''یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' پڑھے اِن شاءاللہ کشائش (کشادگی) نصیب ہوگی۔

۲:...... جو شخص اس اسم کو باوضو پڑھتے ہوئے سو جائے تو جس کام کا ارادہ ہو اِن شاءاللہ خواب میں نظر آجائے گا

۳:...... جو کوئی نمازِ عشاء کے بعد: ''یَا بَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ'' بارہ سو مرتبہ بارہ دن پڑھے گا تو جس کام کا یا مقصد کے لئے پڑھے گا وہ اِن شاء اللہ پورا عمل ختم ہونے سے پہلے حاصل ہو جائے گا۔

۴:...... کسی غم یا اہم حاجت کے لئے ستر ہزار مرتبہ ''یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' پڑھے اِن شاء اللہ غم رفع ہوگا اور حاجت پوری ہوگی۔

۵:...... جو اس اسم کا بکثرت ورد کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم وحکمت عطا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے ان علوم کو جاری فرمائے گا جن کو وہ پہلے نہ جانتا ہو۔

⑩⓪ اَلْبَاقِیْ : ہمیشہ باقی رہنے والا

تشریح: ہمیشہ باقی رہنے والا، اسی کو اصل میں بقا ہے، باقی سب کو فنا ہے۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جو شخص اس اسم کو ایک ہزار مرتبہ جمعہ کی رات میں پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ہر طرح کے ضرر ونقصان سے محفوظ رکھے گا اور اِن شاء اللہ اس کے تمام نیک اعمال مقبول ہوں گے اور اسے غم سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۲:...... جو سورج نکلنے سے پہلے سو بار روز یہ اسم مبارک پڑھے گا اِن شاء اللہ مرتے دم تک کوئی دکھ نہ پائے گا اور عاقبت (آخرت) میں بخشا جائے گا۔

۳:...... جو اس اسم کو پابندی سے ہفتہ کے دن کسی وقت دشمن کی مغلوبی کی نیت سے باوضو بعد دو رکعت نفل سو بار پڑھے گا اِن شاء اللہ دشمن اس کے مطیع وفرمانبردار ہوں گے۔

۴:...... جو اس اسم کو ہر فرض نماز کے بعد ایک سو تیرہ بار پڑھنے کا معمول بنائے گا، اسے اس کے منصب سے کوئی معزول نہیں کر سکے گا خواہ اس کے خلاف جن وانس جمع ہو جائیں۔

۵:...... جو ایک سو بار ''یَا بَاقِیُ'' پڑھتا رہے گا اِن شاء اللہ اس کے اعمال مقبول ہوں گے۔

⑩① اَلْوَارِثُ : پیچھے رہنے والا

تشریح: پیچھے رہنے والا، آپ جانتے ہیں کہ کوئی آدمی مرجاتا ہے اسکے پیچھے رہنے والے اسکے وارث کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کا وارث ہے، ساری کائنات فنا ہو جائے گی وہ پیچھے مالک رہ جائے گا۔

خواص: تین ہیں:

۱:...... جو شخص طلوعِ آفتاب کے وقت سو مرتبہ ''یَا وَارِثُ'' پڑھے گا اِن شاء اللہ دنیا وآخرت میں ہر رنج وغم اور سختی ومصیبت سے محفوظ رہے گا اور خاتمہ بالخیر ہوگا، یہ خفیہ رازوں میں سے ہے۔

۲:...... جو کوئی مغرب عشاء کے درمیان ایک ہزار مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھے ہر طرح کی حیرانی و پریشانی سے اِن شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۳:...... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھتا رہے گا، اس کے مال میں برکت ہوگی، اس کے سب کام بر آئیں گے اور وہ امن میں رہے گا اور اِن شاء اللہ اس کی عمر دراز ہوگی۔

۱۰۲ الرَّشِیْدُ : رہنمائی کرنے والا

تشریح: رشید کا لفظ رُشد سے ہے، رُشد کا معنی ہدایت ہے اور رہنمائی کے ہیں، الرشید کا معنی رہنمائی کرنے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:...... جس کو اپنے کسی کام یا مقصد کی تدبیر سمجھ میں نہ آئے وہ مغرب وعشاء کے درمیان ایک ہزار بار ''یارشید'' پڑھے اِن شاء اللہ خواب میں تدبیر نظر آئے گی، یا دل میں اس کا القا ہوجائے گا۔

۲:...... اگر روزانہ اس اسم کا ورد رکھے تو اِن شاء اللہ تمام مشکلات دور ہوجائیں گی اور کاروبار میں خوب ترقی ہوگی۔

۳:...... جو اس اسم مبارک کو مباشرت سے پہلے پڑھے اِن شاء اللہ فرزند صالح و پرہیزگار پیدا ہوگا۔

۴:...... درست فیصلے کی طرف رہنمائی کے لئے اس اسم کو عشاء کے بعد ایک سو بار پڑھنا مفید ہے۔

۵:...... جو عشاء کے بعد سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اِن شاء اللہ اس کا عمل قبول ہوگا۔

۱۰۳ الصَّبُوْرُ : بہت صبر والا

تشریح: بہت صبر والا، ہماری زبان میں صبر اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو تکلیف آجائے، نفس کے خلاف کوئی چیز پیش آجائے اس کو آدمی رضائے الٰہی کے لئے برداشت کرے، اس کو صبر کہتے ہیں، لیکن اللہ کی ذات عالی میں اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے حکم کیخلاف بندوں کی جانب سے جو چیزیں پیش آتی ہیں ان پر جلدی سے گرفت نہیں فرماتے بلکہ حلم فرماتے ہیں، بُردباری فرماتے ہیں، تو حلیم کے ہم معنی بن جاتا ہے، ''الصبور'' بڑے سہارے والا جو بدکاروں کو جلد نہیں پکڑتا۔

خواص: سات ہیں:

۱:...... جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے سو مرتبہ اس اسم کو پڑھے وہ اِن شاء اللہ ہر مصیبت سے محفوظ رہے گا اور دشمنوں، حاسدوں کی زبانیں بند رہیں گی۔

۲:...... جو کوئی کسی بھی مصیبت میں گرفتار ہو وہ ایک ہزار بیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے اِن شاء اللہ اس

سے نجات پائے گا اور اطمینان قلب نصیب ہوگا۔

۳:......جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھے اس کا رنج دور ہو اور سرور حاصل ہو۔

۴:......تمام حاجات کے لئے اس کو دو سو اٹھانوے بار ہر روز پڑھے۔

۵:......جس کو درد، رنج یا مصیبت پیش آئے تینتیس بار اس اسم کو پڑھے اِن شاء اللہ اس کی پریشانی دور ہوگی۔

۶:......جو آدھی رات میں یا دو پہر کو اس اسم کو پڑھنے کی مداومت کرے گا اس کو دشمنوں کی زبان بندی، خوشنودی اور بادشاہ کی رضا مندی حاصل ہوگی یہ اسم دلوں کے غضب اور رنج و غم دور کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔

۷:......یہ اسم مبارک اہل مجاہدہ کا ورد ہے کہ اس کے ذریعے انہیں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

دُعا

یا اللہ! اپنے تمام پاک ناموں کی برکت سے ہماری دنیا و آخرت کی تمام مشکلات آسان فرما دے۔

یا اللہ! اپنے تمام پاک ناموں کی برکت سے ہماری تمام پریشانیاں دور فرما دے، یا اللہ! تمام آفات اور بلیات سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! تمام بیماروں کو شفا عطا فرما، یا اللہ تمام ضرورت مندوں کی ضرورت پوری فرما، یا اللہ! ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ! ہم سب کی بخشش فرما، یا اللہ! اپنے پاک گھر جنّت میں ہمیں بھی داخلہ نصیب فرما، اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیں بھی ملحق فرما، آمین۔

توبہ و اِستغفار کا بیان

[حدیث:۸۳۳] ”عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْباً فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی أَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْباً عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبّاً يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَأَذْنَبَ فَقَالَ أَیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَبْدِیْ أَذْنَبَ ذَنْباً عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبّاً يَغْفِرُ ذَنْباً وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَأَذْنَبَ فَقَالَ أَیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی أَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْباً عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبّاً لَيَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ قَالَ عَبْدُالْأَعْلٰی أَحَدُ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ هٰذَا الْحَدِيْثُ لَا أَدْرِیْ أَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ۔“ (متفق علیہ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک بندے نے کوئی گناہ کیا پھر کہا کہ یا اللہ! میرے لئے میرا گناہ بخش دے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا، بندے کو معلوم ہے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے، اس نے دوبارہ گناہ کیا پس کہا اے میرے پروردگار! میری بخشش فرمادے، میرے لئے میرا گناہ بخش دے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا پس اس نے جانا کہ میرا ایک ربّ ہے جو گناہ کو معاف بھی کر دیتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے، پھر بندے نے تیسری مرتبہ گناہ کیا، پس کہا کہ اے رب! میرے لئے میرا گناہ معاف فرمادے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک اور گناہ کیا، اس کو معلوم ہے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو گناہ بخشش دیتا ہے اور گناہ پر پکڑ بھی کیا کرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو جو چاہے کر میں نے تیری بخشش فرمادی، محدّث عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں (جو حدیث کے ایک راوی ہیں) کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ میں فرمائی یا چوتھی مرتبہ میں کہ جو چاہے کر۔''

تشریح: آنحضرت اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بندے سے گناہ سرزد ہوا، گناہ کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے اور آپ میرے گناہ کو بخش دیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے سے گناہ ہوا اور بندے کو یہ علم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے اور اس کو معاف بھی کر سکتا ہے، بندے نے دوبارہ گناہ کیا اور گناہ کر کے کہتا ہے: یا اللہ! میں نے گناہ کیا ہے' تو اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے سے گناہ ہوا ہے اور بندے کو اس بات کا علم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیا کرتا ہے اور چاہے تو پکڑ بھی سکتا ہے، تیسری مرتبہ میں پھر گناہ کیا اور گناہ کر کے بندہ کہتا ہے کہ اے میرے اللہ! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے، مجھے معاف فرمادے ،اللہ تبارک نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور بندے کو معلوم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ پر پکڑ بھی لیتا ہے اور معاف بھی کر دیتا ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اب تو جو چاہے کر میں نے تجھے معاف کر دیا یعنی تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے، حدیث کے راوی عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ذہن میں نہیں رہا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ میں فرمائی تھی یا چوتھی مرتبہ میں فرمائی تھی۔

اسّی نوّے سال گناہ کرنے کے بعد بھی بندہ کہہ دے یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، معاف فرمادے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: معاف کر دیا۔ ہمارے بزرگ تو فرماتے ہیں کہ بندہ نے گناہ کیا، گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اب گناہ نہیں کروں گا، اس وقت یہ نیت ہو کہ میں پھر نہیں کروں گا

چاہے دو منٹ بعد پھر کرلے، لیکن ایک دفعہ سچے دل کے ساتھ کہہ دے کہ اب گناہ نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، اور اگر پھر گناہ ہوجائے پھر معافی مانگ لے، گناہ کرنے سے تو پرہیز نہیں کرتا لیکن توبہ کرنے سے پرہیز کرتا ہے یہ شیطان کا چکر ہے اگر پرہیز کرنا ہے تو گناہ سے پرہیز کرو اور اگر گناہ ہوگیا تو پھر فوراً گر جاؤ سجدے میں کہ یا اللہ غلطی ہوگئی ہے گناہ ہوگیا ہے، معاف کردے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور ''توبہ'' کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے، صرف زبان سے کہہ دو: ''یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ'' یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں، ایک عارف کا شعر ہے:

سبحہ در کف، توبہ برلب، دِل پُر از ذوقِ گناہ

معصیت را خندہ می آید بر اِستغفارِ ما!

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دِل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی اِستغفار کرتے ہیں، ''یا اللہ! توبہ''، ''یا اللہ! معاف کردے'' تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے، دِل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کررہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کردینے کا عزم اور اِرادہ کرلیں، اور گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دِین واِیمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً: بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ: ''بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟'' تو کہتا ہے کہ: ''کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے!'' نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو اِیمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے، کوئی آپ سے پوچھے کہ: ''آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟'' تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ: ''کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں''؟

توبہ کے قبول ہونے کی شرائط

۱:...... توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دِل میں یہ مضمون پیدا ہوجائے کہ گناہ کرکے میں اللہ تعالیٰ سے دُور ہوگیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے ساتھ اس کے دِل میں ندامت پیدا ہوگی اور اس کی علامت دِل میں شرمسار اور شرمندہ ہوجانا اور آنکھیں اُوپر نہ اُٹھا سکنا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اُتر جاؤ، تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اُوپر اُٹھا کر نہیں

دیکھا، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے، اور قرآنِ کریم میں ان کی توبہ کی دُعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نے کہا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳﴾

(الاعراف)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، (اپنا نقصان کرلیا ہے) اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔''

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہوجائے کہ ہم گناہ کرکے مجرم کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں، اور ہمارے دِل میں ندامت پیدا ہوجائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے: ''اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ'' (ترغیب وترہیب ج:۴ ص:۴۸، بحوالہ حاکم)۔ توبہ ندامت کا نام ہے، کسی شخص کے دِل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ کرتا رہے، یہ توبہ نہیں، تو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دِل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے۔

۲:...... دُوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دِل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ: ''میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟'' بے شمار لوگ ایسے ہیں جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کر رہے ہیں، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ اُمت کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو تو ضبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کردی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الزواجر عن الکبائر'' اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الاُمت مجدّد الملّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے بھی کبیرہ گناہوں پر ''جزاء الاعمال'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک رسالہ ہے ''گناہِ بےلذّت''، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے ''دوزخ کا کھٹکا'' اس میں بھی اچھا مجموعہ گناہِ کبیرہ کا جمع کردیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں جو انسان کے دِل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے شرم گاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم اور اللہ تعالیٰ نے

اور اس کے رسول ﷺ نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں، اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہو سکے گا۔ تو یہ دُوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو، تا کہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

۳:...... اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے، تو دِل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواست گار ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے، یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دِل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواست گار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے، لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اِقرار کرکے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آنا ہی چاہئے، لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بدبخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کردو، بھول ہوگئی ہے، غلطی ہوگئی ہے، معاف کردیں، تو تیسری چیز ہے زبان اور دِل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

۴:...... چوتھی بات یہ کہ سچے دِل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ توّاب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں، ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہگار کو معاف کرسکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے۔ یہاں پر آکر شیطان دھوکا دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ: ''تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں، اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تو نے کتنے جرائم کئے ہیں؟'' شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہوجائے، توبہ نہ کرے، اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کرکے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہوسکتی، میں ایسا گناہگار ہوں کہ لائقِ رحمت ہی نہیں رہا۔ اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دِکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ! تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کرلے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لینا۔ اور جب بندے نے حماقت سے گناہ کرلیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کردیں اور وہ سچے دِل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

”اِنَّ عَبدًا أَذْنَبَ فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ! فَقَالَ رَبُّهٗ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهٖ، غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ! ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ! فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهٖ، غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ! ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ، فَاغْفِرْهُ لِیْ! فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهٖ، غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ۔“ (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۲۰۳، ۲۰۴)

یعنی بندے نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہوگیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ”یا اللہ! مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں“ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا، اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رَبّ ہے جو گناہوں کو معاف فرمادیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمادیا۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کرکے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ: ”یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادیجئے!“ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہوکر میرے پاس آیا ہے، اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔“ تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے بندے سے غلطی ہوئی، اور اَب یہ تائب ہوکر میرے پاس آیا ہے، اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رَبّ ہے جو گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے، اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کرسکے، لہٰذا میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کردیا۔“

اللہ اکبر! کیا شانِ کریمی ہے! یہ نہیں فرماتے کہ: ”میں دو بار اس کو معاف کرچکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے، اب اس کو معاف نہیں کروں گا“ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ: ”میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا!“ قربان جایئے اس رحمت اور اس شانِ کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سو مرتبہ بھی گناہ کرکے آئے اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گویا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو، بلکہ فوراً توبہ کی تجدید کرکے معافی کا مستحق ہوسکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے:

”لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ۔“

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص: ۲۰۳)

ترجمہ: ”اگر تم لوگ گناہ کر کے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دُوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔“

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا اِرتکاب کرلیتے ہیں، لیکن اِرتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کو معاف کردینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے۔ اور میں نے ایک حدیث شریف کا یہاں حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”... يَا ابْنَ اٰدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ!“

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۴)

اے ابنِ آدم! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہوجاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوجائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھر جائے، اور تم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہوجاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعے اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعے بھی جبکہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگادے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و قدرت کے احاطے سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، لیکن وہ ہماری

صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق، اور حق تعالیٰ شانہٗ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے، اتنا چھوٹا جتنا چیونٹی کا انڈا ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرّہٗ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمتِ خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دِل سے تائب ہوکر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

۵:...... پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے اور پوچھتا ہے کہ: ''پھر کروگے؟'' وہ کہتا ہے: ''میری توبہ! پھر نہیں کروں گا'' اور اگر یہ کہے کہ آئندہ بھی کروں گا، تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اُڑا رہا ہے، لہٰذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہوگیا، یہ آخری گناہ ہے، اِن شاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے، لیکن بھئی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم۔ کوئی بُری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ اِن شاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے، بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدانخواستہ پھر گناہ ہوجائے تو یہ نہ سوچو کہ ''چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہٰذا توبہ تو نبھتی نہیں ہے، تو اَب توبہ ہی کیا کرنی ہے'' اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دوگے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا: ''اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بدپرہیزی نہیں کروگے'' اس نے کہا: ''جی بالکل نہیں کروں گا!'' طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آگیا، الحمدللہ! طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بدپرہیزی کرلی اور طبیعت پھر بگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اَب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں پرہیز نہیں کرسکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے؟ کبھی دُنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو یہ کہے کہ مجھے مرنے دو، مجھ سے پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ: ''تم نے بدپرہیزی کی ہے؟'' کہا: ''جی بس

ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کرکے توجہ کے ساتھ علاج کریں، اِن شاءاللہ پھر بدپرہیزی نہیں کروں گا''، مطلب یہ کہ بدپرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا کہ چونکہ میں نے بدپرہیزی کی ہے لہٰذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کرلی تو آئندہ بدپرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے، لیکن اگر خدانہ کرے گناہ پھر ہوجائے تو ہمت ہار کر اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچے کہ مجھے توبہ پر اِستقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں، بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بدپرہیزی کرلی تو پھر توبہ کرلو، پھر بدپرہیزی کرلی، پھر توبہ کرلو، حتیٰ کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توڑ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہنے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کرلیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا اِنتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دُنیا سے تائب ہوکر گیا، اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا، اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ۔'' (مسند احمد ج:۵ ص:۳۳۵)

ترجمہ: ''اعمال کا مدار خاتمے پر ہے۔''

جب اعمال کا مدار خاتمے پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کرکے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا اِرتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہوکر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا۔ اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد اِن شاءاللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا اِرتکاب ہوجائے تو دِل شکستہ ہوکر توبہ سے نہ ہٹو، بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ: ''یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدے کو بھی پورا نہ کرسکا، یا اللہ! مجھے معاف فرمادیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔''

بھئی! کپڑے کو گندا کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے، لیکن اگر گندا ہوجائے تو اس کو صابن لگاکر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھولیا، صاف کرلیا، صابن لگاکر اچھی طرح تمام کے تمام داغ، دھبے خوب اُتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ

ملوّث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کپڑے خراب ہوجاتے ہیں تو کپڑوں کو گندا کرنے سے بچانا چاہئے تھا، لیکن جب گندے ہوجائیں تو صابن لگا کر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو! کہ گناہوں کے اِرتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندا ہوجاتا ہے، بدبودار اور متعفن ہوجاتا ہے، میلا ہوجاتا ہے، قابلِ نفرت ہوجاتا ہے، اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہوجاتا ہے اور پھر نکھر آتا ہے۔ توبہ کرکے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر مَلو، اِن شاء اللہ جب تم بار بار توبہ کروگے اور اللہ تعالیٰ سے اِستقامت کی دُعا کروگے: ''یا اللہ! اب مجھے بچا لیجئے، میں اپنی اِستعداد و قوّت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیجئے''، اگر ایسا کرتے رہوگے تو اِن شاء اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہوجائے گی کہ توبہ کروگے، لیکن گناہ نہیں ہوگا، اِن شاء اللہ!

تو یہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہوگا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُرست ہوگیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو، کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہوجائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنالو کہ گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

۶:...... چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہوگئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دِل سے توبہ کرلی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہوگئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمے اب بھی باقی ہیں، جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمے فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمے فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمے باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ آج کی نماز کا اَدا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تأخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر اَدا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان سی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمے نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کردیا، اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کرلئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جاکر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے، میں آئندہ سستی نہیں کروں گا، اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کردیا جائے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پُرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہوگئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے اَز راہِ ترحم ختم کردی، لہٰذا پلاٹ تو

بحال ہوگیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمے تھیں وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دُنیا کا حاکم اوّل تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا، اور اگر کوئی رحم دِل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک مشت یہاں لاکر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں۔ تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو اَدا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی، اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اُڑاتے ہو توبہ کا...!

اسی طرح کسی شخص کے ذمے روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمے ہے، اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اِکسٹھ روزے اس کے ذمے ہیں، ایک روزہ تو توڑے ہوئے روزے کی جگہ، اور ساٹھ روزے کفارے کے، اور یہ ساٹھ روزے لگاتار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہوجائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگاتار کفارے کے ساٹھ روزے پورے ہوجائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو، تو اس کا کفارہ قرآنِ کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے لئے، بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کردیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہوگیا اور روزے کا ناغہ ہوگیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کرکے ساٹھ پورے کرے۔ البتہ عورت کو جو اس کے خاص اَیام کی وجہ سے روزے قضا کرنے پڑتے ہیں، وہ اس تسلسل میں رُکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع کردے۔ الغرض! جس نے روزے نہیں رکھے تھے، وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو اَدا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا، تو صاحبِ حق سے معافی مانگے، مثلاً: ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہورہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمے قرض ہے، اس کو اَدا کرے اور اَدا کرنے میں جو تاخیر کی، اس کی معافی

مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رِشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کردے۔

خواتین کے حقوقِ میراث میں عام طور پر بہت کوتاہی ہوتی ہے کہ ان کو حقوق دینے کے بجائے ان سے معاف کروالیا جاتا ہے یا سرے سے میراث میں سے حصہ دیا ہی نہیں جاتا، یاد رکھیں جب تک ان کے حقوق ادا نہیں کرو گے اللہ کی پکڑ میں رہو گے، آج کل اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے، اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا جائے ورنہ آخرت اور جہنّم کے عذاب کے لئے تیار رہیں۔

حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا: کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ: ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہوکر آیا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بنا کر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کر کے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنالی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اب دُوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکا ڈالا تھا اور اب میں تائب ہوگیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمے قرض ہے، یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی گنجائش میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کردوں، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کردیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دُوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ میرے ذمے ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اِن شاء اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً ادا کردوں گا، بہرحال آپ کو اس کی وجہ سے جو اذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کردیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کردیا، یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو، جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کردینا۔ اس شخص کے دِل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ: ''میاں! اگر اس کے سامنے جا کر اِقرار کروگے تو تمہیں پکڑوا دیں گے، پکڑے جائیں گے۔'' جب تم نے کسی سے رِشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکا ڈالا ہے تو بھئی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤ گے تو وہاں پکڑے جاؤ گے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اِخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا، حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیا، یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا: ''میں نے حسبۃً للہ معاف کردیا'' تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی ناسچی توبہ...!

تو حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں، ان کو اَدا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمے قرض سمجھنا لازم ہے، کسی کی دُکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے، مالک کو کہہ دیا کہ: ''جاؤ کرلو جو تم سے ہوسکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے!'' اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانۂ کعبہ میں جاکر غلافِ کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کرکے اس کے مالک کو واپس نہیں کردیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کرسکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، مخلوق کو دھوکا دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج وعمرہ کرنے سے مخلوق دھوکا کھاسکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا، تم غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اَربابِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کردیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کرلیا جائے تو توبہ ہے، اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن ''روٹی، روٹی'' کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملاً کھا نہیں لیتے، اور نہ تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اُتارو گے، تب قوّت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔ اَستغفر اللہ العظیم، اَستغفر اللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو، لیکن دِل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ دُرست کیا، نہ بندوں سے معاملہ دُرست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہوجائے، کیسے ہوگی...؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ در کف، توبہ بر لب، دِل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر اِستغفارِ ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دِل گناہوں کی لذّت سے بھرا ہوا ہے، دِل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دِل گناہوں کی لذّت سے بھرا ہوا ہے، ایسا اَستغفر اللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے اِستغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہوجائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے، جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دُکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کل دُرست ہوجائے، اس کی لائن دُرست ہوجائے،

یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ڈھنگی چال ہے جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں، میں توبہ کے فضائل بیان کر چکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۝۲۲۲﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو۔“

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بدبو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بدبو نہیں آتی۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دُور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے، اور اس سے بدبودار مادّہ رِس رہا ہے، اس بدبودار مادّے کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرّب ہو جاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تعفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہمارے دِماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کرلیں اور اللہ ربّ العزّت سے عہد کرلیں تو اِن شاء اللہ فوراً معافی مل جائے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو اَدا کریں، کسی کے پیسے دینے ہیں اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دیدے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تنہا ہوگے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمے ہیں، ان سب کو اَدا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی، تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، وگرنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دُنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کرلئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے

کے لئے کافی ہے، مگر سچے دِل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دِل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کر کے تو آئیں۔

حدیثِ قدسی میں آتا ہے (''حدیثِ قدسی'' اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تو وہ ''حدیثِ رسول'' کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' یا ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' تو وہ ''حدیثِ قدسی'' کہلاتی ہے) تو ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ:

''... یا ابن اٰدم! لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی، غفرت لک ولا أُبالی ...'' (مشکوٰۃ ص:۲۰۴)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے ابنِ آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھر جائے اور تو سچے دِل سے تائب ہوکر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کردوں گا، ''وَلَا اُبَالِیْ!'' اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

''مناجاتِ مقبول'' میں ہمارے حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی دُعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دُعا یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

''یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ، اِغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّکَ وَھَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُکَ۔''

ترجمہ: ''اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ، اور مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے آپ کی کمی نہیں ہوتی، وہ مجھے عطا فرمادیجئے اور جو چیز آپ کو نقصان نہیں دیتی، وہ مجھے معاف فرمادیجئے۔''

الغرض! ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ: بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوّث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کا پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: ''میں کس منہ سے تجھ میں اُتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اُتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کردے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہوجائے

گا، ناپاک ہوجائے گا۔“ اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ: ”ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آکر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہوجائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔“ ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہوجاتا ہے؟ دریا گندا ہوجاتا ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے، سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دُنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دُنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے، اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمتِ خداوندی سے مایوس ہوجائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی! اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دِل سے تائب ہوکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین) آپس کے جو حقوق ہیں وہ بھی ادا کردیں، آپس میں ایک دُوسرے سے معافی تلافی بھی کرلیں۔

میں نے ابھی کہا کہ اَسّی سال کا کافر و مشرک و بے ایمان، سچے دِل سے تائب ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آکر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے جس کا ہم تصوّر نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ:

”اللهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهٗ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ، فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّكَ! أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۰۳، بحوالہ صحیح مسلم)

یعنی ایک مسافر سفر پر جارہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اُونٹ پر اس کا توشہ لدا ہوا تھا، کھانا پانی، دوپہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا ستانے کے لئے لیٹ گیا، آنکھ کھلی تو اُونٹ غائب، اِدھر اُدھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا، اب بیابان ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں، اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مروں گا، بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مرجاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آکر پھر لیٹ گیا، اب تو موت سامنے آگئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی

اُونٹ اس کے سامنے موجود ہے، اُوپر توشہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرّت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا: ''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ!'' یعنی اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا ربّ ہوں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اَخطَأَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ'' کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کردیا، کہنا تو یہ تھا: ''یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا ربّ ہے، آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اُونٹ واپس فرمادیا۔''

تو آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہوگیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت

[حدیث:۸۳۴] ''عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ غَزَوَاتِہٖ فَمَرَّ بِقَوْمٍ، فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ؟ قَالُوْا: نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَامْرَأَۃٌ تَحْضِبُ بِقِدْرِھَا وَمَعَھَا اِبْنٌ لَھَا، فَاِذَا ارْتَفَعَ وَھَجٌ تَنَحَّتْ بِہٖ فَأَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَتْ: بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ! اَلَیْسَ اللهُ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ قَالَ: بَلٰی! قَالَتْ: اَلَیْسَ اللهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْأُمِّ بِوَلَدِھَا؟ قَالَ: بَلٰی! قَالَتْ: اِنَّ الْأُمَّ لَا تُلْقِیْ وَلَدَھَا فِی النَّارِ! فَأَکَبَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَبْکِیْ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ اِلَیْھَا فَقَالَ: اِنَّ اللهَ لَا یُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِہٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِیْ یَتَمَرَّدُ عَلَی اللهِ وَأَبٰی أَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللهُ۔''

(مشکوٰۃ ص:۲۰۸، بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ: ''ایک جہاد میں آنحضرت ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا: ''کون لوگ ہو؟'' عرض کیا: ''ہم مسلمان ہیں!'' ایک خاتون آگ جلارہی تھی، اس کی گود میں بچہ بھی تھا، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹادیتی، وہی خاتون آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی، عرض کیا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں؟'' فرمایا: ''ہاں!'' عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نہیں؟'' فرمایا: ''بلاشبہ!'' عرض کیا: ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟'' فرمایا: ''بے شک!'' عرض کیا: ''ماں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی!'' اس خاتون کی بات سنی تو آنحضرت ﷺ سر جھکا کر رونے

لگے، پھر سر اُٹھا کر اس سے فرمایا کہ: ’’بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (’’لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ‘‘ کہنے) سے انکار کر دے۔‘‘

تشریح: تمام ماؤں کی ممتا جمع کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ وگرنہ اللہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنّت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنّت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنّم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کر رہا ہے: ’’هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ‘‘ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تا کہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔‘‘

اگر سچی توبہ کے بغیر مر گئے تو جہنّم میں ڈال کر پاک کئے جاؤ گے، قبر میں پاک کئے جاؤ گے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہو گے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کر کے یہیں پاک ہو جاؤ، کیونکہ جنّت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کر کے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کر کے یہیں سے پاک ہو کر جائیں، پوری ندامت کے ساتھ، دِل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لیں۔

ایک حدیث میں ہے، ایک دن اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عشاء کی نماز پڑھ کر دُعا مانگ رہی تھیں، دُعا لمبی ہوگئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے، ان کو آنحضرت ﷺ سے خلوَت میں کوئی بات کرنی تھی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’عائشہ! تم ایک طرف ہو جاؤ، دُعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دُعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہو جائے گی۔‘‘ انہوں نے اپنی دُعا ختم کی اور ایک طرف ہو گئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے خلوَت میں مشورہ کیا، جب وہ رُخصت ہو کر چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے دُعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا: ہاں! تمہیں دُعا سکھا دیتے ہیں، تم یہ دُعا کرو:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ مِنۡ خَیۡرِ مَا سَأَلَکَ مِنۡهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ، وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ مَا اسۡتَعَاذَکَ مِنۡهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ۔" (مسند احمد ج:۶ ص:۱۳۴، کنز العمال:۳۶۱۰)

ترجمہ: "یا اللہ! آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔"

بس دُعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دُعائیں کیں، وہ پرچہ بنا کر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم اس دُعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کردو، پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہوگئے تو وہ ساری دُعائیں تمہاری طرف سے ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ جامع ترین دُعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد ﷺ نے مانگی ہے، اور تمام شرور وفتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن وشرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دُنیا بھی مانگو، لیکن صرف دُنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت دُرست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دُنیا خودبخود دُرست ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنّت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہوجائے گا تو تمہیں دُنیا میں بھی رُسوا نہیں فرمائے گا۔ قرآنِ کریم کی آیت میں یہ وعدہ موجود ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَیُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ﴾ (التحریم:۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو، تمہارے رَبّ سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دُور کردے گا، اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم (ﷺ) کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رُسوا نہیں فرمائے گا۔"

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو رُسوا نہیں فرمائے گا، اصل مقصود اہلِ ایمان کے رُسوا نہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جائیے کہ پہلے آنحضرت ﷺ کا ذکر فرمایا، پھر آپ ﷺ کی معیت میں اہلِ ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کا قیامت کے دن رُسوا نہ ہونا یقینی

ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہلِ ایمان بھی یقیناً رُسوا نہ ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرلو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیں گے تو اس کے اُوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے، اس کے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اوّلین وآخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہورہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں، اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: ''اُذْکُرْ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا'' یعنی یاد کر تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے، بندہ اِقرار کرتا جائے گا، اقرار کئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہوگا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''سَتَرْتُھَا عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا، اَنَا اَغْفِرُھَا لَکَ الْیَوْمَ۔'' (متفق علیہ مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ: میں نے دُنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔''

جاؤ! کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رُسوا نہ فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا جائے، گناہوں سے توبہ کرلی جائے، گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدانخواستہ غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہِ اِلٰہی میں ایمان کا دامن داغ دار نہ لے جاؤ۔

اللہ کی رحمت سے نااُمیدی نہیں

[حدیث:۸۳۵] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَکَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَکُهُمْ۔'' (صحیح مسلم ج:۱۳، ص:۶۲، حدیث نمبر: ۴۷۵۵، باب النَّهْيِ عَنْ قَوْلِ هَلَکَ النَّاسُ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم دیکھو کسی آدمی کو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ شخص ان سب سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے یا یہ کہ اس شخص نے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ جو کہے لوگ ہلاک ہوگئے لوگوں کا ستیاناس ہوگیا یہ ہوگئے وہ ہوگئے تو وہ ان سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے۔ فَهُوَ أَهْلَکُهُمْ یا فَهُوَ أَهْلَکَهُمْ دوطرح

پڑھا گیا ہے، محدثین اس حدیث کو دو طرح پڑھتے ہیں فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ان سب سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے اور مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر تو تنقید کرتا ہے لیکن جن برائیوں میں لوگ مبتلا ہیں ان میں خود سب سے بڑھ کر مبتلا ہے، جن کی وجہ سے لوگوں کو کہتا ہے کہ یہ ہلاک ہو گئے ہیں پھر ساتھ ساتھ لوگوں کی برائی بھی کرتا ہے تو ان سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہو۔

اور اگر فَهُوَ أَهْلَكَهُمْ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص نے ان کو ہلاک کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان خواہ کتنا ہی کمزور ہو کیسی ہی غلطیوں میں مبتلا ہو بہر حال اس کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی اور اللہ کے رحمت کے دروازے پر دستک دینے کی گنجائش رہتی ہے توبہ کرلے لیکن یہ شخص اس کو کہتا ہے کہ اب تیری بخشش نہیں ہوگی تو گویا کہ اس نے اس کو مایوس کر کے کافر کر دیا، وہ پہلے گناہ گار مسلمان تھا اب اس شخص نے اس کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر دیا، اب وہ کہتا ہے کہ بخشش تو ہونی نہیں چاہئے چلو پھر چلتے جاؤ جو ہوگا وہ ہوگا اور اگر یہ ترغیب دیتا ہے کہ میاں جتنا گزار چکے ہو وہ تو گزر گیا لیکن اب بھی سنور سکتا ہے توبہ کرلو اللہ کی طرف رجوع کرلو، کیا بعید ہے کہ اللہ کی عنایت تمہاری طرف متوجہ ہو جائے اور تمہاری زندگی جو گناہوں میں گزرتی تھی اس کی لائن اللہ بدل دے، جو کچھ کوتاہیاں لغزشیں ہوئی ہیں ان کی معافی مانگ لو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا، یقین رکھو اگر سچے دل سے توبہ کر کے اللہ کی طرف آؤ گے تو یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا کہ وعدہ قبول کرے گا وَمَنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص توبہ کرے اللہ اس کی توبہ ضرور قبول کرتے ہیں۔

بہر کیف! لوگوں پر تنقید کرنا اور خود اپنی خبر نہ لینا اس کی رسول اللہ ﷺ مذمت فرماتے ہیں تاہم یہ لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر لوگوں کے گناہ اور سستی دیکھ کر افسوس سے یوں کہے کہ ہائے لوگ کیا بگڑ گئے ہیں برباد ہو گئے ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اگر یہ بات غرور سے کہے اپنے آپ کو تو بہتر سمجھے اور دوسروں کو ذلیل جانے تو ہرگز درست نہیں حدیث کے موافق، امام مالک فرماتے ہیں کہ لوگ برباد ہو گئے اگر کوئی شخص کہتا ہے تو اس کا منشاء صحیح بھی ہو سکتا ہے غلط بھی ہو سکتا ہے، صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو دیکھ کر جس میں لوگ مبتلا ہیں کڑھتا ہے بیچارہ کہتا ہے دیکھو لوگ کیسے برباد ہو رہے ہیں؟ افسوس کرتا ہے تو یہ ناشی ہے اس کے ایمان سے اس کا یہ افسوس کرنا کہ لوگوں کی حالت کیسی ہو گئی ہے اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے گناہوں سے پرہیز نہیں کرتے اس کو صدمہ ہوتا ہے، اس سے تو یہ بات بری نہیں بلکہ اچھی ہے کیونکہ منشاء اس کا ایمان ہے اور اگر بطور فخر کے اپنی پارسائی اور لوگوں کی گناہ گاری جتانے کے لئے اپنی بزرگی اور لوگوں کی تحقیر کے لئے کہتا ہے یہ بات تو پھر جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے بڑھ کر برباد ہونے والا ہے۔

غلطی اور بھول چوک پر پکڑ نہیں

[حدیث:۸۳۶] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ....إِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُكْرِھُوا عَلَیْہِ۔“

(سنن ابن ماجہ ج:۶، ص:۲۱۷، حدیث نمبر:۲۰۴۵، بَاب طَلَاقِ الْمُكْرَہِ وَالنَّاسِي)

ترجمہ: ”ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا ہے میری اُمّت سے غلطی کو بھول کو اور اس چیز کو جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت سے بھول چوک اور جس چیز پر ان کو مجبور کیا جائے اس سے درگزر فرمایا ہے، مطلب یہ کہ گناہ نہیں ہوگا کوئی کام بھول کر کرلیا ہو اس کا گناہ نہیں، غلطی سے کرلیا ہو اس کا گناہ نہیں اور اگر واقعتاً کسی کو مجبور کیا گیا ہو کسی کام پر اس کا گناہ نہیں، باقی رہا حقوق العباد کا مسئلہ اگر غلطی سے یا بھول کر کسی کا نقصان کردے تو تاوان تو دینا پڑے گا، معافی کا یہ معنی تو نہیں کہ اس کے ذمے تاوان بھی نہیں، گناہ نہیں ہوگا لیکن تاوان لازم آئے گا، اسی طرح بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ ان میں خطا اور نسیان معاف ہے لیکن بعض ایسی ہیں کہ ان میں معاف نہیں ہیں، مثال کے طور پر روزے میں اگر آدمی بھولے سے کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر غلطی سے کھالے، غلطی کا معنی یہ ہے کہ روزہ یاد تھا لیکن کلی کرنے لگے پانی اندر چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور نماز میں اگر بھولے سے بھی آدمی بات کرلے بھول کر یا خطا کے طور پر یا جہل کی بناء پر کہ مسئلہ معلوم نہیں تھا ہر صورت میں کفارہ لازم آئے گا اور دم لازم آئے گا، صدقہ لازم آئے گا۔

باقی جہاں تک اکراہ کا تعلق ہے اس میں کچھ تفصیل ہے یعنی مجبور کئے جانے کا، اگر کوئی شخص کسی کو کسی گناہ کے کام پر مجبور کرے، مثال کے طور پر شراب پر مجبور کرے شراب پینے پر مجبور کرے اور یہ کہے کہ اگر تم شراب نہیں پیو گے تو میں تمہیں قتل کردوں گا تو اس صورت میں اس کام کا کرلینا ضروری ہے اپنی جان بچانے کے لئے اور اگر کوئی شخص اس کام کو نہیں کرتا اور مارا جاتا ہے قتل ہوجاتا ہے تو گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس میں قانون الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کہ تم فلانے کا مال ضائع کرو ورنہ تمہیں قتل کردیں گے تو دوسرے کے مال کا ضائع کرنا اس کے لئے جائز نہیں لیکن اگر جان بچانے کے لئے وہ ایسا کرلے گا تو اس کے ذمے تاوان لازم آئے گا اور اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ فلاں آدمی کو قتل کردو ورنہ تمہیں جان سے ماردیں گے تو اس کے لئے قتل کرنا جائز نہیں اور اگر قتل کرے گا تو فی النار ہوگا، قاتل کی سزا جو ہوگی قیامت

کے دن وہ اسی کی سزا ہوگی، اس لئے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا اس کے بجائے یہ بہتر تھا کہ یہ خود قتل ہوجاتا شہید ہوجاتا، اس کے علاوہ کچھ مزید تفصیلات ہیں جو فقہ کی کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں۔

جامع صغیر کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری اُمّت سے خطا اور نسیان کو معاف کردیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی کرامت اور فضیلت تھی ورنہ پہلی امتوں سے خطا اور نسیان کو معاف نہیں کیا جاتا تھا۔

کتابُ المعاشرۃ و المعاملات

اسلامی معاشرت و معاملات

حقوق و فرائض اسلام کی نظر میں!

انسان کے اس دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کے تعلقات یہاں کے رہنے والوں سے قائم ہو جاتے ہیں، وہ کسی کا بیٹا ہے، کسی کا بھائی ہے، کسی کا بھانجا ہے، کسی کا بھتیجا ہے، پھر یہی تعلقات اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے ہیں اور حقوق و فرائض کا ذریعہ بنتے ہیں، یعنی کچھ چیزیں اس کی دوسروں کے ذمہ لازم ہیں ان کو حقوق کہا جاتا ہے، اور کچھ چیزیں دوسروں کی اس کے اوپر عائد ہوتی ہیں، انہیں ''فرائض'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اگر ''حقوق و فرائض'' کو ٹھیک ٹھیک ادا کیا جائے تو زندگی پر لطف اور خوشگوار گزرتی ہے، ورنہ زندگی ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے۔

دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں حقوق و فرائض کا تصور پایا جاتا ہے مگر اسلام کے پیش کردہ حقوق و فرائض کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی معاشرہ نہیں کرسکتا، اس لئے کہ دنیا کی سب قوموں نے اپنے تجربات کی روشنی میں اپنی اپنی عقل و فہم کے مطابق حقوق و فرائض کے دائرے متعین کئے ہیں، انسانی تجربات چونکہ ناقص ہیں اور پھر عقل کے ساتھ انسان کی ذاتی پسند و ناپسند کی آلائشیں لگی ہوئی ہیں، اس لئے ان میں وقتاً فوقتاً اصلاح و ترمیم کی ضرورت پیش آتی ہے، آج جس چیز کو بڑے زور و شور سے ''بنیادی حق'' ثابت کیا جاتا ہے، کل اسی شد و مد سے اس کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں، ماں باپ کے ذمہ اولاد کے اور اولاد کے ذمہ ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ شوہر پر بیوی کے اور بیوی پر شوہر کے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟ رشتہ داروں کے آپس میں کیا حقوق ہیں؟ فرد اور معاشرہ کے باہمی حقوق کیا ہیں؟ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب، کوئی قانون اور کوئی سماج ان سوالوں کا دوٹوک اور واضح جواب نہیں دیتا، نہ دے سکتا ہے۔ اسلام چونکہ خدائے احکم الحاکمین کا نازل کیا ہوا دین ہے، جس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں، جو انسانی فطرت کی تمام نزاکتوں سے واقف ہے، اور جس کے قانون حکمت میں کسی خواہش، جانب داری اور وقتی جذبات کی آمیزش نہیں، اس لئے

اسلام نے حقوق وفرائض کا جو چارٹ پیش کیا ہے، وہ اس قدر جامع ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ اس سے خارج نہیں، اور پھر وہ اس قدر معتدل اور منصفانہ ہے کہ اس میں ایک رتی برابر بھی اِدھر اُدھر جھکاؤ نہیں، اور پھر وہ اس قدر مستحکم ہے کہ دنیا جہان کے سارے عقلاء مل کر بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں کر سکتے، اب ہماری کوتاہ نظری اور کم فہمی کا کیا جائے کہ ہم حقوق وفرائض کا کاسۂ گدائی لے کر کبھی مغرب کا رخ کرتے ہیں اور کبھی مشرق کا، کبھی لندن سے سند لاتے ہیں، کبھی ماسکو سے، ہم آئیڈیل کے طور پر ان لوگوں کے حوالے پیش کرتے ہیں جنہیں کبھی غسل جنابت کی بھی توفیق نہیں ہوئی، ہمارے سامنے ان لوگوں کا نمونہ آتا ہے جو اپنا پیشاب خود پیتے ہیں، جن کی محبوب ترین غذا خنزیر، مردار اور چوہے ہیں، عقل ودانش سے کورے، ایمان ویقین سے بے بہرہ ہیں اور صحیح انسانی اخلاق سے نا آشنا ہیں، مسلمان کے لئے یہ لوگ معیاری انسان ہو سکتے ہیں؟

خیر یہ ایک سخن گسترانہ بات تھی جو زبان قلم پر بے ساختہ آگئی، کہنا یہ ہے کہ اسلام نے حقوق و فرائض کا جو دستور مسلمانوں کے حوالے کیا ہے دنیا کا کوئی قانون اس کی جامعیت، اس کی ہمہ گیری، اس کی اعتدال پسندی اور اس کی اثر اندازی کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اب اگر مسلمان اس سے خود جاہل ہوں، یا جان بوجھ کر عمل سے پہلوتہی کریں، تو اس میں قصور کس کا ہے؟

اسلام کے متعین کردہ حقوق وفرائض کے سلسلے میں ایک اور اہم ترین نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے، آج آپ کے گردوپیش حقوق طلبی کا غلغلہ بلند ہے، ہر شخص اپنا حق مانگتا ہے، خواتین مردوں سے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہیں، کسان مالکوں سے حقوق کا مطالبہ کررہا ہے، مزدور کارخانہ داروں کے خلاف حق تلفی کا ماتم کرتا ہے، غرض جس طرف دیکھو حق حق کی صدائیں بلند ہیں، لطف یہ کہ ہر شخص وہ حق تو مانگتا ہے جو اس کا لوگوں کے ذمہ ہے، لیکن دوسروں کا جو حق خود اس کے ذمہ ہے اس کے ادا کرنے سے بے پرواہ ہے۔

اب ذرا سوچئے کہ جس معاشرہ میں ہر فرد اپنا حق مانگنے کے لئے تو خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے، مگر دوسروں کے جو حقوق وفرائض اس کے ذمہ واجب الادا ہیں ان کے ادا کرنے والا ایک بھی نہ ہو تو کیا ایسے معاشرے میں امن قائم ہوسکتا ہے؟ اور کیا کسی فرد کو بھی اس کا صحیح اور منصفانہ حق مل سکتا ہے؟ نہیں مل سکتا! بلکہ ہوگا یہ کہ کسی کا زور چلے گا تو اپنے جائز حق سے بھی زیادہ اڑا لے جائے گا اور کوئی شخص کمزور ہوگا تو ایڑیاں رگڑتا رہ جائے گا، اس کی نہ کوئی داد ہوگی نہ فریاد، یوں پورا معاشرہ دھاندلی اور لوٹ کھسوٹ کی لپیٹ میں آجائے گا۔

آج کی بے خدا تہذیبوں نے دنیا کو یہی پٹی پڑھائی ہے کہ ہر شخص اور ہر طبقہ اپنے اپنے حق کا نعرہ لگائے اور زور زبردستی سے جو کچھ کسی کے ہاتھ آئے چھین کر لے جائے، نہ ملے تو کارخانے جلا دے، اکھاڑ پچھاڑ کرے، امن وامان تباہ کر ڈالے، آج دنیا میں حق طلبی کی یہ جنگ ہر جگہ برپا ہے اور پوری دنیا اس کی وجہ سے معرکہ کارزار اور میدانِ جنگ بنی ہوئی ہے۔

اسلام اور انسانی حقوق

انسانی حقوق کی تعیین وتشریح کے سلسلے میں اسلام کو بہت سے ایسے امتیازات حاصل ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دین و مذہب اور کوئی دستور و قانون اس سے چشم نمائی نہیں کرسکتا، اس کا پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ اس نے انسانی حقوق کا دائرہ اس قدر وسیع رکھا ہے کہ پوری زندگی اس کے احاطہ میں آجاتی ہے، والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، عزیز و اقرباء کے حقوق، پڑوسیوں ہمسایوں کے حقوق، دوست احباب کے حقوق، راعی، رعایا اور حاکم محکوم کے حقوق، فرد اور ریاست کے حقوق، مزدوروں کے حقوق، نادار اور ضعفاء کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، عام انسانوں کے حقوق، وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے صرف انسانی حقوق ہی کا دائرہ وسیع نہیں کیا، بلکہ چوپایوں اور حیوانات تک کے حقوق سے بھی آگاہ کیا ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اسلام نام ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے کا ہے۔

اسلام کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد کو حق طلبی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ ادائے حقوق کی تلقین فرمائی ہے، آج کے نام نہاد مہذب معاشرے کا سب سے بڑا بگاڑ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کی فہرست لئے پھرتا ہے اور ہر روا و ناروا طریقہ سے ان کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اس کے ذمہ لوگوں کے جو حقوق واجب ہیں ان کی ادائیگی سے بے فکر ہے، جب معاشرے کا ہر فرد حق مانگنے والا بن جائے اور حق ادا کرنے والا کوئی نہ رہے تو اس کا نتیجہ وہی شر و فساد ہوگا جو آج کی دنیا میں رونما ہے۔ اسلام ہر فرد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تمہارے ذمہ جو حقوق ہیں ان کے ادا کرنے کا اہتمام کرو، اس لئے کہ قیامت کو تم سے ان کی باز پرس ہوگی، اسلام مردوں کو بتاتا ہے کہ ان کے ذمہ عورتوں کے کیا حقوق ہیں، عورتوں کو نہیں اکساتا کہ تم حقوق کا پلندہ لے کر سڑکوں پر نکل آؤ، عورتوں کو یہ بتایا ہے کہ ان کے شوہروں کے ان کے ذمہ کیا حقوق ہیں، مردوں سے یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اور گھر میں کسی کا جینا دوبھر کردو، اسلام آجروں کو تلقین کرتا ہے کہ اجیر کا حق اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر اجیروں کو یہ کہہ کر نہیں ابھارتا کہ تم کام چھوڑ کر بینر اٹھالو، خلاصہ یہ کہ اسلام ہر شخص کو یہ تلقین کرتا ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں؟ اور یہ کہ کیا وہ ان حقوق کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق ادا کررہا ہے؟ اس طرح اسلام پوری قوم اور پورے معاشرے کو سو فیصد حقوق ادا کرنے والے دیکھنا چاہتا ہے، اور یہ بات اسلام کے مزاج اور اس کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے کہ حقوق کی مانگ تو ہر شخص کی طرف سے ہو لیکن حقوق کی سو فیصد ادائیگی کسی ایک فرد کی طرف سے بھی نہ ہورہی ہو ـــــ آج مسلم معاشروں میں جو افراتفری اور بدامنی و فساد پایا جاتا ہے وہ اسلام کے اس مزاج سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

اسلام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حقوق وفرائض کے سلسلہ میں وہ صرف قانون کا استعمال نہیں کرتا، بلکہ انسان میں ادائے حق کا ایک ایسا شعور اور ذمہ داری کی ایک ایسی حس بیدار کرتا ہے کہ آدمی محض قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا جوئی، اس کی ناراضی کے خوف اور محاسبۂ آخرت کے اندیشہ سے وہ اپنے ذمہ کے حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرے، اسلام بتاتا ہے کہ اگر دنیا میں کسی نے کسی کی حق تلفی کی تو قیامت کے دن اس سے ایک ایک ذرہ کا معاوضہ دلایا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو دنیا میں سینگ مارا تھا تو قیامت کے دن دونوں کو زندہ کر کے بے سینگ بکری کا بدلہ دلایا جائے گا، جب بے شعور حیوانوں تک کے درمیان یہاں تک انصاف ہوگا، تو جن انسانوں نے عقل وشعور کے باوجود لوگوں کے حقوق سلب کئے ان کا کیا حال ہوگا؟

الغرض اسلام اپنی پاکیزہ تعلیم کے ذریعہ انسانی حقوق کا اس قدر تحفظ کرتا ہے کہ بعض صورتوں میں انہیں حقوق اللہ سے بھی زیادہ سنگین قرار دیتا ہے، اور اہل اسلام میں ایسی حس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ کسی کی حق تلفی کی انہیں کبھی جرأت نہ ہو، اور اگر خدانخواستہ کسی سے کسی کی حق تلفی ہو ہی جائے تو جب تک اس کی مکافات نہ کرلے اسے کسی کروٹ چین نہ آئے، آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ حضرات، جنہیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک نام سے یاد کرتے ہیں سو فیصد انسانی حقوق کے نگہبان اور ان کے ادا کرنے والے تھے اس لئے ان کے زمانۂ سعادت میں امن وسکون کا جو نظارۂ چشم فلک نے دیکھا انسانی تاریخ اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور آج کی مہذب دنیا میں اگر مسلمان حقوق وفرائض میں تساہل سے کام لیتے ہیں تو یہ تہذیب فرنگ اور یہود ونصاریٰ کی نقالی کا اثر ہے، اس ملعون تہذیب کے نتیجے میں جب سے مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے مسلمان بھی اسی شقاق ونفاق اور بد دیانتی وحق تلفی کو ہنر سمجھنے لگے ہیں جو بے خدا اور ملعون ومغضوب قوموں کا شعار ہے، اس لئے ضرورت ''اسلام اور انسانی حقوق'' پر مقالے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی ہے کہ مسلمان عملی طور پر اپنے مذہب کا نمونہ پیش کریں اور یہود ونصاریٰ کی تقلید سے آزاد ہوکر محمد رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو رہبر بنائیں۔

اسلامی اُخوّت اور شیطانی تدابیر

قرآنِ کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد اُمّتِ مسلمہ کے حق میں سب سے بڑی نعمت اتفاق واتحاد ہے، اور سب سے بڑا عذاب ان کا باہمی انتشار وافتراق ہے، قرآن کریم، مسلمانوں کو گروہ بندیوں کا حکم نہیں دیتا، بلکہ انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور انہیں حق تعالیٰ کا یہ انعام یاد دلاتا ہے کہ دیکھو! تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اللہ نے تم پر

احسان فرمایا کہ تمہارے دلوں کو جوڑ دیا (آل عمران: ۱۰۳)۔ اور مسلمانوں کو یہ بھی فہمائش کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو، اور اختلاف پیدا نہ کرو، ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، تمہارا رعب و دبدبہ جاتا رہے گا اور تم دشمنوں کی نظر میں ذلیل وخوار اور بے قیمت ہو جاؤ گے (الانفال: ۴۶)۔

قرآنِ کریم مسلمانوں کے اختلاف مٹانے کی تدبیر بھی بتاتا ہے اور اس کے لئے یہ کلیہ تجویز کرتا ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی مسئلے میں نظریاتی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے سب اس کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ (الشوریٰ: ۱۰)۔ اور اپنے تنازعہ کو نمٹانے کے لئے اسے خدا اور رسول کی عدالت میں پیش کرو (النساء: ۵۹)۔ پھر خدا تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنّت کے مطابق جو فیصلہ بھی سامنے آئے اس پر سرِ تسلیم خم کر دو (النساء: ۶۵)۔

دو مسلمانوں کے درمیان اگر ذاتی اور نجی اُمور میں باہمی رنجش پیدا ہو جائے تو قرآنِ کریم اسلامی برادری کو حکم دیتا ہے کہ عدل و تقویٰ کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھتے ہوئے دو رُوٹھے ہوئے بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرا دو (الحجرات: ۱۰)۔ اور اگر خدانخواستہ یہ رنجش گروہی جنگ کی شکل اختیار کر لے، اور اہلِ ایمان کی دو پارٹیاں آپس میں آمادۂ پیکار ہو جائیں تو قرآنِ کریم اسلامی معاشرہ پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ رنگ و نسل، قوم و وطن، قبیلہ و برادری کے تمام تعلقات سے بالاتر ہو کر یہ دیکھے کہ ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟ اور زیادتی کس کی طرف سے ہو رہی ہے، پس جو فریق زیادتی پر اتر آئے اس سے پورے معاشرے کو نمٹنا چاہئے، اور جب تک وہ اپنی زیادتی کو چھوڑ کر حکمِ الٰہی کے آگے جھکنے پر آمادہ نہ ہو اس سے مسلمانوں کی صلح نہیں ہونی چاہئے (الحجرات: ۹)۔

قرآنِ کریم نے ان اسباب و ذرائع کی بھی نشاندہی کی ہے جن کے ذریعہ شیطان مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا ہے، اور جو ان کے انتشار و افتراق کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں، ان میں سب سے پہلی چیز اسلامی اُخوّت کے رشتہ کا کمزور پڑ جانا اور مسلمانوں کا خدا اور رسول کی اطاعت سے روگردانی کرنا ہے۔ جب اسلام کی عظمت و تقدس کا لحاظ نہ رہے تو ظاہر ہے کہ اسلامی اُخوّت و اسلامی اتحاد کا احترام بھی اُٹھ جاتا ہے، اس صورت میں مسلمان آپس میں دست و گریبان ہونے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کریں گے۔

دوسری چیز جو اسلامی اُخوّت کی روح کو کچل دیتی ہے وہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے بدگمانی ہے، اسی لئے قرآنِ کریم نے بدگمانی سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ جس بدگمانی کا صحیح منشا موجود نہ ہو وہ گناہ ہے، حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”بدگمانی سے احتراز کیا کرو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔“

تیسری بات جو بدگمانی سے جنم لیتی ہے وہ غیبت اور بہتان ہے۔ جب ایک شخص کو دوسرے شخص سے سوءِ ظن ہو جاتا ہے تو اِظہارِ نفرت کے لئے اس کی برائیوں کی داستان بڑے مزے لے کر بیان کرتا ہے، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی پس پشت برائی کرنا غیبت کہلاتا ہے۔ اور یہ قرآنِ کریم کی نظر میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے، غیبت ایسا خبیث گناہ ہے کہ بڑے بڑے پرہیز گار لوگ اس میں نہ صرف مبتلا ہو جاتے ہیں بلکہ اس کو اچھی چیز سمجھنے لگتے ہیں، کیونکہ دوسرے کی برائیاں بیان کرنے میں نفس کو لذت ملتی ہے، اور وہ ایسے زہر کو میٹھی گولی سمجھ کر شوق سے کھاتا ہے اسی بنا پر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔'' عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ زنا سے سنگین جرم کیوں ہے؟ فرمایا: بدکار بدکاری کرتا ہے تو اسے برا سمجھ کر کرتا ہے اور کرنے کے بعد اس پر پشیمان ہوتا ہے، اس سے توبہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، مگر غیبت کرنے والے کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی گناہ کر رہا ہے۔ اس لئے اس کبیرہ گناہ سے توبہ کرنے کی بھی اسے توفیق نہیں ہوتی۔

چوتھی چیز غلط خبروں کی اشاعت ہے جب آدمی کو کسی سے نفرت ہو جائے تو بسا اوقات وہ صرف غیبت ہی پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ افسانہ طرازی بھی شروع کر دیتا ہے اور محض اپنے قیاس اور اندازے کو تخیلات میں ڈھال کر واقعہ بنا لیتا ہے۔ اور کبھی اصل بات کچھ اور ہوتی ہے مگر اس میں رنگ آمیزی اور حاشیہ آرائی کر کے اسے کچھ کا کچھ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ حرکت بہت سے کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے۔ جھوٹ، بہتان، غیبت، کسی مسلمان کی دل آزاری و رسوائی جیسے سب گناہ اس میں سمٹ آتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ جب انہیں کسی مسلمان کے بارے میں کوئی خبر ملے تو اس پر بغیر تحقیق کے نہ تو یقین کیا کریں، اور نہ اس پر اپنے کسی ردعمل کا اظہار کریں، قرآنِ کریم ایسی خبریں اُڑانے والوں کو ''فاسق'' کہہ کر انہیں ناقابلِ اعتبار قرار دیتا ہے۔

پھر جب ایسی خبریں عام طور پر ایک دوسرے کے خلاف شائع ہونے لگتی ہیں تو طرفین میں عداوت کے شعلے بھڑک اُٹھتے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی جو قوت کفر کے مقابلے میں خرچ کرنی چاہئے تھی وہ آپس کی گنا چنی میں صرف ہونے لگتی ہے، ہر فریق دوسرے فریق کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں خرچ کر دیتا ہے اس طرح مسلمانوں کی قوت، ان کا وقت، ان کا مال، انکی دماغی وجسمانی صلاحیتیں آپس کی سر پھٹول کی نذر ہونے لگتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور انہیں مسلمانوں سے مقابلہ و مقاومت کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا عذاب جس سے اسلامی معاشرہ دوچار ہے۔

شیطان نے مسلمانوں کو لڑانے کے لئے جو بے شمار ذرائع ایجاد کئے ہیں ان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں۔ جن کی قباحت کی طرف کسی کی نظر ہی نہیں جاتی، وہ اس کے لئے کبھی مذہبی میدان ہموار کرتا ہے اور

چند سر پھروں کو نئے نئے شوشے چھوڑنے پر اکساتا ہے، کبھی اس کے لئے سیاسی میدان تیار کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ کر سیاسی دنگل میں اتار دیتا ہے۔ کبھی قوم و وطن اور قبیلہ و برادری کا بت تراش کر چند سامریوں کو اس کا سرپرست بنا دیتا ہے، اور وہ اسلامی اُخوّت کے تمام رشتے کاٹ پھینکتے ہیں، کبھی طبقاتی کشمکش برپا کر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون سے عداوت و دشمنی کی پیاس بجھانے کی تدبیر سجھاتا ہے۔ اور یہ ساری چیزیں اسلامی معاشرے کو جہنّم کا نمونہ بنا دیتی ہیں، بدقسمتی سے آج ہمارے گرد و پیش یہی شیطانی الاؤ روشن ہیں اور مسلمان اس کا ایندھن بنتے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ اہلِ اسلام کو اِسلامی اُخوّت کے رشتے میں منسلک رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور تمام شیطانی تدابیر سے انہیں محفوظ رکھے۔

احساسِ ذمہ داری

زندگی احساس و شعور کا نام ہے اور احساس و شعور باقی نہ رہے تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے، قوموں کی زندگی کا پیمانہ بھی ذمہ داریوں کا شعور ہے، ایک زندہ قوم وہی کہلاتی ہے جس کا ہر طبقہ بلکہ ہر فرد اپنے فرائض کا شعور رکھتا ہو اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کو بجالاتا ہو، اس کے برخلاف جب قوم اپنے فرائض کے شعور سے محروم ہو جائے تو یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ قوم کی طرح اپنے اندر تگ و دو کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

قومیں اپنے افراد و طبقات کے فرائض، رسم و رواج اور احوال و ظروف کے پیمانے سے متعین کرتی ہیں، لیکن مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں سے ہر فرد اور ہر طبقہ کے فرائض صرف معاشرتی رسوم و قیود کے رہینِ منت نہیں بلکہ وحی آسمانی نے وہ فرائض ان کے ذمہ عائد کئے ہیں، اس لئے مسلمانوں کی قومی زندگی کی نشو و نما اس پر منحصر ہے کہ ان میں سے ہر فرد اور ہر طبقہ ان حقوق و فرائض کو کہاں تک بجالاتا ہے، جو احکم الحاکمین کی طرف سے اس پر عائد کئے گئے ہیں، اور پھر دوسری قوموں کے سامنے فرائض بجالانے یا نہ لانے پر محاسبۂ آخرت کا کوئی تصور نہیں، لیکن ایک مسلمان کے لئے ہر قدم پر اس کا دھڑکا ہے کہ اس سے اس کی باز پرس ہوگی، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن عبداللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ فالإمام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ، والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدھا، وھی مسئولۃ عنھم، وعبدالرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ، الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ متفق علیہ۔" (مشکوٰۃ ص:۳۲۰)

ترجمہ: ”یاد رکھو! تم میں سے ہر شخص کو نگہبان مقرر کیا گیا ہے، اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی ماتحت رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، پس سربراہ مملکت جو سب لوگوں کا حاکم ہے وہ ان سب کا نگہبان ہے اور اس سے رعیت کے ایک ایک فرد کے بارے میں باز پرس ہوگی، ایک عام آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے، اس سے اپنے زیر رعیت لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد پر نگراں ہے، اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور گھر کا نوکر اپنے آقا کے مال کا نگران ہے، اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی، یاد رکھو! کہ تم میں سے ہر شخص نگراں ہے، اور ہر شخص سے اس کی ماتحت رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

ایک مسلمان اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک اسی وقت ادا کرسکتا ہے جب کہ اسے یہ علم ہو کہ اس کے منصب وعہدہ کے مطابق اس کے ذمہ احکم الحاکمین کی طرف سے کیا فرائض عائد کئے گئے ہیں؟ اور اسی کے ساتھ اسے یہ شعور واحساس بھی ہو کہ اگر میں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت ولاپرواہی یا خیانت و بد دیانتی روا رکھی تو کل مجھے سب سے بڑی عدالت میں اس کی جوابدہی کرنی ہوگی، اسی لئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسے لوگوں کو افسر نہ بنایئے جو آپ سے ڈرتے ہوں، بلکہ ایسے لوگوں کو بنایئے جو خدا سے ڈرتے ہوں، کیونکہ آپ کی نظر سے ان کی کاروائی اوجھل ہوسکتی ہے، مگر وہ خدا کی نظر سے چھپ کر کہیں نہیں جاسکتے۔

مسلمانوں کا کوئی فرد جو اپنے فرائض کا شعور واحساس بھی رکھتا ہو اور ”یوم الدین“ کے حساب پر اس کا یقین بھی ہو وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی غفلت یا بد دیانتی کا مرتکب نہیں ہوسکتا اسے اگر رشوت پیش کی جائے تو اس کا دین وتقویٰ اس کے ہاتھ پکڑ لے گا، اور اسے یہ احساس دلائے گا کہ یہ زہر ہے، اور زہر کھانے کے بعد ممکن نہیں کہ وہ تمہارے پورے وجود میں سرایت نہ کرجائے، وہ سرکاری خزانے کو خدا کی امانت تصوّر کرے گا اور اسے یہ شعور ہوگا کہ اگر وہ اس امانت میں ایک پائی کی خیانت کا بھی مرتکب ہوا تو احکم الحاکمین کی عدالت میں اسے اگلنا ہوگی، وہ دفتر میں کام کے اوقات کو گپ شپ چائے نوشی اور محفل آرائی میں ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ اسے شعور ہوگا کہ اس کی تنخواہ اسی وقت حلال ہوگی جب کہ وہ اس وقت کو جو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مقرر کردیا گیا ہے، خدا کی امانت سمجھ کر استعمال کرے، اگر اس نے ان مقررہ اوقات میں اپنا ”فرضِ وقت“ ادا نہ کیا تو وہ خدا کی عدالت میں خائن شمار ہوگا اور اس کی تنخواہ مدحرام میں تصور کی جائے گی، اور اس خیانت اور حرام خوری پر اس سے باز پرس ہوگی۔

۱:...... انسان جب اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے تو تعلقات کی ایک وسیع دنیا ساتھ لاتا ہے، یہی دوطرفہ تعلقات حقوق وفرائض کا تعین کرتے ہیں، وہ بیٹا ہے تو اس پر ماں باپ کے حقوق عائد ہوتے ہیں، باپ ہے تو اولاد کے حقوق اس پر لازم ہیں، شوہر ہے تو بیوی کے حقوق کا طومار اس کی پشت پر ہے، بیوی ہے تو شوہر کے حقوق کا ہار اس کے گلے میں ہے، حاکم ہے تو زیر حکومت رعایا کے حقوق کے طوفان کا اس کو سامنا ہے اور محکوم ہے تو حاکم کے حقوق کا تاوان اس کے سر ہے۔ الغرض بنی نوع انسان کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ مختلف قسم کے حقوق ومطالبات کی زنجیروں میں بندھا ہوا نہ ہو۔

۲:...... جو حقوق لوگوں کے آپ کے ذمہ ہیں وہ آپ کے لئے ''فرائض'' کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جو حقوق آپ کے لوگوں کے ذمہ ہیں وہ دوسروں کے ''فرائض'' میں شامل ہیں۔ گویا ایک ہی چیز ایک حیثیت سے ''حق'' کہلاتی ہے اور دوسری حیثیت سے فرض۔ مثلاً بیوی کا نان ونفقہ اس کا حق ہے، اور شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی فرض ولازم ہے۔ شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری اس کا حق ہے اور یہ بیوی کے ذمہ فرض ہے، ماں باپ کی خدمت و تعظیم ان کا حق ہے اور اولاد کا فرض ہے۔ بچّوں کی تعلیم وتربیت ان کا حق ہے اور ماں باپ کا فرض ہے۔ رعایا کی نگہداشت اور اسے ظلم وعدوان سے بچانا، رعایا کا حق ہے اور حاکم کا فرض ہے۔ اور جائز اُمور میں حاکمِ وقت کی اطاعت اس کا حق ہے اور رعایا پر فرض ہے۔

۳:...... اگر پورا معاشرہ یا کم از کم اس کی غالب اکثریت اپنے وہ حقوق وفرائض بجالاتی ہو جو دوسروں کے اس کے ذمہ ہیں تو دنیا میں کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔ کیونکہ جب والدین، اولاد کے تمام حقوق پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کر رہے ہوں، اولاد ماں باپ کے حقوق ٹھیک ٹھیک بجا لارہی ہو، شوہر بیوی کے اور بیوی شوہر کے حقوق میں کسی غفلت وکوتاہی کی مرتکب نہ ہو۔ حکام اپنے ماتحتوں کے اور ماتحت اپنے حکام کے حقوق نہایت اخلاص اور تندہی سے پورے کر رہے ہوں تو کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔

۴:...... ظلم وعدوان اور بے انصافی کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب آدمی اپنے حقوق کا مطالبہ تو خوب شد ومد کے ساتھ کرے، لیکن خود اس کے ذمہ جو حقوق عائد ہیں اور جن کا ادا کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے، جن پر اس سے باز پرس ہوگی اور جب تک اہل حقوق اپنے حقوق وصول نہیں کرلیتے یا اسے معاف نہیں کردیتے اس کی رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ ان کے ادا کرنے کی کوئی فکر نہ کرے۔

۵:...... اسلام کے فلسفۂ اجتماع اور دورِ جدید کی تحریکوں کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے۔ اسلام لوگوں کو حق طلبی پر نہیں اکساتا ہے بلکہ ہر شخص کی گردن دبا کر اس سے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا خود مطالبہ کرتا ہے۔ مثلاً وہ حاکمِ وقت کو آگاہ کرتا ہے کہ:

”ما من رجل یلی امر عشرۃ فما فوق ذٰلک الا اتاہ اللہ عز و جل مغلولًا یوم القیامۃ یدہٗ الی عنقہٖ فکہ برہٗ او اوبقہ اثمہٗ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ: ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دس آدمیوں پر بھی حاکم بنایا وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں حمائل ہوں گے، پھر یا تو اس کا عدل وانصاف اس کو رہائی دلا دے گا، یا اس کا ظلم اس کو ہلاک کردے گا۔“

اسلام نے یہ اعلان کرکے رعایا کو مطالبات کا جھنڈا اُٹھانے سے بےفکر کردیا اور حق ادائی کی ساری ذمہ داری حاکم پر ڈال دی کہ اس کے دورِ حکومت میں جن جن لوگوں کی بھی حق تلفی ہوئی ہوگی، احکم الحاکمین کی سب سے بڑی اور آخری عدالت میں اسے ایک ایک کا حساب چکانا ہوگا۔ اسی طرح اسلام بیویوں کے حقوق متعین کرتا ہے اور شوہروں سے ان کے ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، وہ مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق متعین کرتا ہے، اور آجروں سے ان کی ادائی کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ ہمسایوں کے حقوق متعین کرتا ہے اور ان کی ادائی کا مطالبہ کرتا ہے۔ الغرض اسلام کا فلسفۂ اِجتماع یہ ہے کہ وہ حق طلبی کی ذہنیت پیدا نہیں کرتا، بلکہ ذمہ داریوں کا احساس دلاکر ہر شخص کو اس کے ذمہ عائد شدہ فرائض ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسلام کے نظام حقوق وفرائض کی فہرست اس قدر طویل اور اتنی دلکش ہے کہ اس پر ایک نظر ڈال لینے سے یہ یقین راسخ ہوجاتا ہے کہ ان حقوق وفرائض کا ٹھیک ٹھیک تعین خدا تعالیٰ کے علم محیط کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

۶:...... اس کے بالکل برعکس دورِ جدید کا فلسفہ ہے جو ”حقوق، حقوق“ کا شورِ محشر تو برپا کرتا ہے، مگر کسی کو حق ادائی پر برانگیخت نہیں کرتا۔ وہ محنت کشوں سے کہتا ہے کہ تم اپنے حقوق کے لئے جنگ کرو مگر کام بالکل نہ کرو۔ اس کے نزدیک ہڑتال، تالہ بندی اور کام چھوڑ تحریک ہی کا نام مزدور کے حقوق کی حفاظت ہے۔ وہ سرمایہ کاروں سے کہتا ہے کہ محنت کشوں کے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لو۔ مگر ان کے حقوق ادا کرنے کا کوئی احساس نہیں دلاتا اور جب تک ڈنڈے کے زور سے حقوق نہ مانگے جائیں تب تک ان کا کوئی مطالبہ قابل پذیرائی نہیں، وہ عورتوں کو تلقین کرتا ہے کہ شوہروں کے مقابلے میں صف آرا ہوجائیں۔ اور اپنے حقوق کا مطالبہ لیکر سڑکوں پر نکلیں، مگر عورتوں کو یہ تلقین کبھی نہیں کرتا کہ خود ان کے ذمہ جو حقوق ہیں ان کی بجاآوری کی بھی کچھ فکر کریں۔ خلاصہ یہ کہ دورِ جدید کا فلسفہ مطالبات اور حقوق طلبی کی آگ تو بھڑکاتا ہے مگر معاشرے کے کسی فرد کے ضمیر پر دستک دے کر اسے اس بات پر آمادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے ذمہ عائد شدہ حقوق ادا کرے۔

۷:...... اب اسلام کے فلسفۂ اِجتماع اور دورِ جدید کے فلسفے کا تقابلی مطالعہ کیجئے۔ جب تک مسلمان اسلام کے پیدا کردہ احساس ذمہ داری سے آراستہ رہے دنیا امن وسکون کا گہوارہ تھی، اور معاشرے کا ہر فرد اپنی

جگہ مطمئن تھا۔ لیکن جب سے احساسِ ذمہ داری کا فقدان ہوا، اس کی جگہ خود غرضی اور حق طلبی کا طوفان برپا ہوا معاشرے کا ہر فرد اپنی جگہ پریشان اور ایک دوسرے سے دست وگریبان ہے۔

کتاب الآداب

عیادت کے آداب

[حدیث:۸۳۷] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ......، لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ (قَالَهُ لِأَعْرَابِيٍّ دَخَلَ عَلَيْهِ يَعُودُهُ۔“ (صحیح بخاری ج: ۲۲، ص: ۴۸۵، حدیث نمبر: ۶۹۱۶، بَاب فِي الْمَشِيئَةِ وَالْإِرَادَةِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کے پاس اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے تو اس کو فرمایا: کوئی حرج نہیں، یہ بیماری پاک کرنے والی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، ایک بوڑھا دیہاتی گنوار بیمار تھا اس کو بخار ہو رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے کر گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق میں سے یہ بات تھی کہ کوئی امیر ہو یا غریب ہو، کوئی آزاد ہو کوئی غلام ہو کوئی مشہور ہو کوئی غیر مشہور۔ سب کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کی عیادت کرتے ہوئے فرمایا: ”لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ“ کوئی حرج کی بات نہیں، یہ بخار پاک کرنے والا ہے ان شاء اللہ۔ یہ آداب میں سے ہے کہ جب کسی کی عیادت کے لئے جاؤ تو اس کے بدن پر ہاتھ رکھو اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ: ”لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ“ کوئی فکر نہ کرو، ان شاء اللہ پاک ہو جاؤ گے، تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا، بیماری پاک کر دیتی ہے، اس لئے کہ بیماری بدن کی زکوٰۃ ہے، بیماری سے بدن کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

غیر مسلموں کو سلام کا حکم

[حدیث:۸۳۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱۱، ص: ۱۳۵، حدیث نمبر: ۴۰۳۰، بَاب النَّهْيِ عَنْ ابْتِدَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالسَّلَامِ وَكَيْفَ...)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کہنے میں ابتداء نہ کرو، جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں پاؤ تو اس کو تنگ راستے پر چلنے میں مجبور کردو۔''

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: یہود و نصاریٰ کو ابتداء بالسلام نہ کرو، ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اگر وہ سلام کریں تو ''وعلیکم'' کہو بس! اور جب راستے میں چلو تو ان کو تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کرو۔

یہ ایک بہت طویل بحث ہے جو کہ ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے کہ ذمیوں کے کیا اَحکام ہیں؟ یہاں پاکستان کے قانون میں سیّد اور چوڑے کا خون برابر ہے، دونوں کا ووٹ بھی برابر اور خون بھی برابر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قوم سے صلح کی تھی، ''کنز العمال'' میں شرائط مذکور ہیں، بہت سے محدثین نے اس کو نقل کیا ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے کہ: تم مسلمانوں جیسی سواری اختیار نہیں کروگے، مسلمانوں جیسا لباس نہیں پہنوگے اور مسلمانوں کے مکان سے اُونچا مکان نہیں بناؤگے، بارہ شرائط تھیں اس صلح نامے میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طے فرمائی تھیں۔

کیا زمانہ تھا کہ ذِمیوں کو مسلمانوں کی شکل و شباہت اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی، اور کیا زمانہ آیا کہ مسلمان ان کافروں کی شکل و شباہت اختیار کرنے پر فخر کر رہے ہیں۔

گھر میں آگ جلانے کے آداب

[حدیث: ۸۳۹] ''عَنْ سَالِمٍ ......، لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوْتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ۔'' (صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۳۴۴، حدیث نمبر: ۵۸۱۹، بَاب لَا تُتْرَكُ النَّارُ فِي الْبَيْتِ عِنْدَ النَّوْمِ، صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۸۹، حدیث نمبر: ۳۷۵۹، بَاب الْأَمْرِ بِتَغْطِيَةِ الْإِنَاءِ وَإِيكَاءِ السِّقَاءِ وَإِغْلَاقِ.......)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ نے ارشاد فرمایا: بھڑکائے نہ رکھا کرو اپنے گھروں میں آگ کو جب تم سویا کرو۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک دفعہ رات کے وقت آندھی چلی اور جس کی وجہ سے چولہوں میں رکھی آگ اُڑ گئی اور کئی گھروں کو آگ لگ گئی، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: رات کو سوتے وقت آگ کو جلتا نہ چھوڑا کرو اور اگر آگ کو باقی رکھنے کی ضرورت ہو تو ایسا انتظام کرو کہ رات کو ہوا چلے تو وہ اُڑے نہیں۔

یہ آداب میں سے ہے جیسا کہ فرمایا تھا کہ: رات کو چراغ جلتا ہوا نہ چھوڑا کرو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ

ان کے چراغ دیسی تیل کے ہوا کرتے تھے جو بتی سے جلتے تھے، مٹی کے کھلے چراغ بتی سے ہی جلتے ہیں۔

مسلمان کے مال وجان کی حفاظت کا حکم

[حدیث: ۸۴۰] ”عَنْ ابنِ عُمَرَ...... لَا یَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِیَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ، أَیُحِبُّ أَحَدُکُمْ أَنْ تُؤْتَی مَشْرُبَتُهُ فَتُکْسَرَ خِزَانَتُهُ فَیُنْتَقَلَ طَعَامُهُ إِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِیهِمْ أَطْعِمَتَهُمْ فَلَا یَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِیَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۹، ص: ۱۳۷، حدیث نمبر: ۳۲۵۴، بَاب تَحْرِیمِ حَلْبِ الْمَاشِیَةِ بِغَیْرِ إِذْنِ مَالِکِهَا)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ دوہے تم میں سے کوئی آدمی کسی کے مویشی کو مگر اس کی اجازت کے ساتھ، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ کوئی اس کی کوٹھڑی میں آئے، اس کا خزانہ توڑ لے اور اس کا غلہ وہاں سے منتقل کرلیا جائے، بات یہ ہے کہ ان کے مویشیوں کے تھن ان کے لئے ان کے کھانوں کو محفوظ رکھتے ہیں، پس تم میں سے کوئی شخص کسی کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: کسی شخص کو کسی کے مویشی کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے، جنگل میں مویشی چر رہے ہوں تو لوگ ان کا دودھ نکال لیتے ہیں، بکریاں چر رہی ہیں ان کا دودھ نکال لیا، شام کو جب بکریاں واپس آئیں گی تو ان کے تھن خالی ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کسی شخص کو کسی کا مویشی چاہے گائے ہو، بھینس ہو، بکری ہو یا اُونٹنی ہو، اس کی اجازت کے بغیر اس کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے اور اس سلسلے میں فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ کوئی آدمی اس کی کوٹھڑی میں گھس آئے اور اس کا غلہ توڑ لے، اور غلے میں سے نقدی یا اس کا ذخیرہ وہاں سے منتقل کرلے اور اس مالک کو پتا ہی نہ ہو، کیا پسند کرو گے اس کو؟ ظاہر ہے کہ اس کو کوئی پسند نہیں کرے گا۔ فرمایا: یہ جو مویشی چرا رہے ہوتے ہیں ان کے تھن ان کے مالکوں کے لئے ان کے دُودھ اور ان کی غذا کا خزانہ ہیں، مویشیوں کے مالکوں کے لئے ان مویشیوں کے تھن، ان کی غذا اور دودھ کا خزانہ ہیں لہٰذا تم میں سے کوئی شخص کسی کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔

اس حدیث شریف میں ایک تو بہت صاف حکم آگیا کہ کسی کا مویشی نہ دوہنا چاہئے، یعنی اس کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے اور یہاں اگر کسی کی مرغی چلی جائے تو وہ لوگوں کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔ ہمارے

یحییٰ نے ایک بکری رکھی تھی آج تک یاد کرتا ہے وہ کہیں چلی گئی تھی پکڑ لی کسی نے، یہ آج تک اس کو یاد کر رہا ہے، بہت عقل مند بکری تھی، بقول کسی کے یہ تو دودھ کی بات کرتے ہیں لوگ تو ہاتھی نگل جاتے ہیں۔

مسلمان کی امانت اور دیانت کا معیار یہ ہے کہ ایک قطرہ بھی کسی کے مویشی کے تھنوں سے نہ لے اور اگر اس کو ضرورت پیش آجائے تو اجازت لے لے، البتہ اس میں سے ایک اضطرار کی حالت مستثنٰی ہے، یعنی کوئی شخص ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جائے کہ اگر یہ دودھ نکال کر نہ پیئے گا تو مر جائے گا، اس کی موت واقع ہو جائے گی تو فقہاء لکھتے ہیں: دوسرے کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر لے لیکن اس نیت کے ساتھ کہ میں اس کو واپس کر دوں گا، میں اس کا بدل اس کو دوں گا۔ اب وہاں مالک نہیں ہے اور اس سے اجازت بھی نہیں لے سکتا اس سے خرید بھی نہیں سکتا لیکن کیفیت اضطراری ہو گئی یا یوں کہو کہ کوئی بدبخت اس کو مجبور کرتا ہے کہ تجھے قتل کر دیں گے ورنہ یہ حرام کھا تو اس وقت اپنی جان بچانے کے لئے اس حرام کا ارتکاب اس کے لئے جائز ہے، لیکن نیت یہ کرے کہ میں مالک کو ادا کروں گا، اور یہ بالکل ایسا ہی ہو گا جیسے تین دن کا آدمی بھوکا ہو اور جان خطرے میں ہو تو مردار حلال ہو جاتا ہے، مردار تو حرام ہی رہتا ہے مردار کسی وقت میں حلال نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے اس وقت میں اس کے استعمال کی اجازت دی گئی جان بچانے کے لئے جب تک کہ ایسی کیفیت نہ ہو اس وقت تک کسی مسلمان کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا مشہور خطبہ ہے حجۃ الوداع کا، پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ حج کس مہینے میں ہوتا ہے ذی الحجہ میں ہوتا ہے، صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! فرمایا: یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، یہ ذی الحجہ ہی ہے، فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ کہا: اللہ اور اس کے رسول کو معلوم ہوگا، فرمایا: کیا یہ عرفہ کا دن نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں، فرمایا: یہ کونسی جگہ ہے؟ صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں حالانکہ عرفات کا میدان ہے ساری دُنیا جانتی ہے، لیکن تب بھی فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: کیا یہ عرفات کا میدان نہیں ہے؟ کہا: بالکل! صحابہ فرماتے ہیں: یہ ہم نے اس لئے کہا تھا: ''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ'' کہ اگر اللہ اور اس کا رسول ان کا کچھ اور نام رکھ دیں گے تو آئندہ ہم وہی پکارا کریں گے، وہ پہلے والا ختم۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: سن رکھو!

''إِنَّ أَمْوَالَكُمْ وَدِمَاءَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا'' (مسند احمد بن حنبل ۴/۶۶۴، ۱۹۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۲۱۵، طبرانی ۳/۲۱۲، ۴/۳۲۷)

ترجمہ: ''تمہارے مال، تمہاری آبروئیں اور تمہارے خون ایک دُوسرے کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں، جیسی بیت اللہ

کی حرمت ہے ایسی ہی کسی کی جان کی اور مال کی حرمت ہے۔"

یہ رسول اللہ ﷺ اعلان فرما رہے ہیں، حرم مکہ کی اور شہر مکہ کی جو حرمت ہے وہ تمہارے مالوں کی، تمہاری آبروؤں کی اور تمہارے خونوں کی حرمت ہے۔ یعنی دوسروں کے لئے اس کا حلال کرنا جائز نہیں، نہ کسی کا مال لینا، نہ کسی کی آبروریزی، نہ کسی کی خونریزی کرنا۔ یہاں سے میں صرف یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اپنی اُمت کے افراد کو کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں، کاش! کہ ہمارے دل میں بھی بیٹھ جائے، نہیں یہ بات ہم میں کہ دوسرے شخص کی عزت وآبرو اور جان و مال کو اس حرمت، عزت واحترام کی نظر سے دیکھیں، معمولی چیز ہے کھالو، میں نے کہا کہ صرف ایک اضطرار کی صورت مستثنیٰ ہے اور دُوسری صورت یہ مستثنیٰ ہے کہ اپنا کوئی خاص دوست ہو، تم اس کا مال لوٹ کر کھاؤ، اس کو معلوم ہو جائے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، بہت کم کہ اس کو پتا چلنے پر وہ خوش ہو جائے تو اس کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے، کیونکہ حقیقت میں اس کی طرف سے اجازت ہے یہ بے اجازت لینا نہیں۔

مسلمان بھائی کی پردہ پوشی

[حدیث: ۱۸۴] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ......، لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔" (صحیح مسلم ج: ۱۲، ص: ۴۷۹، حدیث نمبر: ۴۶۹۲، بَابُ بِشَارَةِ مَنْ سَتَرَ اللهُ تَعَالَى عَيْبَهُ فِي الدُّنْيَا بِأَنْ يَسْتُرَ ......)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں عیب چھپائے گا کوئی بندہ کسی بندے کا دُنیا میں مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں پردہ پوشی کی فضیلت ہے کہ کسی مسلمان کا عیب اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور اس کا پردہ رکھے، یعنی کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے، بس اسی کے سینے تک وہ امانت محفوظ رہے کسی اور تک منتقل نہ ہو، کسی اور سے اس کی بات نہ کرے، یہ جو آدمی کے عیب ہوتے ہیں یوں کہئے کہ یہ آدمی کا باطنی ستر ہوتا ہے، جیسے کسی کے کپڑے اُتارے ہوئے ہوں اور اس کا ستر ظاہر ہو جائے یا ویسے ہی کسی کا ستر ظاہر ہو جائے تو آدمی اس سے اپنی نظر ہٹا لیتا ہے، یا آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کوئی شریف آدمی باہر بازار جا کر یہ نہیں کہے گا کہ آج میں نے فلانے آدمی کا ستر دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہوگا کوئی گیا گزرا آدمی بھی، ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ستر کو چھپانے کے لئے لباس بنا دیا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی کا ستر کھل جاتا ہے اور پوشیدہ اعضاء پر نظر پڑ جاتی ہے تو کوئی آدمی کسی کے

ستر کو غور سے دیکھتا بھی نہیں اور اگر نظر پڑ جائے تو کسی کے پاس جا کر بتاتا بھی نہیں۔ بالکل یہی کیفیت سمجھو باطنی عیوب کی انسان کے اندر کے عیوب کی، یہ بھی آدمی کا ستر ہے اس کی کمزوریاں۔

یوں تو اللہ پاک نے اپنی ستاری کا پردہ اس پر ڈال دیا ہے، ان کو لباس پہنا دیا ہے، ہمارے عیوب لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں فرمائے، میرے عیوب کا آپ کو پتا نہیں، آپ کے عیوب کا مجھے پتا نہیں، اللہ کو سب کا علم ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ پردہ ادھر اُدھر ہوجاتا ہے دوسرے آدمی کی اس ستر پر نظر پڑ جاتی ہے تو جس طرح کہ ظاہری ستر کو دیکھنا اور دیکھ کر لوگوں کے سامنے بیان کرنا اس کے لئے عیب کی چیز ہے اس دیکھنے والے کے لئے، ایسے ہی اگر کسی کے عیب پر اطلاع ہوجائے تو اس کی اطلاع دوسروں کو دینا یہ بھی اس کے حق میں عیب ہے، عیب ہی نہیں بلکہ رذالت اور کمینگی ہے، بڑا کمینہ آدمی ہے یہ جو دوسروں کے عیب پر مطلع ہو کر لوگوں کے سامنے ان کا اظہار کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرمایئے، چند باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تیرے اپنے عیوب دوسرے لوگوں کے عیوب کو دیکھنے سے مانع ہوجائیں اور اپنے عیوب پر نظر ہو تو پھر دوسروں کے عیوب پر نظر نہیں جاتی۔

بہرکیف! اگر کسی کو اپنے بھائی کا عیب معلوم ہوجائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے بلکہ پردہ ڈھانک دے۔ کیوں میاں! اگر کوئی آدمی لنگی پہن کر سویا ہوا ہو اور اس کا ستر کھل جائے تو تم کیا کرتے ہو؟ کیا کپڑا کھینچ دیتے ہو؟ یا کپڑا ڈھک دیتے ہو، یا اور پردہ اُٹھا دیتے ہو تاکہ اور لوگ دیکھیں؟ تو اگر کسی کا عیب تمہارے علم میں آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرو، اس پر کپڑا ڈال دو، اس کو دفن کردو، چھپادو۔ اگر تم ایسا کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عیوب پر قیامت کے دن پردہ ڈال دیں گے، کسی کو نہیں بتائیں گے، یہ مطلب ہے اس کا۔

اور جب یہ بندہ اپنی شرافت کی وجہ سے کسی کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتا اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو بہت ہی کریم ہیں وہ اپنے بندے کی پردہ دری کیوں فرمائیں گے؟ وہ بھی بندے کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

اِحترامِ اِنسانیت

[حدیث: ۸۴۲] ”سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ......، لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ عَلٰى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ۔“

(صحیح بخاری ج: ۲۱، ص: ۴۶۲، حدیث نمبر: ۶۵۴۵، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا ....صحیح مسلم ج: ۱۳، ص: ۴۳، حدیث نمبر: ۲۴۷۴، بَاب النَّهْيِ عَنْ الْإِشَارَةِ بِالسِّلَاحِ إِلَى مُسْلِمٍ)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ اشارہ کرے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار کے ساتھ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان کھینچ لے اس کے ہاتھ سے پس وہ گر پڑے آگ کے گڑھے میں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ شیطان اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے لگا دے، جس کی وجہ سے یہ دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی ایسے ہی ہنسی مذاق میں کسی کی طرف ہتھیار کا اشارہ کرتا ہے کہ ماروں تیرے، ایسے ہی ہنسی میں، اس کی ممانعت فرمائی، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ایسا کرتے کرتے اس کے لگ ہی جائے، شیطان درمیان میں آجائے اور اس کو لگوا دے وہ قتل ہو جائے گا اور یہ دوزخ میں چلا جائے گا، اس لئے ہتھیار کا اشارہ کرنا کھیل اور ہنسی مذاق کے طور پر جائز نہیں، جیسے تلوار ہے، چاقو ہے، چھری ہے، تیز دھار والی چیزیں ہیں، یا جدید آلات ہیں ان کو ہنسی مذاق میں بھی کسی مسلمان کی طرف سیدھا نہیں کرنا چاہئے، یہ ناجائز اور حرام ہے، اس سے ایک تو دوسرے مسلمان کو ویسے ہی خوف ہوگا، اس کو پریشانی ہوگی کہ کہیں میرے لگ ہی نہ جائے، اب پستول اس کی طرف کرتا ہے کہ تیرے گولی ماروں، خدانخواستہ اگر شیطان اُنگلی دبا دے پھر کیا ہوگا؟

دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے: کوئی شخص مسجد میں کھلا ہتھیار لے کر نہ آئے، تلوار یا دھار والی کوئی اور چیز ہے اس کو مسجد میں نہ لے کر آئے، اور یہی حکم ہے عام مجمعوں کا، جہاں بھی عام مسلمانوں کا مجمع ہو وہاں کھلا ہتھیار نہ لائے، یہ بھی ناجائز ہے تاکہ مسلمانوں کے دل میں خوف و ہراس ہی پیدا نہ ہو، اور کسی کے لگ بھی نہ جائے۔

میاں بیوی آپس میں درگزر کا معاملہ رکھیں

[حدیث: ۸۴۳] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ......، لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔''

(صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۴۰۲، حدیث نمبر: ۲۶۷۲، بَاب الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان آدمی اپنی مسلمان بیوی سے دُشمنی نہ رکھے، نفرت نہ کرے، اگر ناپسند کرے گا اس کے ایک اخلاق کو تو پسند کرے گا دوسرے کو۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ کوئی مؤمن کسی مؤمنہ سے بغض اور کینہ نہ رکھے، مراد ہیں میاں بیوی، مسلمان شوہر مسلمان بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کا ایک اخلاق پسند نہیں آتا تو دوسرا پسند آئے گا، مقصد یہ ہے کہ شوہر کو کبھی کبھی بیوی کی بد خلقی سے نفرت ہوجاتی ہے اور انسانی ذہن کچھ ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک طرف آدمی دیکھتا ہے تو دوسری طرف سب غائب ہوجاتی ہیں، دوسری طرفیں نظر نہیں آتیں، اب دُنیا میں جنّت کی حور تو نازل ہونے سے رہی کہ جس کی کسی چیز میں کجی نہ ہو، عورتیں کمزور طبیعت ہوتی ہیں پھر ان کی اصلاح بھی بڑی مشکل سے ہوتی ہے، اگر ہر چیز پر آدمی نکتہ چینی کرے اور یوں سمجھے کہ جب تک ٹکلے کی طرح سیدھی نہیں ہوگی اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا، تو پھر ختم ہوگیا مسئلہ پھر یہ گھر نہیں چلے گا جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: یہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ ٹیڑھی اُوپر کی پسلی ہوتی ہے، اگر پسلی کو سیدھا کروگے تو ٹوٹ جائے گی، عرض کیا گیا: اس کا ٹوٹ جانا کیا ہے؟ فرمایا: طلاق ہونا، اگر ان سے نفع اُٹھانا چاہتے ہو تو ان کی کجی کے ساتھ ہی نفع اُٹھاؤ، ان کو سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو، (مشکوٰۃ) ایسی ٹیڑھی ہی رہنے دو، تم اپنا کام چلاؤ اور اگر تم سیدھا کرنا چاہتے ہو تو پھر چھوڑنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ ہدایت فرمارہے ہیں کہ ہر آدمی کے اندر برائیاں ہی برائیاں نہیں ہوتیں اور ہر آدمی کے اندر خوبیاں ہی خوبیاں نہیں ہوتیں، ایک خوبی ہے تو ایک کمزوری بھی ساتھ لگی ہوئی ہے، مردوں کا بھی قریب قریب یہی حال ہے اور عورتوں کا بھی یہی حال ہے تو کسی مومن آدمی کو اپنی مومن بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہیے، بغض نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ اس کی ایک خصلت پسند نہیں آئے گی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی، مثال کے طور پر منہ ماری بہت کرتی ہے، اچھی بات نہیں، تمہیں یہ بات پسند نہیں لیکن یہ بھی تو سوچ لو کہ تمہاری خدمت بھی تو کرتی ہے، تمہارے بچوں کو جنتی بھی ہے، پالتی بھی ہے، پھر گھر کا کام کاج بھی کرتی ہے، چلو اور خدمات کے ساتھ ساتھ ایک منہ ماری بھی سہی، جو چیزیں لائق قدر ہیں ان کی وجہ سے اس کی قدر بھی تو کرو۔

ہمارے حکیم الاُمّت مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ: اگر عورت گھر کا کوئی کام بھی نہ کرے وہ تم اپنے ملازموں سے کراؤ تب بھی گھر کی نگرانی کے لئے ایک ملازم تو چاہیے، دو ہزار روپے کا ایک ملازم گھر کی نگرانی کے لئے تو رکھوگے نا! اور کچھ نہیں تو چلو نگران ہی سہی گھر کی نگرانی تو کرتی ہے، یہ تو آخری درجے کی بات ہے، ورنہ ان میں خوبیاں بھی بہت ہوتی ہیں اور ایک آدھ کمزوری بھی ہوتی ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کی ایک کمزوری ان کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”الدُّنیا کُلُّھَا مَتاعٌ“ دُنیا سب برتنے کی چیز ہے، ”وَخَیرُ

مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ" (صحیح مسلم ۳۹۷/۷، ۲۶۶۸، کنز العمال ۲۷۸/۱۶، ۴۴۴۵۱)۔ اور دُنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے کہ جب شوہر اس کو دیکھے تو دیکھ کر خوش ہوجائے اور جب شوہر غائب ہو تو اپنی عزت وآبرو، شوہر کے مال اور گھر بار اور اس کے بچوں کے بارے میں خیانت نہ کرے، بس جس عورت میں خیانت نہیں ہے وہ قابل برداشت ہے، اگر تھوڑی زبان کی سخت ہے تو چلو یہ بھی سہی۔ یہ ہدایت مردوں کو فرمائی، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی خود تو چاہے جیسا ہی ہو لیکن بیوی کے بارے میں یہ تصوّر کرتا ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کا عیب نہیں ہونا چاہئے، یہ تو پاک معصوم فرشتہ ہونا چاہئے، نہیں بھائی! یہ نہیں ہوسکتا، تمہیں اپنی کمزوریاں بھی معلوم ہوں گی، کچھ ان کے اندر بھی ہوتی ہیں، اپنی کمزوریوں کا ان کی کمزوریوں کے ساتھ موازنہ کرلو، اس لئے اگر اس کی ایک خوبی تمہیں پسند آجائے تو دوسری ایک کمزوری کی وجہ سے اس سے نفرت نہ کرو۔

دَمِ حرام کا وبال

[حدیث: ۸۴۴] "عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا......، لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا۔" (صحیح بخاری ج: ۲۱، ص: ۱۵۱، حدیث نمبر: ۶۳۵۵، باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى {وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ})

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی ہمیشہ اپنے دین کے معاملے میں کشائش میں رہتا ہے جب تک کہ کسی حرام خون کا ارتکاب نہ کرے۔"

تشریح: آدمی اپنے دین کے معاملے میں کشائش میں رہتا ہے، بندھا ہوا نہیں بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں کھلے ہوئے ہیں، تگ و دو کرسکتا ہے، جب تک کہ کسی خون حرام کا ارتکاب نہ کرے، اگر خون حرام کا نعوذ باللہ ارتکاب کرلیا کسی کو ناحق قتل کردیا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے ہیں، اب یہ دین کے معاملے میں سعی وکوشش نہیں کرسکتا۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوگئی کہ کسی کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ شرک وکفر کے بعد خون ناحق سب سے بڑا گناہ ہے۔ ایک نماز کا چھوڑنا، ایک کسی کو ناحق قتل کرنا اور یہی سبب ہے کہ قیامت کے دن "أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ" (سنن النسائی ۳۴۲/۱۲، ۳۹۲۶، طبرانی ۴۳/۲، ۱۲۴۱)۔ سب سے پہلا حساب بندے کا جس چیز کا ہوگا وہ نماز ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اگر نمازیں پوری نکلیں اور اس میں کامیاب ہوگیا تو ان شاء اللہ باقی چیزوں میں بھی کامیاب نکلے گا، اور اگر پہلے پرچے میں فیل ہوگیا تو باقیوں کے بارے میں کیا توقع کی جائے؟ اور وہاں تو میزان عدل ہے نماز کو

وزن ہوگا، صرف گنتی نہیں دیکھی جائے گی، اگر نماز کا وزن پورا نہ ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے: ''انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ؟'' (نسائی ۲/۲۵۰، ۴۶۱) دیکھو! میرے بندے کے پاس کچھ نفلی نمازیں تو نہیں ہیں؟ وہ بھی اس میں ڈال دو، تاکہ اس کی نماز کا وزن پورا ہوجائے اسی لئے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ سنتیں اور نفل حقیقت میں فرائض کے مکملات ہیں، فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں، اس لئے جہاں تک ممکن ہوسکے نفل نمازوں کا بھی اہتمام کرلینا چاہئے، اللہ کرے کچھ مل ملا کر ہی کام چل جائے۔

سب سے پہلا حساب تو نماز کا ہوگا اور ایک اور حدیث میں فرمایا: ''أَوَّلُ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ'' (صحیح مسلم ۹/۳۰۰، ۸/۳۱۷، نسائی ۱۲/۳۴۳، ۷/۳۹۲) لوگوں کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ خون کا ہوگا یعنی لوگوں کے آپس کے جو معاملے ہیں یعنی حقوق العباد اس میں سب سے پہلے خون کے مقدمات کے فیصلے ہوں گے، اور اس کے بعد تمام حقوق درجہ بدرجہ آئیں گے تمام حقوق کا تصفیہ ہوگا۔

دُوسری بات اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک گناہ کی نحوست سے آدمی طاعات سے محروم ہوجاتا ہے، خون حرام کا ارتکاب کیا تو ہاتھ پاؤں بندھ گئے، اب نیکی نہیں کرسکتا یا یہ کہ اتنا آزاد نہیں رہا، اس کو نیکی کرنے میں مشکل پیش آتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے آدمی کے قلب اور مزاج پر ایک خاص قسم کی تاریکی پھیل جاتی ہے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کے تعلق میں کمی ہوجاتی ہے، اس کی وجہ سے اس کو نشاط نہیں رہتا، بعض لوگوں کو بہت زیادہ وسوسے آیا کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ اس قسم کے خطوط کے جواب میں لکھوا دیتے تھے کہ وسوسے غیر اِختیاری چیز ہے، ان کی پروانہ کی جائے، لیکن یہ دیکھو کہ وسوسے بعض دفعہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے آتے ہیں، کسی گناہ میں تو مبتلا تو نہیں ہو؟ اگر مبتلا ہو تو اس سے توبہ کرو۔

مسلمان کے خلاف ہتھیار اُٹھانا

[حدیث:۴۸۵] ''....أَبُو بَكْرَةَ.... إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ۔'' (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۵۴، حدیث نمبر: ۳۰، بَاب { وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا.......}، صحیح مسلم ج: ۱۴، ص: ۶۲، حدیث نمبر: ۵۱۳۹، بَاب إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا)

ترجمہ: ''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب دو مسلمان تلوار سونت کر مقابلے میں آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔''

دعوت کا قبول کرنا

[حدیث:۸۴۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ......، إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلٰى طَعَامٍ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ۔“ (صحیح مسلم ج: ٦، ص: ١١، حدیث نمبر: ١٩٤٠، بَاب الصَّائِمِ يُدْعَى لِطَعَامٍ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کو کھانے کے لئے بلایا جائے اور وہ روزے دار ہو تو کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں۔“

[حدیث:۸۴۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ......، إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ۔“ (صحیح مسلم ج: ٧، ص: ٢٨٧، حدیث نمبر: ٢٥٨٤، بَاب الْأَمْرِ بِإِجَابَةِ الدَّاعِي إِلَى دَعْوَةٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے بلایا جائے تو دعوت قبول کرے، پھر اگر روزہ دار ہو تو دُعا کر دے، اور اگر روزہ نہ ہو تو کھا کر آجائے۔“

تشریح: پہلی اور دوسری حدیث کا مضمون ایک ہی ہے، صحابی بھی ایک ہے، تخریج کرنے والے کا نام بھی ایک ہے، بس ایک ذرا راویوں کی تعبیرات کا فرق ہے۔

پہلی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہو تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔

دُوسری حدیث شریف میں یہی مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا کہ جس شخص کو کھانے کے لئے بلایا جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے، پھر اگر روزہ دار ہو تو دعا کر کے واپس آجائے نہ کھائے اور اگر روزہ نہ ہو تو کھا کے واپس آجائے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مسلمان کے کھانے کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے۔ بلکہ عقیقے کی دعوت کو تو ضرور ہی قبول کرنا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ“ سب سے بدتر اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں اغنیاء مال داروں کو تو بلایا جائے اور فقراء کو دھتکارا جائے۔

اور اسی حدیث میں آگے فرمایا: ”وَمَن لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ“ (مجمع الزوائد، کنزالعمال ١٦/ ٣٠٨، ٤٤٦٣٢) جس نے کھانے کی دعوت کو قبول نہ کیا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی،

اس لئے اکابر علماء فرماتے ہیں کہ عقیقے کی دعوت کا قبول کرنا واجب ہے، عام حالات میں جبکہ ولیمہ، ولیمہ ہو اور اگر ولیمہ نمائش بن جائے تو اس کے قبول کرنے میں تردّد ہو جاتا ہے، ''إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ أَنْ يُؤْكَلَ'' (طبرانی ۱۰/ ۳۴، ۷۷۱۱ ۴،ابوداؤد ۱۰/ ۱۹۷، ۳۲۶۲،مستدرک الحاکم ۱۶/ ۵۰۰، ۷۲۷۴)۔ جو لوگ مقابلہ کے لئے کھانا کھلاتے ہیں ان کا کھانا کھانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا، ریاکاری، ٹھاٹھ باٹھ اور مقابلہ بن جاتا ہے، تو ایک یہ کہ کھانا ریاکاری کا نہ ہو اخلاص کا ہو، دوسری بات یہ کہ کھانا حلال کا ہو حرام کا نہ ہو۔ جو لوگ بینکوں میں کام کرتے ہیں، انشورنس میں کام کرتے ہیں اور کسٹم میں کام کرتے ہیں، پولیس افسر ہیں، ان کی دعوت کا قبول کرنا حلال نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ یہ سب ذرائع حرام آمدنی کے ہیں، لیکن اب اُمت میں حلال اور حرام کا تصور ہی نہیں رہا، میں تو کبھی کبھی حیران ہوا کرتا ہوں، ہم لوگ مسئلے پوچھتے ہیں اور اس مسئلے کو اپنے نظام میں فٹ کرنا چاہتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کا گردہ بندر کو لگایا جائے، ساری اول سے آخر تک معیشت، معاشرت اور تمام چیزیں یکسر تلپٹ ہو گئی ہیں، تم ہم سے مسئلہ پوچھتے ہو کہ کھڑے ہو کر کھانا جائز ہے؟ صحابہ کے بارے میں پوچھتے ہو کہ یا اس زمانے کے بارے میں؟ سارا نظام ہی غلط ہے، اب ہم کہیں کہ ولیمے کی دعوت کا قبول کرنا واجب ہے تو آپ کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ حبیب بینک کے مالک کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، بینک مالکان کی، اس لئے کہ مولوی صاحب نے مسئلہ بتا دیا تھا۔

چوتھی بات یہ کہ وہاں کسی منکر کا اندیشہ نہ ہو، کھانا بھی حلال کا ہے، کھلاتا بھی اللہ کے لئے ہے، مخلص آدمی ہے لیکن وہاں اس جگہ کوئی منکر ہے اور اب داڑھی منڈے لوگوں کا آنا تو منکرات میں شمار ہی نہیں ہوتا، وہ تو معروف بن گیا اور سوٹ پہن کر انگریزی لباس میں آنا شاید یہ بھی منکرات میں نہیں، یہ بھی کوئی گناہ کا کام نہیں ہے، یہ انگریزوں کی مشابہت ہے، اور حدیث میں ہے: ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' (ابوداؤد ۱۱/ ۴۸، ۳۵۱۲، مشکوٰۃ ۲/ ۴۸۷، ۴۳۴۷، مسند احمد بن حنبل ۱۰/ ۴۰۴، ۴۸۶۸)۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ قیامت کے دن انہی میں سے اُٹھایا جائے گا، یہ تمہارے نزدیک کوئی منکر ہی نہیں ہے، اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط۔ کل ایک نوجوان کہنے لگا کہ لیڈیز آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں، میں نے کہا: میں لیڈروں سے بات کرتا ہوں، لیڈیوں سے بات نہیں کرتا، لیڈروں کے ساتھ لیڈیاں بھی ہوتی ہیں، ایک طرف ٹینٹ لگا دیا جاتا ہے لیکن وہ بھڑکیلے لباس پہن کر اسی دروازے سے گزرتی ہیں، یہ تمہارے نزدیک کوئی منکرات نہیں ہیں، ان دعوتوں میں فوٹو کھینچے جاتے ہیں اور یہ عین تہذیب ہے، مووِیاں بنتی ہیں کیونکہ خوشیوں کے لمحات کو اسکرین میں محفوظ کر لیا جاتا ہے تو اتنی قباحتوں کے ساتھ ولیمے کی دعوت واجب رہ گئی؟

پہلی حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کو کھانے کے لئے بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو کہہ دے

کہ: ''میرا روزہ ہے'' یعنی عذر کر دے، لیکن دوسری حدیث شریف میں پابند کیا گیا ہے کہ اگر روزہ دار ہو تو چلا جائے گھر میں، دُعا کر کے چلا جائے، اور اگر روزہ نہ ہو تو کھا کر آ جائے۔ سبحان اللہ! کیا مکارم اخلاق کی تعلیم فرمائی کہ کھانا کھانے سے تو عذر ہے لیکن ایک مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ بلاتا ہے تو اس کے گھر پر حاضری دی جائے، اس لئے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے، اسلامی اخوت بڑھتی ہے۔

کسی پر لعن طعن کا وبال

[حدیث:۸۴۸] ''عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ ......، لَا تُصَاحِبْنَا نَاقَةٌ عَلَيْهَا لَعْنَةٌ۔''

(صحیح مسلم ج:۱۲ ص:۴۹۰، حدیث نمبر:۴۷۰۰، بَاب النَّهْيِ عَنْ لَعْنِ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا)

ترجمہ: ''حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے ساتھ وہ اُونٹنی نہ رہے جس پر لعنت ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ایک واقعہ ہے کہ ایک سفر میں کسی خاتون نے اپنی اُونٹنی پر لعنت کی، ٹھیک سے چلتی نہیں تھی تو عورتیں بے چاریاں لعنت کے معاملے میں بہت کمزور واقع ہوئی ہیں، اس نے اس کو کہہ دیا ''لَعَنَهَا الله'' اس پر اللہ کی لعنت ہو، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی اور ارشاد فرمایا: جس اُونٹنی پر لعنت ہے وہ اب ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی، ملعون اُونٹنی ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی اس کو الگ کر دیا جائے، اس کو ہمارے قافلے سے الگ کر دیا جائے۔

اس حدیث میں ایک ادب بتایا گیا ہے کہ جانوروں پر بھی لعنت نہ کی جائے، دوسرا ادب یہ بتایا گیا ہے کہ اگر جانور پر یا کسی انسان پر لعنت کرو گے تو اگر وہ مستحق لعنت ہوا تو اس پر لعنت پڑ جائے گی اور اگر وہ مستحق لعنت کا نہ ہوا تو تم پر آ کر پڑے گی۔ دونوں میں سے ایک تو ملعون ہو گا جس پر تم لعنت کرتے ہو اگر وہ مستحق لعنت ہے تو وہ ملعون ہو گیا اور اگر وہ مستحق لعنت کا نہیں تو پھر یہ لعنت تم پر پڑے گی، پھر تم اس کے خمیازے سے چھوٹ نہیں سکتے۔ لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دُور ہو جانا، اس کو اللہ کی رحمت نصیب نہ ہو گی، اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ کسی پر لعنت کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنا سنگین ہے کہ تم دُعا کر رہے ہو کہ اس کو اللہ کی رحمت نصیب نہ ہو، اور اسی لئے کسی پر لعنت کرنا جائز بھی نہیں، سوائے اس کے کسی گروہ کا نام لیا جائے جیسے ﴿لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝۶۱﴾ (آل عمران) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت، ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۝۴۴﴾ (الاعراف)۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ قرآنِ کریم میں اسی کو ذکر فرمایا ہے، جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہونا معلوم ہے اس پر لعنت جائز نہیں اور جس کا خاتمہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ کفر پر ہوا ہے، اس پر

لعنت کرنا جائز ہے، لیکن کوئی کارِثواب نہیں اِلّا یہ کہ اس سے کسی کو نفرت دلانا مقصود ہو، مثلاً غلام احمد قادیانی کا نام لیتے ہوئے یہ کہو کہ مرزا العین نے یہ کہا ہے، ملعون، خبیث۔ تو مقصود تنفیر ہے لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت بٹھانا، اور وہ ملعون تو ہے ہی اس میں کیا شک ہے؟ تو جس شخص کا خاتمہ کفر پر معلوم ہے اس پر لعنت کرنا جائز ہے اور جس کا خاتمہ کفر پر معلوم نہیں اس پر لعنت نہ کی جائے۔ یہ ہمارا اہلِ سنّت والجماعت کا مسلک ہے، اسی لئے یزید پر لعنت کرنا صحیح نہیں، گناہگار تھا، اس سے غلطیاں ہوئی ہیں لیکن جب تک کہ کسی دلیل قطعی سے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، اس وقت تک اس کے لئے لعن کرنا ناجائز ہے، اور لعنت نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اس کو دُنیا کی مقدّس ہستی قرار دے رہے ہیں، اب کچھ ہیں جو "مادحِ یزید" ہیں، اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور یہ مقابلے میں شیعوں کے اور یہ شیعہ ان پر نہیں ان کے باپ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) پر بھی لعنت کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ سیڑھی ہے صحابہ کرام پر لعنت کرنے کی۔

تو میں عرض کر رہا ہوں کہ اہلِ سنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ یزید پر بھی لعنت نہ کی جائے، لعنت نہ کی جائے اس سے قطع نظر کہ وہ لعنت کا مستحق تھا یا نہیں؟ یہ دوسری بات ہے، اس پر چاہے بحث کرو یا نہ کرو، لیکن لعنت نہ کرے، مؤمن لعّان اور سبّاب نہیں ہوتا، گالیاں بکنے والا اور لعنت باز نہیں ہوتا، مؤمن ایسا نہیں ہوتا، اور یہ "مؤمن" ہی ہوتے ہیں، اللہ کی شان ہے کہ منافق کا نام "مؤمن" اور اہلِ بدعت کا نام "اہلِ سنّت"، حبشی کا نام کافور اسی لئے تو کبیرہ روتا تھا، کبیرہ بے چارہ کیوں روتا تھا؟ اسی لئے تو روتا تھا کہ:

ترنگی کو نارنگی کہیں اور بنے دُودھ کو کھویا

چلتی کا نام گاڑی رکھا یوں دیکھ کر کبیرہ رویا

اتنے خوش رنگ کو "نارنگی" کہہ دیا اور جس دودھ کا پانی نکل گیا اصلی رہ گیا اس کو کہہ دیا "کھویا" وہ کھویا کہاں وہ تو بن گیا، چلتی ہوئی چیز کو کہہ دیا کہ یہ گاڑی ہوئی چیز ہے، انہی اُلٹی سیدھی باتوں کو دیکھ کر تو کبیرے کو رونا آتا ہے۔

اہلِ بدعت نے اپنا نام "اہلِ سنّت" رکھ رکھا ہے، انا للہ! دُنیا بھر کی خرافات کرو اور "اہلِ سنّت" کہلاؤ۔ اور ان کے دین و مذہب کی بنیاد ہی نفاق ہے، انہوں نے اپنا نام "مؤمن" رکھا ہوا ہے، ہم تو کچھ نہیں کہتے بھائی! تم جو چاہو کہو، "جَو فروشی اور گندم نمائی" بیچتے ہیں جَو، اور دِکھاتے ہیں گندم!

کسی کی تعریف میں مبالغے کی ممانعت

[حدیث:۸۴۹] "......جَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمِنبَرِ...... لَا تُطْرُونِي كَمَا

أُطْرِيَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ۔"

(صحیح بخاری ج:۲۱،ص:۱۰۶، حدیث نمبر:۶۳۲۸،بَابُ رَجْمِ الْحُبْلَى مِنَ الزِّنَا إِذَا أَحْصَنَتْ)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو، جیسے کہ عیسیٰ بن مریم کے حق میں مبالغہ کیا گیا، مجھ کو یوں کہا کرو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں مبالغہ کیا۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: "فَقَالُوْا ابْنُ اللهِ" مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو بڑھایا، پس انہوں نے کہا: اللہ کا بیٹا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، سو کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

یہاں پر یہ بات یاد رہنا چاہئے کہ کسی کی تعریف کرنا، کبھی تو اس کے پیمانہ قدر و منزلت کے مطابق ہوتا ہے یعنی جتنا اس کا مرتبہ ہے اتنی اس کی تعریف کررہا ہے، یہ تعریف تو ٹھیک اور کبھی اس کے مرتبے سے نیچے تعریف کی جاتی ہے اس کو تقصیر فی المدح کہتے ہیں، جیسے کہ کمشنر کو کہا جائے کہ یہ پٹواری ہے، یہ تعریف نہیں توہین ہے، بادشاہ کا تعارف کسی سے کروایا جائے تو کہا جائے کہ یہ ہمارے علاقے میں ڈپٹی کمشنر ہیں، یہ توہین کہلاتا ہے۔

غرضیکہ کسی کے مرتبے سے کم بیان کرنا، یہ تقصیر فی المدح کہلاتا ہے، اور کسی کے مرتبے سے اس کو بڑھا دینا، یہ "اطراء" کہلاتا ہے، اور یہ حقیقت میں مذاق تصور کیا جاتا ہے، جیسے اس پٹواری اور ڈپٹی کمشنر کی مثال، کوئی پٹواری یا تحصیل دار ہے تم اس کا تعارف کراتے ہو کہ جی یہ ہمارے علاقے کے ڈپٹی کمشنر ہیں، اور یہ تعارف بھی آپ کروا رہے ہیں ڈپٹی کمشنر کے سامنے تو یہ سن کر غریب پٹواری کا کیا حال ہوگا؟ کوئی فوج میں کیپٹن ہے تو فوجیوں کے مجمع میں آپ کہتے ہیں یہ جرنیل ہے، یہ اس کے مرتبے سے اس کو زیادہ بڑھایا، اور وہ اس تعریف سے خوش نہیں ہوگا بلکہ شرمندہ ہوگا اور تمہاری تعریف کرنے پر اس کو غصہ آئے گا، اس کو "اطراء" کہتے ہیں، اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مجھے نہ بڑھاؤ، جیسے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، یعنی میرے مرتبے سے مجھے اُوپر نہ لے جاؤ، اب کائنات میں سب سے اُونچا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ کو آپ کے مرتبے سے بڑھانے کا مطلب یہی ہوگا کہ خدائی حدود میں آپ کو دخیل بنائے جائے۔

جہاں تک مخلوق کا دائرہ ہے اس میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مبالغہ ہے ہی نہیں جو کچھ کہہ سکتے ہو کہہ دو، تعریف کرتے رہو، لیکن مخلوق کے دائرے میں رہتے ہوئے، علّامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بُردہ میں فرماتے ہیں:

دَعْ مَا ادَّعَتِ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ وَاحْتَكِمِ

اطراء یعنی مبالغہ یا حد سے بڑھانا یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ آنحضرت ﷺ کو مخلوق کے دائرے سے نکال کر خالق کے دائرے میں لے جانے کی کوشش کی جائے گی اور وہ کیسے؟ وہ عقیدے کی رُو سے بھی ہوسکتا ہے اور عمل کی رُو سے بھی، عقیدے کی رُو سے تو یوں کہ تمام اختیارات اس کارخانۂ عالم کے رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں ہیں، مختارِ کُل ہیں آپ ﷺ، جبکہ قرآنِ کریم میں آپ ﷺ سے اعلان کروایا گیا کہ: ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ (الاعراف:۱۸۸) اگر میں غیب جانتا تو میں اپنے لئے دُنیا بھر کی بھلائیاں جمع کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

علمِ غیب کی بھی نفی، مختارِ کُل کی بھی نفی، لیکن کہنے والوں نے بھی باقاعدہ مختارِ کُل ہی لقب دے دیا، ''نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ'' کہہ دیا۔ ''من'' کا معنی: میں سے، اللہ کے نور میں سے نور۔

یہ بات تو اب معلوم ہوئی کہ اللہ کے بھی حصے ہوتے ہیں ان لوگوں سے یہ معلوم ہوا، ورنہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غیر متجزی ہے، وہ حصوں سے، ابعاد سے، اجسام سے پاک، تو یہ عقائد اگر رکھے جائیں تو یہ وہ اطراء ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، وہ ''ابن اللہ'' کہتے تھے، تم ''نور اللہ'' کہتے ہو، ''نور اللہ'' کیا بعضوں نے تو کہا کہ صرف میم کا پردہ ہے، احد اور احمد میں صرف میم کی مروڑی کا پردہ ہے، احد اور احمد، میم ہٹادی احد بن گیا۔ میم کو لگادیا تو احمد بن گیا، احد اور احمد میں میم کے سوا کوئی فرق نہیں۔

بعضوں نے اس کو شاعرانہ زبان میں یوں کہا کہ: ''میم کا برقع پہن کر آئے'' یعنی اللہ میاں تشریف لائے ہیں میم کا برقع پہن کر اور میم کا برقع پہننے کا مطلب یہ ہے کہ محمد کی شکل میں اللہ آئے ہیں... نعوذ باللہ...! سیدھا کفر کیوں نہیں کہتے؟ ہمارے دین کی دین اسلام کی یہ تعلیم ہے؟ تم کچھ تو انصاف کرو! جس دین کی بنیاد: ''یَا أَیُّهَا النَّاسُ! قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا'' صرف ایک ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' پر ہے، مگر یہ ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' معتبر نہیں ہوگا، جب تک اس پر ''محمد رسول اللہ'' کی مہر نہ لگی ہوگی، ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ''۔

تو میرا بھائی! رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اللہ کے پیارے ہیں، اللہ کے رسول ہیں، پوری کائنات سے افضل ہیں، سیّد الرسل ہیں، سیّد الابرار ہیں، قائد غُرِّ الْمُحَجَّلِیْن، جتنی تعریفیں تم کرسکتے ہو کرو، خاتم الانبیاء، قائد الانبیاء اور نبی الانبیاء ہیں، جو کچھ چاہو کہو، تمہیں کون روکتا ہے؟ لیکن جب تم حضورِ اقدس ﷺ کے لئے خدائی منصب دینا چاہو گے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ سفیر صاحب کو بادشاہ کے سامنے کہا جائے کہ یہ بادشاہ ہیں، وزیر کو بادشاہ کے سامنے یہ کہا جائے جبکہ دونوں

ایک مجلس میں موجود ہیں، آپ وزیر کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ بادشاہ ہیں، یا بادشاہ کے آداب اس کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس وزیر کا کیا حال ہوگا؟ بادشاہ کو چھوڑ کر اس کے ساتھ معاملہ کیا جارہا ہے بادشاہ کا۔

سورۂ مائدہ کے آخر میں: ﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے! ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (المائدۃ:۱۱۶) کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالینا اللہ کو چھوڑ کر؟ کیا یہ تو نے کہا تھا؟ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا، قرآنِ کریم ہی نے اس کا جواب دیا:

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۝۱۱۶﴾ (المائدۃ)

توبہ توبہ توبہ! سبحانک! مجھ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو آپ کو علم ہوگا (آپ کے علم میں یہ بات نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ بات کہی نہیں) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے پاس ہے، بے شک آپ ہی غیبوں کو جاننے والے ہیں۔

چھوٹی سی بات کہنی تھی کہ: ''میں نے نہیں کہا!'' اس کی بھی کتنی لمبی تمہید باندھ رہے ہیں، اور پھر بھی یہ نہیں کہا کہ: ''میں نے نہیں کہا'' بلکہ فرمایا: ''میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا''۔

خیر مجھے یہ کہنا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے اور یہ بات سن کر لرزنے لگیں گے، کوئی معمولی بات ہے! حالانکہ ان کا کیا قصور؟ انہوں نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھے خدا بنالو، یہ عیسائیوں نے غلطی اور نہایت ناسمجھی کی ہے، لیکن بتانا یہ ہے کہ ان کی تعریف میں جو مبالغہ کیا گیا اس سے ان کو خوشی نہیں ہوئی، بلکہ اس سے ان کو اذیت پہنچتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں بھی جو لوگ کہ ایسی بات کہتے ہیں، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی اور مسرّت نہیں ہوتی بلکہ آپ کو اذیت پہنچتی ہے۔

زائد پانی کو روکنا

[حدیث:۸۵۰] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.....، لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ

لِتَمْنَعُوْا بِهِ فَضْلَ الْكَلَإِ۔" (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۱۶۸، حدیث نمبر: ۲۱۸۳، بَاب مَنْ قَالَ إِنَّ صَاحِبَ الْمَاءِ أَحَقُّ بِالْمَاءِ حَتَّى يَرْوَى...، صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۱۰، حدیث نمبر: ۲۹۲۸، بَاب تَحْرِيمِ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ الَّذِي يَكُونُ بِالْفَلَاةِ وَيُحْتَاجُ..)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ روکو زیادہ پانی کو تاکہ اس کے ذریعے روک لو زیادہ چارے کو۔"

تشریح: اس حدیث میں ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہ مسئلہ یوں سمجھو کہ جو گھاس کہ تم نے کاشت کی ہو یا چارہ جیسے: برسیم، مکئی، باجرہ، جو تم نے خود کاشت کیا ہے تم اس کو روک سکتے ہو، تم کسی کو نہ دو تو تمہیں روکنے کا حق ہے، اس کو تم فروخت بھی کر سکتے ہو لیکن جو چارہ کہ خودرو ہو، برسات کے موسم میں کچے علاقوں میں خودرو چارہ بہت ہوتا ہے، ہمارے یہاں بہت ہوتا ہے قد آدم سے بھی اُونچا ہوتا تھا تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے کھیت میں ملکیتی کھیت میں وہ خودرو چارہ ہے تو کسی کو آنے اور کاٹنے سے نہیں روک سکتا، اس پر کسی کا حق نہیں بلکہ جو کاٹ لے وہ اس کا ہے، کوئی بکریاں چرانا چاہے چرائے، شریعت کی طرف سے قانون ہے کہ مالک نہیں روک سکتا، کسی شخص کا کنواں ہے اب جبکہ مویشیوں کو چرانے کے لئے لوگ آئیں گے تو کنویں کا پانی بھی پینا پڑے گا، تو بعض لوگ یہ ترکیب کرتے تھے کہ اچھا تم چارہ تو چرا سکتے ہو ہم نہیں روک سکتے شریعت کی طرف سے ممانعت ہے، لیکن کنواں ہماری ملکیت ہے ہم پانی نہیں پینے دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی پابندی لگادی فرمایا: "لَا تَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَاءِ" زائد پانی سے منع نہ کرو تاکہ نہ منع کرو زائد چارے سے یعنی زائد پانی جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے اس سے بھی نہ روکو تاکہ تم روک دو اس کے ذریعے زائد گھاس سے یعنی زائد گھاس کاٹنے سے روکنے کے لئے تم پانی سے روکو یہ بھی جائز نہیں۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ کھیت میری ملکیت ہے میں نہیں آنے دیتا کسی کو، بالکل صحیح! کھیت تمہاری ملکیت ہے لیکن گھاس تمہاری ملکیت نہیں، اب یا تو تم ایسا کرو کہ تم لوگوں کو آنے دو تاکہ وہ کاٹ کرلے جائیں تو اس کے مالک نہیں، یا ایسا کرو کہ خود کاٹ کر اپنے کھیت کے باہر پھینکو تاکہ لوگ وہاں سے اُٹھائیں لہٰذا خودرو گھاس کا کوئی مالک نہیں سوائے اس شخص کے جس نے اس کو کاٹ لیا ہو، جس نے اس کو کاٹ کر باندھ لیا یہ اس کا مالک ہو گیا، اب اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی اور کو نہ دے یا اس کی قیمت وصول کرے کیونکہ کاٹ لینے کے بعد وہ اس کا مالک ہو گیا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے جنگل میں ٹوٹی پھوٹی لکڑیاں ہوتی ہیں اور لکڑہارے لکڑیاں چنا کرتے ہیں تو

جب تک کہ ان لکڑیوں کو کسی نے جمع نہیں کیا ہے کوئی اس کا مالک نہیں۔ لیکن جب ان لکڑیوں کا گٹھا بنالیا ایک جگہ جمع کرلیا تو وہ اس کا مالک ہے اب اس سے چھیننا کسی کے لئے حلال نہیں۔

لعنت کرنا بُرا عمل ہے

[حدیث: ۸۵۱] ”عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ......، إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔“

(صحیح مسلم ج:۱۲ ص:۴۹۳، حدیث نمبر:۴۷۰۳، بَابُ النَّهْيِ عَنْ لَعْنِ الدَّوَابِ وَغَيْرِهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک لعنت کرنے والے نہ گواہ ہوں گے، نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے قیامت کے دن۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے، نہ شفیع یعنی سفارشی ہوں گے، کیونکہ کسی مؤمن کو شفاعت میں داخل کرنا اس کو رحمت میں داخل کرنے کے مترادف ہے، اور کسی کی شفاعت کرنا بھی اس کو رحمت میں داخل کرنے کے لئے ہے، اور لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دُور ہونا، تو یہ تو مانگتا تھا لعنت یعنی یہ تو مسلمانوں کے لئے اللہ کی رحمت سے دُوری مانگتا تھا، تو اس کو قیامت کے دن شفیع اور گواہ نہیں بنایا جائے گا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی مؤمن یا کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے کہ جن کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا ہے، جیسے ابولہب، ابوجہل اور پکے پکے کافر، وہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابولہب ملعون، لعنۃ اللہ علیہ۔ لیکن اہل سنّت لعن طعن نہیں کرتے، بلکہ اہلِ سنّت کا مذہب ہے کہ کسی کافر پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں۔

یزید پر لعنت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں ہمارے یہاں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تھا ہی ملعون اس لئے لعنت کرنا جائز ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں! خدا جانے کس حال میں ہے، گناہگار تھا، لعنت کرنا اس پر جائز نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ لعنت کا مستحق نہیں، ہوسکتا ہے کہ توبہ کرلی ہو اس نے، جس شخص کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ کفر پر مرا ہے صرف اس پر لعنت کرسکتے ہیں، لیکن یہ بھی عبادت نہیں، دُرود شریف پڑھو، تسبیح پڑھو ثواب ملے گا، لیکن اگر تم کہو ”ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ، لعنۃ اللہ علیہ“ ثواب نہیں، لعنت کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں، لیکن وہ بڑا عجیب مذہب ہے جس میں لعنت کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

بدگمانی سے بچنا چاہئے

[حدیث:۸۵۲] ”قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ.....، قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ.....۔“ (صحیح بخاری ج:۱۶، ص:۱۱۰، حدیث نمبر: ۴۷۴۷، باب لَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَدَعَ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ بدگمانی سے بچو! اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، بدگمانی یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے پاس ہی سے اپنے ذہن سے تراش لیتا ہے کہ فلاں آدمی میرے بارے میں بات کرتا ہوگا اور اس نے میرے بارے میں فلاں بات کی ہوگی فلاں شکایت کی ہوگی یا میرے خلاف سازش کی ہوگی حالانکہ اس بیچارے کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں، یہ ہے: أَكْذَبُ الْحَدِيثِ۔

مظلوم کی بددُعا سے بچو

[حدیث:۸۵۳] ”عَنْ أَنَسٍ..... إِيَّاكُمْ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ وَإِنْ كَانَ كَافِراً۔“

ترجمہ: ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مظلوم کی بددُعا سے بچو! اگرچہ مظلوم کافر ہی ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچو چاہے وہ کافر ہو، مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی یا مسلمان آدمی اس کی بددُعا سے تو بچنا ہی چاہئے، کافر کی بددُعا سے بھی بچنا چاہئے بلکہ بعض اکابر نے فرمایا کہ کافر کی بددُعا سے زیادہ بچنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعا میں فرمایا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ، یااللہ! قیامت کے دن کسی فاجر کا میرے ذمے ایسا حق نہ ہو جس کو مجھے ادا کرنا پڑے، اسی طرح کافر کا اگر کسی کے ذمے حق ہے تو کتنی شرم کی بات ہے کہ قیامت کے دن ایک کافر مسلمان کو پکڑے پھر رہا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل ہوگا، کافر کا بدلہ مسلمان سے دلوایا جائے گا، بہرحال کسی مظلوم کی بددُعا سے آدمی کو بچنا چاہئے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن بھیجا تھا تو آخری وصیت یہ فرمائی تھی وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مظلوم کی بددعاء سے بچنا۔ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ (بخاری ۵/۵۶، ۳، ۱۴۰۱) اس لئے کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا، سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے، مظلوم کی بددُعا سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

بترس از آہ مظلوماں ہنگام دعا کردن
اجابت از دروے بہر استقبال می آید

ترجمہ: ”مظلوموں کی بددُعا سے بچو اس لئے کہ جب وہ بددُعا کرتے ہیں تو قبولیت اللہ تعالیٰ کے دربار سے استقبال کے لئے آتی ہے۔“

یتیم کی کفالت کرنے والے کے لئے عظیم خوشخبری

[حدیث:۸۵۴] ”.....سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔“ (صحیح بخاری ج:۱۸، ص:۴۱۷، حدیث نمبر:۵۵۴۶، بَاب فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا)

ترجمہ: ”حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا یہ دونوں جنّت میں مثل ان دو انگلیوں کے ہوں گے یعنی درمیانی انگلی اور سبابہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ میں اور یتیموں کی کفالت کرنے والا جنّت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے، مطلب یہ کہ یتیموں کی کفالت کرنے والے کو آنحضرت ﷺ کا قرب نصیب ہوگا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی نصیب فرمائے اور رسول اللہ کی شفقت و رحمت میں بھی حصہ عطا فرمائیں) اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت پر جتنے احسان فرمائے ہیں ہم لوگ کیا حق ادا کرسکتے ہیں لیکن کچھ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائیں۔

جانوروں کو تکلیف نہ دیں

[حدیث:۸۵۵] ”.....أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ.....، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا أَنْ لَا يَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ۔“ (صحیح بخاری ج:۱۰، ص:۱۹۰، حدیث نمبر:۲۷۸۳، بَاب مَا قِيلَ فِي الْجَرَسِ وَنَحْوِهِ فِي أَعْنَاقِ الْإِبِلِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوبشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا باقی نہ رہے کسی اُونٹ کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کوئی اور گنڈا مگر اس کو کاٹ ڈالا جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ اُونٹوں کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کسی

اور چیز کا رکھا جائے، تانت یعنی چمڑا کاٹ کر اس کو جانوروں کے گلے میں پہناتے تھے اور کبھی کبھی آگے کے گنڈے پہناتے تھے اور کسی اور قسم کا گنڈا پہنانا دو طرح سے ہوتا تھا کبھی تو اس لئے کہ اس میں بجنے والے گھنگھرو ڈال دیتے تھے، جب اُونٹ چلتا تھا اپنی گردن ہلاتا تھا، اس کی آواز آتی تھی، اس آواز کی وجہ سے وہ مست ہوتا تھا۔ اور کبھی وہ نظر اُتارنے کے لئے، نظر دُور کرنے کے لئے ان کو قلادے پہناتے تھے، گانیاں پہناتے تھے، یہ تین قسم کے قلادے ہوتے تھے:

ایک تانت کا یعنی چمڑے کا اس کو باریک کاٹ دیا جاتا تھا دھاگے کی طرح وہ پہناتے تھے، علماء فرماتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ تو یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ جانور چرتے ہوئے کسی درخت کے ساتھ وہ اٹک جائے اور جانور جب کھینچے گا تو چونکہ وہ بہت تیز ہوتا ہے اس لئے جانور کے گردن کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے، بڑی آسانی کے ساتھ کاٹ دیتا ہے، جہاں تک ایسے قلادے کا جس میں کہ گھنٹیاں ہوں گھنگھرو ہوں اس کی ممانعت اس لئے فرمائی گئی کہ اس کو مِزْمَارُ الشَّیْطٰنِ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے قافلے میں کوئی ایسا جانور نہ رہے جس میں گھنٹی ہو کیونکہ جس قافلے میں کسی جانور کے گلے میں گھنٹی ہوتی ہے بجنے والا گھنگھرو ہوتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور تیسری قسم کے گنڈے جو نظر بد کے لئے ڈالے جاتے ہیں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فلاں رنگ کا اگر پہنایا جائے تو نظر نہیں لگتی جیسے کہ اس زمانے میں بھی بہت سے بدعقیدہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، تم نے پٹھانوں کی بسوں کو دیکھا ہوگا پیچھے کالے کپڑے لٹک رہے ہوتے ہیں یہ جہالت ہے، کپڑا نظر بد کو دُور نہیں کرتا، نہ وہ اللہ کی تقدیر کو ٹالتا ہے۔ اور بعض جاہل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بلا کالے رنگ کی ہوتی ہے اگر کوئی بلا آئے گی تو رنگ پر عاشق ہو کر اس پر پڑے گی ہمارا ٹرک محفوظ رہے گا، تو یہ جاہلیت کے عقائد تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے پامال کیا اور ان کی ممانعت فرمائی۔ (لیکن شریعت سے ہٹ کر بطور ٹوٹکہ کے اس قسم کی حرکتیں جائز ہیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔)

جاندار کو نشانہ نہ بنانا چاہیے

[حدیث:۸۵۶] ’’عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ......، لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا۔‘‘ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۱۲۵، حدیث نمبر: ۳۶۱۷، بَاب النَّهْيِ عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ، جاہل لوگوں میں بڑی

گندی گندی رسمیں تھیں ان میں سے ایک یہ کہ زندہ جانور کی چکی جیسے دنبے کی چکی ہوتی ہے پیچھے اس کو کاٹ لیتے تھے اور کاٹ کے پکاتے تھے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اب جانور کو کتنی تکلیف ہوتی تھی اور جانور کو اسی طرح چھوڑ دیتے تھے اس کو فرمایا کہ یہ مردار ہے اور ایک یہ کہ لہو ولعب کے لئے کھیل تماشے کے طور پر جانور کو باندھ دیتے تھے اور اس کو تیروں کا نشانہ بناتے تھے ایسے بے رحم لوگ تھے، آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ نہ صرف یہ کہ جانور بلکہ کوئی بھی چیز جو روح والی ہو اس کو تختۂ مشق نہیں بنانا چاہئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا یوں کہئے کہ دین نے آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین نے تمام چیزوں کے حقوق محفوظ کئے ہیں حتی کہ جانوروں کے بھی حقوق محفوظ کئے ہیں اور اس کے بارے میں بھی ہدایتیں عطا فرمائی ہیں، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جانور کی پشت کو ممبر نہ بنایا کرو یعنی جانور پر بیٹھے ہوئے ہیں باتیں کررہے ہیں، اب جانور بوجھ کے نیچے ہے تین من کی لاش کے نیچے ہے اور بیٹھے ہوئے باتیں کررہے ہیں اس کو احساس ہی نہیں ہے، اگر بات کرنی ہو اور بات لمبی ہو تو جانور کی پشت سے نیچے اُتر آؤ، اگر دو تین منٹ کی بات ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر چلتے بات کرلی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن لمبی بات کرنے کی اجازت نہیں جانور کے اوپر تاکہ بلاوجہ جانور بوجھ کے نیچے نہ دبے۔

آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں اور عرفات میں خطبہ ناقہ پر دیا تھا اس پر اِشکال کیا جائے گا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل تو اس کے خلاف ہوا پھر اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا ناقہ کی پشت پر خطبہ دینا کیونکہ مجمع بہت زیادہ تھا اب اتنا تمہارے ہاں جلسے ہوتے ہیں تو ہزاروں روپے اسٹیج پر خرچ کردیتے ہیں لوگ، تو آنحضرت ﷺ نے ضرورت کی بنا پر ایسا کیا اور دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بوجھ سے اُونٹ کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ خوشی ہوتی تھی اس ناقہ کے لئے صد جائے مسرّت تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کی پشت پر تشریف فرما ہوں اور وعظ و نصیحت کے لئے اس کی پشت کو منبر بنایا جائے، اس کے لئے تو یہ سعادت ہی سعادت تھی جیسا کہ منیٰ میں جب آنحضرت ﷺ اُونٹ ذبح فرما رہے تھے تو سات ناقائیں آگے بڑھ رہی تھیں بِأَيِّ أَنْ يَّبْدَأَ کہ کس کے ساتھ آنحضرت ﷺ ابتداء فرماتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ عالی پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا کہ سفر میں جانور کو لے جاؤ تو اسے تھکا کر نہ چھوڑو بلکہ اِرْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً جب اس میں صلاحیت ہو تازہ دم ہو اس وقت اس پر سواری کرو اور ابھی اس کی صلاحیت باقی ہے جانور آگے بھی چل سکتا ہے لیکن اس کو چھوڑ دو، یہ نہیں کہ اس کے خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر اس کو چھوڑو۔ اور اس حدیث شریف میں فرمایا اِتَّقُوا اللهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ ان بے زبان جانوروں کے

بارے میں اللہ سے ڈرا کرو یہ بے زبان ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور اُونٹ کا قصہ تو بہت ہی مشہور ہے جو آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں شا کی ہوا تھا۔

آپ ﷺ سفر میں تھے ایک اُونٹ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا سجدہ کیا، اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا، ارشاد فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ ایک شخص آیا کہا کہ میرا اُونٹ ہے! فرمایا کہ تم میرے پاس اس کو بیچ سکتے ہو؟ کہا کہ یارسول اللہ! گھر میں ایک ہی اُونٹ ہے اور باہر دُور دُور سے پانی لانا ہوتا ہے۔ فرمایا: بیچتے نہیں ہو تو مجھے ہدیہ ہی کردو! کہا کہ یارسول اللہ! ہدیہ تو کردیتے لیکن یہی عذر ہے، فرمایا کہ تمہارے اُونٹ کی تو ہمیں ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ شکایت کررہا ہے کہ چارہ کم دیتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو، ایسا نہ کیا کرو! اس نے کہا کہ آئندہ نہیں ہوگا۔ اور اس طرح یہ ہدایت فرمائی کہ جب کبھی ارزاں سالی میں جب بارشیں ہوں اور ماشاء اللہ ہر جگہ سبزہ ہے، سفر کرو تو راستے میں جانور کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو، ان کو چراتے ہوئے جایا کرو۔ اور اگر خشک سالی ہو، راستے میں سبزہ نہیں تو ذرا جلدی تیزی سے سفر کرلیا کرو، تاکہ جانور کو تم وقت پر چارہ وغیرہ دے سکو۔ تو مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کی نہیں بلکہ جانوروں تک کی رعایت فرمائی ہے، ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

اور آج کی بے وقوف عورتوں کو بتادیا گیا ہے کہ مرد لوگ تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکتے، لہٰذا پارلیمنٹ میں عورتوں کی نشستیں ہونی چاہئیں۔ اب کتنی ہونی چاہئیں بھائی؟ بے نظیر ہو یا نواز شریف یا کوئی اور ایرا غیرا ہو، میں پوچھنا چاہتا ہوں کتنی نشستیں دے دوگے عورتوں کو ۲۰ دے دیں گے جی، تف، کھلا، تمہاری اسمبلی اگر ۲۵۰ کی یا ۳۰۰ کی ہے تو ڈیڑھ سو نشستیں عورتوں کو دو میں دیکھتا ہوں کیسی اسمبلی چلتی ہے؟ یہ تمہارے مردوں نے جیسے چلائی ہوئی ہے، بھائی نصف انسانیت ہے آدھے ووٹ مردوں کے ہیں آدھے عورتوں کے تو لازم ہے کہ عورتوں پر عورتیں ہوں اور مردوں پر مرد ہوں، دنیا کی کسی اسمبلی میں یہ قانون ہے؟ پھر ہمیں سبز باغ کیوں دکھاتے ہو؟ ان بیچاری ناقصات العقل کو کیوں دھوکا دیتے ہو؟ اگر تم عورتوں کے حقوق کا علم اُٹھار ہے ہو تو آؤ ذرا ہمیں انصاف کرکے دو امریکہ کی پارلیمنٹ میں، برطانیہ کی یا کسی اور ترقی یافتہ ملک کی پارلیمنٹ میں یہ مثال موجود ہے کہ آدھی سیٹیں مردوں کی ہوں اور آدھی عورتوں کی ہوں؟ کہتے ہیں: نہیں پوری دنیا میں نہیں! یہ حقوقِ نسواں کے علم بردار ہیں ان سے پوچھو کہ یہ بے انصافی کیوں کی؟ اور یہ ڈھائی سو مردوں کے مقابلے میں دس بیس عورتیں اسمبلی میں چلی بھی جائیں تو سوائے اس کے کہ وہ اپنا ہار سنگھار مردوں کو دکھائیں اور کیا فائدہ دیں گی؟ محض دھوکا ہے ابلیس نے دیا ہے ان کو، اور یہ ناقصات العقل والدین رسول اللہ ﷺ نے تو ان کو فرمایا ہی تھا یہ دھوکے میں آگئیں بیچاری کہ مرد ہمارے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکتے، لہٰذا عورتوں کو نشستیں دو، نمائندگی دو، میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور ائمہ دین ان کے بارے

میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کی؟ معلوم ہوا کہ یہ خیال ہی غلط ہے۔ اور پھر میں کہتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ عورت یا ماں ہوتی ہے، یا بیٹی ہوتی ہے، یا بہن ہوتی ہے، یا بیوی ہوتی ہے، یہ چار مقدس رشتے ہیں، کیا شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ بیٹا اپنی ماں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ اور کیا بھائی سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ بہن کے حقوق کا تحفظ کرے گا؟ اور کیا باپ سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنی بیٹی کے حقوق کا تحفظ کرے گا؟ وہ تو ان کی آبرو کے محافظ ہیں، تم حقوق کی بات کرتے ہو، کچھ تو شرم کرو! مرد تو تمہاری آبرو کا محافظ ہے، خواہ باپ کی شکل میں ہو، بیٹے کی شکل میں ہو، بھائی کی شکل میں ہو، یا شوہر کی شکل میں ہو، تمہیں کس نے کہہ دیا کہ مرد تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ صرف ابلیس نے پھونک ماری اور کچھ نہیں۔

اپنے عہد ووفاء کو پورا کرو

[حدیث:۸۵۷] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ.......، لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهِ.........“

(صحیح مسلم ج:۹، ص:۱۶۳، حدیث نمبر: ۳۲۷۲، بَاب تَحْرِيمِ الْغَدْرِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر غدار یعنی عہد شکنی کرنے والے اس کے لئے ایک جھنڈا ہوگا قیامت کے دن بقدر اس کے عہد شکنی کرنے کے۔“

تشریح: اس حدیث میں جو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دو صحابیوں کی روایت ہے کہ جو شخص عہد کر کے عہد توڑتا ہے معاہدہ کر کے معاہدہ توڑتا ہے اس کو عربی میں 'غدار' کہا جاتا ہے اور قیامت کے دن جتنی کسی نے عہد شکنی کی ہوگی اس کے بقدر جھنڈا اس کے لئے نصب کیا جائے گا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کی پشت پر نصب کیا جائے گا تا کہ ہر شخص اس جھنڈے کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکے کہ یہ شخص کتنا بڑا غدار ہے کتنا عہد شکن ہے۔

نیک غلام وخادم کے لئے دُہرا اجر

[حدیث:۸۵۸] ”.....أَبُو هُرَيْرَةَ.........، لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ أَجْرَانِ۔“ (صحیح بخاری ج:۸، ص: ۴۸۲، حدیث نمبر: ۲۳۶۲، بَاب الْعَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا غلام

جونیکوکار رہو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو غلام نیک ہو اپنے آقاؤں کا بھی حق ادا کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرتا ہو اس کے لئے دوہرا اجر ہے یعنی اس نے باوجود غلام ہونے کے اور باوجود اس بات کے کہ اس کو اللہ کی عبادت کا موقع بہت کم ملتا ہے اور باوجود اس بات کے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی سامان اس کے پاس موجود نہیں ہے لیکن وہ اپنے آقاؤں کی خدمت بھی کرتا ہے اور ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے فرمایا اس کو دُہرا ثواب ملے گا۔

اپنے غلام ونوکروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے

[حدیث: ۸۵۹] ’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ۔‘‘ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۴۸۱، حدیث نمبر: ۳۱۴۱، بَاب إِطْعَامِ الْمَمْلُوكِ مِمَّا يَأْكُلُ وَإِلْبَاسُهُ مِمَّا يَلْبَسُ.......)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مالک کے ذمے غلام کا کپڑا اور روٹی ہے اور یہ کہ اس کو اتنے کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ آقا کے ذمے غلام کا حق ہے ایک تو یہ کہ اس کو وقت پر روٹی کپڑا دیا جائے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ’’رمضہ‘‘ ایک جگہ تھی وہاں رہا کرتے تھے، دو چادریں تھیں آپ کے پاس ایک پہنی ہوئی تھی دوسری چادر غلام کو پہنائی ہوئی تھی، دیکھنے والے نے کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو بڑا بے ڈھنگا کام کیا آپ نے، یہ سوٹ بن جاتا بڑا اچھا، آپ نے ایک چادر خود پہن لیا ایک غلام کو پہنا دیا، فرمایا کہ میں ایک دفعہ کسی غلام کو غصے ہو رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور میں نے کچھ لفظ بھی ایسے کہہ دیئے اس کو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت پہنچی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ الفاظ سن لئے تو مجھ سے فرمایا: **يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ** (مسلم ۸/۴۷۹، ۳۱۳۹)۔ اے ابوذر! تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے، **هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ** تمہارے بھائی ہیں یہ غلام، اللہ نے ان سب کو آپ کے ماتحت کر دیا ہے، اس لئے ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دن اور آج کا دن کبھی ایسے نہیں ہوا کہ غلام کو وہ کھانا میں نے نہ کھلایا جو خود کھاتا ہوں اور وہ کپڑا نہ پہنایا ہو جو خود پہنتا ہوں، تو چونکہ ایک ہی سوٹ تھا اس کی دو چادریں تھیں ایک میں نے اس کو پہنا دی ایک خود پہن لی،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غلاموں کا آقاؤں کے ذمے ایک حق یہ ہے کہ ان کو کھلائیں اور پلائیں اور جو پہنتے ہیں ان کو بھی وہی پہنائیں جو خود پہنتے ہیں، ایک حق یہ ہے کہ ان کو ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں دیں جتنا کام کر سکیں سہولت کے ساتھ اتنا کام ان کے ذمے لگائیں تا کہ وہ اس کے بوجھ کو محسوس نہ کریں۔

اسلام میں سلام کی اہمیت وفضیلت

[حدیث: ۸۶۰] ”وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی آدَمَ قَالَ: اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی أُولٰئِکَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰئِکَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَایُحَیُّوْنَکَ؟ فَاِنَّهَا تَحِیَّتُکَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِکَ۔ فَذَهَبَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، فَقَالُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ . . .“ (مشکوٰۃ ص: ۳۹۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس میں روح ڈالی تو فرمایا کہ: فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کہو، اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ جو جواب دیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ“ تو فرشتوں نے جواباً کہا: ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“ پس انہوں نے ”وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“ کا اضافہ کیا، یعنی انہوں نے کہا: تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔“

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے سلام کی ابتداء حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی، گویا یہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنّت مبارکہ ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج کل لوگ صحیح طور پر ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ“ بھی نہیں کہتے کچھ اور ہی کہہ دیتے ہیں، اور ہمارے پنجابی بھائی تو کہتے ہیں سَلَامُ عَلَیْکُمْ! اور بعضے کہتے ہیں اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ، حالانکہ یہ بددُعائیہ کلمہ ہے جو یہودی، آنحضرت ﷺ کے خلاف استعمال کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِنَّ الْیَهُوْدَ أَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: اَلسَّامُ عَلَیْکَ۔ قَالَ: عَلَیْکُمْ۔ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْکُمْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا یَا عَائِشَةُ!

عَلَیْکِ بِالرِّفْقِ۔۔۔ قَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَسْمَعِیْ مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَیْهِمْ فَیُسْتَجَابُ لِیْ فِیْهِمْ وَلَا یُسْتَجَابُ لَهُمْ فِیَّ۔۔۔ الخ۔"

(مشکوٰۃ ص:۳۹۸)

ترجمہ: "ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی یہودی آئے تھے اور آکر کہنے لگے: "اَلسَّامُ عَلَیْکَ!" آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا "وَعَلَیْکُمْ" (آنحضرت ﷺ کو برے لفظ سے بولا تھا تجھ پر موت ہو، نعوذ باللہ!) اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے سن لیا، میں نے کہا: "اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰہُ" (بلکہ تم پر موت ہو اور اللہ کی لعنت ہو!)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ! نرمی اختیار کیجئے (ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کو اچھا ہونا چاہئے، مؤمن بدگو نہیں ہوتا اور مؤمن بدگوئی نہیں کیا کرتا، کسی کو گالی نہیں نکالتا، فحش نہیں بکتا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں، انہوں نے کیا کہا؟ یعنی یہودیوں نے کیا کہا؟ فرمایا: اور تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا......اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ!......تم پر موت ہو، میں نے کہا......عَلَیْکُمْ......تم پر بھی۔ پھر فرمایا کہ میری دُعا ان کے حق میں قبول کی جائے گی، ان کی دُعا میرے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔"

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صرف السلام علیکم کہا تھا، مگر فرشتوں نے جواب میں السلام علیکم کے ساتھ ورحمۃ اللہ کا لفظ بڑھادیا، اسی طرح قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا﴾ (النساء:۸۶)

ترجمہ: "جب تم کو سلام کہا جائے کسی لفظ سے تو تم اس سے بہتر جواب دو، یا کم سے کم وہی لوٹا دو۔"

کوئی کہے، السلام علیکم، تو جواب میں کہو "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" اور اگر کوئی کہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو تم جواب میں کہو "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" جیسا کہ حدیث میں ہے:

"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، فَرَدَّ عَلَیْہِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عَشْرٌ۔ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ، فَرَدَّ عَلَیْہِ

فَجَلَسَ، فَقَالَ: عِشْرُوْنَ۔ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: ثَلَاثُوْنَ۔" (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۵۰)

ترجمہ: ''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا: ''السلام علیکم''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کے لئے) دس (نیکیاں ہیں)۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تو وہ بھی بیٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کے لئے) بیس (نیکیاں ہیں)۔ اتنے میں ایک تیسرا آدمی آیا تو اس نے کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تو وہ بھی بیٹھ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کے لئے) تیس (نیکیاں ہیں)۔''

اور کوئی یہاں تک پہنچ جائے یعنی پورے الفاظ کہہ دے تو فرمایا کہ اس نے تو پھر سرے پر تیر چھینک دیا، اس کے جواب میں صرف کہو ''وعلیکم!'' سارا مضمون جتنا اس نے بیان کیا وہ سارا وعلیکم اس میں آجاتا ہے۔

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت اور سلام کے آداب

[حدیث:۸۶۱] ''عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ۔ رواه أحمد والترمذی وأبو داؤد۔''

(مشکوٰۃ ص:۳۹۸، باب السلام، طبع قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: ''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔''

تشریح: سلام کہنا سنّت ہے، اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ جو پہلے سلام کرے اس کو بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جواب دینے والے کو دس۔

سلام کے وقت پیشانی پر ہاتھ رکھنا یا جھکنا صحیح نہیں، بلکہ اگر اس میں کوئی ثواب سمجھتا ہے تو پھر بدعت ہے۔ مصافحہ کی اجازت ہے، اور تعظیم یا شفقت کے طور پر چومنے کی بھی اجازت ہے۔

جوان عورتوں کو سلام کہنا جائز نہیں، اگر وہ سلام کریں تو دِل میں جواب دے دیا جائے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسنون ہے

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

[حدیث:۸۶۲] ”عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ، وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ۔“ (صحیح بخاری، ج:۲ ص:۹۲۶)

ترجمہ: ”مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات سکھائی، اور اس طرح سکھائی کہ میرا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔“

تشریح: اِس حدیث سے مصافحہ کا سنّت طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے نہ کہ ایک ہاتھ سے، جیسا کہ بعض حضرات کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ”بَابُ الْمُصَافَحَةِ“ کے تحت ذکر فرمائی ہے، اور اس کے متصل ”بِالْيَدَيْنِ“ کا عنوان قائم کرکے اس حدیث کو مکرّر ذکر فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنّتِ نبوی ہے، علاوہ ازیں مصافحہ کی رُوح، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

”اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت سے پیش آنا، باہمی اُلفت و محبت کا اظہار ہے۔“

(حجۃ اللہ البالغہ ج:۲ ص:۱۹۸ آداب الصحبۃ)

اور فطرتِ سلیمہ سے رُجوع کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تواضع، انکسار، اُلفت و محبت اور بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں پائی جاتی۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم

سلام ایک دُعا بھی ہے اور اسلام کا شعار بھی، اس لئے کسی غیر مسلم کو ”السلام علیکم“ نہ کہا جائے، اور اگر وہ سلام کہے تو اس کے جواب میں صرف ”وعلیکم“ کہہ دیا جائے، یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے:

[حدیث:۸۶۳] ”عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا سلّم علیکم أهل الکتاب فقولوا: وعلیکم۔ متفق علیہ۔“

(مشکوٰۃ ص:۳۹۸)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہلِ کتاب تمہیں سلام کہیں تو تم جواب میں ”وعلیکم“ کہہ دیا کرو۔“

چھینک کا جواب کیسے دیا جائے

[حدیث:۸۶۴] ”لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَنَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۰۰)

ترجمہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونک دی تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھینک آئی تو انہوں نے کہا: الحمد للہ۔''

تشریح: حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھینک آئی، اور انہوں نے کہا الحمد للہ! سب سے پہلا کلام جو ہمارے جد امجد کے منہ سے نکلا، وہ الحمد للہ ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب بھی آدمی کو چھینک آئے، تو کہے الحمد للہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی چھینک لے رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''یرحمک اللہ'' کہہ رہے تھے، تین دفعہ کہا تو فرمایا: **''اَلرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ''** (مشکوٰۃ ص:۴۰۵) چھوڑ دو، اسے زکام ہو رہا ہے، چھینکیں دیئے جا رہا ہے۔

ایک مسئلہ بتادوں، کوئی آدمی چھینک لینے کے بعد ''الحمد للہ'' کہے تو اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہو، اور اگر وہ ''الحمد للہ'' نہیں کہتا تو ''یرحمک اللہ'' کہلوانے کا مستحق نہیں، اس لئے بعض اکابر کو میں نے دیکھا کہ وہ اُونچی آواز سے ''الحمد للہ'' نہیں کہتے تھے، جو لوگوں کو سنائی دے، اس لئے کہ اگر چھینک لینے کے بعد چھینک لینے والا ''الحمد للہ'' اُونچی آواز سے کہے تو لوگوں کے ذمے ''یرحمک اللہ'' کہنا واجب ہو جاتا ہے، تو اس لئے بعض اکابر ''الحمد للہ'' اُونچی آواز سے نہیں کہتے تھے تا کہ لوگوں کو ''یرحمک اللہ'' نہ کہنا پڑے اور یہ قرض ان کے ذمے نہ ہو، وہ ''الحمد للہ'' آہستہ کہتے ہیں۔

(نیز اگر کسی کو بار بار چھینک آئے تو اگرچہ وہ الحمد للہ کہتا رہے، لیکن سامع پر یرحمک اللہ بار بار کہنا ضروری نہیں، اسی طرح جس کو زکام و نزلہ ہو اور وہ بار بار چھینک لے تو اس کا جواب دینا بھی ضروری نہیں۔)

کسی کی تعریف کرنے کا طریقہ

[حدیث:۸۶۵] ''عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِی بَکْرَۃَ......، مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا أَخَاہُ لَا مَحَالَۃَ فَلْیَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا، وَاللہُ حَسِیْبُہٗ، وَلَا أُزَکِّی عَلَی اللہِ أَحَدًا، أَحْسِبُہٗ کَذَا وَکَذَا إِنْ کَانَ یَعْلَمُ ذٰلِکَ مِنْہُ۔'' (صحیح بخاری ج: ۹، ص: ۴۶۰، حدیث نمبر: ۲۲۶۲، باب إِذَا زَکَّی رَجُلٌ رَجُلًا کَفَاہُ. وَقَالَ أَبُو جَمِیلَۃَ...)

ترجمہ: ''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس شخص کو اپنے بھائی کی مدح کرنی ہی ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ میرا گمان فلاں کے بارے میں یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب لینے والے ہیں اور میں اللہ

تعالیٰ کے سامنے کسی کو بے عیب نہیں کہتا، اس شخص میں یہ یہ خوبی ہے، اگر وہ اس کو جانتا ہو بیان کردے۔''

تشریح: اس حدیث میں کسی کی تعریف کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے، ہوا یہ تھا کہ ایک صاحب نے آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کسی دُوسرے آدمی کی تعریف کی اور وہ سامنے بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ أَخِيكَ تیرا ناس ہو! تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی، سامنے تعریف کی، اب یہ پھول جائے گا اور اس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہاں! میں بھی اچھا آدمی ہوں، لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں، اسی موقع پر فرمایا: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا، وَاللهُ حَسِيبُهُ، وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا، اور ایک روایت میں ہے: وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا، اگر کسی کو اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہی ہو تو یوں کہے: جہاں تک میرا گمان ہے وہ ایسا ایسا آدمی ہے، یعنی اچھا آدمی ہے، باقی اللہ کے سامنے میں کسی کو بے عیب ظاہر نہیں کرتا، اس کا حساب اللہ لینے والے ہیں، اندر سے معلوم نہیں کیسا ہے؟ مجھے اچھا لگتا ہے۔

کسی کی تعریف کرنی ہو تو یوں کہو: میرے خیال میں یہ اچھا آدمی ہے، باقی حقیقتاً میں وہ واقعتاً کیسا ہے؟ یہ اللہ کو معلوم ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب لینے والے ہیں۔

یہاں پر ایک دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک تو یہ کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس میں بڑا خطرہ ہے اس شخص کے مغرور ہوجانے کا، دھوکے میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے۔ دُوسری بات یہ کہ جس طرح شاعر لوگ زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتے ہیں کسی کی تعریف کرتے ہوئے، اس طرح مبالغہ نہیں کرنا چاہئے، اگر تعریف کرنی بھی ہو تو مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔

ایک شاعر تھا متنبّی، وہ کسی علاقے کے اَمیر کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: سورج کو میرے ممدوح کی سخاوت دیکھ کر حیا آنے لگتی ہے کہ سخی تو یہ ہے، میری کیا سخاوت دُنیا میں! حالانکہ سورج کا پوری دُنیا میں کتنا بڑا فیض ہے لیکن میرے ممدوح کی سخاوت دیکھ کر سورج کو پسینہ آنے لگتا ہے۔ کیا بات ہے! اس کو زمین آسمان کے قلابے ملانا کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے شعروں اور شاعروں کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''أَحْسَنُهَا أَكْذَبُهَا'' سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں خوب جھوٹ بولا گیا ہو، جتنا بڑا جھوٹ بولو گے اتنا اچھا شعر ہوگا، غالبؔ کے بقول:

کوئی ویرانی سے ویرانی ہے!
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

صحرا کی وحشت کو دیکھ کر یاد آیا کہ ہاں! کبھی ہمارے گھر میں بھی ایسی ہی وحشت اور ویرانی ہوتی

تھی، آج اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو مل گیا، اب یہ بھی مبالغہ ہے، تو میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی تعریف کرنی ہو تو اس میں مبالغہ نہ کیا جائے۔

تیسری بات یہ کہ قطعی طور پر تعریف نہ کرے، ہاں! یہ کہے کہ ہمارا خیال یہ ہے، اپنے علم کے مطابق بات کرتے ہیں، باقی اللہ جانے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور چوتھی بات یہ کہ فاسق اور بدعتی کی تعریف نہ کرے، آج کل اخبار میں موجودہ حکومت کے سربراہ کو سب سے بڑے عاشقِ رسول ہونے کے تمغے مل رہے ہیں، کیا بات ہے! سب سے بڑے عاشقِ رسول ہیں یہ لوگ، ڈُوب مرنا چاہیے اس زمانے کے لوگوں کو جس زمانے میں یہ لوگ سب سے بڑے عاشقِ رسول ہیں، زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ ایک فاسق کی تعریف کرنا کیسا ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے: ”إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّ لِذٰلِکَ الْعَرْشُ“ (شعب الایمان للبیہقی ۱۰/ ۳۹۶، ۴۶۹۲)۔ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے۔ عذاب اسی لئے نازل ہو رہے ہیں۔

اور پانچویں بات یہ کہ جو مضمون دِل میں ہو اس کو بیان کر، دِل میں کچھ اور، زبان سے کچھ اور کہتا ہے، یہ جھوٹ بھی ہے اور نفاق بھی، کسی کی تعریف کرنا ہے اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ: إِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ أَعْدَاءُ السَّرِيرَةِ“ (مسند احمد ۵/ ۳۶، ۲۱۰۴۳) کہ ظاہر میں بھائی بنے پھرتے ہیں اندر سے دُشمن۔ صاحب بہادر کی تعریف کرتا پھر رہا ہے اُوپر سے اور اندر سے اس کو گالیاں دے رہا ہے، اسی لئے کہا کرتے ہیں غریب کا اگاڑی بُری ہے اور اَمیر کی پچھاڑی بُری ہے، غریب آدمی کو سامنے سے ہر ایک آدمی طعنہ دے گا لیکن بعد میں کہیں گے آدمی اچھا ہے یہ، اور اَمیر کو جھک کر سلام کریں گے جب وہاں سے جائیں گے تو سو گالیاں نکالیں گے۔ تم جانتے ہو کہ صرف ظاہر الفاظ تم نے نکال دیئے ہیں، تمہیں معلوم نہیں کہ ایک اور ہستی ہے جو ظاہر اور باطن کی مطابقت کو چاہتی ہے، کسی کی تعریف کرنی ہو تو دِل کی گہرائی سے کرو، زبان کی تعریف ہو اندر سے لعنت کرتے ہو، تو یہ منافقت ہے۔

مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری

[حدیث: ۸۶۶] ”عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ......، مَنْ کَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْیَعُدْ بِهِ عَلٰی مَنْ لاَ ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ کَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْیَعُدْ بِهِ عَلٰی مَنْ لاَ زَادَ لَهُ۔“

(صحیح مسلم ج:۵ ص:۱۳۸، حدیث نمبر: ۴۶۱۴، باب اسْتِحْبَابِ الْمُؤَاسَاةِ بِفُضُولِ الْمَالِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شاہی باورچی خانے کا تو کوئی انتظام تھا نہیں، آپ کے پاس مسافر حضرات بھی آتے تھے، اَصحابِ صفہ بھی رہتے تھے، مہمان بھی آتے تھے، نہ کوئی مہمان خانے کا انتظام تھا، نہ کھانے کا انتظام، نہ مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنے کا انتظام۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس اسی طرح مہمان جمع تھے تو آپ نے اعلان فرمادیا: بھائی! جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ ان میں سے ایک کو ساتھ لے جائے، جس کے پاس تین کا کھانا ہے وہ چوتھے کو لے جائے جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہے وہ پانچ یا چھ کو لے جائے، غرضیکہ یہ انتظام تھا، اور یہ صحابہ کرام کی تربیت تھی، ان کو بار بار کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی بلکہ کبھی کبھی، ورنہ وہ حضرات جبکہ دیکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے مہمان آئے ہوئے ہیں تو خود ہی لے جاتے تھے، ایک ایک لے گیا، دُوسرا دُوسرے کو لے گیا۔

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں کہ ایک دن ایسا ہوا کہ مہمان زیادہ تھے، اَصحابِ صفہ بھی تھے، تو آپ ﷺ کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی دو چار آدمیوں کو لے گئے اور حکم فرمایا گھر میں کہ ان کو کھانا کھلانا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عشاء پڑھنے کے بعد تنہائی میں کچھ باتیں کیا کرتے تھے، اس دن اتفاق سے دیر ہوئی، آپ نے کھانا بھی وہیں کھایا، پیچھے گھر والوں نے مہمانوں کے واسطے کھانا تیار کر کے سامنے لاکر رکھا تو مہمانوں نے کہا کہ: ہمارے میزبان کہاں ہیں؟ ان کو کہا گیا کہ وہ ذرا دیر سے آئیں گے آپ حضرات کھانا تناول فرمائیں، وہ کہنے لگے: یہ نہیں ہوسکتا، جب تک کہ صاحبِ خانہ نہیں آتے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کافی دیر سے آئے، تو جیسا کہ عورتوں کا مزاج ہوتا ہے کہا: مہمانوں کا پتا نہیں تھا کہ گھر میں مہمان بھی آئے ہوئے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: کیا تم نے ان کو ابھی تک کھانا نہیں کھلایا؟ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ: میں تو وہاں سے بھاگ گیا کہ میری تو آج پٹائی ہوجائے گی، میری خیر نہیں میں تو چھپ گیا، گھر والوں نے کہا کہ: مہمانوں سے پوچھ لیجئے! ہم نے تو کہا تھا مگر انہوں نے کہا کہ جب تک وہ آتے نہیں ہم نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رنجیدہ ہوئے اور قسم کھائی کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، گھر والی نے قسم کھالی کہ میں بھی نہیں کھاؤں گی، مہمانوں نے قسم کھالی کہ ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اچھا خاصا بیٹھے بٹھائے کھانا حرام کر کے بیٹھ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کو بُرا بھلا کہا اور فرمایا کہ: اگر میری آواز سُنتا ہے تو باہر آ، وہ آگئے، ان پر غصہ کیا کہ ان مہمانوں کو کیوں نہیں کھلایا؟ فرمایا: ہم کیا کرتے!

خیر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ یہ صحیح نہیں کیا، مہمان گھر میں بیٹھے، ہم لڑائی کر کے بیٹھ گئے، فرمایا: یہ شیطان کی جانب سے ہے، لاؤ کھانا لاؤ! کھانا لگایا گیا، مہمانوں نے بھی کھایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا، کفارہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر آیا کیونکہ سب کی قسم مشروط تھی ان کے کھانے کے ساتھ کہ آپ نہیں کھائیں گے تو ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اب سب کھانا کھا رہے تھے لیکن کھانا ختم نہیں ہو رہا تھا بلکہ اور بڑھ رہا تھا جیسے اُگ رہا ہو، تو تعجب سے اپنی بیوی سے فرمایا: یا اُخت بنی فراس! یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے کھانا نیچے سے اور آ رہا ہے، وہ کہنے لگیں کہ: مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے، کھانا تو ختم ہی نہیں ہو رہا، جتنا کھاتے ہیں اور زیادہ بڑھ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: اس میں ہمارا بھی حصہ رکھ لو، برکت کی چیز ہے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کرامت ظاہر ہوئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگے ہوتے ہیں، اس کے لئے کسی تشریح کی ضرورت نہیں، تم دُوسروں کے کام کرو، اللہ تمہارے کریں گے اور اگر تم چاہو گے کہ دُوسروں کا نہ ہو میرا ہو جائے تو تمہارا بھی نہ ہوگا، دُوسروں کا چاہے ہو یا نہ ہو۔

اس حدیث میں ایک سفر کا قصہ ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو کچھ لوگ ایسے تھے جن کے پاس سواری نہیں تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو، جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف چیزوں کا تذکرہ اپنے انداز سے فرمایا کہ ہمیں یہ احساس ہونے لگا کہ زائد میں ہمارا کوئی حق نہیں، ہماری جو ضرورت کی چیز ہے اس کا استعمال ہمارے لئے جائز اور جو ہماری ضرورت سے زائد ہے اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ یہ مکارمِ اخلاق کی قسم ہے۔

مولانا علی میاں کی ایک کتاب ہے "ارکانِ اربعہ" نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وہ انہوں نے عربی میں لکھی تھی پھر اس کا اُردو ترجمہ ہوگیا، اس کتاب کا نام ہے: "مؤاسات لا مساوات" اس میں لکھا ہے کہ اسلام مساوات کا نہیں مؤاسات کا سبق دیتا ہے، اسی بات کی تلقین اس حدیث میں کی گئی ہے، اسلام یہ نہیں کہتا کہ قانون کے جبر اور ڈنڈے سے سب کو ایک جیسا کردو، یہ نہیں، اسلام یہ نہیں کہتا کہ غریب مال داروں کا سب کچھ لوٹ کر لے جائیں، البتہ اسلام مال دار کو اس بات کی تلقین کرتا ہے اور ان میں ایسے مکارمِ اخلاق پیدا کرنا چاہتا ہے کہ غریب غرباء کی اُمراء کی ایسی خبرگیریں کریں کہ کسی کو بھی معاشرے میں مال داروں سے شکایت نہ رہے، بلکہ یہ ان کے گرویدہ ہوں اور ان کو دُعائیں دیں، جیسا کہ اگر کوئی شخص نیک ہو، سخی ہو، سب اس کو دُعائیں دیتے

ہیں، کوئی اس کے مال سے حسد نہیں کرتا بلکہ غریب غرباء جن کی حاجتیں وہاں سے پوری ہوتی ہیں وہاں سے دُعا دیتے ہوئے جاتے ہیں، تو اسلام اس غم خواری اور ہمدردی کی مال داروں کو تاکید کرتا ہے کہ فقیروں کو کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ رات کو گشت کر رہے تھے، لمبا قصہ ہے، ایک خاتون کے گھر میں بچے رو رہے تھے، وہ سنتے رہے، بعد میں پوچھا: کیا بات ہے بچے کیوں رو رہے ہیں اور ہنڈیا کیوں چڑھائی ہوئی ہے؟ کہا: بچوں کو بہلانے کے لئے کہ تمہارا کھانا تیار ہو رہا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں۔ حضرت عمر نے ان کی ہمدردی کے چند کلمات کہے تو کہنے لگی: قیامت کے دن عمر سے اس کا بدلہ لوں گی، عمر کا گریبان پکڑوں گی کہ اس نے ہمیں پوچھا نہیں، ہمارا خیال نہیں رکھا، یہ معلوم نہیں کہ یہی عمر ہے، انہوں نے کہا: بھلا عمر کو تمہارے حال کی کیا خبر؟ تم نے ان کو بتایا تو ہوتا! کہنے لگی: اس کا فرض ہے کہ ہمارا حال معلوم کرے۔ پھر لمبا قصہ ہے، یہ اہلِ محلہ کا فرض تھا کہ ضرورت مندوں کو تلاش کریں، ہمارے محلے میں کوئی ایسا آدمی تو نہیں جو ضرورت مند ہو جس کو احتیاج ہو۔ اُمراء سے یہ کہا گیا تھا کہ ان غرباء کا تفقد کرو، یعنی ان کی تلاش کرو اور فقراء کو کہا گیا تھا کہ تمہاری زبان سے کبھی حرفِ شکایت نہیں نکلنا چاہیئے، تم اپنا سارا معاملہ اللہ کے سامنے پیش کرو، خبردار! کسی آدمی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ، تمہارے دِل میں بھی کبھی خیال نہیں آنا چاہیئے، جس معاشرے میں یہ کیفیت ہو وہاں کسی کو کسی سے شکایت ہوگی؟

”لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِالطَّوَّافِ وَلَا بِالَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَلَا التَّمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ وَلٰكِنْ الْمِسْكِينُ الْمُتَعَفِّفُ الَّذِي لَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ۔“

(مسند احمد بن حنبل ۷/ ۴۸۹، ۴۵۴، ۳۴۴، کنز العمال ۶/ ۴۶۲، ۱۶۵۵۲، درمنثور)

ترجمہ: ”مسکین وہ آدمی نہیں ہے جو ایک ایک کھجور لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے، ایک ایک لقمہ دردر سے مانگتا پھرتا ہے، وہ فقیر مسکین نہیں ہے، فقیر مسکین وہ ہے جس کے گھر کھانے کو کچھ نہیں اور کسی سے کچھ مانگتا بھی نہیں، نہ وہ کسی سے مانگتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے اور نہ کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے کہ اس کی بات کو سمجھا جاسکے، اس کی کیفیت کو سمجھا جاسکے۔“

تو غرضیکہ اسلام صرف مساوات کا قائل نہیں، غلط کہتے ہیں وہ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے مساوات کا سبق دیا ہے، ہاں! اسلام مؤاسات کا، ہمدردی اور خیرخواہی کا قائل ہے، اسلام کی تلقین یہ ہے کہ:

”ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ“ (سنن الترمذی ۷/ ۱۶۱، ۷/ ۱۸۴، السنن الکبریٰ للبیہقی

۹/ ۴۱، ۱۷۶۸۳)۔زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی مغرب کا گداگر تھا، حلب کے بزازوں (کپڑا فروشوں) کے بازار میں آواز لگاتا پھر رہا تھا کہ اے مال دار لوگو! اگر تمہارے پاس انصاف ہوتا اور ہمارے پاس قناعت ہوتی تو دُنیا میں کوئی سوال کرنے والا نہ ہوتا، سوال کی رسم ہی ٹوٹ جاتی۔

مال داروں میں انصاف نہیں رہا اور بے مالوں میں قناعت نہیں رہی، اب مانگنے والے پھر رہے ہیں، دینے والے کم ہیں، مؤطا امام الک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ایک صاحب کو نصیحت کر رہے تھے کہ تو ایسے زمانے میں ہے کہ جس میں دینے والے زیادہ ہیں، مانگنے والے کم ہیں، صحابہ اور تابعین کے زمانے میں کوئی شاذ و نادر ایسا ہوگا جو دُوسروں کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرے یا سوال کرے، اور ایک وقت آئے گا جبکہ مانگنے والے زیادہ ہوں گے اور دینے والے کم ہوں گے۔

اور پھر فرمایا کہ: تو ایسے زمانے میں ہے کہ قاری کم ہیں، فقیہ زیادہ ہیں اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ قاری زیادہ ہوں گے، فقیہ کم ہوں گے، قرآن اور دِین کو سمجھنے والے کم ہوں گے۔

مہمان کی عزّت کرنا

[حدیث:۸۶۷] "عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ......، مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا أَوْ لِیَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُكْرِمْ ضَیْفَهُ." (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۲۱۴، حدیث نمبر: ۱۸۲، باب الْحَثِّ عَلٰی إِكْرَامِ الْجَارِ وَالضَّیْفِ وَلُزُومِ الصَّمْتِ ....)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کا اِکرام کرے اور جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اِکرام کرے۔"

تشریح: اس حدیث میں تین فقرے ہیں، ایک یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر اِیمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزّت کرے۔ "عزّت" کا معنی یہ کہ اس کے ساتھ اچھا رکھ رکھاؤ کرے، اس کی توہین نہ کرے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن رات اس کا حق ہے، اس کی ضیافت ہے اور تین دن اس کا جائزہ اور اِنعام ہے اور تین دن سے زائد رہتا ہے تو یہ صدقہ ہے۔

اور دُوسرا فقرہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے ہمسائے کی عزّت کرے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک بہت مشکل ہے، کوئی نہ کوئی ناگواری پیش آجاتی ہے اور کچھ نہ ہو تو بچّے لڑ پڑتے ہیں، یا بچّے گھر میں جاکر کسی کی شکایت لگادیتے ہیں اور یہ اللہ کا بندہ بچّوں کی بات سن کر یہ بھی نہیں پوچھتا کہ بچّہ ٹھیک شکایت لگا رہا ہے یا غلط کہہ رہا ہے؟ یا مبالغے سے کام لے رہا ہے؟ بہت کم ہمسائے ایسے ہوں گے جو ایک دُوسرے کا حقِ ہمسائیگی ادا کرتے ہوں۔

ایک خاتون کے بارے میں عرض کیا گیا کہ: وہ بہت زیادہ نماز روزہ تو نہیں کرتی لیکن اس کے ہمسائے خوش ہیں اس سے، فرمایا: وہ جنّت میں ہے، پھر عرض کیا گیا کہ: ایک اور خاتون ہے، بہت نفل نماز پڑھتی ہے، بہت روزے رکھتی ہے لیکن ہمسائے ناخوش ہیں اس سے، فرمایا: وہ دوزخ میں ہے (رواہ احمد والبزاز، کذا فی الترغیب والترہیب)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے یہ کام اچھا کیا یا بُرا کیا؟ فرمایا: اپنے پڑوسیوں سے پوچھو، اگر وہ کہیں کہ تم نے اچھا کیا تو تم نے اچھا کیا، اگر وہ کہیں کہ تم نے بُرا کیا تو تم نے بُرا کیا (مشکوٰۃ، ابن ماجہ)۔

اور تیسری بات اس حدیث شریف میں یہ بیان کی کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اگر وہ کوئی بات کہنا چاہے تو منہ سے بھلی بات نکالے ورنہ چپ رہے، کہو تو اچھی بات کہو، ورنہ چپ رہو۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"برائے نادان بہتر از خاموشی چیزے نیست"

احمق آدمی کے لئے خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں، بے وقوف آدمی کے لئے خاموشی سب سے اچھی چیز ہے، احمق کو چاہئے کہ نہ بولے، لیکن اگر احمق اس نکتے کو جانتا تو احمق نہ ہوتا، احمق تو ہے ہی جبکہ بے عقلی کی باتیں کرتا ہے، تو حتّی الوسع خاموش رہے، خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں، حدیث میں آتا ہے: "مَنْ صَمَتَ نَجَا" (سنن الترمذی ۹/۴۱، ۲۴۲۵، کنز العمال) جو خاموش رہا اس نے نجات پائی، اور یا کہو تو بھلی بات کہو۔

بہرکیف! کسی کی غیبت کرنا، چغلی کرنا، کسی کی تحقیر کرنا، بے ادبی کرنا، یا اس قسم کی کوئی اور بات کرنا، اس میں اپنا ہی نقصان ہے، دُوسرے کا نہیں، اسی لئے ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر میں کسی کی غیبت کروں تو اپنی ماں کی کروں، تاکہ میری نیکیاں میری ماں کو ملیں، کسی اور کو کیوں ملیں؟ اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: اگر میں قسم کھاؤں مسجد میں کھڑا ہوکر تو میری قسم نہیں ٹوٹے گی کہ میں نے مدّۃ العمر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، مسجد میں قسم کھاسکتا ہوں کہ کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ تو کہو تو خیر کی بات کہو، ورنہ چپ رہو۔

حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سامنے یہ شعر لکھ کر لگوایا ہوا تھا، ہم نے بھی لگوایا

ہوا تھا لیکن ہم پر کیا اثر کرے گا:

دُوسروں کے معاملات میں کفِ لسان
ووقتِ ہیجانِ نفس، ضبطِ نفس سے کام

بس یہ دو اُصول، یہ دو اُصول ہی کافی ہیں اصلاح کے لئے، لیکن یہ دو سبق ہی پکے نہیں ہوئے۔

رحم کا مستحق

[حدیث:۸۶۸] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ....، إِنَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔"

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۷۷، حدیث نمبر: ۶۱۷۰، باب مَا سُئِلَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - شَيْئًا قَطُّ ....)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی پر رحم نہ کرے، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ بس اتنا ہی فقرہ ہے، جو رحم نہ کرے اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا، یعنی اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں فرماتے۔

اور اس حدیث شریف کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت حسن موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیار کیا، چوما، آپ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے: آپ ان کو چومتے ہیں؟ میرے تو دس بچے ہیں میں نے تو کبھی چوما نہیں ان کو، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں اس کا کیا علاج کرسکتا ہوں، پھر فرمایا: "مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ" جو شخص کہ رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ مطلب یہ کہ بچوں کے ساتھ شفقت کرنا، پیار کرنا، دِل میں رحم ہونے کی علامت ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسا معاملہ تم دُوسروں کے ساتھ کروگے ویسا ہی معاملہ تمہارے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

اس مضمون کو دُوسری حدیث میں بیان کیا ہے: "الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ" (سنن ابوداود ۱۴/ ۲۵۴، ۴۹۴۳، سنن ترمذی، السنن الکبریٰ للبیہقی) رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں، "ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۴۸۹، ۱۸۳۶۲) تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

صلہ رحمی، وسعتِ رزق کا سبب ہے

[حدیث:۸۶۹] "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ....، مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ رِزْقُهُ أَوْ

يُنسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔" (صحیح بخاری ج:۷، ص:۴۵۷، حدیث نمبر:۲۰۶۷، باب مَنْ أَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس کو یہ بات خوش کرے کہ اس کی روزی کشادہ اور اس کی زندگی بڑھائی جائے تو اپنے اہلِ قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔''

تشریح: اس حدیث میں صلہ رحمی کی فضیلت کو ذکر کیا ہے، صلہ رحمی کا مطلب ہے اپنے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، ان کی خبر گیری کرنا، مثال کے طور پر اس کا بھائی محتاج ہے، اس کی خبر گیری کرے، محتاج نہیں ہے کھاتا پیتا ہے تو کبھی ہدیہ دے دیا کرے، محتاج ہونے کی شکل میں اس کی خبر گیری فرض ہے اور قرض ہے، اور اگر وہ محتاج نہ ہو، ہدیہ تحفہ فرض نہیں مستحب ہے۔

یہی حکم ہے اپنے تمام اہلِ قرابت کا، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نادار یا معذور ہے یا چھوٹا ہے کہ کما نہیں سکتا یا لڑکی ہے جو غیر شادی شدہ ہے تو اس کے بارے میں کیا ضابطہ ہوگا کہ کن کن کا حق ہمارے ذمے ہے اور کتنا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے خرچ کے متعلق گفتگو ہے، مثال کے طور پر بھائی فرض کرو، اگر وہ مال دار ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس شخص کو وراثت کا کتنا حصہ آتا ہے؟ جتنا حصہ وراثت کا آتا ہے اتنا حصہ خرچ کا اس کے ذمے فرض ہے۔

فرض کر لیجئے کہ چار بھائی ہیں، ان میں سے ایک نادار، معذور بے حال ہے، تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مر جائے اور یہ مال دار ہوتا اور اس کی اولاد نہ ہوتی، ان بھائیوں کو ایک ایک تہائی اس کے مال سے پہنچے گا، تین بھائی ہیں، تین حصے ہو گئے، بس اس کے خرچ کے بھی تین حصے ہوں گے، ہر ایک کے ذمے ایک ایک حصہ واجب ہے۔

یہ میں نے ایک اُصول بتا دیا، اب جس طرح کہ تم مسئلے پوچھتے ہو کہ فلاں آدمی مر گیا ہے اور اس کے یہ یہ وارث ہیں، کتنا حصہ فلاں کو ملے گا؟ کتنا فلاں کو؟ ٹھیک اسی طرح یہ بھی پوچھو کہ فلاں نادار ہے، معذور و بے حال ہے یا غیر شادی شدہ بچی ہے اگرچہ بالغہ ہو، یا نابالغ بچہ ہے، اس کا خرچہ کن کن لوگوں پر کتنا کتنا واجب ہے؟ یہ وہ صلہ رحمی ہے جو شرعاً فرض ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں، جس کا جی چاہا کیا، جس کا جی نہ چاہا نہ کیا۔

اور دُوسرا درجہ مستحب ہے کہ ایک آدمی کھاتا پیتا ہے، کسی کا ضرورت مند نہیں ہے اللہ کے فضل سے، لیکن پھر بھی تمہاری طرف سے اس کے ساتھ حسنِ سلوک ہو، مروّت ہو، جوڑ ہو، تعلق ہو، یہ صلہ رحمی ہے، اگر توڑ اور قطع تعلق ہو تو اس کو ''قطع رحمی'' کہتے ہیں۔ غرضیکہ اپنے اہلِ قرابت محرم رشتہ داروں کی خبر گیری کرنا بہت بڑا کارِ ثواب ہے، قرآنِ کریم کی آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:۹۲) جب نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ جب تک تم اپنا سب سے محبوب مال اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرو گے تو نیکی کو نہیں پاؤ گے، اور میرا سب سے محبوب مال وہ باغ ہے جو ''بیرحاء'' کے نام سے مشہور ہے اور میں نیکی حاصل کرنا چاہتا ہوں، یہ آپ کے سپرد کرتا ہوں جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''بَخٍ ذٰلِکَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِکَ مَالٌ رَابِحٌ'' (صحیح بخاری ۵/ ۳۰۴، ۱۳۶۸) واہ واہ! یہ تو بڑا نفع بخش مال ہے، اور میں مناسب سمجھوں گا کہ تم یہ اپنے اہلِ قرابت کے درمیان تقسیم کردو، چچازاد بھائیوں کے درمیان، چنانچہ تقسیم کردیا۔

اب لوگوں کی نفسیات معلوم کرو، کیا کوئی پسند کرے گا کہ میں غریب ہوجاؤں اور چچازاد امیر ہوجائیں؟ اور میرے مال پر پل کر؟ یہ گویا کہ میری دُہری ریاضت تھی، ایک یہ کہ سب سے بہترین مال خرچ کرو، اس کے لئے آمادہ ہوگئے اور دُوسری یہ ریاضت کہ وہ لوگ جن کو تم ہمیشہ نیچا دیکھنا چاہتے ہو، ان کو دے دو، ''اَقارب'' 'اَقرب' کی جمع ہے، یعنی سب سے زیادہ قریبی، عربی مقولہ ہے: ''أَقَارِبُ كَالْعَقَارِبِ'' قریبی رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں جیسے بچھو۔ چچازاد بھائیوں کے درمیان اکثر ٹھنی رہتی ہے، اب تو سگے بھائیوں کے درمیان بھی ٹھنی رہتی ہے، لیکن ایک پشت آگے چلے جائیں تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ ہم سے آگے کیوں ہیں؟ یہ دُوسرا مجاہدہ تھا، تو یہ مطلب ہوا صلہ رحمی کا، اپنے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنی، جوڑ پیدا کرنا، ان کی ہر طرح کی خدمت کرنا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ: ''سب ہمارے ساتھ کریں گے تو ہم بھی کریں گے، ورنہ ہم بھی نہیں کریں گے'' یہ تو سوداگری ہے، صلہ رحمی نہیں۔ اس شخص کو صلہ رحمی کا ثواب نہیں ملے گا، صلہ رحمی کا ثواب اس شخص کو ملے گا کہ وہ اِس سے کٹتے ہوں، یہ اُن سے جڑتا ہو، وہ بدسلوکی کرتے ہوں، یہ حسنِ سلوک کرتا ہو، اس کو صلہ رحمی کا ثواب ملے گا، حدیث میں فرمایا گیا: ''لوگوں کے پیچھے چلنے والا مت بنو!'' اندھے مقلد نہ بنو کہ یوں کہنے لگو: ''اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے، لوگ بُرائی کریں گے تو ہم بھی بُرائی کریں گے۔''

تو آنجناب تو لوگوں کے مقلد ہیں، لوگ احسان کرتے ہیں تو آپ بھی احسان فرماتے ہیں، اگر وہ بُرائی کرتے ہیں تو آپ بھی بُرائی کرتے ہیں، آپ کی اپنی کوئی رائے نہیں، حدیث میں اس سے منع کیا کہ یوں کہو کہ: ''اگر لوگ ہم سے بھلائی کریں، پھر تو ہم بھلائی کریں گے ہی لیکن اگر لوگ ہم سے بُرائی کریں گے تو بھی ہم ان سے بھلائی کریں گے۔'' مزے کی بات ہوئی ناں! یہ ہے صلہ رحمی، اس کی دو جزا ہیں، اس حدیث میں دو جزائیں بیان کی ہیں: ''جو شخص چاہتا کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر طویل ہو، اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔''

رِزق کھلتا ہے اور عمر لمبی ہوتی ہے، اس پر اِشکال ہوتا ہے کہ وہ تو لکھا ہوا ہے، عمر کیسے لمبی ہوجاتی ہے؟ میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ لوگوں کو یہاں کیوں اِشکال ہوتا ہے؟ تمہارے لقمے بھی لکھے ہوئے ہیں، پھر اس کے لئے کیوں کوشش کرتے ہو؟ اتنے لقمے تمہیں کھانے ہیں، اس کے لئے کیوں تگ ودو کرتے ہو؟ کیوں

دُوسروں سے مانگتے ہو؟ وہ تو لکھے ہوئے ہیں، تمہیں ملیں گے، اور رزق کے لئے کیوں تگ و دو کرتے ہو؟

بھئی! لکھی ہوئی تو ہر چیز ہے، کون سی چیز نہیں لکھی ہوئی ہے؟ صحت بیماری لکھی ہوئی ہے اور بیماری کے ساتھ بیماری کا علاج بھی لکھا ہوا ہے کہ یوں بیمار ہوگا اور یوں علاج کرے گا، تو اسی طرح عمر بھی لکھی ہوئی ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فلاں شخص صلہ رحمی کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کی اتنی عمر بڑھا دی جائے گی، اس کی برکت سے۔ لوگوں نے اس کے مختلف جوابات دینے کی کوشش کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کسی جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، سیدھا سا جواب ہے کہ جیسے اور چیزوں کے اللہ نے اسباب رکھے ہیں، ویسے ہی طولِ عمر کا بھی سبب رکھا ہے، یعنی فلاں آدمی اتنی مقدار صلہ رحمی کرے گا اور اس کے بدلے میں اتنی عمر اس کی بڑھا دی جائے گی۔ باقی کل عمر کتنی ہے؟ وہ اللہ کے علم میں ہے!

تو رزق کا فراخ ہونا اور دروازے کا کھل جانا اور عمر کا لمبا ہونا، یہ دو چیزیں صلہ رحمی کا بدلہ ہیں، اس سلسلے میں بہت سے اکابر کے قصے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد کسی قصے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو وحیٔ الٰہی ہے۔

غصبِ ارض کا وبال

[حدیث: ۸۷۰] ”عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْد....، مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ۔“ (صحیح مسلم ج:۸، ص:۳۲۶، حدیث نمبر: ۳۰۲۲، بَاب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ وَغَصْبِ الْأَرْضِ وَغَيْرِهَا)

ترجمہ: ”حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کی ایک بالشت برابر زمین بھی بطور ظلم کے لی، اس کو اس کا طوق بنایا جائے گا سات زمینوں تک۔“

[حدیث: ۸۷۱] ”عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ....، مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ۔“ (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۳۳۱، حدیث نمبر: ۲۲۷۴، بَاب إِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک بالشت زمین بھی ناحق کسی کی لی، اس کو سات طبق تک دھنسا دیا جائے گا قیامت کے دن اس زمین میں۔“

تشریح: ان دونوں حدیث کا ایک ہی مضمون ہے کہ اگر کسی شخص نے اگر ایک بالشت کسی کی

زمین غصب کر لی یا کھیت ملا ہوا ہو، درمیان کی باڑھ تھوڑی سی اُدھر کر دی، یا مکان بنانے لگے دیوار تھوڑی سی اُدھر کھسکا دی اپنا مکان ذرا کشادہ کرنے کے لئے، تو پہلی حدیث میں ہے کے سات زمینوں تک نکال کر اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس زمین کے ساتویں طبق تک دَھنسا دیا جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ جب سات زمینوں تک زمین نکال کر طوق بنا کر گلے میں پہنائی جائے گی تو دھنسے گا تو خود ہی، یہ سزا ہے اس شخص کی جو کسی کی زمین پر جبراً اور غصباً قبضہ کر لے۔

یہاں ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے، انگریز کے زمانے کے ظالمانہ قوانین کا بقیہ ہمارے ملک میں بھی چلا آ رہا ہے، وہی قوانین جو انگریزوں نے بنا دیئے تھے اس میں تھوڑی بہت ترامیم اس میں کر دیں، وہی تعزیراتِ پاکستان بن گئیں، تعزیراتِ ہند کے بجائے۔ ان بیچارے ''مجتہدوں'' کو آج تک اتنی فرصت نہیں ملی، مولویوں کو تو کہتے ہیں کہ: ''اِجتہاد نہیں کرتے'' لیکن ان غریبوں کو ''اِجتہاد'' کی آج تک فرصت نہیں ملی کہ انگریزوں کے ملعون قوانین کو بدل ڈالیں۔ تو خیر یہ تو الگ موضوع ہے۔

میں یہاں کہنا چاہ رہا ہوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانون ایک ظالم کا ساتھ دیتا ہے، مظلوم کا ساتھ نہیں دیتا۔ ہمارے ظالمانہ قوانین جو ملعون انگریز کے دور سے چلے آ رہے ہیں، ان میں بہت سے قوانین ایسے ہیں جو ظالم کا ساتھ دیتے ہیں، مظلوم کا ساتھ نہیں دیتے۔ اگر کوئی کرائے دار مکان پر قابض ہو جائے تو مالک مکان اس کو نہیں نکال سکتا، اپنے مکان سے جتنا کرایہ اس نے بیس سال سے دیا تھا اُس سے دُگنا جرمانہ دے کر مالک مکان کرائے دار سے مکان خالی کراتا ہے، یعنی اتنا کرایہ جتنا کہ اس نے دیا تھا اتنا تو مالک واپس کر دے اور اتنی ہی مقدار اپنی طرف سے دے کر مکان خالی کرالے۔ قیامت کے دن جس کا حق کھائے گا اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، وہ بھی بتا دُوں کتنی قیمت دینا ہوگی؟ لکھا ہے کہ ایک درہم کسی کا دبانے کے بدلے ۷۰۰ مقبول نمازیں دِلوائی جائیں گی، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

یہاں ایک قصہ بھی ہے، یہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی بھی ہیں، فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔ ایک بڑھیا نے مروان کی عدالت میں ان پر مقدمہ کر دیا تھا کہ سعید نے میری زمین غصب کر لی۔ اس نے ان کو بلایا اور کہا کہ یہ عورت آپ پر الزام لگاتی ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی ہوئی ہے، اس کے بعد میں اس کی زمین غصب کروں گا؟ مروان کہنے لگا: اس بات کو سننے کے بعد اَب آپ سے کوئی گواہ بھی نہیں مانگوں گا، بس!

فرمانے لگے کہ میں نے خود اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے بالشت برابر بھی کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا، قیامت کے دن سات زمین تک اس کو نکال کر اس شخص کو اس کا طوق پہنایا جائے گا۔ یہ بات سننے کے بعد بھی اس کی زمین غصب کر لیتا؟ اور پھر فرمایا: اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا: یا اللہ! اگر یہ جھوٹ بولتی ہے، اس کو اندھی کر کے مارنا۔ وَاجْعَلْ مَوْتَهَا فِي بَيْتِهَا أَوْ فِي أَرْضِهَا اور اس کی زمین میں اس کی موت واقع ہو۔ چنانچہ یہ اندھی ہوگئی، اس کی زمین میں کوئی کنواں کھودا ہوا تھا اس میں جا گری۔

کسی کی زمین غصب کرنے یا کسی کا مال غصب کرنے کا وبال

[حدیث: ۸۷۲] "عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ......، مَنِ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِمًا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔" (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۳۳۸، حدیث نمبر: ۲۰۰، بَاب وَعِيدِ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ مُسْلِمٍ بِيَمِينٍ فَاجِرَةٍ بِالنَّارِ)

ترجمہ: "حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص چھین لے کسی کی زمین ظالمانہ طور پر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔"

[حدیث: ۸۷۳] "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ......، مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ۔" (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۳۳۴، حدیث نمبر: ۱۹۶، بَاب وَعِيدِ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ مُسْلِمٍ بِيَمِينٍ فَاجِرَةٍ بِالنَّارِ)

ترجمہ: "حضرت اُمامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص چھین لے گا حق کسی مسلمان کا اپنی قسم کے ذریعے بے شک واجب کر دی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دوزخ اور حرام کر دی اس پر جنّت۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگرچہ معمولی چیز ہو؟ فرمایا: چاہے پیلو کی ایک ٹہنی یا مسواک ہو۔"

تشریح: ان دونوں حدیثوں کا مضمون کسی قدر مشترک ہے، پہلی حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کسی کی زمین اُڑا لی، غصب کر لی، چھین لی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر نہایت غضب ناک ہوں گے۔

اور دُوسری حدیث میں دو فرق ہیں، ایک یہ کہ اس میں صرف زمین کا ذکر نہیں بلکہ مسلمان

کے حق کا ذکر ہے، جس نے کسی کا مسلمان حق چھین لیا وہ حق عام ہے کہ زمین سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو، مطلب یہ کہ زمین کسی کا حق تھی لیکن لے لی اس نے، اس لئے کہ ایوب خان کا قانون اس کا ساتھ دیتا تھا، ایوب خان کے قانون کے مطابق زمین اس کو ملتی تھی اور شرعاً اس کا حق نہیں تھا، ایوب خان کا قانون یہ ہے کہ چند بھائی ایک باپ کی اولاد تھے، ان میں سے ایک مر گیا باپ کی زندگی میں، تو پیچھے اس لڑکے کی اولاد ہے، ان کے باپ کا انتقال بعد میں ہوا، تو یہ لڑکا جو مر گیا ہے باپ کی زندگی میں یہ زندہ تصوّر کیا جائے گا، اور اس کی اولاد کو اتنا ہی حصّہ دِلایا جائے گا جتنا زندہ ہونے کی حالت میں اس کو ملتا۔ ایک لڑکی کا اپنے باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا، اس لڑکی کی آگے اولاد تھی، بعد میں بڑے میاں کا انتقال ہوا جس کی لڑکی پہلے مری تھی، اس کے تین لڑکے ہیں، جو اَب مرا ہے ایک لڑکی تھی جو اس کی زندگی میں مر گئی تھی، اس لڑکی کے آگے وارث موجود ہیں، شوہر موجود ہے وغیرہ، اب شرعی نقطۂ نظر سے صرف لڑکے وارث ہوں گے، خدا کے قانون مطابق، جو بیٹی مر گئی باپ کی زندگی میں اس کی اولاد کا کوئی حق نہیں، لیکن ایوب خان کا قانون کہتا ہے کہ اس کا حق ہے۔

میرے دوستوں میں سے ایک ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے دادا کا اب انتقال ہوا، چچا کوئی اور نہیں تھا ان کا، ان کے والد اکیلے تھے، تو پھوپھیوں کو ان کا حق دیا جو بچا تھا پوتوں کو مل گیا اور ان کے ساتھ پوتیوں کو بھی ملا، اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان کا باپ زندہ ہوتا تو ایک بھائی اور دو بہنیں، جائیداد چار حصوں پر تقسیم ہوتی کیونکہ دو بہنوں کا حصہ ایک بھائی کے برابر ہوتا، تو دو حصے ملتے ان لڑکوں کے باپ کو اور ایک چوتھائی ملتا ان لڑکوں کی پھوپھیوں کو، باپ تو ان کا پہلے مر گیا، تو شرعی طور پر پھوپھیاں وارث ہیں دو تہائی کی، ایک تہائی بچتا ہے ان پوتوں کے لئے، لیکن ہمارے روشن خیالوں کی شریعت کہتی ہے کہ نہیں! لڑکیوں کو نصف نصف دِلاؤ، اور آدھی دو پوتوں کو، عجیب بات ہے، چکر صرف چھٹے حصے کا ہے، اگر اس جائیداد کے چھ حصے کر لئے جائیں تو موجودہ صورت میں دو دو حصے لڑکوں کو پہنچتے ہیں، لیکن اگر ان کا باپ زندہ ہوتا اور ایوب خان کی شریعت پر عمل کیا جائے تو ان لڑکوں کے تین حصے اور تین حصے پھوپھیوں کے۔

بات یہ تھی کہ شریعت کے مطابق ان کو ساڑھے تین مرلے ملتے بچیوں کو اور ایوب خان کی شریعت کے مطابق ان کو زمین کے پانچ مرلے ملتے، تو جو حق نہیں بنتا تھا وہ اس نے لیا، لے تو لیا لیکن ہضم بھی کر لے گا؟

اور دُوسرا مضمون جو اس حدیث میں ہے جو پہلی حدیث میں نہیں، اپنی قسم کو کسی کا مال اُڑانے کا ذریعہ بنایا، اور تمہیں معلوم ہے کہ لوگ قسم بھی قرآن کی اُٹھوایا کرتے ہیں، مسجد میں لے جاؤ اس کو، پیسے قرآن پر رکھ دو۔ لوگ قسم اُٹھا لیتے ہیں، یہ زیادتی کرتے ہیں قرآن کے ساتھ، میں یہ نہیں کہتا کہ

جھوٹے کو قسم نہ دِلاؤ، بلکہ میں تو خود اس کا قائل ہوں کہ نہ دِلاؤ، جب معلوم ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے تو دو چار پیسوں کے لئے کیوں اس کو بے ایمان کرتے ہو؟ ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر خلیفہ زور دے رہا تھا کہ قاضی بن جائیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ خلیفہ صاحب ناراض ہوگئے کہ تم جھوٹ بولتے ہوں، اِمام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی متانت سے فرمایا کہ: جناب نے تو خود ہی فرمادیا کہ میں قاضی بننے کا اہل نہیں ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا: میں کہتا ہوں کہ اہل نہیں، آپ کہتے ہیں: جھوٹ بولتے ہو، اگر میں سچ بولتا ہوں تو میری بات مانی جائے اور اگر جھوٹ ہوں تو جھوٹے کو قاضی نہیں بناتے۔ لیکن بعد میں خلیفہ برہم ہوگیا، جیسے آج کل حکومت بعض علماء کو سیٹیں دے دیتی ہے، یہ سمجھتے ہیں حکومت ہم پر عاشق ہے، تم پر حکومت عاشق نہیں، یہ اپنے مفاد پر عاشق ہے، تمہاری ناک میں ایسی نکیل ڈال دے گی کہ بعد میں تم کچھ نہ بول سکوگے، ناک میں نکیل ڈال کر تمہاری پیٹھ پر سوار ہوگی، یہ مقصد ہے۔ مجھے تو یہ حیرت ہوتی ہے کہ معلوم نہیں یہ لوگ بال کس چیز میں سفید کرتے ہیں؟

خیر خلیفہ نے قسم کھالی کہ آپ کو کرنا ہوگا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کھالی کہ میں بالکل نہیں کروں گا۔ خلیفہ کا حاجب ربیع کہنے لگا: امیرالموٴمنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو؟ فرمایا: امیر قسم کا کفارہ ادا کرنے پر میری نسبت زیادہ قادر ہیں، خلیفہ قسم توڑ دے، کفارہ دیدے۔ لیکن بعد میں دوستوں نے کہا کہ: یہ آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے، اس لئے قسم توڑ دیں۔ اس لئے ایک چھوٹی سی بستی کے قاضی بننے کو قبول کرلیا، سب سے پہلا مقدمہ جو آپ کی عدالت میں پیش ہوا وہ چار آنے کا تھا، دھوبی کی دُھلائی پر گفتگو تھی، دھوبی کہتا تھا کہ: مجھے اس نے پیسے نہیں دیئے، وہ کہتا: پیسے دیئے، اس کے پاس پیسے دینے کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ حضرت اِمام رحمۃ اللہ علیہ نے دھوبی سے فرمایا کہ: تم قسم اُٹھالوگے کہ میں نے پیسے نہیں لئے؟ دھوبی نے کہا: ضرور قسم کھاؤں گا! جب وہ قسم کھانے کے لئے تیار ہوا تو حضرتِ اِمام رحمۃ اللہ علیہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ٹھہرو! جیب سے چار آنے نکال کر دے دیئے، دھوبی لے کر یہ جا۔ فرمایا: مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ اللہ کا نام جھوٹا کیا جائے، اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائی جائے:

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ (البقرۃ:۲۲۴)

ترجمہ: ''اللہ کی پاک ذات کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔''

تو میں نے کہا کہ نہ تو قسم کھانی چاہئے اور کھلانی بھی نہیں چاہئے، اور بالفرض اگر تمہیں معلوم ہے تو سچی قسم نہ کھاؤ، اللہ کا پاک نام بڑی عزّت والا ہے، لیکن سچی قسم کھانے سے ہم منع نہیں کرتے، لیکن جھوٹی قسم مت کھاؤ اور اگر تم تمہارا فریق مخالف جھوٹی قسم کھانے پر آمادہ ہے تو اس کو بھی قسم نہ دو، نقصان

برداشت کرلو لیکن اللہ کے نام کی بے ادبی نہ کرو، اور اگر کسی نے جھوٹی قسم دِلا دی اور اس نے کھالی تو یہ بس یہ گیا، قرآن کی ایسی مار پڑتی ہے، بہت سے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے، ہمیں کوئی حل بتاؤ، جیسے لوگ تین طلاقیں دے دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں ہمیں کوئی حل بتاؤ، اب کیا حل بتائیں؟ کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی، قتل کرکے کہتے ہیں کوئی حل بتاؤ، اب کیسے زندہ کروں؟ تم نے تو مار دیا، اسی طرح جس نے جھوٹی قسم کھالی اس نے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا، برباد کرلیا، چند پیسوں کے لالچ کے لئے کسی مسلمان کا حق اُڑالیا، اب اس کا کیا حل ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ اس کے جرم کو معاف کرے، ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ یہ ڈبو دیتی ہے، انسان کو غرق کردیتی ہے، یہ تو دُنیا کی سزا ہم نے دیکھی اور آخرت کی سزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ واجب اور جنّت کو حرام کردیتے ہیں، کتنی بڑی چیز کے بدلے میں جنّت دے دی، صحابی نے پوچھا: اگر معمولی چیز ہو؟ فرمایا: اگرچہ پیلو کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! ایک مسواک، اگر یہ بھی جھوٹی قسم کھا کر کسی کی اُٹھالی تو یہی حکم، اس لئے کسی کا مال اُڑانے سے احتیاط کرو، خصوصاً اس پر جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔

آگ کا ٹکڑا

[حدیث:۸۷۴] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ......، إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔“

(صحیح مسلم ج:۹ ص:۱۰۲، حدیث نمبر:۳۲۳۱، بَاب الْحُكْمِ بِالظَّاهِرِ وَاللَّحْنِ بِالْحُجَّةِ)

ترجمہ: ”حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ میرے پاس جھگڑا لاتے ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض اپنی حجت اور دلیل کو بہ نسبت دُوسرے کے زیادہ بیان کرنے والے ہوں، تو میں اس کے حق میں فیصلہ دے دُوں جیسا کہ میں اس سے سنوں، پس یہ یاد رہنا چاہئے کہ جس شخص کو میں اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دُوں گا اس لئے نہیں کیونکہ میں اس کو دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک واقعہ ہے کہ دو آدمی ایک زمین کا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، زمین کا مقدمہ تھا، دونوں نے اپنے بیانات دیئے، گواہ دونوں کے پاس ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنانے سے پہلے یہ بات ارشاد فرمائی جو اس حدیث شریف میں ذکر کی گئی کہ تم

لوگ اپنے مقدمے اور جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے؟ اور بہت ممکن ہے کہ جو شخص کہ حق پر نہ ہو وہ اپنی چرب زبانی سے ایسی تقریر کرے کہ جج کو متأثر کردے کہ یہ سچا لگتا ہے اور جو دُوسرا آدمی حق پر ہے وہ بیچارہ اپنا مقدمہ ٹھیک سے پیش نہیں کرسکتا، تو اس بات کا احتمال موجود ہے کہ تم میں سے بعض اپنی حجت کو زیادہ زور اور زبان آوری کے ساتھ بیان کرسکے، اور دُوسرا آدمی مقابلے والا ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر نہ کرسکے، اور میں جیسے مقدمے کی رُوئیداد اور فریقین کے بیانات سنوں جس طرف دِل مائل ہو اس کے مطابق فیصلہ کردُوں کہ یہ سچا لگتا ہے تو تمہیں یہ بات پہلے سے یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کسی کی چرب زبانی سے متأثر ہوکر میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے اس کے حق میں فیصلہ کردیا، چیز تھی دُوسرے کی تو خوب یاد رہے کہ میں اس کو دوزخ کا ٹکڑا دے رہا ہوں، اب چاہے لے لے، چاہے چھوڑ دے۔

مطلب یہ کہ میرے فیصلے پر نہ رہنا، میں تو جیسے ظاہری بیان سنوں گا اس کے مطابق فیصلہ دُوں گا، ہوسکتا ہے کہ ایک جھوٹا ہے لیکن بات اس طرح کرتا ہے کہ جھوٹ کو سچ بنادیتا ہے اور ایک آدمی بے چارہ سچا ہے لیکن اس کو بات کرنا نہیں آتی وہ اپنے سچ کو صحیح انداز سے پیش نہیں کرسکتا تو اگر میں کسی کے حق میں ناحق کی چیز کا فیصلہ کردُوں وہ اس کے بھائی کا حق تھا اس کا حق نہیں تھا، تو سمجھ لینا چاہئے کہ میں اس کو دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کردے رہا ہوں۔

دُوسری روایت میں ہے کہ اب چاہے لے جائے یا چاہے چھوڑ جائے، یہ دو مقدمہ لانے والے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ایک بنی کندہ کا تھا اور دُوسرا حضرموت کا تھا، حضرمی کا جھگڑا تھا کندی پر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد سن کر دونوں کہنے لگے: یہ اس کی ہے میری نہیں۔ اب حضرمی کہتا ہے: یہ کندی کی ہے میری نہیں! اور کندی کہنے لگا: یہ میری نہیں! اتنی سی بات ارشاد فرمائی تھی، کیا تأثیر تھی زبان مبارک میں، ابھی وہ جھگڑا لا رہے تھے اور ایک جملہ سن کر دست بردار ہوگئے، مسلمان تھے نا! اور مسلمان کے دِل پر اس کے نبی کی بات اس طرح نقش کرجاتی ہے جیسے سکے ڈھالتے ہوئے اس پر مہر لگادیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم ایسا کہہ رہے ہو کہ اب ہر ایک کہہ رہا ہے کہ دُوسرے کی ہے، میری نہیں، پانسہ پلٹ گیا تو فرمایا: ایسا کرو کہ اس کو نصف نصف تقسیم کرلو، اور ایک دُوسرے سے معاف کروالو، ہر ایک کہہ دے کہ تمہارا حق میری طرف آیا ہے تو معاف کردو، وہ کہہ دے کہ معاف کردیا، دُوسرا اس کو یہی کہہ دے۔

آپ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آنے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد فرمانے میں حالانکہ ابھی دونوں کا بیان نہیں سنا اور ان کے یہ کہنے میں کتنی دیر لگی؟ اتنی دیر میں مقدمے کا فیصلہ

ہو گیا۔ اور فیصلہ بھی ایسا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی صلح، آئندہ کبھی جھگڑا نہ ہوگا۔ اور یہاں دیوانی مقدمے پر دس سال بلکہ بیس سال بعد جب مقدمہ ہوتا ہے تو اتنے عداوت کے کانٹے اور عداوت کے اتنے تناور درخت ہو جاتے ہیں کہ ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں اور اس زمین کی وجہ سے قتل ہونا شروع ہو جاتے ہیں، یہ انگریز کا جمہوری نظام ہے۔

اور اس حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ تم لوگوں کی نظر میں تو سچے بن سکتے ہو کہ ہم نے قانون پر عمل کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نہ تمہیں جانیں نہ تمہارے قانون کو جانیں، جتنے تمہارے جھگڑے ہیں چھوٹے چھوٹے جھگڑے ان سب کا قیامت کے دن فیصلہ ہوگا، یہ آخری عدالت میں مقدمہ پھر ہوگا، اِلَّا یہ کہ دونوں نے یہاں ہی معافی تلافی کرلی تھی، اور کہہ دیا کہ ہمیں منظور ہے، ہمیں کسی سے کوئی شکایت نہیں جیسے کہ ان لوگوں نے کیا، ورنہ ہر وہ آدمی جن کا آپس میں جھگڑا ہوا اور نتیجے پر کوئی بات پہنچی اور وہ فیصلہ منصفانہ تھا یا نہیں تھا، دوبارہ قیامت کے دن اس کو پیش کیا جائے گا۔ اب اتنے مقدمات نمٹا کر جنّت میں جاؤ گے، یا پہلے جانا ہے تو معافی تلافی کر دو، یہیں قصہ ختم کر دو، اس لئے میری طرف سے تو ہمیشہ اعلان میری طرف سے ظلم تعدی کسی کی حق تلفی ہوئی ہو تو سب سے معافی کا خواستگار ہوں، مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ وہاں کھڑے ہو کر مقدمات کا فیصلہ کرواؤں اور کسی کے پیسے ہوں تو وہ وصول کرلے، اور اگر کسی کے ذمے میرا حق بنتا ہو خواہ مالی ہو یا کوئی اور ہو، سب معاف! قیامت کے دن کوئی باز پُرس نہیں کروں گا۔

کسی نے گالی نکالی ہو، تحقیر کی ہو، میری طرف سے اعلانِ عام ہے، قیامت کے دن مقدمہ نہیں کروں گا، اس لئے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کہہ رکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اُمتی کو میری وجہ سے نہ پکڑیئے، ایک مجلّے میں سارے مقدمے فیصل، اور یہ جو بیس بیس سال عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور مقدمات لڑتے ہیں یہ وہاں کتنا لڑیں گے؟ وہاں بھی تو پوری کاروائی سامنے آئے گی، وہاں پورا ریکارڈ طلب کرلیا جائے گا، آخری عدالت وہ ہے، وہ اصل میں سپریم کورٹ ہے، مگر چونکہ ہمارا ایمان آخرت پر کمزور ہے اللہ تعالیٰ کی عدالت کسی کے پیشِ نظر ہی نہیں اِلَّا ماشاء اللہ۔

کتّا پالنے کی ممانعت

[حدیث: ۸۷۵] "سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ ......، مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَلَا ضَرْعًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ۔" (صحیح بخاری ج:۱۱، ص:۱۰۴، حدیث نمبر:۳۰۷۸، بَاب إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ فَإِنَّ)

ترجمہ: ''حضرت سفیان بن ابوزہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کتّا پالا جو نہ تو کھیتی کی حفاظت کا کام کرتا ہے اور نہ مویشیوں کی حفاظت کا، تو کم ہوتے رہیں گے اس کے اعمال میں سے ہر دن ایک قیراط۔''

[حدیث:۸۷۶] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا فَإِنَّهُ يَنْقُصُ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ مَاشِيَةٍ۔''

(صحیح بخاری ج:۸، ص:۱۲۲، حدیث نمبر: ۲۱۵۴، بَابُ اقْتِنَاءِ الْكَلْبِ لِلْحَرْثِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کتّا باندھے اس کے نیک اعمال سے ایک قیراط ہر دن گھٹتا جائے گا، البتہ کھیت اور مویشیوں کی رکھوالی کے لئے کتّا رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے۔''

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ کتّا رکھنا بغیر ضرورت کے جائز نہیں اور ضرورتیں یہاں دو ذکر کی ہیں، تیسری ضرورت دُوسری حدیث میں آتی ہے، شکار، کتّا شکار کے لئے یا گھر کی حفاظت کے لئے حدیث میں گھر کا نہیں بلکہ کھیتی کا ذکر ہے، مویشیوں کی حفاظت کے لئے یا کھیتی کی حفاظت کے لئے، تو یہ دو کتّے تو مستثنیٰ ہیں، اور تیسرا شکار کا، اور چوتھا اگر کسی نے گھر کی حفاظت کے لئے رکھا ہو، مستثنیٰ کا مطلب ہے کہ اس کی اجازت ہے، ورنہ اجازت نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر ان ضرورتوں کے کتّا پالے گا اس کی نیکی میں سے ہر دن ایک قیراط کم ہوتا جائے گا، ''قیراط'' ایک تو وزن کا پیمانہ ہے جو پانچ جَو کے برابر ہوتا ہے، سونے اور چاندی کے تولنے میں وہ پیمانہ استعمال ہوتا ہے، جیسے آٹھ جَو کی ایک رتی ہوتی ہے، یہ قیراط پانچ جَو کا ہوتا ہے، اور بعض اکابر نے بعض احادیث کی بنا پر فرمایا کہ ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے، جَو یہاں کا پیمانہ ہوگا، اور اُحد وہاں کے حساب سے پیمانہ ہوگا، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اس لئے بغیر ضرورت کے کتّا نہ پالا جائے، خاص طور سے اگر کتّا ایسا ہو کہ آنے جانے والوں کو اِیذاء پہنچاتا ہو تو اس کا رکھنا اور زیادہ بُرا ہوگا، اس کے بھونکنے سے لوگوں کی عافیت برباد ہوتی ہے، ویسے ہی کسی کو کاٹ کھاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات برتنوں میں منہ ڈال دیتا ہے، برتن ناپاک ہوجاتے ہیں، اور ایک بیماری کتّے میں یہ ہے کہ جب پیار کرتا ہے اپنے مالک سے تو اس سے لپٹ جاتا ہے، تو اس کے منہ سے لعاب نکلتا ہے وہ نجس ہوتا ہے، تو کتّا پالنے والے کے کپڑے پاک نہیں رہ سکتے، پھر کتّے کی صحبت بھی کتّے کی صحبت ہے، ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں کے اخلاق میں کتّا پن آئے گا، اس لئے کتّا پالنے سے منع کیا گیا۔

گرگٹ کو مارنے کا حکم

[حدیث:۸۷۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَة ......، مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، وَمَنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً لِدُونِ الْأُولَى، وَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً لِدُونِ الثَّانِيَةِ۔“

(صحیح مسلم ج:۱۱، ص:۲۹۵، حدیث نمبر:۴۱۵۶، بَاب اسْتِحْبَابِ قَتْلِ الْوَزَغِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مارڈالے گرگٹ کو پہلی بار تو اس کو اتنا اتنا ثواب ہے، اور جو اس کو دُوسری ضرب میں مارے تو اس کو اتنا اتنا ثواب ہے، پہلی سے کم، اور جو اس کو تیسری بار میں مارے تو اس کو اتنا اتنا ثواب ہے، لیکن دُوسری سے کم۔“

تشریح: اس حدیث میں گرگٹ کے مارنے کی فضیلت بیان کی ہے، یہ جو کئی رنگ بدلتا ہے موٹا سا، بڑی مکروہ شکل ہے اس کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس کو پہلی ضرب میں مارے اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی، جو دُوسری میں مارے اس کو اتنی، اور جو تیسری میں مارے اس کو اتنی اتنی ملیں گی، لیکن پہلے والے سے کم۔ اس کو حرم میں اور اِحرام کی حالت میں مارنا بھی جائز ہے، اور یہ ایسا بدبخت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطے جو نارِ نمرود تیار کی گئی تھی یہ اس کی پھونکیں لگاتا تھا بدبخت، تاکہ آگ بھڑک جائے، اور یہ مولا، یہ پانی کے قطرے لاکر ٹپکا رہا تھا کہ آگ بجھ جائے، اب نہ اس کے پھونکنے سے آگ بھڑکی اور نہ اس کے پانی ڈلنے سے آگ بجھی، لیکن ہر ایک نے اپنی اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا۔

بِدکے ہوئے جانور کے شکار کا طریقہ

[حدیث:۸۷۸] ”عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ...، إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ۔“

(صحیح بخاری ج:۸، ص:۳۹۱، حدیث نمبر:۲۳۰۸، بَاب قِسْمَةِ الْغَنَمِ)

ترجمہ: ”حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان پالتو جانوروں میں بھی بھڑکنے والے، بدکنے والے ہوتے ہیں، جیسے کہ جنگلی جانور بدکنے والے ہوتے ہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صاحب کا اُونٹ بدک گیا، بعض دفعہ یہ

جانور بدک جاتے ہیں یعنی قابو میں نہیں آتے، جیسے وحشی جانور قابو میں نہیں آتا، اسی طرح یہ بدکے ہوئے جانور قابو میں نہیں آتے، پکڑائی نہیں ہورہی تھی اس کی، ایک صحابی نے اس کا تیر کا نشانہ لیا اور "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" کہہ کر اس پر تیر پھینک دیا، نشانہ اپنی جگہ دُرست بیٹھا اُونٹ زخمی ہوگیا اور مرگیا، اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا: "إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ" یہ جو پالتو چوپائے ہیں یہ بھی کبھی کبھی بدک جاتے ہیں جیسے کہ وحشی جانور بدکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا گیا ہے اور آگے حدیث کا جملہ یہ ہے: "پس جب ایسی صورت پیش آجائے تو ان کے ساتھ یہی کیا کرو۔"

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جنگلی جانور کا شکار کرنے کے لئے اگر کوئی شخص تیر سے اس کا نشانہ لے کر پھینکے اور تیر پھینکتے وقت "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" کہہ دے اور وہ تیر اپنے نشانے پر جا بیٹھے اور جانور اس سے زخمی ہوکر مرجائے تو جانور ذبح ہوجاتا ہے، یہ تیر بمنزلہ چھری کے ہے، جیسے جانور کے چھری پھینکتے وقت "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" پڑھتے ہیں اور وہ جانور ذبح ہوجاتا ہے، ایسے ہی ان جنگلی جانور پر "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" کہہ کر تیر پھینکا جائے اور وہ اس کو کسی جگہ سے بھی زخمی کردے گلے پر لگنا شرط نہیں اور اس زخم کی وجہ سے جانور مرجائے تو یہ ذبیحہ بن جاتا ہے، یہی حکم کتّے کا بھی ہے کہ اگر سدھایا ہوا شکاری کتّا "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" کہہ کر چھوڑا جائے اور وہ جاکر جانور کو چیر پھاڑ دے تو وہ جانور حلال ہوجاتا ہے، گلا گھونٹ کر نہ مارے، اگر زخمی نہیں کیا اور گلا گھونٹ کر ماردیا تو وہ حلال نہیں، چیر پھاڑ کرے اور جانور کے زخم ہوجائے اور زخم کی تاب نہ لاکر جانور مرجائے تو کتّے کا شکار کیا ہوا بھی اسی طرح حلال ہوجائے گا، اور یہ کتّا بمنزلہ چھری کے ہوگا۔ ہم نے کتّے پر "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" تکبیر پڑھی تو پھر کتّا چھری کے قائم ہوگیا۔

یہ حکم تو ہے جنگلی جانور کا، اس حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر پالتو جانوروں میں سے کوئی جانور وحشی ہوجائے، بدک جائے اور پکڑائی نہ دے، کسی طرح قابو میں نہ آسکے تو اس کا حکم بھی جنگلی جانوروں کی طرح بن جاتا ہے کہ اس کو "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" کہہ کر تیر مارو یا دُور سے کوئی بھالا، تلوار یا زخمی کرنے والی چیز مارو اور وہ اس کو جا لگے اور اس سے وہ مرجائے خواہ کسی جگہ لگے گلے میں لگنا شرط نہیں تو وہ جانور حلال ہوجائے گا۔ اور یہی حکم ہے اس جانور کا جو کنویں میں گر پڑے، کوئی جانور سیدھا کنویں میں گر گیا، گردن اس کی نیچے ہے اب اس کے ذبح کرنے کی بھی کوئی شکل نہیں اور اس کا نکالنا بھی ممکن نہیں، نکالیں گے تو قابو میں آنے سے پہلے پہلے مرجائے گا تو اس کا حکم یہی ہے کہ نیزہ یا کوئی ایسی چیز اس کے مارو "بِسْمِ اللہِ اَللہُ أَکْبرُ" کہہ کر جہاں بھی لگے خون نکل جائے گا جانور حلال ہوجائے گا۔

تو یوں فرمایا کہ ان چوپایوں میں بھی کچھ بدکے ہوئے جانور ہوتے ہیں، جیسے کہ وحشی جانور بدکے ہوئے ہیں، جب کوئی پالتو جانور ایسا ہوجائے تو ان کا حکم جنگلی شکار کا ہوجاتا ہے، اور اس طرح ”بِسْمِ اللهِ اَللهُ أَكْبَرُ“ کہہ کر تیر مار دیا جائے تو وہ حلال ہوجاتا ہے۔

تصویر اور کتّے کا حکم

[حدیث: ۸۷۹] ”... أَبَا طَلْحَةَ ...، لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةُ تَمَاثِيلَ۔“ (صحیح بخاری ج:۱۱، ص:۲، حدیث نمبر:۲۹۸۶، بَاب ذِكْرِ الْمَلَائِكَةِ وَقَالَ أَنَسٌ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ لِلنَّبِيِّ۔)

ترجمہ: ”حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتّا یا جاندار کی تصویر ہو۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا: جس گھر میں کتّا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، ورنہ یہ کراماً کاتبین جو ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں تم چاہو یا نہ چاہو، ان کو تو بہرحال جانا ہی پڑے گا، البتہ اس سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے جاتے تو ہیں لیکن تمہارے لئے بددُعائیں کرتے ہوں گے کہ ہمیں کیسی گندی جگہ لے آیا۔

یہاں یہ حدیث حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کی ہے، اور اس مضمون کی احادیث اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تھے کسی سفر پر واپس آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنا حجرہ تھوڑا سنگھار لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے، دو چھوٹے چھوٹے گدے میں نے بنوائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگایا کریں گے اور دروازے پر ایک پردہ لٹکالیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر جب اس کو دیکھا تو نہایت ناگواری ہوئی، میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ ہوا ہے؟ توبہ پہلے گناہ کا پوچھنا بعد میں، فرمانے لگے: یہ تم نے تصویروں والا کپڑا لگایا ہوا ہے، تمہیں معلوم ہے یہ ان تصویروں کے بنانے والوں کو کتنا عذاب ہورہا ہے؟ فرماتی ہیں کہ: میں نے وہ پردہ چاک کردیا اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو چاک کردیا (السنن الکبریٰ للبیہقی، کنزالاعمال)۔

اسی طرح متعدد صحابہ کرام سے اس مضمون کی احادیث مروی ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وعدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا، لیکن وہ اپنے وقت پر نہیں آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی پریشان ہوئے اور فرمایا: وہ تو اللہ کے فرشتے ہیں وعدہ خلافی نہیں کرتے، کیا بات ہوگئی۔ گھر میں پریشان

پھر رہے تھے، چار پائی کے نیچے نظر پڑی کہ گھر میں ایک کتّے کا بچّہ پلا بیٹھا ہوا ہے، آپ نے اس کو اُٹھوایا، اس جگہ کو صاف کیا، اپنے دست مبارک سے پانی چھڑکا، وہاں دھونی دی تا کہ کتّے کی بد بو زائل ہو جائے، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو شکایت کی کہ آپ کے آنے کا وعدہ تھا، آپ تو وعدہ خلافی نہیں کرتے، کہنے لگے: یارسول اللہ! میں حاضر ہوا تھا، لیکن آپ کے مکان میں کتّا تھا، اور جس مکان میں کتّا ہو ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے (مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد، نسائی)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتوں اور تصویروں کو فرشتوں کے ساتھ گویا کہ ضدیت کا تعلق ہے، فرشتوں میں نورانیت اور ملکیت ہے اور یہ سراسر خباثت، نجاست اور آلودگی ہے، تصویریں اس لئے کہ ان کی پوجا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ ان کی مشابہت ہے، اور کتّا اس لئے کہ وہ نجس ہے۔

اس سے ہم لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، جس معاشرت کے ہم آج کل مقلد ہیں ان کے یہاں تو کتّے کو تقدّس کا درجہ حاصل ہے، مغربی عورت اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے لیکن کتّے کو نہیں، اور وہ اتنے ''عقل مند'' ہیں کہ انہوں نے کتّے کے نام وراثت تک جاری کی ہے، عدالتوں نے فیصلے کئے ہیں کہ جناب کتّا صاحب کے نام یہ جائیداد منتقل کی جاتی ہے، اس بیہودگی کی کوئی حد ہے؟ کتوں کے نام وصیت کی جاتی ہے! ان کی شیطنت کو واقعتاً مناسبت ہے کتوں سے اور تصویروں سے، جبکہ ہمارے اسلام کے نقطۂ نظر سے کتوں کے ساتھ فرشتوں کو نفرت ہے اور ضدیت کا تعلق ہے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں کتّا ہوگا وہاں فرشتہ نہیں ہوگا۔

اس میں گفتگو ہوئی ہے کہ بعض صورتوں میں کتّا رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، جیسے مویشیوں کی حفاظت کے لئے، جنگل میں گھر ہو تو مکان کی حفاظت کے لئے، کھیتی کی حفاظت کے لئے، تو کیا جس کتّے کے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اس کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے، یا یہ مستثنیٰ ہیں؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اجازت ہونا دوسری بات ہے اور کتّے کی موجودگی میں فرشتے کا نہ آنا دوسری بات ہے، اس میں استثناء نہیں، جہاں بھی کتّا موجود ہوگا وہاں فرشتہ نہیں آئے گا، چاہے اس کی اجازت ہو یا نہ ہو، اور یہی قصہ تصاویر کا بھی ہے۔ اب جدید ''مجتہدین'' نے طرح طرح کی تاویلیں کر کے ان چیزوں کو حلال کر لیا ہے، کسی نے کہہ دیا ہے کہ یہ کیمرے کی تصویر، تصویر نہیں ہوتی، پھر اور کیا ہوتا ہے؟ مصوِّر اپنے قلم کے برش سے تصویر بنائے تو وہ تصویر ہے، اور اگر مشین کے ذریعے بنائے تو وہ تصویر نہیں ہوتی، یہ حکمت ہماری عقل میں نہیں آتی، اور اس بنیاد پر کہ کیمرے کی تصویر تصویر نہیں ہوتی لوگوں نے ٹی وی کے جواز کا بھی فتویٰ دیا، اور اَب سیٹلائٹ کے ذریعے دُنیا بھر کی گندگیاں تمہارے گھر میں آرہی ہیں، وہ بھی جائز ہو جائیں گی! میں نے ایک

موقع پر اس پر لکھا تھا کہ جس شخص نے ہر چیز کو حلال کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو، وہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگا، ورنہ تھوڑی سی عقل استعمال کر کے دیکھو کہ جو حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردے کو برداشت نہیں کرتے تھے وہ تمہارے ٹی وی کے ناچ کو برداشت کرتے؟ اس اُمّ الخبائث کو؟ اور آج یہ نئی نسل کا مسئلہ بن گیا ہے، مجھے تو یہ تشویش رہتی ہے کہ اس نئی نسل کا کیا بنے گا؟ سیٹلائیٹ اور ڈش انٹینا کے ذریعے سے اور کیبل کے ذریعے سے مغرب کی عریاں زندگی بچّوں کو دِکھائی جارہی ہے، ان نابالغوں کو جو ابھی بالغ نہیں ہوئے، غیر شادی لڑکوں کو بھی وہ جنسیات کے تمام مناظر دِکھائے جارہے ہیں اور تم اپنی اولاد کو دِکھا رہے ہو، بیٹے کے کمرے میں الگ لگا ہوا ہے، بیٹی کے کمرے میں الگ لگا ہوا ہے، تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ محمد ﷺ کی اُمّت گراوٹ کی اس حد تک پہنچ جائے گی کہ اپنی عقل، ایمان، اپنے عقیدے اور دین کو ہی خیرباد نہیں کہا، بلکہ اپنی غیرت کو بھی ختم کردیا۔

قربانی کے جانور کی عمر

[حدیث:۸۸۰] ”عَنْ جَابِرٍ . . .، لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ۔“

(صحیح مسلم ج:۱۱، ص:۱۰، حدیث نمبر:۳۶۳۱، باب سِنِّ الْأُضْحِيَةِ)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی میں ذبح نہ کرو مگر ایک سال کی بکری، اِلّا یہ کہ یہ تم پر دُشوار ہوجائے تو ذبح کردو چھ مہینے سے زیادہ کا دُنبہ۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں قربانی کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ بکری اور بھیڑ ایک سال کے ہوں تب اس کی قربانی صحیح ہے، اس سے کم کے ہوں تو اس کی قربانی صحیح نہیں، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک سال کی بکری ہو تو ذبح کیا کرو ورنہ نہیں، اِلّا یہ کہ تمہیں ایک سال کی بکری ملنی دُشوار ہوجائے تو ایسا کرو کہ دُنبے کا چھ سات ماہ کا بچہ ذبح کردو۔

یہاں ضأن کا لفظ ہے، بھیڑ کو کہتے ہیں، اس پر تو اتفاق ہے کہ بکری سال سے ایک دن کم کی بھی ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں، لیکن یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جزع یہ چھ مہینے سے اُوپر کے بچّے کو کہتے ہیں، یہ رعایت بھیڑ کی تمام اقسام کے لیے ہے یا صرف دُنبی کے لئے ہے جس کی چکی ہوتی ہے، یہ بھی حقیقت میں بھیڑ ہی کی ایک قسم ہے، تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے ہر بھیڑ کو، بعض نے کہا کہ یہ حکم صرف دُنبی کے ساتھ خاص ہے، دُنبہ یا دُنبی چھ ماہ سے زیادہ کے ہوں اور تازہ فربہ ایسے ہوں کہ ایک سال والوں

کے ساتھ ان کو چھوڑا جائے تو خاص فرق محسوس نہ ہو، تو ان کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کے گوشت کا حکم

[حدیث: ۸۸۱] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ . . . ، لَا يَأْكُلْ أَحَدٌ مِنْ لَحْمِ أُضْحِيَّتِهِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔“ (صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۱۵۵، حدیث نمبر: ۳۶۴۱، بَاب بَيَانِ مَا كَانَ مِنَ النَّهْيِ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ بَعْدَ۔)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ کھائے تم میں سے کوئی آدمی قربانی کا گوشت تین سے زیادہ۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھائے، لیکن یہ حدیث منسوخ ہے، ناسخ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں فرمایا: میں تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کرتا تھا، اب اجازت دی جاتی ہے، کھاؤ اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو (ابن ماجہ، السنن الکبریٰ للبیہقی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تم کو تین دن سے زیادہ گوشت کھانے سے منع کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کچھ لوگ باہر سے اچانک آ گئے تھے تو ضرورت کی خاطر میں نے منع کر دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ نہ کھائیں جو تین دن سے زیادہ کا گوشت ہے وہ ان لوگوں کو تقسیم کر دیں، فی ذاتہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سدھائے ہوئے جانور سے شکار

[حدیث: ۸۸۲] ”عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ . . . ، إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلْ، قُلْتُ وَإِنْ قَتَلْنَ؟ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا، قُلْتُ لَهُ فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ فَأُصِيبُ، فَقَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْهُ۔“ (صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۵۷، حدیث نمبر: ۳۵۶۰، بَاب الصَّيْدِ بِالْكِلَابِ الْمُعَلَّمَةِ)

ترجمہ: ”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتّے کو شکار پر چھوڑے اور اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے تو اس کو کھا۔ عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: اگرچہ ان کتوں نے شکار کو مار ڈالا ہو؟ فرمایا: چاہے مار ڈالا ہو! بشرطیکہ کوئی اور کتّا ان کے ساتھ شریک نہ ہو

جوان میں سے نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ: میں کبھی کبھی تیر کے ساتھ شکار کرتا ہوں وہ لگ جاتا ہے، فرمایا: جب تو تیر کے ساتھ شکار کرے اور وہ چیر کر زخم کر دے تو اس کو کھالے، اور اگر وہ چوڑائی میں اس کو لگے اور اس کو مار ڈالے تو اس کو نہ کھا۔‘‘

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

[حدیث:۸۸۳] ’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ...، مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔‘‘

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۲۵، حدیث نمبر:۲۷۷۵، بَاب فَضْلِ الْعِتْقِ)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص غلام یا لونڈی کی گردن آزاد کرے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ہر جوڑ کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ایک ایک جوڑ جہنّم سے آزاد کریں گے۔‘‘

تشریح: یہ حدیث ہے غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں، پہلے زمانے میں غلام باندیاں ہوتی تھیں اور قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اور بہت سی احادیث مبارکہ میں غلاموں اور باندیوں کے متعلق اَحکامات بیان کئے گئے ہیں، اور ہماری فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل کتاب کا عنوان ہی ’کتاب العتق‘ یا ’کتاب العتاق‘ جس طرح کہ ’کتاب الصلوٰۃ‘ نماز کا بیان، ’کتاب الصوم‘ روزے کا بیان، ’کتاب الحج‘ حج کا بیان، ’کتاب النکاح‘ نکاح کا بیان، اس کے مسائل اسی طرح ایک مستقل کتاب ہے فقہ کی کتابوں میں ’کتاب العتق‘ غلام کے آزاد کرنے کے مسائل۔ اور اسی طرح ایک مستقل کتاب کا عنوان ہے ’کتاب السِّیَر‘ یعنی وہ مسائل جو کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے متعلق ہیں، ان میں سے ایک ان کو غلام اور باندی بنانا بھی ہے۔ بہت سے عقل منداس غلامی کے مسائل کا انکار کرتے ہیں، شاید ان آیتوں کو، ان احادیث کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

میری بچّی بتا رہی تھی کہ یہاں ہمارے ایک عزیز رہتے ہیں، یہ وہاں ملنے گئی تھی، ایک عورت ہمسائے کی ان کے گھر آئی ہوئی تھی، وہ بھی پنجابی تھی، وہ اپنے خاص پنجابی لہجے میں کہنے لگی: ’اب تو لوگوں کو خدا سے بھی زیادہ عقل آ گئی‘ نعوذ باللہ، وہ تو بھولے پن میں یہ کہہ گئی، یعنی ایسی ایسی چیزیں ایجاد کرلیں، تو یہ غالباً (معاذ اللہ) خدا سے زیادہ عقل مند بن گئے، استغفر اللہ!

غلامی کے مسئلے کی حقیقت کو سمجھا نہیں اور اِعتراض کر دیا، تو بہرکیف! یہاں تو یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور لونڈی کے آزاد کرنے کی فضیلت بیان کی ہے، فرمایا: جو شخص کسی رقبہ مؤمنہ

یعنی کسی مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو دوزخ سے آزاد کریں گے۔ اور اس حدیثِ پاک کی بنا پر بعض لوگوں نے اس بات کو مستحب سمجھا ہے کہ غلام یا لونڈی جو آزاد کی جائے اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں، ناقص العضو نہ ہوتا کہ اس کا وہ عضو بھی جہنّم سے آزاد ہو جائے، اور بعض لوگوں نے اس کو مستحب سمجھا کہ مرد مرد کو آزاد کرے، عورت عورت کو آزاد کرے۔ یہ کنایہ ہے کہ اس کے پورے وجود کے بدلے میں اس کا پورا وجود جہنّم سے آزاد ہو جائے گا، اعضاء کی تفصیل مراد نہیں، مقصد یہ ہے کہ اس کے پورے پورے کے بدلے میں، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے پورے وجود کو جہنّم سے آزاد فرمائیں گے۔

غلام اور باندی کے متعلق احکامات

[حدیث:۸۸۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ... مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِنْ مَمْلُوكِهِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ فِي مَالِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ الْمَمْلُوكُ قِيمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ اسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ۔“ (صحیح بخاری ج:۸، ص:۳۹۷، حدیث نمبر:۲۳۱۲، بَاب تَقْوِيمِ الْأَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيمَةِ عَدْلٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا حصہ مشترک غلام سے آزاد کرے تو اس پر ضروری ہے اپنے مال سے اس کو بالکل خلاصی کرا دینا (یعنی اور شریکوں کے حصے اپنے مال سے ادا کرے) اور اگر آزاد کرنے والا مال دار نہ ہو تو پھر اس غلام کی قیمت فرض کی جائے، پھر دُوسرے شریکوں کے حصے کے بقدر غلام سے مزدوری کروائے، مگر اس پر جبر نہ ڈالے۔“

[حدیث:۸۸۵] ”عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ... مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ آخَرَ قُوِّمَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ قِيمَةَ عَدْلٍ لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ ثُمَّ عَتَقَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا۔“ (صحیح مسلم ج:۸، ص:۴۹۲، حدیث نمبر:۳۱۵۰، بَاب مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مشترک غلام کو آزاد کرے تو اس کے مال سے دُوسرے شریک کے حصے کے موافق کسی ثالث سے قیمت ٹھہرالی جائے، نہ گھٹا کر نہ بڑھا کر، (بشرطیکہ وہ مال دار ہو) پھر وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا یعنی غلام آزاد کے مرنے کے بعد اس کے

مال کا آزاد کرنے والا مالک ہوگا۔“

تشریح: یہ دونوں حدیثیں بھی غلام اور لونڈیوں سے متعلق ہیں، اور ان دونوں حدیثوں کا مشترک مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کا مشترک غلام تھا، یعنی اس کے آدھے آدھے کے دو مالک تھے، یا ایک کا حصہ کم، ایک کا زیادہ، جس طرح مکان کے بھی دو مالک ہو سکتے ہیں، کسی جانور کے دو مالک شریک حصے دار ہو سکتے ہیں، تو ایک غلام میں دو حصے دار تھے، ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اب یہ دیکھیں گے کہ یہ آزاد کرنے والا مال دار ہے یا نہیں؟ اگر یہ مال دار ہے تو اس کے ذمے ہوگا کہ اپنے باقی حصہ داروں کے حصے ادا کرے، مثلاً چار ہزار کا غلام تھا، اور یہ چار آدمی اس کے حصے دار تھے، اس ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو باقی تین ہزار روپے اپنے شریکوں کو دے، ایک ایک ہزار کر کے اور یہ پورے کا پورا غلام اس کی طرف سے آزاد سمجھا جائے گا۔ اور اگر یہ مالدار نہیں ہے بلکہ بے چارہ بے مال ہے تو اس صورت میں اس کو اس کے حصے دار نہیں پکڑ سکتے کہ ہمیں ہمارا حصہ دو، جس غلام کو آزاد کیا گیا ہے، اس غلام سے اپنے پیسے وصول کریں گے، وہ غلام آزاد سمجھا جائے گا۔ لیکن اس غلام کی قیمت لگا کر کے جتنا جتنا حصہ آزاد نہ کرنے والوں کا بیٹھتا ہے وہ اس پر محنتانہ لگا دیں گے کہ اتنا روپیہ روزانہ دے دیا کرو، جیسے ٹیکسی والے دیتے ہیں ناں! جیسے ٹیکسی ڈرائیور مالکوں کو پیسے دیتے ہیں مہینے کا، اتنا تم دیا کرو، اوسط کہ انصاف کے ساتھ اتنی ہو سکتی ہے، اوسط کمائی کو دیکھا جائے گا غلام اتنا کما سکتا ہے اور کھا پی کر اتنا ادا کر سکتا ہے، اتنے پیسے اور اتنی قسطیں اس کی مقرّر کر دیں گے اور وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔

یہ ہے خلاصۂ مضمون ان دونوں حدیثوں کا۔ اس مسئلے میں ذرا سا اختلاف بھی ہوا ہے، وہ یہ کہ ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آزاد کرنے والا مال دار ہو یا بے مال ہو، دونوں صورتوں میں جس شخص نے بھی اپنا آدھا حصہ آزاد نہیں کیا ہے، اس کو اپنا حصہ آزاد کرنے کا بھی حق ہے، اور اس کو یہ بھی حق ہے کہ غلام سے اس کی سعی کرالے، تو ہمارے اِمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دو شریکوں میں سے ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر لیا، اور تھا یہ مال دار تو اس کا جو دُوسرا ساتھی حصہ دار ہے اس کو تین اختیار حاصل ہیں:

۱ اگر وہ چاہے تو جس طرح اس کے ساتھی نے آزاد کیا یہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے، دونوں کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، آدھا اِس کی طرف سے، آدھا اُس کی طرف سے۔

۲ اور اگر چاہے تو اپنے ساتھی کو ضامن بنائے کہ مجھے میرے پیسے دو، غلام اس کی طرف سے سارا کا سارا آزاد ہوگا، کیونکہ مال دار ہے دے سکتا ہے، اس لئے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے

ساتھی سے اپنے حصے کے پیسے لے لے انصاف سے، یعنی منصفانہ غلام کی قیمت لگا کر پیسے لے لے، جتنا حصہ اس کا تھا وہ غلام آزاد کرنے والے سے وصول کر لے۔ اس صورت میں یہ پورے کا پورا غلام پہلے شخص کی طرف سے آزاد ہو گا۔

۳ اور تیسرا حق اس کو یہ حاصل ہے کہ غلام سے کمائی کروالے اپنے حصے کی، مثال کے طور پر دو ہزار روپے غلام کی قیمت تھی، دو اس میں حصہ دار تھے، ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اور ہے یہ مال دار تو اب دُوسرے ساتھی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بھی آزاد کر دے تو غلام فی الفور آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنے اس ساتھی سے جس نے آزاد کیا ہے اپنا ہزار روپیہ وصول کر لے، غلام اب بھی پورا آزاد ہو گیا، اور یہ پہلے مالک کی طرف سے آزاد ہوا، کیونکہ اس نے آدھا تو آزاد کر دیا تھا اور آدھے کے پیسے ادا کر دیئے۔ اور تیسرا اختیار اس کو یہ حاصل ہے کہ تھوڑے تھوڑے کر کے یہ غلام سے اپنے پیسے قسط وار لے لے، اپنے ساتھی کو ضامن نہ بنائے، غلام سے کہہ دے کہ تم آدھے آزاد ہو گئے ہو، تمہاری منصفانہ اتنی قیمت بنتی ہے، اور تم اتنے عرصے میں میرا حصہ کما کر مجھے ادا کر دو، اس صورت میں یہ غلام دونوں کی طرف سے آزاد سمجھا جائے گا، ایک نے بلا معاوضہ آزاد کر دیا، ایک نے معاوضہ لے کر آزاد کر دیا۔ یہ تو اس صورت میں جبکہ آزاد کرنے والا مال دار ہو، اور اگر آزاد کرنے والا مال دار نہ ہو، بے مال ہو تو پھر دُوسرے شریک کو پہلی اور تیسری صورت اختیار ہے، یعنی یا تو آزاد کر دے، یا غلام سے سعی کروالے، یہ قول ہے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا۔

اور حضرت کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر وہ مال دار ہو تو صرف اس کو ضامن بنا سکتا ہے، نہ آزاد کر سکتا ہے اور نہ غلام سے سعی کروا سکتا ہے، اور اگر معسر (تنگ دست) ہو تو صرف غلام سے سعی کروا سکتا ہے، نہ آزاد کر سکتا ہے، نہ ضامن بنا سکتا ہے، اسی قول کو اِختیار کیا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اور دیگر ائمہ نے بھی، اس ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے، لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آزاد کرنے کا حق اس کو ہر وقت حاصل ہے، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر ہی نہیں فرمایا، اور جبکہ ایک آزاد کرنے والا حصہ دار اس کا مال دار ہے تو عام طور پر دُوسرا شریک اس کو ضامن بنانا ہی پسند کرے گا، اس لئے اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کو ذکر ہی نہیں فرمایا، دو صورتیں یوں ساقط ہو گئیں، تیسری آپ نے ایک صورت کو بیان فرمایا، ورنہ اس کو اِختیار تینوں کا ہے اور اسی طرح اس کے معسر (تنگ دست) ہونے کی صورت میں ہے۔

خیر یہ مسائل تو اَب پیش ہی نہیں آتے، لوگ غلامی کا ویسے ہی انکار کر رہے ہیں، اگر پھر کبھی ضرورت پیش آ گئی تو پھر کیا کرو گے؟ جہادِ شرعی جاری ہوا اور اس میں غلاموں اور لونڈیوں کی صورت

پیش آ گئی تو پھر کیا کرو گے؟ پھر کہیں گے کہ: ہم اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور اَقوامِ متحدہ جو حکم دے گی اس کو بجالائیں، خدا اور اس کے رسول کا نہیں۔ دیکھ ہی رہے ہو اَقوامِ متحدہ کس طرح ذلیل کر رہی ہے ہمیں، ہمارے سامنے ہی ہے، اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے اَقوامِ متحدہ کے اَحکام یا امریکہ کا ورلڈ آرڈر (World Order) یہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے بہ نسبت خدا اور رسول کے، جوتے بھی پھر اسی لئے پڑ رہے ہیں سر پر۔

اپنے غلام پر تہمت لگانا

[حدیث:۸۸۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ...، مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيءٌ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ۔“

(صحیح بخاری ج:۲، ص:۱۰۱۴، حدیث نمبر: ۶۳۵۲، بَاب قَذْفِ الْعَبِيدِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے غلام پر حرام کاری کی بدون کئے تہمت لگائے تو اس کو قیامت کے دن کوڑے لگیں گے، مگر یہ کہ اس نے ایسا کیا ہو تو نہیں لگیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے غلام پر تہمت لگائے بدکاری کی تو چونکہ دُنیا میں اس پر حکم جاری نہیں ہوسکتا، غلام بے چارے کی حیثیت ہی کیا ہے، وہ اپنے آقا کے خلاف نالش ہی نہیں کرسکتا ہے، لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ یہاں نہیں بول سکتا تو اور کوئی عدالت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کے دُرّے لگائے جائیں گے، کوئی شخص کسی پاک دامن پر تہمت لگائے تو اس کے اَسّی دُرے لگتے ہیں، اور اگر غلام تہمت لگائے تو اس کو چالیس دُرے لگتے ہیں، آدھی سزا ملتی ہے اس کو، تو غلام پر تہمت لگانے والے کو دُنیا میں سزا نہیں مل سکتی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر سزا جاری فرمائیں گے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوجانی چاہئے کہ اگر کوئی شخص معاشرے میں اتنا کم تر، دبا ہوا اور کمزور ہے کہ اس کی جانب سے کوئی آواز نہیں اُٹھائی جاتی تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ آواز یہیں دب گئی، بلکہ ایک عدالت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے اور اس میں ہر ایک کو ضرور انصاف ملے گا، اس عدالت میں سب برابر ہیں، ایک سطح پر ہیں اور وہاں اتنی باریک بینی سے انصاف ہے کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ والی کے سینگ مارا ہوگا تو قیامت کے دن اس کا بدلہ بھی لیا جائے گا، کسی شخص نے کسی مویشی کو مارا ہے، تو اس کا بھی بدلہ ہوگا، کسی نے اپنے بچّے کو مارا تو اس کا بھی بدلہ لیا جائے

گا، اپنی بیوی کے ساتھ زیادتی کی، اس کا بھی بدلہ لیا جائے گا، **أَحْكَامُ الصِّغَارِ** یا **الصِّبْيَانِ** کتاب میں ذکر کیا ہے بچّے کو تین ضربیں لگانا جائز ہے، حکم ہے کہ جب بچّہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم کرو، دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو، اس کے ضمن میں ذکر کیا ہے تین ضربیں مارو اور اگر زیادہ مارو گے تو حساب لیا جائے گا۔

یہ جو قاری صاحبان پڑھاتے ہیں ان کو بھی حکم ہے کہ تین ضربیں ماریں، زیادہ ماریں گے تو حساب کتاب لیا جائے گا، مجھے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر اکثر یاد آتا ہے، جس کا اُردو ترجمہ ہے: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو انصاف کے دن پر اِیمان ہی نہیں ہے، یہ لوگ اللہ کے معاملے میں ایسا کھوٹ ملاتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ان کو انصاف کے دن پر یقین ہی نہیں ہے۔ یہ ہمیں آئینہ دِکھایا ہے، ہمارے معاملات دُنیا کی عزّت و ذِلت، دُنیا کے نفع و نقصان کو دیکھ کر مرتب کئے جاتے ہیں، آخرت کی عزّت و ذِلت کسی کے پیشِ نظر ہی نہیں، اِلَّا ماشاء اللہ!

غلاموں اور خادموں کے ساتھ احسان

[حدیث:۸۸۷] "...أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ...، إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ۔ (قاله له حين عير غلامه بأمه)" (صحیح بخاری ج:۱، ص:۵۲، حدیث نمبر:۲۹، بَاب الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا)

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے، یہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے خادم ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھ کے نیچے کر دیا ہے، سو جس کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو سو اس کو کھلائے اس میں سے جو خود کھاتا ہے اور اس کو پہنائے جو اس میں سے جو خود پہنتا ہے، اور ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کو دبا لے، اگر تم کوئی بوجھ کا کام ان کو کہو تو اس میں ان کی خود بھی مدد کرو۔"

تشریح: اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ربذہ میں الگ تھلگ رہا کرتے تھے، کوئی صاحب بتاتے ہیں کہ میں ان کی زیارت کے لئے گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک نیا حلہ، نیا سوٹ اس کی ایک چادر غلام کو پہنائی ہوئی ہے اور ایک خود پہنی ہوئی ہے، میں نے کہا: حضرت! آپ نے تو

ذوق کا ستیاناس کر دیا، یہ چادر جو آپ نے غلام کو پہنائی ہوئی ہے ایک خود، تو دُوسری بھی آپ ہی لے لیتے ایک نفیس سوٹ بن جاتا۔ فرمانے لگے: بات یہ ہوئی کہ ایک دفعہ میں ایک غلام سے جھگڑ رہا تھا، اسی جھگڑے میں میں نے اس کی ماں کو گالی دے دی، گالیاں ہماری طرح کی نہیں، بلکہ یوں کہا کہ تیری ماں باندی ہوگی، یا یوں کہا کہ تو باندی کی اولاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا، مجھ سے کڑک کر فرمایا کہ: اے ابوذر! تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے، یعنی جاہلیت زمانے کی خوبو ہے، اپنے نسب پر فخر کرنا دُوسروں کو حقیر سمجھنا یا گھٹیا نسب کے طعنے دینا جیسے کسی کو یہ کہہ دیا: ''تو تو جولاہا ہے، موچی ہے'' تو فرمایا کہ: تو ایک ایسا آدمی جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے، تو نے اس کی ماں کو اس کی ماں کی عار دِلائی۔

یہ واقعہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود بیان کر رہے ہیں، کوئی اس کو نقل نہیں کر رہا، ان کو ڈانٹ پڑی اس کو وہ خود ہی نقل کر رہے ہیں کسی اور نے نقل نہیں کیا کہ ابوذر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا تھا کبھی تذکرہ بھی نہیں آیا۔ پھر فرمایا: یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جس ماں باپ کی اولاد تم ہو اسی ماں باپ کی اولاد یہ بھی ہیں، یعنی یہ بھی انسان ہیں اور تمہارے خادم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ہاتھوں کے نیچے کر دیا ہے، تم زبردست ہو یہ زیردست ہیں، تم حاکم یہ محکوم، تم آقا یہ غلام، پس جس شخص کے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے اس کا زیردست بنا دیا ہو اس کو یہ چاہئے کہ جو خود کھاتا ہے اس کو وہ کھلائے، جو خود پہنتا ہے اس کو وہ پہنائے، یہ نہیں کہ اچھا کھانا خود کھائے اور گھٹیا کھانا نوکروں کو کھلائے اور یہ نہیں کہ خود اچھا کپڑا پہنے اور نوکروں کو گھٹیا کپڑے پہنائے، اور فرمایا: ان کو ان کی خدمت سے زیادہ کام کی زحمت نہ دیا کرو، جتنا بوجھ اُٹھا سکتے ہیں اتنا بوجھ ان سے اُٹھواؤ کہ یہ بیچارے اس میں دب جائیں، اور اگر کام کروانے کی ضرورت پیش آ ہی جائے تو اگر ایسا کام آن پڑا ہو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو تو خود ان کی اعانت کیا کرو، تم بھی ساتھ لگ جایا کرو۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مکارمِ اخلاق ہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے، یہ تعلیم ہمارے لئے ہے، لوگ اس کو تو دیکھتے ہیں کہ اسلام غلامی کا قائل ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے غلامی کا معیار کیا قائم کیا ہے، ان کو ہمارا بھائی اور ہمارے برابر کا بنا دیا ہے، اور فرمایا کہ جو خود کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ۔

اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی شخص کو ماں کی عار دِلانا، تیری ماں ایسی تھی، یہ جاہلیت کا کام ہے، اسلام میں یہ جائز نہیں، اور حضراتِ صحابہ کرام کی شرافت، عزت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت بھی معلوم ہوئی کہ ٹھیک وہی لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائے تھے ساری عمر مزے لے لے کر اس کو ذکر فرماتے تھے: ''إِنَّکَ امْرُؤٌ فِیکَ جَاهِلِیَّةٌ'' ایسا

معلوم ہوتا جیسے کسی کو شاباش دی ہو، یا کوئی تمغہ دیا ہو، اور وہ اپنے تمغے کی نمائش کرتا ہے، صحابہ کرام کے لئے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلا ہے اتنا پیارا تھا کہ وہ ان کو شاباش سے زیادہ محبوب تھا، یہ ان کی عالی قدر عالی ہمتی اور ان کی بلند پروازی ہے، وہ اتنے اُونچے تھے۔ یہاں تو اگر ماں باپ بھی اگر کسی کو کچھ کہہ دیتے ہیں تو بولنا چھوڑ دیتے ہے، ہماری اَنا تو اتنی مجروح ہوجاتی ہے کہ ماں باپ سے منہ بگاڑ لیتے ہیں، اور کبھی کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ خدا نہ کرے ماں باپ کے سامنے بولنے لگتے ہیں، یہ ہماری رذالت ہے، یہ انسانی پستی کا معیار ہے، اور یہ اکابر اپنی ڈانٹ کو بھی مزے لے کر بیان فرمارہے ہیں اور اپنی زبان سے، اور یہ بھی کہ کبھی کسی صحابی نے ابوذر کو عار نہیں دِلائی کہ تجھے رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا تھا، وہ بھی جانتے تھے۔

غلاموں کے متعلق

[حدیث:۸۸۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ...، لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَأَمَتِي، كُلُّكُمْ عَبِيدُ اللهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ إِمَاءُ اللهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيَتِي وَفَتَايَ وَفَتَاتِي۔“ (صحيح مسلم ج:١١، ص:٣٢٣، حديث نمبر:٤١٧٧، بَاب حُكْمِ إِطْلَاقِ لَفْظَةِ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ وَالْمَوْلَى وَالسَّيِّد)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہا کرے کہ میرا بندہ، میری بندی، تم سب اللہ کے بندے ہو، اور تمہاری ساری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، بلکہ یوں کہا کرے کہ میرا غلام، میری لونڈی، میرا جوان، میری جوان عورت۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ پہلے لوگ اپنے غلام اور لونڈی کو عربی میں ”عبد“ اور ”اَمہ“ کہا کرتے تھے، عبد کا معنی ہے بندہ اور اَمہ کا معنی ہے بندی۔ تو عرب محاورے میں غلام کو عبد کہا جاتا تھا اور لونڈی کو اَمہ یعنی بندی یا باندی کہا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس لفظ کو بھی تبدیل فرمایا اور فرمایا کہ کوئی اپنے غلام اور لونڈی کو عبد اور اَمہ نہ کہا کرے اس لئے کہ تم سب کے سب اللہ کے بندے ہو، اور تم سب کی عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، اس لئے کوئی کسی کا بندہ نہیں ہوسکتا اور کوئی کسی کی بندی نہیں ہوسکتی، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ البتہ اس مضمون کو ادا کرنے کے لئے غلام، جاریہ، فتیٰ، فتات استعمال کیا کرو، اس کا مطلب بھی یہی ہے، میرا غلام، میری لونڈی، کبھی کبھی وہ لوگ غلام کو چھوکرا کہا کرتے تھے، اس کا معنی فتیٰ ہے، اور لونڈی کو فتات کہتے یعنی چھوکری، تو یہ الفاظ کہا کرو، عبد اور اَمہ کا لفظ استعمال نہ کیا کرو۔

کتاب آداب الطّعام والشّراب

کھانے کے آداب واَحکام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز پر رکھ کر کھانا تناول فرماتے تھے؟

[حدیث:۸۸۹] ”عَنْ اَنَسٍ قَالَ: مَا اَكَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی خُوَانٍ وَلَا فِیْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ۔ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: فَعَلٰی مَا كَانُوْا يَاْكُلُوْنَ؟ قَالَ: عَلٰی هٰذِهِ السُّفَرِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱ ”بَابُ مَا جَاءَ عَلٰی مَا كَانَ يَاْكُلُ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ کبھی طشتریوں میں، اور نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میدے کی چپاتی پکائی گئی۔ یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ: پھر وہ حضرات (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کس چیز پر رکھ کر کھانا کھایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ان دسترخوانوں پر۔“

تشریح: خوان، میز یا چوکی کو کہتے ہیں، ایسی چیز جو فرش سے اُونچی ہو، اس پر رکھ کر کھانا کھانا متکبروں کا ایجاد کیا ہوا طریقہ ہے تاکہ انہیں کھانے کے لئے جھکنا نہ پڑے۔ ”کوکب درّی“ میں حضرت گنگوہی نوّر اللہ مرقدہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے: ”خوان پر کھانا فی نفسہٖ مباح ہے، مگر کرسی میز پر کھانا اس زمانے میں نصاریٰ کا طریقہ ہے، اور دُوسرے لوگ محض ان کی تقلید میں میز پر کھاتے ہیں، اس لئے یہ نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہے۔“

اس ناکارہ نے اپنے اکابر کا معمول دیکھا کہ اگر سفر میں کبھی میز پر کھانا کھانے کی نوبت آئی تو پاؤں

کرسی پر رکھ لیتے، تاکہ حتّی الامکان نصاریٰ کی مشابہت سے بچا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا، کیونکہ چھوٹی چھوٹی طشتریوں کا استعمال اہلِ ترفہ کے یہاں ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض طشتریوں میں ایسی چیزیں (اَچار و چٹنیاں) رکھی جاتی ہیں جو ہضم میں معین ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں امیروں کے یہ چونچلے نہیں تھے، نیز ان کے یہاں کھانے کی ایسی افراط بھی نہیں تھی کہ انہیں کھانا ہضم کرنے کے لئے بیرونی ذرائع سے کام لینے کی ضرورت پیش آئے، ان کے یہاں جو کھانا ہوتا وہ کھلے برتنوں میں کھایا جاتا، جن میں کئی کئی آدمی بیک وقت کھا سکیں۔

اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چھلنیوں کا رواج نہیں تھا اور نہ میدے کی چپاتی تیار کی جاتی تھی، ان کے یہاں اکثر و بیشتر جَو کی روٹی ہوتی تھی، اور وہ بھی بے چھنے آٹے کی، بے چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم ہوتی ہے، اور میدے کی روٹی نہایت ثقیل۔ مگر محض لذّتِ کام و دہن کی خاطر لوگ میدے کی چپاتیاں تیار کرتے ہیں، میدے کی چپاتی کھانا جائز ہے، اور چھلنی سے آٹا چھاننا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ترفہ اور تنعّم کے اظہار کے لئے نہ ہو۔

خرگوش کھانے کا حکم

[حدیث:۸۹۰] ”عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ: أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعٰى أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهَا فَأَدْرَكْتُهَا فَأَخَذْتُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ، فَبَعَثَ مَعِيَ بِفَخِذِهَا أَوْ بِوَرِكِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَهُ۔ فَقُلْتُ: أَكَلَهُ؟ قَالَ: قَبِلَهُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ الْأَرْنَبِ“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مرالظہر ان میں (یہ مکہ و مدینہ کے درمیان مکہ مکرّمہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے) ہم نے ایک خرگوش کو ہشکایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (اس کو پکڑنے کے لئے) اس کے پیچھے بھاگے، (میں بھی بھاگا) چنانچہ میں نے اس کو جا پکڑا، میں اسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، انہوں نے تیز پتھر کی دھار سے اسے ذبح کیا، پھر اس کی ران یا اس کا کولہا مجھے دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، پس آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا، (راوی کہتے ہیں) میں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ: آپ ﷺ نے کھایا تھا؟ فرمایا: قبول تو فرمالیا تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ: اس باب میں حضرت جابر، حضرت عمار اور حضرت محمد بن صفوان رضی اللہ عنہم، جن کو محمد بن صیفی بھی کہا جاتا ہے، سے احادیث مروی ہیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اکثر اہلِ علم کا عمل اس پر ہے، وہ خرگوش کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اور بعض اہلِ علم نے خرگوش کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کو حیض آتا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ کہ اگر اس کا کھانا جائز نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول ہی نہ فرماتے۔ خرگوش کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے میں خفیف سا اختلافِ رائے رہا، جیسا کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اکثر اہلِ علم اس کو جائز سمجھتے تھے اور بعض اس سے کراہت کرتے تھے، لیکن ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ خرگوش حلال ہے۔

مجمع الزوائد (ج:۴ ص:۳۶) میں مسندِ ابویعلیٰ اور طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خرگوش کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ: حضرت عمار کو بلاؤ! حضرت عمار رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں جگہ تھے، وہاں خرگوش کا کیا قصہ پیش آیا تھا؟ اس کو بیان کیجئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک اَعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خرگوش ہدیہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی رُفقاء کو کھانے کا حکم فرمایا، وہ اَعرابی کہنے لگا کہ: میں نے (اس کو) خون (آتے) دیکھا ہے، (یعنی اسے حیض آتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کچھ نہیں، قریب ہوجاؤ اور کھاؤ! اس نے کہا: میں روزے سے ہوں! فرمایا: روزہ کیا؟ اس نے عرض کیا کہ: ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتا ہوں، فرمایا: پھر تم نے اَیامِ بیض سے کیوں نہ رکھے؟

اس حدیث سے بعض لوگوں کا یہ شبہ جاتا رہا کہ چونکہ اس کو حیض آتا ہے اس لئے شاید اس کا کھانا دُرست نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کے بارے میں فرمایا: ”لَیْسَ بِشَيْءٍ“ یعنی شبہ کچھ نہیں اور اس کے حلال نہ ہونے کا شبہ کرنا صحیح نہیں۔

گوہ (سوسمار) کے کھانے کے بارے میں

[حدیث:۸۹۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ أَكْلِ الضَّبِّ فَقَالَ: لَا اٰكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَثَابِتِ بْنِ وَدِيعَةَ وَجَابِرٍ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ أَكْلِ الضَّبِّ فَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ

مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: أُكِلَ الضَّبُّ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا تَرَكَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقَذُّرًا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ الضَّبِّ“)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ: میں نہ اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام کہتا ہوں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس باب میں مندرجہ ذیل حضرات سے بھی احادیث مروی ہیں: حضرت عمر، ابوسعید، ابنِ عباس، ثابت بن ودیعہ، جابر اور عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہم، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور گوہ کے کھانے پر اہلِ علم کا اختلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات میں سے بعض اہلِ علم نے اس کے کھانے کی اجازت دی ہے، اور بعض نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: گوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کھائی گئی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف طبعی گھن کی وجہ سے اس کو تناول نہیں فرمایا۔“

تشریح: ”گوہ“ جسے فارسی میں ”سوسمار“ کہا جاتا ہے، رینگنے والے جانوروں میں سے ایک مشہور جانور ہے۔ چھپکلی کے مشابہ ہوتا ہے اور تین سے پانچ فٹ لمبا ہوتا ہے، اس کی کھال سخت اور بہت کارآمد ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اس مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے سے اختلاف چلا آتا ہے کہ گوہ حلال ہے یا نہیں؟ چنانچہ ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان بھی اختلاف ہے، حضرت اِمام مالک، اِمام شافعی اور اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حلال ہے، اور اِمام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابویوسف اور اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حلال نہیں۔

سننِ ابوداؤد میں حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ ص:۳۶۱)۔

مؤطا امام محمد (ص:۲۸۵) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کو گوہ ہدیہ کی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرمایا، اتنے میں ایک مانگنے والی خاتون آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دینا چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چیز خود نہیں کھاسکتی وہ اس کو کھلاتی ہو؟

نیز حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ اور ہنڈار کے کھانے سے منع فرمایا۔

علاوہ ازیں گوہ کا شمار حشرات الارض میں ہوتا ہے، متعدّد اَحادیث میں یہ مضمون وارِد ہوا ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”بنی اسرائیل میں ایک جماعت مسخ ہوئی تھی، مجھے اندیشہ ہے کہ گوہ کی شکل میں مسخ نہ ہوئی ہو۔“ اور کسی جانور کی شکل میں کسی اُمّت کا مسخ ہونا، اس کے خبیث ہونے کی علامت ہے۔ بہرحال اس باب میں دلائل متعارض ہیں، اس لئے حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے ان دلائل کو ترجیح دی ہے جن سے اس کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم!

بجو کے کھانے کے بارے میں

فائدہ:...... ”الضبع“ کے بارے میں صاحبِ قاموس لکھتے ہیں کہ: یہ ایک درندہ ہے، بھیڑیے کے مشابہ ہے، جب چلتا ہے تو ایک طرح لنگڑا کر چلتا ہے۔

”ضبع“ کا ترجمہ عام طور سے ”بجو“ کیا جاتا ہے، مصباح اللغات، المنجد اُردو اور مظاہرِ حق جدید میں بھی اس کا ترجمہ ”بجو“ کیا گیا ہے۔ (جدید کتبِ لغات میں اس کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے)۔

[حدیث:۸۹۳] ”عَنِ ابْنِ أَبِیْ عَمَّارٍ قَالَ: قُلْتُ لِجَابِرٍ: اَلضَّبُعُ أَصَیْدٌ هِیَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قُلْتُ: اٰكُلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ! قُلْتُ: أَقَالَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ! هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا وَلَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِأَكْلِ الضَّبُعِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَرُوِیَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثٌ فِیْ كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الضَّبُعِ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الضَّبُعِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ أَكْلِ الضَّبُعِ“)

ترجمہ: ”ابنِ ابی عمار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ: کیا ضبع شکار ہے؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا: اس کو کھاسکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا کہ: یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے؟ فرمایا: ہاں! امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، بعض اہلِ علم اس کی طرف گئے ہیں، وہ ضبع کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اِمام احمد و اِسحاق رحمہما اللہ کا یہی قول ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث ضبع کے کھانے کی کراہیت میں مروی ہے اور اس کی سند قوی نہیں، اور بعض اہلِ علم نے ضبع کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہی قول ہے۔“

[حدیث:۸۹۴] ”عَنْ حِبَّانَ بْنِ جَزْءٍ عَنْ أَخِيْهِ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزْءٍ قَالَ: سَأَلْتُ

رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الضَّبْعِ فَقَالَ: أَوَ يَأْكُلُ الضَّبْعَ أَحَدٌ؟ وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الذِّئْبِ فَقَالَ: أَوَيَأْكُلُ الذِّئْبَ أَحَدٌ فِيهِ خَيْرٌ؟۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۱)

ترجمہ: ’’حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضبع کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: کیا کوئی شخص ضبع کو بھی کھا سکتا ہے؟ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیے کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص جس میں کوئی خیر ہو، بھیڑیے کو بھی کھائے گا؟‘‘

تشریح: ضبع کے بارے میں اختلاف ہے، اِمام شافعی اور اِمام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے، اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام ہے۔

پہلی حدیث اِمام شافعی اور اِمام احمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے، اور دُوسری حدیث اِمام ابوحنیفہ اور اِمام مالک رحمہما اللہ کی دلیل ہے۔ یہ دُوسری حدیث، جیسا کہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اگرچہ ضعیف ہے، لیکن حدیثِ متواتر، جس میں کچلیوں سے شکار کرنے والے درندوں (كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ) کو حرام قرار دیا گیا، اس کی مؤید ہے، واللہ اعلم!

اس دُوسری حدیث میں بھیڑیے کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ’’جس شخص میں ذرا بھی خیر ہو، کیا وہ بھیڑیے کو کھا سکتا ہے؟‘‘ بھیڑیے کا درندوں میں ہونا سب کے نزدیک مُسلَّم ہے اور اس کی حرمت پر بھی ائمہ کا اتفاق ہے۔

گھوڑے کے گوشت کا حکم

[حدیث:۸۹۵] ’’عَنْ جَابِرٍ قَالَ: أَطْعَمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْخَيْلِ، وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۱ ’’بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ لُحُومِ الْخَيْلِ‘‘)

ترجمہ: ’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی، اور گدھوں سے ممانعت فرمائی۔‘‘

تشریح: گدھے کے گوشت کا حرام ہونا تو متفق علیہ ہے، گھوڑے کا گوشت حلال ہے یا نہیں؟ اس بارے میں خفیف سا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اِمام مالک و شافعی و احمد (رحمہم اللہ) کے نزدیک حلال ہے، اور ہمارے صاحبین اِمام ابویوسف اور اِمام محمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے، حضرتِ اِمام رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں،

ایک یہ کہ مکروہِ تحریمی ہے، دُوسری یہ کہ مکروہِ تنزیہی ہے۔

گدھے کا گوشت حرام ہے

[حدیث:۸۹۷] ”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ زَمَنَ خَيْبَرَ، وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ“)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کے گوشت کو ممنوع قرار دیا۔“

تشریح: جاہلیت میں نکاحِ موقّت کا رواج تھا، جنگِ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی، اور غزوۂ اوطاس میں، جو فتح مکہ کے متصل تھا، تین دن تک اس کی اجازت دی اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کو ممنوع اور حرام کردیا گیا، چنانچہ تمام اہلِ علم کا اِجماع ہے کہ متعہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ہی گدھے کے گوشت کی بھی ممانعت فرمائی، جبکہ جاہلیت میں اس کا گوشت کھانے کا بھی کم وبیش رواج تھا، اور اب تک اس کے بارے میں ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی، سب سے پہلے غزوۂ خیبر میں اس کی حرمت نازل ہوئی، چنانچہ تمام ائمہ کا اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔

[حدیث:۸۹۸] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَالْمُجَثَّمَةَ وَالْحِمَارَ الْاِنْسِيَّ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا خیبر کے دن ان تمام چیر پھاڑ کرنے والے درندوں کو جو کچلیوں سے شکار کرتے ہیں اور اس جانور کو جس کو باندھ کر نشانہ بنایا جائے اور پالتو گدھوں کو۔“

تشریح: جنگل کے وہ تمام درندے جو چیر پھاڑ کرتے ہیں اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، ان کی حرمت متفق علیہ ہے۔ اگرچہ بعض جانوروں میں اختلاف ہے کہ یہ درندوں میں شامل ہیں یا نہیں؟ یہی حکم ہے ان پرندوں کا جو پنجے سے شکار کرتے ہیں، وہ بھی بالاتفاق حرام ہیں۔

”مجثمہ“ سے مراد وہ جانور ہے جس کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنایا جائے، اہلِ جاہلیت اس ظالمانہ طریقے سے جانور کا جھٹکا کرتے تھے کہ اس کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بناتے تھے، یہاں تک کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاکر مرجاتا تھا، ایسا جانور حرام ہے۔ ایک تو یہ فعل نہایت ظالمانہ ہے کہ جانور کو اس قسم کے ظلم وستم کا

نشانہ بنایا جائے، یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر جان دیدے، دُوسرے اس جانور کا ذبیحہ نہیں ہوتا کیونکہ ذبحِ اختیاری میں ذبح کا محل گردن ہے۔

اور ''پالتو گدھے'' اس لئے فرمایا کہ نیل گائے جو جنگل کا جانور ہے، عرب اس کو ''حمار وحشی'' کہتے ہیں، یعنی جنگلی گدھا، اور فارسی میں اس کو ''گورخر'' کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت گدھا نہیں، اس کا کھانا جائز ہے۔

کافروں کے برتنوں میں کھانا

[حدیث: ۸۹۹] ''عَنْ أَبِیْ ثَعْلَبَةَ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قُدُوْرِ الْمَجُوسِ فَقَالَ: أَنْقُوْهَا غَسْلًا وَاطْبُخُوْا فِیْهَا، وَنَهٰی عَنْ کُلِّ سَبُعٍ ذِیْ نَابٍ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۲ ''بَابُ مَا جَاءَ فِی الْأَکْلِ فِیْ اٰنِیَةِ الْکُفَّارِ'')

ترجمہ: ''حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسیوں کی ہنڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ آیا ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟) فرمایا: ان کو دھوکر خوب صاف کرلو، اور ان میں کھانا پکاوٴ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر درندے کے کھانے کی ممانعت فرمائی جو کچلیوں سے شکار کرے۔''

تشریح: غیرمسلموں کے برتنوں کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو ان کو دھوکر خوب صاف کرلیا جائے، پاک صاف ہونے کے بعد ان کا استعمال جائز ہے، خواہ پکے برتن ہوں جیسے: تانبا، لوہا، کانسی وغیرہ، اور خواہ کچے ہوں جیسے: مٹی کے پکائے ہوئے برتن، دونوں طرح کے برتن دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں۔ اور عوام میں جو مشہور ہے کہ پکا برتن دھونے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ اس کا توڑنا ضروری ہے، یہ بالکل غلط ہے۔

مجوسیوں کے برتنوں کو اِستعمال سے پہلے دھوکر خوب صاف کرنے کا جو حکم فرمایا- واللہ اعلم- اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ اگرچہ انسانی فطرت کھانے پینے کے برتنوں کو نجاست و آلودگی سے بچانے کا تقاضا کرتی ہے، اس کے باوجود بعض قومیں بعض نجس چیزوں کو پاک سمجھتی ہیں، جیسے ہندو لوگ گائے کے گوبر کو پاک سمجھتے ہیں، اور جیسے عیسائی لوگ کہ خمر اور خنزیر سے ان کے برتن آلودہ رہتے ہیں، ایسی قوموں کے برتنوں کا نجس ہونا محتمل بلکہ اَغلب ہے، اس لئے ان کو پاک کرلینا ضروری ہوا۔ دُوسرے یہ کہ اگرچہ ان کے برتن بظاہر پاک ہوں گے مگر کافروں کی گندگی اور پاکی پلیدی کے معاملے میں بے احتیاطی کی وجہ سے ذہن میں خلش رہے گی، اس خلش کو دُور کرنے کے لئے ان برتنوں کی صفائی کا حکم فرمایا۔ علاوہ ازیں ان سے مسلمان کو طبعی کراہت بھی محسوس ہوتی ہے، صاف کرنے سے اس کراہت کا بھی اِزالہ ہوجائے گا، واللہ اعلم!

غیر مسلم کے برتن کو استعمال کرنے کا حکم

[حدیث:۹۰۰] ”عَنْ أَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ أَنَّهٗ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَنَطْبُخُ فِیْ قُدُوْرِهِمْ وَنَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَتِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَاءِ۔ ثُمَّ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّا بِأَرْضِ صَیْدٍ فَكَیْفَ نَصْنَعُ؟ قَالَ: إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَقَتَلَ فَكُلْ، وَإِنْ كَانَ غَیْرَ مُكَلَّبٍ فَذُكِّیَ فَكُلْ، وَإِذَا رَمَیْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَقَتَلَ فَكُلْ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہم لوگ اہلِ کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں، پس کیا ان کی ہنڈیا میں اپنا سالن پکالیا کریں؟ اور ان کے برتنوں میں پانی پی لیا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں کوئی اور برتن نہ ملے تو پانی سے ان کو پاک کرلیا کرو۔ انہوں نے مزید عرض کیا کہ: ہم ایسی زمین میں ہیں جہاں شکار کے جانور بکثرت ہوتے ہیں، پس اس بارے میں ہم کیا طرزِ عمل اختیار کریں؟ فرمایا: جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑے، پھر وہ کتا شکار کے جانور کو مار ڈالے تو اس کو کھا سکتے ہو (کہ وہ حلال ہے)، اور اگر کتا سدھایا ہوا نہ ہو اور وہ شکار کو زندہ پکڑ لائے، پس اس کو ذبح کرلیا جائے، تو اس کو بھی کھا سکتے ہو، (اور اگر وہ شکار کے جانور کو مار ڈالے تو وہ مردار ہے، اس کا کھانا حلال نہیں)، اور جب تو بسم اللہ کہہ کر اپنا تیر پھینکے، اور اس سے وہ شکار کا جانور مر جائے تو اس کو کھا سکتے ہو۔“

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک تو غیر مسلموں کے برتنوں کا حکم ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ان کے برتنوں کے استعمال کی ضرورت نہ ہو تو ان سے احتراز بہتر ہے، اور اگر استعمال کی ضرورت ہو تو ان کو پانی کے ساتھ خوب صاف کرلیا جائے۔

دُوسرا مسئلہ شکار کا بیان فرمایا، جنگل کے جانوروں کا شکار کبھی شکاری کتوں کے ذریعے کیا جاتا ہے، کبھی تیر کے ذریعے، اور کبھی بندوق کے ذریعے، اور پرندوں کا شکار کبھی باز، شکرے وغیرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے، کبھی غلیل کے ذریعے۔

پس جو شکار شکاری کتّے کے ذریعے کیا جاتا ہے اس کے حلال ہونے کی چار شرائط ہیں: اوّل یہ کہ وہ کتّا سدھایا ہوا ہو، اور سدھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو یہ تعلیم دی جائے اور اس کی مشق کرائی جائے کہ وہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے، پس جب شکاری کتّے کی یہ مشق پختہ ہوجائے تو وہ سدھایا ہوا سمجھا جانے لگے گا۔ رہا یہ کہ اس کی علامت کیا ہے کہ اس کی مشق مکمل ہوگئی ہے؟ حضراتِ صاحبین (اِمام ابو یوسف اور اِمام محمد رحمہما اللہ) فرماتے ہیں کہ: جب تین بار ایسا ہو کہ وہ شکار کو پکڑ کر مالک کے پاس لے آیا اور اس نے خود نہیں کھایا تو اس کی مشق مکمل ہوگئی، اب اس سے شکار کرنا صحیح ہے۔ حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف تین بار نہ کھانا کافی نہیں، بلکہ کتّے کے مالک کو یقین ہوجانا چاہئے کہ اس کے شکار کو نہ کھانے کی عادت پختہ ہوگئی ہے اور اب وہ "تعلیم یافتہ" ہے۔

الغرض پہلی شرط تو یہ ہے کہ کتّا معلَّم (تعلیم یافتہ، سدھایا ہوا) ہو۔ دُوسری شرط یہ ہے کہ مالک نے اس کو شکار پر چھوڑا ہو، وہ شکار کو دیکھ کر آپ سے آپ اس پر نہ پل پڑے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مالک نے اس کو شکار پر چھوڑتے وقت "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھی ہو، جیسا کہ جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھی جاتی ہے، اور چوتھی شرط یہ ہے کہ کتّے نے جانور کو زخمی کرکے مارا ہو، اس کا گلا گھونٹ کر نہ مارا ہو۔

جب یہ چاروں شرطیں پائی جائیں تو اگر کتّا شکار کو زندہ پکڑ لائے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، اگر قدرت کے باوجود اس کو ذبح نہ کیا اور وہ مرگیا تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ اور اگر ایسے کتّے نے شکار کو زخمی کردیا اور وہ جانور زخم کی وجہ سے مرگیا تو اس کا کھانا حلال ہے، کیونکہ جب مالک نے سدھائے ہوئے کتّے کو "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر چھوڑا تو یہ کتّا بمنزلہ ذبح کرنے والے کی چھری کے ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کتّے کا شکار چار صورتوں میں حلال نہیں، ایک یہ کہ کتّا سدھایا ہوا نہ ہو، یا سُدھائے ہوئے کتّے کے ساتھ بِن سُدھایا ہوا کتّا بھی شکار کرنے میں شریک ہوجائے۔ دوم یہ کہ مالک نے اس کو شکار پر نہیں چھوڑا تھا بلکہ شکار کو دیکھتے ہی کتّا اس پر حملہ آور ہوگیا، یا ایک کتّے کو تو مالک نے چھوڑا تھا لیکن اس کے ساتھ دُوسرا کتّا بھی شکار کرنے میں شریک ہوگیا، جس کو مالک نے نہیں چھوڑا تھا۔ تیسرے یہ کہ مالک نے اس کو شکار پر چھوڑتے وقت جان بوجھ کر تکبیر نہیں پڑھی، ہاں! اگر مالک کتّے کو چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنا بھول گیا تو کوئی حرج نہیں، شکار حلال ہے، جیسا کہ ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر تکبیر نہیں پڑھی تو ذبیحہ مردار ہے، اور ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا بھول گیا تو کوئی حرج نہیں، ذبیحہ حلال ہے۔ چوتھے یہ کہ شکاری کتّے کو مالک نے بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا تھا لیکن کتّے نے شکار کو زخمی نہیں کیا بلکہ اس کا گلا گھونٹ کر ماردیا، تو یہ شکار حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔ گویا شکار کے حلال ہونے کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ شکاری کتّے نے جانور کو زخمی کیا ہو۔

تیر کے ساتھ شکار کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو بسم اللہ کہہ کر پھینکا گیا ہو اور تیر کی دھار سے جانور زخمی ہو کر مر جائے تو حلال ہے، البتہ اگر مرنے سے پہلے اس کے ذبح کرنے پر قدرت ہو تو ذبح کرنا لازم ہے، اگر قدرت کے باوجود ذبح نہیں کیا کہ شکار کا جانور مر گیا تو حلال نہیں، بلکہ مردار ہو گیا۔ اور قدرت کا مطلب یہ ہے کہ جانور اتنی دیر زندہ رہا کہ اگر اس کو ذبح کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

اگر تیر کی دھار جانور کے نہیں لگی بلکہ تیر کی لکڑی اس کے لگی، جس کی چوٹ سے جانور مر گیا تو وہ حلال نہیں، اور یہی حکم بندوق کے شکار کا ہے کہ اگر بندوق کی گولی لگنے سے جانور زخمی ہو گیا اور مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لیا گیا تو یہ جانور حلال ہے، اور اگر ذبح کی نوبت نہیں آئی تھی کہ جانور مر گیا تو یہ جانور مردار ہے، کیونکہ بندوق کی گولی تیز دھار کے ساتھ زخمی نہیں کرتی بلکہ شدید ضرب اور چوٹ کے ساتھ زخمی کرتی اور مارتی ہے، پس اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جانور کو ڈنڈا مار کر ہلاک کر دیا، ظاہر ہے کہ وہ حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔

پرندوں کا شکار باز اور شکرے وغیرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے، اس کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو اُوپر کتّے کے شکار کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں کہ وہ جانور سدھایا ہوا ہو، مالک اس کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑے، اور وہ شکار کو زخمی کر کے مار دے۔

البتہ کتّے اور باز کے سدھایا ہوا ہونے کی نوعیت میں فرق ہے، کتّا اگر شکار کے جانور کو مالک کے پاس لانے کے بجائے خود کھانے لگے تو یہ اس امر کی علامت ہو گی کہ یہ کتّا سدھایا ہوا نہیں، اس لئے اس کا مارا ہوا جانور حلال نہیں، خواہ اس کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو۔ لیکن باز کا شکار کو کھانا اس کے سدھے ہوئے ہونے کے خلاف نہیں، بلکہ اس کے سدھے ہوئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ مالک کے بلانے پر واپس آجائے۔

اور غلیل کے شکار کا حکم وہی ہے جو بندوق کے شکار کا ہے کہ اگر جانور زندہ مل جائے تو اس کو ذبح کر لے اور اگر غلیل سے مر گیا تو حلال نہیں بلکہ مردار ہے، کیونکہ وہ چوٹ اور ضرب سے مرا ہے، واللہ اعلم!

چوہا اگر گھی کے برتن میں مر جائے، اس کا حکم

[حدیث: ۹۰۱] ”عَنْ مَيْمُوْنَةَ أَنَّ فَأْرَةً وَّقَعَتْ فِيْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ عَنْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا فَكُلُوْهُ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَأْرَةِ تَمُوْتُ فِي السَّمْنِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چوہا گھی (کے برتن) میں گر کر مر گیا، اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ: چوہے کو اور اس کے اِردگرد کے حصے کو نکال کر پھینک دو، باقی کو کھالو۔‘‘

تشریح: یہ حکم اس صورت میں ہے کہ گھی جما ہوا ہو، کیونکہ اس کے اِردگرد کو نکال کر پھینک دینا اسی صورت میں ممکن ہے، چونکہ جمے ہوئے گھی میں چوہے کی نجاست پورے برتن میں سرایت نہیں کرے گی اس لئے صرف اس کے اِردگرد کے حصے کو، جو اس نجاست سے متأثر ہوا ہے، نکال کر پھینک دینے اور باقی کو اِستعمال کرنے کا حکم فرمایا۔ اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو پورا گھی ناپاک ہوجائے گا، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ’’وفی الباب‘‘ میں حوالہ دیا ہے، اس کی تصریح موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

’’اِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِی السَّمْنِ فَاِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَاِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۳۶۱، ابوداؤد ج:۲ ص:۵۳۷، کتاب الأطعمة)

ترجمہ: ’’جب چوہا گھی میں گرجائے، اگر وہ جما ہوا ہو تو اس کو اور اس کے اِردگرد کو نکال ڈالو، اور اگر پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب نہ جاوٴ۔‘‘

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت

[حدیث:۹۰۲] ’’عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَأْكُلْ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبْ بِشِمَالِهٖ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۲ ’’بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّهْیِ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بِالشِّمَالِ‘‘)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔‘‘

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے چند آداب بیان فرمائے ہیں جو فطرتِ انسانی کے موافق ہیں، جن کے ذریعے کھانے کی برکتیں نصیب ہوتی ہیں، اور کھانا قربِ خداوندی کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور ان آداب کی رعایت سے اخلاقِ فاضلہ میسر آتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کھانا اور پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہئے، بائیں ہاتھ سے نہیں، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا

حکم فرمایا تاکہ ان کا کھانا پینا فطرتِ انسانی کے مطابق ہو، اور بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو منع فرمایا تاکہ ان کا یہ عمل شیطانی فطرت کے مطابق نہ ہو، گویا دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا اور پینا حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ہے، جو کہ صحیح انسانی فطرت کے ترجمان تھے، اور بائیں ہاتھ سے کھانا اور پینا شیطان کی تقلید ہے، جو اِنسانی فطرت کی ضد ہے۔ دائیں ہاتھ کو حق تعالیٰ نے اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور بائیں ہاتھ کو گندی چیزوں کے صاف کرنے کے لئے بنایا ہے، مثلاً: ناک صاف کرنا، اِستنجا وغیرہ۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ اِستنجا کرنے کے لئے اور ایسی چیزوں کے لئے تھا جن سے کراہت آتی ہے (مثلاً: ناک صاف کرنا، وغیرہ) (مشکوٰۃ ص:۴۲)۔

لہٰذا کھانے پینے کے لئے دائیں ہاتھ کا استعمال صحیح انسانی فطرت ہے، اور اس کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال انسانی فطرت کے خلاف اور شیطانی فطرت کے موافق ہے، پس جو شخص دائیں ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا کام لے گا وہ اولیاء الرحمٰن میں سے نہیں، بلکہ اولیاء الشیطان میں شامل ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ: شیطان اپنے دوستوں کو نور سے ظلمت کی طرف نکالتا ہے۔'' ظاہر ہے کہ جس شخص کو دائیں بائیں کی بھی تمیز نہ رہے، اور کھانے اور اِستنجے کے درمیان بھی فرق نہ کرسکے، وہ سراسر تاریکی میں ڈُوبا ہوا ہے۔ اور شیطان جس طرح کھانے پینے کے معاملے میں اس کو اپنی شیطانی فطرت پر چلاکر اندھیروں میں ڈالتا ہے، اسی طرح دُوسرے کاموں میں اور دیگر آدابِ زندگی میں بھی اس کو اپنی اسی شیطانی فطرت پر چلائے گا۔ اسی بنا پر ہماری شریعت نے، جو اِنسانی فطرت کی اعلیٰ ترین ترجمان ہے، بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو مکروہ اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے، جیسا کہ دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنے اور اِستنجا کرنے کو مکروہ اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے، اِلَّا یہ کہ کسی شخص کو کوئی عذر لاحق ہو تو مجبوری ہے۔

اس حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ علوم عطا فرمائے جن تک عقلِ انسانی کی رسائی نہیں، مثلاً: فرشتوں کے اخلاق و عادات، شیطان کے اوصاف و اطوار، اور اِنسانی فطرت کے اخلاق و آداب کا علمِ عظیم عطا فرمایا تھا، اور یہ علم، علمِ نبوّت ہے کہ ساری انسانیت اس علم کے حصول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے کہ یہ علمِ عظیم جو اِنسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس علم تک رسائی کا کوئی ذریعہ نہیں، کیونکہ محض عقل سے یہ چیزیں معلوم نہیں ہوسکتیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑیں، ان علوم کی قدر پہچانیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو سرمایۂ صد اِفتخار سمجھیں، اور بہت ہی بدقسمت اور محروم ہیں وہ لوگ جو اس چشمۂ فیض سے محروم رہیں، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَ حَبِیْبِکَ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

کھانے کے بعد اُنگلیاں چاٹ لینے کا حکم

[حدیث:۹۰۳] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ فِيْ أَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لَعْقِ الْأَصَابِعِ بَعْدَ الْأَكْلِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اُنگلیوں کو چاٹ لیا کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کس میں برکت ہے۔“

تشریح: یہ کھانے کا دُوسرا اَدب ہے کہ کھانے کے دوران جو کھانا اُنگلیوں کو لگا رہ جاتا ہے اس کو اچھی طرح صاف کرے اور چاٹ لے، اس کو یوں ہی دھوکر ضائع نہ کرے، کھانے سے آلودہ اُنگلیوں کو زبان سے چاٹ لینا حق تعالیٰ شانہ کی نعمت کی قدر شناسی ہے، اور اس کو ضائع کردینا اس نعمت کی ناقدری ہے، اُنگلیاں چاٹ لینا تواضع اور اَدب مع اللہ کی علامت ہے، اور اس سے عار کرنا کبر و نخوت اور رعونت و حماقت کی نشانی ہے، اس لئے کہ اس نے جن اُنگلیوں سے جو کھانا کھایا وہی کھانا انہی اُنگلیوں کو لگا ہوا ہے، اب اس اُنگلیوں کے لگے ہوئے کھانے سے عار اور نفرت کرنا سوائے حماقت آمیز رعونت کے اور کیا ہے...؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنگلیوں کو چاٹ لینے کی نہایت لطیف اور دقیق توجیہ یہ ارشاد فرمائی کہ کھانے والے کو کچھ معلوم نہیں کہ ان اُنگلیوں پر لگے ہوئے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟

شرح اس کی یہ ہے کہ برکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جس مقصد کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے تخلیق فرمائی ہے، اس سے وہ مقصد حاصل ہو، اور وہ چیز بے مقصد ضائع نہ ہو۔ مثلاً: کھانا اس مقصد کے لئے ہے کہ وہ آدمی کا جزوِ بدن بنے، اس سے آدمی کے بدن کو قوّت حاصل ہو، اور وہ آدمی کے تحلیل شدہ اجزا کا بدل بن جائے، تاکہ صحت و قوّت کے بقا کا ذریعہ بن جائے۔ اب آدمی جو کھانا کھاتا ہے اس کو معلوم نہیں کہ کھانے کا یہ مقصد کھانے کے کس حصے سے حاصل ہوگا؟ اس لئے جو کھانا کہ اُنگلیوں پر لگا رہ جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اس کی صحت و قوّت کے بقا کا ذریعہ بنانا مقدر فرمایا ہو، اگر اس کھانے کو ضائع کرے گا تو کھانے کا مقصد فوت ہوجائے گا اور اس کھانے کی برکت سے یہ شخص محروم رہے گا۔

اگر لقمہ گرجائے تو صاف کرکے کھالیا جائے

[حدیث:۹۰۴] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَسَقَطَتْ لُقْمَتُهُ فَلْيُمِطْ مَا رَابَهُ مِنْهَا ثُمَّ لِيَطْعَمْهَا وَلَا

يَدَعُهَا لِلشَّيْطَانِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲، ۳ "بَابُ مَا جَاءَ فِي اللُّقْمَةِ تَسْقُطُ")

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے، پس (کھانے کے دوران) لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس پر جو چیز لگ جائے، اس سے لقمے کو صاف کر کے کھالے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔"

تشریح: یہ کھانے کا ایک مزید ادب ہے کہ اگر کھانے کے دوران لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس کو پڑا ہوا نہ چھوڑے، نہ اس کو پھینک کر ضائع کرے بلکہ اس کو صاف کر کے کھالے، اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے، کیونکہ جب آدمی کھانا کھاتا ہے تو اگر شروع میں بسم اللہ شریف نہ پڑھے تو شیطان اس کھانے میں شریک ہوجاتا ہے، ورنہ اس کے ہاتھ سے لقمہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے، یہ لقمہ جو آدمی کے ہاتھ سے گر گیا تو یہ شیطان کی چھینا جھپٹی ہے، اگر آدمی اس کو یوں ہی پڑا رہنے دے تو یوں سمجھو کہ شیطان اپنی چھینا جھپٹی میں کامیاب رہا، اور وہ آدمی کے کھانے کی برکت لے اُڑا، اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اس کو صاف کر کے کھالے، شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں دو عجیب واقعے لکھے ہیں:

ایک یہ کہ ایک دن ہمارے احباب میں سے ایک صاحب ہماری ملاقات کے لئے تشریف لائے، ہم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا، کھانے کے دوران ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ سے گر گیا، اور زمین پر لڑکھڑانے لگا، وہ صاحب اس کا پیچھا کرنے لگے، وہ جوں جوں اس کا پیچھا کرتے ہیں لقمہ دُور ہوا جاتا۔ حاضرین کو اس سے کچھ تعجب ہوا، اور کچھ مشقت اُٹھا کر یہ صاحب لقمہ پکڑنے میں کامیاب ہوگئے، اور اسے کھالیا۔ چند دن کے بعد ایک شخص کو جن لگا، اور یہ جن اس شخص کی زبان سے باتیں کرنے لگا، من جملہ دُوسری باتوں کے اس نے ایک بات یہ کہی کہ میں فلاں فلاں آدمی کے پاس سے گزرا، وہ کھانا کھا رہا تھا، مجھے وہ کھانا بہت اچھا لگا، لیکن اس شخص نے اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، میں نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا، اس شخص نے مجھ سے کشاکشی کی یہاں تک کہ اس نے مجھ سے وہ کھانا لے لیا۔

دُوسرا واقعہ یہ کہ ہمارے گھر میں لوگ گاجریں کھا رہے تھے، اچانک ایک گاجر لڑکھڑانے لگی، ایک شخص نے شتابی سے اس کو پکڑ کر کھالیا، گاجر کھاتے ہی اس کے سینے اور معدے میں درد شروع ہوگیا، پھر اس پر جن آگیا، اس کی زبان سے جن بولا کہ: وہ لڑکھڑاتی ہوئی گاجر میں نے (جن نے) لی تھی (اس شخص نے مجھ سے چھین لی)۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: اس نوعیت کے بہت سے واقعات ہم نے سنے ہیں، جن سے ہمیں

یقین ہوگیا ہے کہ یہ احادیث مجازی معنوں پر محمول نہیں، بلکہ ان سے حقیقی معنی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج:۲ص:۱۸۶)۔

[حدیث:۹۰۵] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ: إِذَا مَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْأَذٰى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۳)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں اُنگلیوں کو چاٹ لیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی سے لقمہ گر جائے، تو (اسے اُٹھا کر اس سے مٹی، تنکے وغیرہ کو ہٹادے اور) صاف کرکے اس کو کھالے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ کھانے کے برتن کو خوب صاف کیا کریں، اور ارشاد فرمایا کہ: تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔“

تشریح: گزشتہ احادیث میں جن تین آداب کا ذکر آیا تھا، اس حدیث پاک میں ان تینوں کا یکجا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس میں ایک چوتھا ادب مزید بیان فرمایا ہے، یعنی کھانے کے برتن کو خوب صاف کرنا، اور اس ارشاد کی حکمت وہی ہے جو اُوپر بیان ہوچکی، یعنی ”تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے“ اس لئے برتن کو یہ سمجھ کر صاف کیا جائے کہ ممکن ہے اس کھانے کی برکت اسی حصے میں ہو جو برتن میں لگا رہ گیا ہے، اس لئے اس کو نعمتِ خداوندی سمجھ کر قدر شناسی کے ساتھ صاف کیا جائے اور اس کو ضائع کرکے نعمت کی ناقدری نہ کی جائے۔

[حدیث:۹۰۶] ”حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ ثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ رَاشِدٍ أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي أُمُّ عَاصِمٍ وَكَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ لِسِنَانِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا نُبَيْشَةُ الْخَيْرِ وَنَحْنُ نَأْكُلُ فِي قَصْعَةٍ فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَكَلَ فِي قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْمُعَلَّى بْنِ رَاشِدٍ، وَقَدْ رَوٰى يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ رَاشِدٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۳)

ترجمہ: ”حضرت نبیشۃ الخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص کسی برتن میں کھائے، پھر اس کو خوب صاف کردے تو اس کے لئے برتن مغفرت

کی دُعا کرتا ہے۔“

تشریح: برتن کا اس شخص کے لئے دُعا کرنا حقیقی معنی پر محمول ہے، یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں؟ علّامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ برتن کا اِستغفار کرنا اس سے عبارت ہے کہ کھانے والے کا یہ عمل اس کے متواضع ہونے اور کبر سے مبرّا ہونے کی علامت ہے، اور یہ چیز اس کے لئے موجبِ مغفرت ہے، چونکہ برتن اس کے لئے بمنزلہ سبب کے بنا، اس لئے مغفرت کو اس کی طرف منسوب فرمایا گیا، گویا برتن اس کے لئے دُعائے مغفرت کرتا ہے (حاشیہ ترمذی)۔

لیکن اگر اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تب بھی بعید نہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ: ”ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے، مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے“ اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے:

”وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ۔“

(مشکوٰۃ ص:۵۳۸، باب المعجزات)

ترجمہ: ”اور ہم لوگ کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جاتا تھا۔“

پس اگر ہر چیز کے تسبیح و تحمید کرنے میں کوئی اِشکال نہیں، اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے کانوں سے کھانے کی تسبیح سننا محلِ اِشکال نہیں، تو کھانے کے برتن کا کھانے والے کے لئے اِستغفار کرنا کیونکر محلِ اِشکال ہوسکتا ہے؟ حضرت رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

با من و تُو مردہ، با حق زندہ اند

لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ اس قسم کی احادیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں، چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے کھانے کے برتن میں تمیز اور نطق پیدا فرمادیا ہے، جس کے ذریعے وہ دُعائے مغفرت کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں کھانے کے برتن کی یہ دُعا نقل کی ہے:

”أَجَارَكَ اللهُ مِنَ النَّارِ، كَمَا أَجَرْتَنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ۔“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے بچائے، جیسا کہ تو نے مجھے شیطان سے بچایا۔“

مشکوٰۃ شریف (ص:۳۶۸) میں رزین کے حوالے سے اس حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”أَعْتَقَكَ اللهُ مِنَ النَّارِ، كَمَا أَعْتَقْتَنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ۔“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے آزاد کرے جیسا کہ تو نے مجھے شیطان سے آزاد کردیا۔“

کھانے کے درمیان سے کھانا مکروہ ہے

[حدیث:۹۰۷] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْبَرَکَۃَ تَنْزِلُ وَسطَ الطَّعَامِ، فَکُلُوْا مِنْ حَافَتَیْہِ، وَلَا تَأْکُلُوْا مِنْ وَّسَطِہٖ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۳ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاھِیَۃِ الْأَکْلِ مِنْ وَسَطِ الطَّعَامِ“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے، لہٰذا تم لوگ اس کے کناروں سے کھایا کرو، اور اس کے درمیان سے نہ کھاؤ۔“

تشریح: کھانے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ برتن کے درمیان سے نہ کھایا جائے، بلکہ کناروں سے کھایا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ برکت کھانے کے درمیان نازل ہوتی ہے۔ برکت کا کھانے کے درمیان نازل ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اِدراک وحی کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے، تاہم چند اُمور بالکل واضح ہیں:

اوّل:...... تجربہ شاہد ہے کہ اگر کھانے کی چوٹی (درمیان کا حصہ) ختم کردیا جائے تو کھانے کی بے برکتی صاف محسوس ہوتی ہے، جیسے کسی دیوار کی بنیاد اُکھاڑ دی گئی ہو۔

دوم:...... کھانے کی چوٹی سے کھانا حرص کی علامت ہے، اور جو کھانا حرص کے ساتھ کھایا جائے اس سے کھانے کی لذّت بھی ختم ہوجاتی ہے، اور وہ صحیح طور پر جزوِ بدن بھی نہیں بنتا۔ یہ بھی اس کی بے برکتی کا ایک اثر ہے، مثلاً چار شخص مل کر کھا رہے ہیں، اور ان کے سامنے کھانا کم ہے، اب اگر ہر شخص سیر چشمی اور قناعت کے ساتھ کھائے اور کوشش کرے کہ اس کے دُوسرے رُفقاء سیر ہوجائیں، خواہ وہ بھوکا رہے، تو اِن شاء اللہ تعالیٰ چاروں کا پیٹ بھر جائے گا اور کوئی بھی بھوکا نہیں رہے گا۔ یہ تو اس کھانے کی برکت ہوئی۔ اور اگر ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ جلدی جلدی زیادہ سے زیادہ کھالے، خواہ دُوسرے بھوکے رہیں، تو یہ کھانا چند لمحوں میں ختم ہوجائے گا اور کسی کا بھی پیٹ نہیں بھرے گا۔ یہ ان لوگوں کی حرص کی وجہ سے اس کھانے کی بے برکتی ظاہر ہوئی، یہی مثال اس شخص کی ہے جو اپنی طرف سے کھانے کے بجائے چوٹی سے کھاتا ہے کہ اس سے بھی کھانا بے برکت ہوجاتا ہے۔

سوم:...... ایک کنارے سے کھانا، سلیقے اور قرینے کی بات ہے، اور اس سلیقے سے کھانا کھایا جائے تو جو کھانا بچ رہے گا اس کو ہر شخص رغبت کے ساتھ کھائے گا، اور اگر کھانے کی چوٹی ختم کردی جائے تو بچا ہوا کھانا ہر شخص کو جھوٹا کیا ہوا محسوس ہوگا، اور نظیف الطبع لوگوں کو اس جھوٹے کھانے کی رغبت نہیں ہوگی، اس کو

کوئی شخص کھانا پسند نہیں کرے گا، بالآخر اس کو ضائع کرنا پڑے گا، یہ بھی کھانے کی برکتی ہے۔

الغرض اپنی طرف سے کھانا اور کھانے کی چوٹی کو محفوظ رکھنا سلیقے اور ادب کی بات ہے، جو کھانے والے کی عقل وتمیز اور سیر چشمی کی علامت ہے، اور اپنی طرف کا کھانا چھوڑ کر چوٹی پر ہاتھ ڈالنا اس شخص کی حرص وطمع اور بے سلیقہ ہونے کی علامت ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ آدمی جس نفسانی کیفیت کے ساتھ کھانا کھائے، کھانے والے پر وہی اخلاق وکیفیات مرتب ہوتی ہیں، قناعت کے ساتھ کھائے تو قلب میں بلند ہمتی، سیر چشمی اور سلیقہ مندی کے اثرات پیدا ہوں گے، اور حرص کے ساتھ کھایا جائے تو طبعی دناءت اور گھٹیا اخلاق پیدا ہوں گے۔ چنانچہ حکماء کا قول ہے کہ آدمی کے اخلاق کی بلندی وپستی کا پتا دسترخوان پر بیٹھنے سے چلتا ہے، اور اس کے کھانے کے انداز سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اندرونی اخلاق واوصاف کے لحاظ سے یہ شخص کتنا بلند قامت ہے یا کتنا پستہ قد ہے؟ آنحضرت ﷺ چونکہ تمام معاملاتِ زندگی میں اُمت کو مکارمِ اخلاق کی تعلیم فرماتے ہیں، اس لئے کھانے کے آداب میں بھی آنحضرت ﷺ نے اخلاقِ عالیہ کی رہنمائی فرمائی ہے، واللہ اعلم!

فائدہ:...... اگر برتن میں کھانے والے کئی آدمی ہوں تو ان کو برتن کے اطراف وجوانب سے کھانا چاہئے، یہاں تک کہ کھانے کی چوٹی آخر تک محفوظ رہے، اور اگر کھانے والا فردِ واحد ہو تو اس کو صرف اپنی طرف سے کھانا چاہئے، چاروں طرف سے نہیں، جتنا حصہ کھانا چاہے کھالے، باقی چھوڑ دے، اور جتنا حصہ کھایا ہے، برتن کا اتنا حصہ صاف کردے۔

لہسن اور پیاز کھانے کی کراہت

[حدیث: ۹۰۸] ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهٖ قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الثُّوْمِ، ثُمَّ قَالَ: الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ، فَلَا يَقْرَبْنَا فِيْ مَسَاجِدِنَا۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۳ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ“)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے لہسن، پیاز اور گندنا کھایا ہو، وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔“

(گندنا پیاز اور لہسن ہی کی طرح ایک تکون خودرَو جنگلی پتّا ہوتا ہے)

پکا ہوا لہسن کھانے کی اجازت

[حدیث: ۹۰۹] ”عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُوْلُ: نَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَبِيْ أَيُّوْبَ، وَكَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا بَعَثَ إِلَيْهِ

بِفَضْلِهٖ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ يَوْمًا بِطَعَامٍ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَتٰى أَبُوْ أَيُّوْبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيهِ الثُّوْمُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: لَا! وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُهٗ مِنْ أَجْلِ رِيْحِهٖ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۳ "بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِيْ أَكْلِ الثُّوْمِ مَطْبُوْخًا")

ترجمہ: "حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے جب پہلی مرتبہ مدینہ منوّرہ میں رونق افروز ہوئے تو) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کھانا تناول فرماتے تو اس کا بقیہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیتے، ایک دن ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا کھانا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیا اور اس میں سے کچھ بھی تناول نہیں فرمایا۔ حضرت ابواَیوب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا (کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا کھانا واپس کردیا، اس میں سے تناول نہیں فرمایا)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس میں لہسن تھا! حضرت ابواَیوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں، حرام تو نہیں! لیکن میں اس کی بدبو کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہوں۔"

[حدیث:۹۱۰] "عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نُهِيَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ إِلَّا مَطْبُوْخًا"

(ترمذی ج:۲ ص:۳)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: لہسن کھانے سے منع کیا گیا ہے اِلَّا یہ کہ (کھانے میں) پکا ہوا ہو۔"

[حدیث:۹۱۱] "عَنْ أُمِّ أَيُّوْبَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَلَيْهِمْ، فَتَكَلَّفُوْا لَهٗ طَعَامًا فِيْهِ مِنْ بَعْضِ هٰذِهِ الْبُقُوْلِ فَكَرِهَ أَكْلَهٗ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهٖ: كُلُوْهُ! فَإِنِّيْ لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ أُوْذِيَ صَاحِبِيْ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۳)

ترجمہ: "حضرت اُمِّ ایوب (حضرت ابو اَیوب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ) فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں مہمان ہوئے، ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پُرتکلّف کھانا تیار کیا، جس میں کچھ یہ ترکاریاں (لہسن، پیاز) بھی ڈالیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کھانے کو پسند نہیں فرمایا، اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: آپ لوگ کھائیں! کیونکہ میں تم میں سے ایک جیسا نہیں ہوں، میں اندیشہ رکھتا ہوں کہ کہیں اپنے رفیق (جبرئیل) کو اِیذا نہ پہنچاؤں۔‘‘

[حدیث:۹۱۲] ’’عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ: الثُّوْمُ مِنْ طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۳)

ترجمہ: ’’حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: لہسن پاکیزہ رزق میں سے ہے۔‘‘

تشریح: ان احادیثِ شریفہ سے لہسن اور پیاز کے بارے میں چند اَحکام معلوم ہوئے:

اوّل:...... جس شخص نے لہسن یا پیاز یا اسی نوعیت کی ایسی سبزی، ترکاری، جس میں بدبو ہوتی ہے، کھائی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت ہے، جب تک کہ منہ کی بدبو زائل نہیں ہوجاتی۔ چونکہ اس کی ممانعت کی وجہ اور سبب بالکل واضح ہے، یعنی انسانوں اور فرشتوں کو اِیذا پہنچانا، اس لئے حضراتِ فقہاء فرماتے ہیں: ہر ایسا شخص اس حکم میں داخل ہے جس کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ اس کے آنے سے لوگوں کو اِیذا ہو، مثلاً: کسی شخص کو گندہ دہنی کا مرض ہے، یا ایسا ناسور ہے جس کے زخم سے بدبو آتی ہے، یا ایسا ہی کوئی اور عذر ہے تو ایسے شخص کو مسجد میں آنا جانا جائز نہیں، اس کو اپنے گھر میں اپنی نماز پڑھنی چاہئے، اور چونکہ اس کا مسجد میں نہ آنا عذر کی وجہ سے ہے اس لئے مسجد میں نہ آنے کے باوجود اس کو جماعت کا ثواب ملے گا۔

دوم:...... لہسن اور پیاز اگر کھانے میں پکے ہوئے ہوں کہ ان کی بدبو باقی نہ رہے تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوم:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی علوِّشان اور ملائکہ سے مناجات کی بنا پر ایسی ترکاریوں سے، باوجود ان کے پختہ ہونے کے، احتراز فرماتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمائے بغیر واپس کردیا تو حضرت ابواَیوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: حرام تو نہیں، لیکن میں اس کو (بدبو کی وجہ سے) ناپسند کرتا ہوں۔ اس پر حضرت ابواَیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! جو چیز آپ کو ناپسند ہے، میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں (فَإِنِّي أَكْرَهُ مَا تَكْرَهُ)۔ اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ: یہ محبِّ صادق کا وصف ہے کہ وہ اپنے محبوب کی پسندیدہ چیز کو پسند کرے، اور جو چیز محبوب کو ناپسند ہو اس کو ناپسند کرے۔

سونے سے پہلے برتن ڈھک دیئے جائیں اور آگ کے چراغ کو بجھادیا جائے

[حدیث:۹۱۳] ’’عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَغْلِقُوا

الْبَابَ، وَأَوْكِئُوا السِّقَاءَ، وَأَكْفِئُوا الْإِنَاءَ أَوْ خَمِّرُوا الْإِنَاءَ، وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلْقًا، وَلَا يُحِلُّ وِكَاءً، وَلَا يَكْشِفُ اٰنِيَةً، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۳ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَخْمِیْرِ الْاِنَاءِ وَإِطْفَاءِ السِّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ")

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (سونے سے پہلے) دروازے مقفل کردو، مشکیزوں کو بند لگادو، برتنوں کو (اگر وہ خالی ہوں) اُلٹ دو، یا (اگر خالی نہ ہوں تو) ان کو ڈھک دو، اور چراغ بجھادو، کیونکہ شیطان بند دروازے کو (جو بسم اللہ شریف پڑھ کر بند کیا گیا ہو) نہیں کھولتا، اور برتن کے بند کو نہیں کھولتا، اور ڈھکے ہوئے برتنوں کو نہیں چھیڑتا، (اور چراغ گل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ) بدکار یعنی بدمعاش چوہا چراغ کی جلتی لَو کو کھینچ کر گھر کو آگ لگادیتا ہے۔"

[حدیث:۹۱۴] "عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۳)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سوتے وقت آگ کو اپنے گھروں میں نہ چھوڑا کرو۔"

تشریح: رات کو آگ کا کھلا چھوڑ دینا خطرناک ہے کہ ہوا سے اُڑ کر مشتعل ہوسکتی ہے، البتہ اگر آگ کو اس طرح بند کردیا جائے کہ اس کے اُڑنے اور مشتعل ہونے کا احتمال نہ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

کھجور کے دو دانے اکٹھے کھانا مکروہ ہے

[حدیث:۹۱۵] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّقْرِنَ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبَهٗ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۳،۴ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْقِرَانِ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ")

ترجمہ: "حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ آدمی اپنے رفیق کی اجازت کے بغیر کھجور کے دو دانے ملاکر کھائے۔"

تشریح: یعنی جب دسترخوان پر چند آدمی شریک ہوں تو دُوسروں کی اجازت کے بغیر بیک وقت دو دو دانے اِکٹھے کھانا مکروہ ہے، کہ یہ آدمی کے حریص ہونے کی بھی علامت ہے، اور اس میں دُوسروں کی حق تلفی بھی ہے، البتہ اگر دُوسرے رُفقاء کو اس پر کوئی شکایت نہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔

کھجور کا پسندیدہ ہونا

[حدیث:۹۱۶] ”عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۴ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِحْبَابِ التَّمْرِ“)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ: جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں اس گھر کے لوگ بھوکے ہیں۔“

تشریح: اہلِ عرب کی خوارک کا اکثر و بیشتر حصہ کھجور تھا، اس لئے ان کو گھر میں کھجور رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ علّامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث شریف سے گھر میں کھجور رکھنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ حضرت اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب کے عنوان سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل وعیال کی خوارک کا ذخیرہ گھر میں رکھنا جائز ہے، بلکہ یہ چیز لائقِ ترغیب ہے۔

کھانے سے فارغ ہوکر اس پر شکر کرنا

[حدیث:۹۱۷] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۴ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فَرِغَ مِنْهُ“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ بندہ ایک لقمہ کھانے کا کھائے، یا پانی کا گھونٹ پیئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: بندے کا کھانے کا ایک لقمہ کھا کر یا پانی کا ایک گھونٹ پی کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ کھا کر شکر کرنے والا، روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کی طرح اجر وثواب کا مستحق ہے۔ اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کھانے کے آداب میں لکھتے ہیں کہ ہر نوالے پر بسم اللہ شریف پڑھو، اور جب تک خوب چبا کر نوالہ نگل نہ لو، دُوسرا نہ ڈالو، اور ہر نوالے پر الحمدللہ کہو۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمت کی قدر شناسی کا یہی تقاضا ہے کہ اس کریم مالک کے رزق کو اس کا نام لے کر کھائے، اور ہر لقمے کے کھانے پر اس کا شکر بجالائے کہ اس مالک نے یہ کھانا مہیا فرمایا، پھر اس کو کھانے کے لئے ہمارے اعضا وقویٰ سلامت بنائے، پھر اپنے لطف سے اس کو ہمارے حلق سے اُتار دیا۔ گویا کھانے کے ایک لقمے میں اور پانی کے ایک ایک گھونٹ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی چند در چند نعمتیں جمع ہیں، بڑی غفلت وناسپاسی

ہے کہ بندہ ان عظیم الشان نعمتوں کا شکر بجا نہ لائے، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

جذامی کے ساتھ کھانا

[حدیث:۹۱۸] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ ثُمَّ قَالَ: كُلْ بِسْمِ اللهِ ثِقَةً بِاللهِ وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۴ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَجْذُوْمِ“)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں ڈالا، پھر فرمایا: کھا اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس پر بھروسہ کرتے ہوئے۔“

تشریح: یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ توکل، اعتماد علی اللہ اور مضبوطیٔ قلب کی دلیل ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ”مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو“ اور ایک حدیث میں ہے کہ: وفدِ ثقیف میں ایک مجذوم آرہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے ہی میں اس کو پیغام بھجوایا کہ: ”ہم نے تمہیں بیعت کرلیا، تم واپس لوٹ جاؤ“ ان احادیث میں ضعفاء کی رعایت ہے کہ عام لوگوں سے اس کا تحمل مشکل ہے، اَقویاء کا حکم اور ہے، ضعفاء کا دُوسرا۔

موٴمن ایک آنت میں کھاتا ہے

[حدیث:۹۱۹] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۴ ”بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَّاحِدٍ“)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور موٴمن ایک آنت میں کھاتا ہے۔“

[حدیث:۹۲۰] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهُ ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهُ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمَّ أَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَأَسْلَمَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

اَلْمُؤْمِنُ یَشْرَبُ فِیْ مِعًی وَّاحِدٍ وَالْکَافِرُ یَشْرَبُ فِیْ سَبْعَۃِ أَمْعَاءٍ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۴)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کافر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری کا دُودھ دوہنے کا حکم فرمایا، بکری کا دُودھ دوہا گیا، تو اس نے سارا دُودھ پی لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُوسری بکری دوہنے کا حکم فرمایا، اس نے وہ بھی پی لیا، یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دُودھ پی لیا۔ اگلے دن صبح کو وہ شخص مسلمان ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری کے دوہنے کا حکم فرمایا، اس نے اس کا پورا دُودھ پی لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دُوسری بکری کے دوہنے کا حکم فرمایا تو وہ شخص اس کو پورا نہ پی سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔“

تشریح: دُوسری حدیث میں جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس سے اس حدیث کی تشریح ہوجاتی ہے، یعنی مؤمن صبر و قناعت کے ساتھ کھاتا ہے، کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھتا ہے، اس لئے اس کو تھوڑا کھانا کافی ہوجاتا ہے۔ بخلاف اس کے کافر حرص و طمع کے ساتھ کھاتا ہے اور کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں پڑھتا، اس لئے اس کے کھانے میں بے برکتی ہوتی ہے، اس کا پیٹ بھر بھی جائے تب بھی اس کی نیت نہیں بھرتی۔ گویا حدیث شریف میں تعلیم فرمائی گئی ہے کہ مؤمن کو حرص و طمع کے ساتھ نہیں کھانا چاہئے بلکہ بسم اللہ شریف پڑھ کر، صبر و قناعت کے ساتھ بقدرِ ضرورت کھانا چاہئے، اور پورا پیٹ بھرنے بلکہ پیٹ بھر جانے کے بعد جی بھر کر کھانے کی ہوس نہیں کرنی چاہئے۔

فائدہ:...... حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اطباء لکھتے ہیں کہ آنتیں چھ ہوتی ہیں، جبکہ اس حدیث پاک میں سات آنتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں ساتویں آنت سے مراد معدہ ہے، واللہ اعلم!

ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہوتا ہے

[حدیث:۹۲۱] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: طَعَامُ الِاثْنَیْنِ كَافِی الثَّلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِی الْأَرْبَعَةِ۔ وَرَوٰی جَابِرٌ وَابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: طَعَامُ الْوَاحِدِ یَكْفِی الِاثْنَیْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَیْنِ یَكْفِی الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ یَكْفِی الثَّمَانِیَةَ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

بَشَّارٍ نَا عَبۡدُ الرَّحۡمٰنِ بۡنُ مَهۡدِيٍّ نَا سُفۡيَانَ عَنِ الۡأَعۡمَشِ عَنۡ أَبِيۡ سُفۡيَانَ عَنۡ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۴ "بَابُ مَا جَاءَ فِيۡ طَعَامِ الۡوَاحِدِ يَكۡفِي الۡاِثۡنَيۡنِ")

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دو آدمیوں کا کھانا تین کو کفایت کرتا ہے، اور تین آدمیوں کا کھانا چار کو کفایت کرتا ہے۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جابر اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک کا کھانا دو کو کفایت کرتا ہے، اور دو کا چار کو، اور چار کا آٹھ کو کفایت کرتا ہے۔"

تشریح: کفایت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کھانا صرف اتنا ہو کہ ایک آدمی کا پیٹ بھر سکے تو اگر وہ دُوسرے آدمی کو بھی اس میں شریک کرلے تو اِن شاء اللہ اگلے وقت تک کے لئے دونوں کو کافی ہوجائے گا اور دونوں کی بھوک ختم ہوجائے گی۔ اسی طرح دو آدمیوں کا کھانا تین کو اور تین کا چار آدمی کھا کر اگلے وقت تک کے لئے گزارا کرسکتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں ترغیب دی گئی ہے کہ اگر دُوسرا آدمی بھوکا ہو تو اس کو بھی کھانے میں شریک کرلیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنگی اور عسرت میں تھے، اس لئے ان کو ایثار و مروّت کی تلقین کی گئی۔

ٹڈی کے کھانے کا بیان

[حدیث:۹۲۲] "عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ أَبِيۡ أَوۡفٰى أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الۡجَرَادِ فَقَالَ: غَزَوۡتُ مَعَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأۡكُلُ الۡجَرَادَ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۴ "بَابُ مَا جَاءَ فِيۡ أَكۡلِ الۡجَرَادِ")

ترجمہ: "حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے ٹڈی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: میں نے چھ غزوات (اور دُوسری روایت میں ہے کہ سات غزوات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کئے ہیں، ہم ٹڈیاں کھایا کرتے تھے۔"

تشریح: ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ: ٹڈی کی دو قسمیں ہوتی ہیں، بعض کھائی جاتی ہیں اور بعض نہیں، جو کھائی جاتی ہیں اِحرام کی حالت میں ان کو قتل کرنے پر جنایت لازم آتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ حجاز کی ٹڈیاں تمام کی تمام کھائی جاتی ہیں، لیکن اندلس کی ٹڈی اپنی سمیت (زہریلے پن) کی

وجہ سے کھانے کے لائق نہیں۔ اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اہلِ علم کا اِجماع نقل کیا ہے کہ ٹڈی دل کا کھانا جائز ہے، اور اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ مؤطا اِمام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس ٹڈی دل کی زنبیل بھری ہوئی ہو کہ اس سے کھایا کروں (ص:۷۱، مطبوعہ نور محمد)۔

گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور دُودھ کا حکم

[حدیث:۹۲۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۴، ۵ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ لُحُوْمِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا“)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور دُودھ سے منع فرمایا ہے۔“

[حدیث:۹۲۴] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنْ لَبَنِ الْجَلَّالَةِ وَعَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۵)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: مجثمہ سے، اور گندگی کھانے والے جانور کے دُودھ سے، اور مشکیزے کے منہ سے پینے سے۔“

تشریح: ”جلالہ“ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو گندگی کھانے کی عادت ہو، سو اگر اس کی غالب خوراک گندگی بن جائے یہاں تک کہ اس کے گوشت سے بدبو آنے لگے، تو اس کا کھانا مکروہِ تحریمی ہے، اِلَّا یہ کہ اس کو ایک مدّت تک بند رکھا جائے اور اس کو پاک کھانا کھلایا جائے یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دُودھ سے بدبو جاتی رہے تب حلال ہے۔

اور ”مجثمہ“ وہ جانور ہے کہ جس کو باندھ کر نشانہ بنایا جائے، یہ فعل حرام ہے، کیونکہ زندہ جانور کو نشانہ بنانا بدترین ظلم ہے، اور چونکہ وہ جانور بغیر ذبح کے مرگیا ہے اس لئے وہ مردار ہے، اس کا کھانا حرام ہے۔

اور مشکیزے کے دہانے کو منہ لگا کر پانی پینا مکروہ ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ خدانخواستہ کوئی سانپ، کیڑا مشکیزے کے اندر چلا گیا ہو، اور وہ پینے والے کے پیٹ میں چلا جائے۔

مرغی کھانے کے بیان میں

[حدیث:۹۲۵] "عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى أَبِيْ مُوْسٰى وَهُوَ يَأْكُلُ دَجَاجَةً، فَقَالَ: ادْنُ فَكُلْ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۵ "بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ الدَّجَاجِ")

ترجمہ: "زَہدم جرمی کہتے ہیں کہ: میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ مرغی کھارہے تھے، فرمایا: قریب آجاؤ، کھاؤ! کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

تشریح: مرغی کا گوشت حلال ہے، البتہ مرغی اگر گلیوں میں گندگی کھاتی پھرتی ہو تو اس کو تین دن بند رکھا جائے، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

حباریٰ کا گوشت

[حدیث:۹۲۵] "عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سُفَيْنَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: أَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارٰى۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۵ "بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ الْحُبَارٰى")

ترجمہ: "حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباریٰ کا گوشت کھایا۔"

تشریح: صاحبِ غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ:

"حباریٰ ایک پرندہ ہے مرغابی کے برابر، اور رنگ اس کا زرد یا سیاہ ہوتا ہے، فارسی میں اس کو "چرز" کہتے ہیں۔ از شرح نصاب از مولانا یوسف وصحاح۔ اور صاحبِ منتخب نے لکھا ہے کہ اس کو فارسی میں تغدری کہتے ہیں۔"

"اُردو ڈکشنری بورڈ کراچی" کی مرتب کردہ اُردو لغت میں ہے:

"تُغْدَری (بضم تا، وسکون غین، و فتح دال) اسم مؤنث، تلور یا تیتر کے خاندان کا ایک پرندہ (دیکھئے: تگدری، تگدار) بلادِ عرب کے پرندوں میں سے شتر مرغ، ہنس، چرغ، چکور، کوا، تغدری کبوتر، شہری اور جنگلی ...... وغیرہ بہت ہیں۔" (رسالہ علم جغرافیہ ۴/۹)

اسی میں ''حباریٰ'' کے تحت لکھا ہے:

''حبارا، حباریٰ (بضم حا، الف (مقصورہ) بشکل ی) اسم مذکر، مرغابی کے برابر ایک پرندہ، رنگ زرد یا سیاہ ہوتا ہے، گردن خاکی ہوتی ہے۔ چرز، تغدری، شاہ پسند، سرخان۔ حباریٰ ایک جانور (پرندہ) ہے بزرگ، دراز گردن، ہندی میں اس کا نام نہیں ہے، تمام مذاہب میں حلال ہے، مگر بعض مذاہبِ اِمامیہ میں مکروہ ہے۔''

(۱۸۸۳ء، صیدگاہ شوکتی ص:۲۸۳)

بھنا ہوا گوشت کھانا

[حدیث:۹۲۶] ''أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۵ ''بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ الشِّوَاءِ'')

ترجمہ: ''حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چانپ کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، اور وضو نہیں فرمایا۔''

تشریح: ان احادیث شریفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اشیاء کا تناول فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھانے پینے کے معاملے میں تکلف اور کسی خاص چیز کا اہتمام نہیں تھا، جس موقع پر جو حلال وطیب چیز بھی میسر آجاتی اس کو تناول فرمالیتے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر بجالاتے۔

فائدہ:...... اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں آتا، جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا مکروہ ہے

[حدیث:۹۲۷] ''عَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۵ ''بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مُتَّكِئًا'')

ترجمہ: ''حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تو تکیہ لگا کر نہیں کھاتا!''

تشریح: اس مضمون کی احادیث متعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے تکیے سے ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے، اور غلام اپنے آقا کے دسترخوان پر آقا کے سامنے متکبرانہ ہیئت سے نہیں بیٹھتا، بلکہ عجز و تذلل کے ساتھ متواضعانہ انداز میں بیٹھتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''عائشہ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کرتے، ایک فرشتہ میرے پاس آیا، اور کہا کہ: آپ کا ربّ (جل وعلا شانہٗ) آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے فرماتا ہے کہ: اگر آپ چاہیں تو نبی بادشاہ بن کر رہیں، اور اگر چاہیں تو ''بندہ'' (عبد) بن کر رہیں۔ جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو گرادیجئے، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ: میں نبی عبد (بندہ نبی) بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اس ارشاد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: میں تو ایسے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے، اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔'' (تلخیص حبیر ج:۳ ص:۱۲۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرینی اور شہد مرغوب تھے

[حدیث:۹۲۸] ''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۵ ''بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حُبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ'')

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز سے اور شہد سے رغبت فرماتے تھے۔''

تشریح: ''حلوا'' عربی میں میٹھی چیز کو کہتے ہیں، شیرینی سے رغبت فطرتِ سلیمہ اور صحتِ مزاج کا تقاضا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچوں کو بہ نسبت بڑوں کے شیرینی سے رغبت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ ان کا مزاج فطرت کے قریب تر ہوتا ہے۔ اور شہد سے رغبت ہونا ایک تو اس کی شیرینی کی وجہ سے ہے، دُوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے اس کو ''شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ'' فرمایا ہے، یہ گویا اس سے رغبت کی عقلی وجہ تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اُمورِ عقلیہ طبعیہ کا درجہ رکھتے تھے، واللہ اعلم!

شوربا زیادہ کرنے کا حکم

[حدیث:۹۲۹] ''عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِاللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۵ "بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْثَارِ مَاءِ الْمَرَقَةِ")

ترجمہ: "حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ایک آدمی جب گوشت خریدے تو اس کا شوربا زیادہ کرلے، پس اگر گوشت نہیں ملے گا تو شوربا مل جائے گا، وہ بھی ایک قسم کا گوشت ہے۔"

تشریح: یعنی اگر بوٹی میسر نہ آئے تو شوربا بھی غنیمت ہے کہ گوشت کی لذّت اس سے بھی حاصل ہوجائے گی۔ اور اطباء کہتے ہیں کہ گوشت کے پورے فوائد شوربے میں موجود ہوتے ہیں۔

[حدیث: ۹۳۰] "عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ أَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ، وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَأَكْثِرْ مَرَقَتَهُ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۵)

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص بھلائی کے کام کو حقیر نہ سمجھے، اور اگر کوئی چیز نہ پائے تو اپنے بھائی سے کشادہ روئی کے ساتھ ہی مل لے، اور جب تو گوشت خریدے یا ہانڈی پکائے تو اس کا شوربا زیادہ کرلے، اور اس میں سے اپنے ہمسائے کو چمچہ بھر کے دے دے۔"

تشریح: اس حدیث پاک میں چند مکارمِ اخلاق کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔

اوّل:...... یہ کہ کسی کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کو حقیر نہ سمجھا جائے، یہ ہدایت حسنِ سلوک کرنے والوں کے لئے بھی ہے، اور جن کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے ان کے لئے بھی، کیونکہ کسی غریب کے گھر میں کوئی چیز پکی ہو تو اس کا جی چاہے گا کہ ہمسایوں کے گھر میں بھی دی جائے (اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے) لیکن اس کو احساسِ کمتری مانع ہوتا ہے کہ ایسی معمولی اور حقیر سی چیز ہمسایوں کے گھر کیا پہنچاؤں؟ اور اگر ہمت کرکے پہنچا بھی دے تو ہمسائی سو سو عیب نکالتی ہے کہ بھلا ایسی چیز لانے کی کیا ضرورت تھی؟ الغرض دینے والے کا احساسِ کمتری اور لینے والے کی نکتہ چینی عام طور سے ایک دُوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک سے مانع ہوجاتی ہے۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ حسنِ سلوک خواہ کتنی ہی معمولی چیز کے ساتھ ہو اس کو حقیر نہ سمجھا جائے، نہ دینے والا اس کو معمولی سمجھ کر چھوڑے اور نہ لینے والا معمولی سمجھ کر اس کی تحقیر کرے۔

دوم:...... دُوسری تعلیم یہ فرمائی گئی کہ اگر کوئی نادار ہے، کسی کی مالی خدمت نہیں کرسکتا تو کم سے کم اتنا

ہی کرلے کہ ہر ایک کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آنے کی عادت ڈال لے، کہ یہ بھی صدقہ ہے، اور اس کے ذریعے لوگوں کی دِل جوئی کی جاسکتی ہے۔

سوم:...... گھر میں گوشت پکایا جائے تو ہمسایوں کو دینے کی نیت سے اس کا شوربا ذرا سا زیادہ کرلیا جائے، اور اس میں سے ہمسائے کی خبر گیری کی جائے، خواہ تھوڑی مقدار ہو، اس کو معمولی بات نہ سمجھا جائے، یہ معدنِ نبوّت سے نکلے ہوئے ہیرے اور جوہرات ہیں۔

ثرید کی فضیلت کے بیان میں

[حدیث: ۹۳۱] ”عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَاٰسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۵ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الثَّرِيْدِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں سے تو بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں نہیں کامل ہوئی مگر مریم عمران کی بیٹی، اور آسیہ فرعون کی بیوی، اور عائشہ کی فضیلت تو عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔“

تشریح: حدیث پاک کے پہلے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کی جماعت میں سے تو بے شمار حضرات کامل ہوئے، کیونکہ اس جماعت میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو سب کے سب کامل ہیں، پھر ہر اُمّت میں (خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں) بے شمار حضرات ایسے ہیں جو صدیقیت و شہادت اور ولایتِ کبریٰ کے مقام پر فائز ہوئے، یہ تمام حضرات، جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، درجہ بدرجہ سب کے سب کامل تھے، اور مردوں کی جماعت کے مقابلے میں عورتوں کی جماعت کو دیکھئے، ان میں شاذ و نادر ہی ایسی ہوگی جو صدیقیت کے مرتبے کو پہنچی ہو، کیونکہ نبوّت صرف مردوں کے لئے ہے، خواتین نبی نہیں ہوتیں۔ عورتوں کی جماعت میں بھی بہت سی اللہ تعالیٰ کی بندیاں کامل ہوئی ہوں گی، مگر حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو قرآنِ کریم میں ”صدیقہ“ فرمایا ہے، اور ان کی کرامتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی قرآنِ کریم میں مدح فرمائی گئی ہے، ان دونوں کے کامل ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور ایک حدیث میں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے اسمائے گرامی بھی کاملین

میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

گوشت کو دانتوں سے نوچنے کا حکم

[حدیث: ۹۳۲] ”عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: زَوَّجِیْ أَبِیْ فَدَعَا أُنَاسًا فِيهِمْ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: انْهَسُوا اللَّحْمَ نَهْسًا، فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۵ ”بَابُ مَا جَاءَ انْهَشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ: میرے والد ماجد نے میری شادی کی تو چند لوگوں کو مدعو کیا، جن میں صفوان بن اُمیہ بھی تھے، پس فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو، یہ طریقہ زیادہ لذیذ بھی ہے اور خوشگوار بھی۔“

چھری سے گوشت کاٹنے کی اجازت

[حدیث: ۹۳۳] ”عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَزَّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۶ ”بَابُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِيْ قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّيْنِ“)

ترجمہ: ”جعفر بن عمرو بن اُمیہ الضمری رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے شانے کا گوشت چھری سے کاٹا، پھر اس میں سے تناول فرمایا، پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔“

تشریح: کھانے کو چھری سے کاٹنا اگر ضرورت کی بنا پر ہو تو صحیح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر چھری سے کاٹنا اس بنا پر تھا کہ گوشت پورا تیار نہیں ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لئے تشریف لے جانے کی جلدی تھی۔

اس حدیث میں جو ذکر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہیں فرمایا، یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس مسئلے میں اختلاف ہوا کہ آیا آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس کے قائل تھے، لیکن بالآخر پھر اس پر اجماع ہو گیا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز

کھانے سے وضو لازم نہیں آتا۔ اور جن احادیث سے اس کا شبہ ہوتا ہے وہ یا تو منسوخ ہیں یا اس سے لغوی معنی یعنی کلی کرنا اور منہ صاف کرنا مراد ہے۔

گوشت کا کون سا حصہ آنحضرت ﷺ کو محبوب تھا؟

[حدیث: ۹۳۴] "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: أُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَدُفِعَ إِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَ یُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا۔" (ترمذی ج:۲ ص:۶ "بَابُ مَا جَاءَ أَیِّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ")

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا، پس دستی کا گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا گیا اور یہ گوشت آنحضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا، پس آنحضرت ﷺ نے دانتوں سے نوچ کر تناول فرمایا۔"

تشریح: دستی کا گوشت آنحضرت ﷺ کو مرغوب ہونا، بعض اکابر رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ گوشت کا یہ حصہ جلدی تیار ہوجاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ کو چونکہ مصروفیت بہت ہوا کرتی تھی اس لئے جو حصہ جلدی تیار ہوجاتا تھا اس کو پسند فرماتے تھے، تاکہ تناول فرماکر کام میں لگیں۔

اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ گوشت زود ہضم بھی ہوتا ہے اور اس میں ریشہ نہیں ہوتا۔

[حدیث: ۹۳۵] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ الذِّرَاعُ أَحَبَّ اللَّحْمِ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ كَانَ لَا یَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غِبًّا، فَكَانَ یَعْجَلُ إِلَیْهِ لِأَنَّهٗ أَعْجَلُهَا نُضْجًا۔" (ترمذی ج:۲ ص:۶)

ترجمہ: "عباد بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: دستی کا گوشت آنحضرت ﷺ کو زیادہ محبوب تھا، لیکن بات یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو گوشت کبھی گاہے گاہے میسر آتا تھا۔ (ادھر آنحضرت ﷺ مشغول ہوتے تھے) پس یہ گوشت جلدی میں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا جاتا، کیونکہ یہ حصہ جلدی تیار ہوجاتا ہے۔"

تشریح: اُوپر اس ناکارہ نے جن دو وجوہ کا ذکر کیا ان میں سے ایک یہ ہے، اور یہ چونکہ خود حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس لئے بلاشبہ اس کو ترجیح حاصل ہے۔ اگرچہ دُوسری توجیہ بھی اس کے خلاف

نہیں، بلکہ بعید نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی فطرتِ سلیمہ اس کی معنوی خصوصیات کی بنا پر اس سے رغبت رکھتی ہو، گویا ایک ظاہری وجہ ہے اور ایک باطنی۔

سرکہ کے بارے میں

[حدیث: ۹۳۶] "عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ۔" (ترمذی ج: ۲ ص: ۶ "بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَلِّ")

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بہت ہی اچھا سالن ہے سرکہ۔"

تشریح: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ قصہ مذکور ہے کہ: میں ایک جگہ بیٹھا تھا، آنحضرت ﷺ وہاں سے گزرے تو ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا، میں اُٹھ کر آیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے ایک بی بی کے گھر مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اندر تشریف لے جاکر مجھے بلایا، میں اندر گیا تو گھر والوں سے فرمایا کہ: کھانے کی کوئی چیز ہے؟ چنگیر میں رکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں تین روٹیاں پیش کی گئیں، آپ ﷺ نے ایک روٹی سامنے رکھ لی، ایک میرے سامنے رکھ دی، اور ایک روٹی آدھی اپنے سامنے اور آدھی میرے سامنے رکھی، پھر فرمایا: روٹی کے ساتھ کھانے کو سالن بھی ہے؟ عرض کیا گیا: سالن کچھ نہیں، البتہ سرکہ ہے۔ فرمایا: وہی لاؤ! سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے! سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے!

اس حدیث پاک سے سرکہ کی فضیلت معلوم ہوئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میں نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تب سے سرکہ مجھے محبوب ہوگیا۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی بے تکلف اور سادہ معاشرت بھی معلوم ہوئی، کہ کھانے پینے میں متکلّف نہیں تھے، جو کچھ وقت پر میسر آجاتا تناول فرمالیتے اور حمد و شکر بجالاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے میں سادگی اور میانہ روی کو اِختیار کرنا اور نفس کو لذائذ سے باز رکھنا اچھی بات ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکہ بہت عمدہ سالن ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ سالن سے روٹی نہیں کھائے گا، پھر سرکہ کے ساتھ کھالے تو حانث ہوجائے گا، اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ سرکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سالن ہے۔ سرکہ کے منافع کتبِ طب میں بہت لکھے ہیں (مظاہرِ حق)۔

[حدیث: ۹۳۷] "عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ۔" (ترمذی ج: ۲ ص: ۶)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: بہت ہی

اچھا سالن ہے سرکہ۔''

[حدیث:۹۳۸] ''عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ؟ فَقُلْتُ: لَا إِلَّا كِسَرٌ يَابِسَةٌ وَخَلٌّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَرِّبِيهِ! فَمَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۶)

ترجمہ: ''حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: کچھ نہیں! البتہ روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے ہیں اور سرکہ ہے۔ فرمایا: وہی لاؤ! جس گھر میں سرکہ ہو وہ سالن سے خالی نہیں ہوتا۔''

تازہ کھجور کے ساتھ ملاکر تربوز کھانے کا بیان

[حدیث:۹۳۹] ''عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۶ ''بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْبِطِّيخِ بِالرُّطَبِ'')

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ ملاکر تناول فرماتے تھے۔''

تشریح: تربوز رُطب بارد ہے، اور کھجور یابس ہے، دونوں کو ملانے سے اِعتدال پیدا ہوجائے گا۔

تازہ کھجور کے ساتھ ککڑی کھانے کا بیان

[حدیث:۹۴۰] '' عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۶ ''بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْقِثَّاءِ بِالرُّطَبِ'')

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تازہ کھجور کے ساتھ ککڑی تناول فرمایا کرتے تھے۔''

تشریح: ککڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم، دونوں کے ملانے سے اِعتدال پیدا ہوجاتا ہے، چنانچہ اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کی گرمی، اس کی سردی کو، اور اس کی سردی اس کی گرمی کو ختم کردے گی۔ علاوہ ازیں ککڑی پھیکی ہوتی ہے، شیرینی کے لئے اس کو کھجور کے ساتھ ملاکر کھایا جاتا ہے۔

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا

[حدیث: ۹۴۱] ”عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَرَأْتُ فِی التَّوْرَاةِ أَنَّ بَرَکَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ، فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُہٗ بِمَا قَرَأْتُ فِی التَّوْرَاةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: بَرَکَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۶، ”بَابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَہٗ“)

ترجمہ: ”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے توراة میں پڑھا کہ کھانے کی برکت کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا کہ میں نے توراة میں یہ پڑھا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ہے۔“

تشریح: یہاں چند اُمور لائقِ ذکر ہیں:

۱:...... یہ حدیث، جیسا کہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے، ضعیف ہے، لیکن شدید ضعیف نہیں، فی الجملہ قابلِ قبول ہے۔

۲:......حدیث میں کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے، مگر میں نے وضو کا ترجمہ ”ہاتھ دھونے“ سے کیا ہے، کیونکہ آگے صفحہ:۸ پر حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کا قصہ آرہا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھونے کے بعد فرمایا: ”عکراش! یہ وضو ہے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد۔“

۳:......کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا صفائی کے لئے ہے، کیونکہ ہاتھ بے خیالی میں جگہ بے جگہ لگتا رہتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا کھانے کی چکنائی اور بو وغیرہ کو زائل کرنے کے لئے ہے، واللہ اعلم!

۴:......کھانے کے لئے گٹوں تک ہاتھ دھونے چاہئیں، بعض متکبرین صرف اُنگلیاں دھولیتے ہیں، اور بعض صرف داہنا ہاتھ دھولیتے ہیں، یہ دونوں فعل خلافِ سنّت ہیں۔

۵:......کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تولیے یا کپڑے سے پونچھنا نہیں چاہئے، کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر تولیہ استعمال کرسکتے ہیں۔

۶:......ایک روایت میں ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ایک نیکی ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا دو نیکیاں ہیں۔ بعض اکابر رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا توراة کی شریعت ہے، جیسا کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا، اور کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے، اس لئے اس پر دُگنا اَجر ہے (اتحاف)۔

کھانے سے پہلے وضو نہ کرنے کے بیان

[حدیث:۹۴۲] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا: أَلَا نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ؟ قَالَ: إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۷ ”بَابُ فِيْ تَرْكِ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ“)

ترجمہ: ”ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جائے ضرورت سے باہر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، عرض کیا گیا کہ: کیا وضو کا پانی لائیں؟ فرمایا: مجھے وضو کا حکم صرف اس وقت دیا گیا ہے جبکہ نماز کے لئے اُٹھوں۔“

تشریح: یعنی وضو صرف نماز کے لئے (اور نماز کے حکم میں جو چیزیں ہیں، ان کے لئے) ضروری ہے، کھانے سے پہلے وضو ضروری نہیں، بلکہ ہاتھ صاف کرلینا کافی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، نیز سالن کے پیالے کے نیچے روٹی رکھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

روٹی پیالے کے نیچے رکھنا تو بلاشبہ مکروہ ہے کہ اس میں کھانے کی بے قدری ہے، لیکن کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو ناپسند فرمانے کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی، جبکہ احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے، یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان میں مجموعی طور پر فی الجملہ قوّت پائی جاتی ہے، چنانچہ اکثر اہلِ علم نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو آداب میں شمار کیا ہے، واللہ اعلم!

گھیا کدو کھانے کے بیان میں

[حدیث:۹۴۴] ”عَنْ أَبِيْ طَالُوْتَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهُوَ يَأْكُلُ الْقَرْعَ وَهُوَ يَقُوْلُ: يَا لَكِ شَجَرَةً مَا أَحَبَّكِ إِلَيَّ لِحُبِّ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ أَكْلِ الدُّبَّاءِ“)

ترجمہ: ”ابو طالوت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ گھیا کدو کھا رہے تھے، اور اسے مخاطب کرکے فرما رہے تھے: واہ! تو مجھے کس قدر مرغوب ہے؟ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجھے پسند فرماتے تھے۔“

[حدیث:۹۴۵] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ فِي الصَّحْفَةِ يَعْنِي الدُّبَّاءَ فَلَا أَزَالُ أُحِبُّهُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۷)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سالن کی رکابی میں گھیا کدو کے قتلے تلاش کر رہے تھے، پس اس وقت سے میں ہمیشہ اس ترکاری کو پسند کرنے لگا۔“

زیتون کا تیل کھانے کے بیان میں

[حدیث:۹۴۶] ”أَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الزَّيْتِ“)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیتون کا تیل کھایا کرو اور اس کو بدن پر ملا کرو، کیونکہ یہ بابرکت درخت سے ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں زیتون کا تیل کھانے اور اس کو بدن پر ملنے کی تعلیم وترغیب فرمائی۔

غلاموں کے ساتھ کھانے کے بیان میں

[حدیث:۹۴۷] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ يُخْبِرُهُمْ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَفٰى أَحَدَكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْيَأْخُذْ بِيَدِهٖ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ، فَإِنْ أَبٰى فَلْيَأْخُذْ لُقْمَةً فَلْيُطْعِمْهُ إِيَّاهَا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوْكِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے کھانے پکانے کی کفایت کرے، اس کی گرمی اور دُھویں کو برداشت کرے تو اس (مخدوم) کو چاہئے کہ اس (خادم) کا ہاتھ پکڑ کر کھانے کے لئے اس کو اپنے ساتھ بٹھالے، پس اگر ایسا نہ کر سکے تو (کچھ کھانا، خواہ) ایک ہی لقمہ (ہو) لے کر اس کو کھلا دے۔“

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارمِ اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے کہ خادم، ملازم یا غلام نے تمہیں کھانا تیار کر کے دیا، اور تمہیں اس کی تیاری کی زحمت سے بچایا، خود گرمی اور دُھواں برداشت کیا، بڑی بے مروّتی کی بات ہوگی کہ اس مسکین کو کھانے میں شریک نہ کرو، خود تو سارا ہڑپ کر جاؤ اور وہ اس کے ذائقے سے بھی محروم رہے۔ اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ اس کو دسترخوان میں شریک کرو، اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ کھانے کا کچھ حصہ اس کو بھی دے دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر کی مستورات جو کھانا تیار کرتی ہیں ان کی بھی قدر افزائی ہونی چاہئے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھے اپنے گھر پر مدعو کیا، کھانے سے فارغ ہو کر میں نے دُعائیں دیں اور خاتونِ خانہ کی تعریف کی کہ انہوں نے بڑا اچھا کھانا تیار کیا۔ خاتونِ خانہ پردے کے پیچھے سے سن رہی تھیں، کہنے لگیں کہ: حضرت! آج پہلی مرتبہ اس گھر میں اپنے کھانا پکانے کی تعریف سن رہی ہوں۔ اپنے شوہر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں کہ: انہوں نے کبھی کھانے کی تحسین نہیں کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کو ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ: بھئی! بڑی بے مروّتی کی بات ہے کہ وہ تمہاری خاطر اتنی مشقت برداشت کرتی ہیں اور تم زبان سے دو بول بھی نہیں کہہ سکتے۔

کھانا کھلانے کی فضیلت

[حدیث: ۹۴۸] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَاضْرِبُوا الْهَامَ، تُوْرَثُوا الْجِنَانَ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، کافروں کی کھوپڑیوں کو مارو، جنّت کے وارث بنائے جاؤ گے۔“

[حدیث: ۹۴۹] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۷)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما س روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رحمٰن کی عبادت کرو، کھانا کھلایا کرو، سلام پھیلاؤ، سلامتی کے ساتھ جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

رات کا کھانا کھانے کی فضیلت

[حدیث: ۹۵۰] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: تَعَشَّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ، فَإِنَّ تَرْكَ الْعَشَاءِ مَهْرَمَةٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الْعَشَاءِ“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شام کا کھانا ضرور کھایا کرو، خواہ پُرانی کھجور کی ایک مٹھی ہی کھالیا کرو، کیونکہ شام کا کھانا ترک کردینا بڑھاپا لاتا ہے۔“

تشریح: یہ روایت، جیسا کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، نہایت کمزور ہے، اس لئے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں، غالباً یہ کسی حکیم کا قول ہے، جو عرب میں مشہور تھا، راوی نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی حیثیت سے نقل کردیا، الغرض اسنادی حیثیت سے اس کا انتساب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مشکل ہے، البتہ ایک تجربے کی بات کی حیثیت سے اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

رات کا کھانا ترک کرنے سے جلدی بڑھاپا آنے کی بات اگر صحیح ہو تو اس کی وجہ- واللہ اعلم- یہ ہوسکتی ہے کہ غذا بدن کے لئے بدل ما یتحلل مہیا کرتی ہے، اور اگر بدن کے تحلیل شدہ اجزا کا بدل مہیا نہ کیا جائے تو صحت کا متأثر ہونا اور اس کے نتیجے میں بڑھاپے کا جلدی آنا ایک طبعی چیز ہے، اب اگر آدمی بھوکا سوئے تو رات کے طویل وقفے میں اجزائے بدن کی تحلیل تو ہوگی، لیکن ان اجزا کا بدل مہیا نہیں ہوسکے گا، واللہ اعلم!

کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا

[حدیث: ۹۵۱] ”عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِیْ سَلَمَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ قَالَ: اُدْنُ یَا بُنَیَّ! فَسَمِّ اللهَ، وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۸،۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّسْمِیَةِ عَلَی الطَّعَامِ“)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا رکھا تھا، فرمایا: بیٹا! قریب ہوجاؤ، بسم اللہ شریف پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے آگے سے کھاؤ۔“

تشریح: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما، اُمّ المؤمنین اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، جب اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و تربیت میں آگئے، اس لئے ان کو ”بیٹا“ فرمایا۔

اس حدیث شریف سے کھانے کے چند آداب معلوم ہوئے:

۱:...... بسم اللہ شریف کے ساتھ کھانا شروع کیا جائے۔

۲:...... دائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

۳:...... اپنے آگے سے کھایا جائے۔

ان آداب کو بہت سی احادیث شریفہ میں بیان فرمایا گیا ہے، اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ بچوں کو آداب اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینی چاہیے۔

کھانا کھانے کے چند آداب

[حدیث:۹۵۲] ”قَالَ: بَعَثَنِیْ بَنُو مُرَّةَ بْنِ عُبَیْدٍ بِصَدَقَاتِ أَمْوَالِهِمْ إِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَدِمْتُ عَلَیْهِ الْمَدِینَةَ فَوَجَدْتُهُ جَالِسًا بَیْنَ الْمُهَاجِرِینَ وَالْأَنْصَارِ، قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ بِیَدِیْ فَانْطَلَقَ بِیْ إِلٰی بَیْتِ أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ: هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟ فَأُتِینَا بِجَفْنَةٍ کَثِیرَةِ الثَّرِیدِ وَالْوَذْرِ، وَأَقْبَلْنَا نَأْکُلُ مِنْهَا فَخَبَطْتُ بِیَدِیْ فِیْ نَوَاحِیْهَا وَأَکَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ فَقَبَضَ بِیَدِهِ الْیُسْرٰی عَلٰی یَدِی الْیُمْنٰی ثُمَّ قَالَ: یَا عِکْرَاشُ! کُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ۔ ثُمَّ أُتِینَا بِطَبَقٍ فِیْهِ أَلْوَانُ التَّمْرِ وَالرُّطَبِ، شَکَّ عُبَیْدُ اللهِ فَجَعَلْتُ اٰکُلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَجَالَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الطَّبَقِ وَقَالَ: یَا عِکْرَاشُ! کُلْ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ، فَإِنَّهُ غَیْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ۔ ثُمَّ أُتِینَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَیْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ کَفَّیْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَیْهِ وَرَأْسَهُ وَقَالَ: یَا عِکْرَاشُ! هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۸)

ترجمہ: ”حضرت عکراش بن ذُؤیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بنومرۃ بن عبید کے لوگوں نے اپنے صدقات دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کے درمیان تشریف فرما ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی کھانا ہے؟ پس ایک بڑا پیالہ لایا گیا، جس میں بہت سا ثرید تھا اور گوشت کے ٹکڑے تھے، پس ہم اس سے کھانے لگے، پس میں تو اپنے ہاتھ برتن کے چاروں طرف گھما رہا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آگے سے تناول فرما رہے تھے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑ لیا، پھر فرمایا: عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ سارا ایک ہی کھانا ہے۔ پھر ہمارے پاس ایک طبق (تھال) لایا گیا جس میں مختلف اقسام کی کھجوریں تھیں (کچھ پختہ، کچھ نیم پختہ) پس میں تو اپنے آگے سے کھانے لگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پورے طبق میں گھوم رہا تھا، فرمایا: عکراش! جہاں

سے چاہو کھاؤ! کیونکہ یہ ساری ایک قسم کی نہیں ہیں، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے، اور ہاتھوں کی تری اپنے چہرے پر، کلائیوں پر اور سر پر مل لی، اور فرمایا: اے عکراش! یہ وضو ہے جو آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد کیا جاتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف سے کھانے کے چند آداب معلوم ہوئے:

۱:...... اگر کھانا یکساں ہو تو اپنے آگے سے کھایا جائے، اور اگر کھجوریں وغیرہ ایسی چیز ہو جو مختلف ہوتی ہیں تو اپنے ذوق کے مطابق انتخاب کر سکتے ہیں۔

۲:...... کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

۳:...... ہاتھوں پر جو چکنائی لگی رہ جاتی ہے اس کو چہرے پر، کلائیوں پر، سر پر اور پاؤں کے تلووں پر مل لیا جائے۔

۴:...... جن احادیث میں آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم آیا ہے، اس سے ہاتھ دھونا اور منہ صاف کرنا مراد ہے، جو وضو نماز کے لئے کیا جاتا ہے وہ مراد نہیں۔

[حدیث:۹۵۳] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ، فَإِنْ نَسِيَ فِيْ أَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فِيْ أَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ، وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ طَعَامًا فِيْ سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهٖ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهٗ بِلُقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّهٗ لَوْ سَمّٰى لَكَفَاكُمْ۔ (ترمذی ج:۲ ص:۸)

ترجمہ: ”حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو پہلے بسم اللہ پڑھے، پس اگر شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر یوں کہے: ”بِسْمِ اللهِ فِيْ أَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ“ (میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ کھاتا ہوں، کھانے کے اوّل میں بھی اور آخر میں بھی)۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھ رُفقاء کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آ کر کھانے میں شریک ہوگیا، اس نے دو لقمے کھائے کہ کھانا ختم ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! اگر اس شخص نے بسم اللہ شریف پڑھ لی ہوتی تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہوجاتا۔“

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کھانے کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا

یاد نہ رہے تو یاد آنے پر بِسْمِ اللّٰہِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ کہنا چاہیے۔ شیخ ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح القدیر'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: اگر کھانے کے درمیان یہ دُعا پڑھ لی جائے تو بسم اللہ شریف پڑھنے کی سنّت ادا ہو جائے گی، کیونکہ کھانے کا ہر لقمہ گویا مستقل کھانا ہے، لیکن اگر وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا یاد نہیں رہا تو درمیان میں بسم اللہ شریف پڑھنے سے سنّت ادا نہیں ہوگی۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف کا کھانے کے شروع میں پڑھنا موجبِ برکت ہے، اور بسم اللہ شریف کا ترک کر دینا بے برکتی کا باعث ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کھانے میں چند اَفراد شریک ہوں تو سب کو بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے، ورنہ کسی ایک کے ترک کر دینے سے پوری جماعت کے حق میں بے برکتی ظاہر ہوگی، واللہ اعلم!

کھانے کی بُو ہاتھوں میں ہو تو اس حالت میں رات گزارنا مکروہ ہے

[حدیث: ۹۵۴] ''عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ حَسَّاسٌ لَحَّاسٌ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ! مَنْ بَاتَ وَفِیْ يَدِهٖ رِيْحُ غَمَرٍ فَأَصَابَهٗ شَيْئٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۸ ''بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْبَيْتُوْتَةِ وَفِیْ يَدِهٖ رِيْحُ غَمَرٍ'')

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: شیطان ٹٹولنے والا، چاٹنے والا ہے، پس اس سے اپنی ذات کے بارے میں پُرحذر رہو! جس شخص نے اس حالت میں رات گزاری کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی بو تھی، پھر رات میں اس کو کوئی چیز کاٹ لے تو اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔''

تشریح: رات کو کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اچھی طرح دھوکر صاف کر لینا چاہئیں کہ کھانے کی گوشت کی چربی کی بُو ہاتھوں میں باقی نہ رہے، کیونکہ بعض حشرات الارض کھانے کی بُو کے عاشق ہیں، اگر خدانخواستہ ہاتھوں میں بُو باقی رہ گئی تو اندیشہ ہے کہ سوتے میں ایسی چیزیں کاٹ لیں گی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ایسی حالت میں رات نہیں گزارنی چاہیے کہ ہاتھوں میں چکنائی کی بُو باقی ہو، اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں رات گزاری اور رات کو کسی چیز نے اسے کاٹ لیا تو اپنی ذات کو ملامت کرے کہ اس نے یہ حماقت کیوں کی تھی؟ اور چونکہ شیطان آدمی کا دُشمن ہے، وہ آدمی کو نقصان پہنچانے کے لئے ٹوہ میں لگا رہتا ہے، اس لئے وہ کاٹنے والی چیزوں کو آدمی کا ہاتھ کاٹنے پر آمادہ کرے گا، واللہ اعلم!

پینے کے آداب واَحکام

شراب نوشی کا وبال اور وعید

[حدیث:۹۵۵] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: کُلُّ مُسْکِرٍ خَمْرٌ، وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِی الدُّنْیَا فَمَاتَ وَهُوَ یُدْمِنُهَا لَمْ یَشْرَبْهَا فِی الْاٰخِرَةِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۸ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شَارِبِ الْخَمْرِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر نشہ آور چیز شراب ہے، اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، اور جس شخص نے دُنیا میں شراب نوشی کی، پس اس حالت میں مرا کہ شراب کا عادی تھا (مرنے سے پہلے سچی توبہ نہیں کی) وہ آخرت میں (یعنی جنّت میں) شراب نہیں پیئے گا۔“

تشریح: جو شخص دُنیا میں شراب پیتا رہا، اس نے توبہ نہیں کی، بلکہ اسی حالت میں مرگیا، وہ آخرت میں اور جنّت میں شراب سے محروم رہے گا۔

بعض اکابر رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے اس سے کہ وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ جنّت میں داخل ہونے کے بعد وہ جنّت کی کسی نعمت سے محروم نہیں رہے گا۔ اور بعض اکابر رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ خواہ وہ جنّت میں داخل بھی ہوجائے تب بھی وہاں کی شرابِ طہور سے محروم رہے گا۔

فائدہ:...... شراب نوشی بہت بڑا گناہ ہے، اس کو ”اکبر الکبائر“ میں شمار کیا گیا ہے، اور شراب خانہ خراب کو ”اُمّ الخبائث“ کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا: ”الخمر جماع الاثم“ یعنی شراب گناہ کی جڑ ہے، ایک مسلمان، جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر اِیمان رکھتا ہو، اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ اس میں ملوّث ہو۔

[حدیث:۹۵۶] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةً أَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَیْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ یَقْبَلِ اللهُ لَهٗ صَلَاةً أَرْبَعِیْنَ

صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللهُ عَلَيْهِ، وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ، قِيلَ: يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! وَمَا نَهْرُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: نَهْرٌ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ!۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۸)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے شراب پی، چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، پس اگر اللہ کے سامنے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے، پھر اگر دوبارہ شراب پی تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، پھر اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے، پھر اگر شراب پی تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، پس اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے، پس اگر چوتھی بار شراب نوشی کی تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، پھر اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کو ''نہرِ خبال'' سے پلائیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: ''نہرِ خبال'' کیا چیز ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کے لہو اور پیپ کی نہر!''

تشریح: اس حدیث سے چند اُمور معلوم ہوئے:

اوّل:...... شراب نوشی اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کی نحوست سے طاعات کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، اگر یہ شخص نماز پڑھے تو گو نماز کا فرض سر سے اُتر جائے گا، لیکن نماز سے جو اَصل مقصود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا اس پر مرتب ہونا، یہ شخص اس سے محروم ہوجاتا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ جب نماز قبول ہی نہیں ہوتی تو پڑھی کیوں جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز پڑھنا تو ضروری ہے، ورنہ یہ شخص فرض کا تارک ہوکر مزید گناہگار ہوگا، اور نماز کے قبول نہ ہونے کا جو سبب ہے اس پر لازم ہے کہ اس کا ازالہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دِل سے تائب ہوجائے۔

دوم:...... اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک گناہ کا اثر چالیس دن تک رہتا ہے۔

سوم:...... یہ جو فرمایا کہ چوتھی بار شراب پینے کے بعد یہ شخص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے، اس کا مطلب یہ ہے - واللہ اعلم - کہ اس کے بعد اس کو سچی توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی، اور یہ شراب نوشی کا بدترین وبال ہے کہ توبہ کی توفیق ہی سلب ہوجائے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

چہارم:......شراب پینے والے کی سزا یہ بیان فرمائی کہ اس کو دوزخیوں کی پیپ اور کچ لہو کی ''نہرِ خبال'' سے پلایا جائے گا... نعوذ باللہ... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اپنی گندگی میں دوزخیوں کی پیپ سے کم نہیں ہے، اس لئے قیامت کے دن بطور سزا کے اس کو یہ پلائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں۔

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

[حدیث:۹۵۷] ''عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْبِتْعِ، فَقَالَ: كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۸ ''بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ'')

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں دریافت کیا گیا جو شہد سے تیار کی جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر وہ مشروب جو نشہ لائے حرام ہے۔''

[حدیث:۹۵۸] ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۸، ۹)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ: ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔''

جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے

[حدیث:۹۵۹] ''عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۹ ''بَابُ مَا جَاءَ مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ'')

ترجمہ: ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔''

تشریح: کیونکہ جب وہ شراب نشہ آور ہے تو کم پیتے پیتے زیادہ پینے لگے گا اور مدہوش ہو جائے گا۔

[حدیث:۹۶۰] ''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ مَا أَسْكَرَ الْفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ۔ قَالَ أَحَدُهُمَا فِيْ حَدِيْثِهٖ الْحَسْوَةُ مِنْهُ حَرَامٌ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۹)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ لانے والا

مشروب حرام ہے، اور جس چیز کا ایک ٹب (قریباً سات آٹھ سیر) نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔"

تشریح: "فرق" پانی کا ٹب، جس میں کوئی سات آٹھ سیر پانی آئے، اور ٹب کا ذکر بطور مثال کے ہے، مطلب یہ ہے کہ جس مشروب کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی کم سے کم مقدار بھی حرام ہے۔

مٹکے کی نبیذ کے بارے میں

[حدیث: ۹۶۱] "عَنْ طَاوُسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيْذِ الْجَرِّ؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَقَالَ طَاوُسٌ: وَاللهِ! إِنِّيْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِيْ نَبِيْذِ الْجَرِّ")

ترجمہ: "طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ایک شخص ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹکے میں کشید کی گئی نبیذ سے منع فرمایا ہے؟ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جی ہاں! منع فرمایا ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: بخدا! میں نے یہ حدیث ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے خود سنی ہے۔"

تشریح: "نبیذ" اس کو کہتے ہیں کہ پانی میں کچھ کھجوریں ڈال دی جائیں اور ان کو رات بھر پڑا رہنے دیا جائے، یہاں تک کہ کھجور کی شیرینی اور مٹھاس پانی میں آجائے، اگر اس میں نشہ پیدا ہوجائے تو حرام ہے، اور اگر نشہ پیدا نہ ہو تو جائز ہے۔

مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت

[حدیث: ۹۶۲] "سَمِعْتُ زَاذَانَ يَقُوْلُ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَوْعِيَةِ وَأَخْبِرْنَاهُ بِلُغَتِكُمْ وَفَسِّرْهُ لَنَا بِلُغَتِنَا، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَنْتَمَةِ وَهِيَ الْجَرَّةُ، وَنَهَى عَنِ الدُّبَّاءِ وَهِيَ الْقَرْعَةُ، وَنَهَى عَنِ النَّقِيْرِ وَهِيَ أَصْلُ النَّخْلِ يُنْقَرُ نَقْرًا أَوْ يُنْسَجُ نَسْجًا، وَنَهَى عَنِ الْمُزَفَّتِ وَهِيَ الْمُقَيَّرُ وَأَمَرَ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الْأَسْقِيَةِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْحَنْتَمِ")

ترجمہ: "زاذان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ان برتنوں کے بارے میں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی دریافت کیا کہ ان برتنوں کے نام ہمیں اپنی زبان میں بتایئے اور ہماری زبان میں اس کی تفسیر و تشریح فرمایئے! انہوں نے

فرمایا: آنحضرت ﷺ نے "حَنْتَمَة" سے منع فرمایا، اور وہ روغنی گھڑے کو کہتے ہیں، اور "دُبَّاء" سے منع فرمایا، اس سے مراد کدو ہے، اور "نَقِیْر" سے منع فرمایا، اس سے مراد کھجور کا تنا ہے جس کو کھود لیا جائے، اور "مُزَفَّت" سے منع فرمایا، اور یہ وہ برتن ہے جس پر تارکول ملا ہوا ہو، اور آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔"

تشریح: اس حدیث میں چار برتنوں کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے، جن کی تشریح بھی اسی حدیث میں مذکور ہے۔

۱:...... **حَنْتَمَة:** روغنی گھڑا، مٹی کے گھڑے کو اُوپر سے رنگ کر دیا جاتا تھا اور اندر سے کچا ہوتا تھا۔

۲:...... **دُبَّاء:** بڑے بڑے گھیا کدو کو بیل پر سکھا لیا جاتا تھا، جب خوب پختہ اور خشک ہوجاتے تو ان کو اُوپر سے کاٹ کر برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

۳:...... **نَقِیْر:** کھجور کا خشک تنا لے کر اس کو اندر سے کھود لیا جاتا اور نبیذ کے لئے استعمال کیا جاتا۔

۴:...... **مُزَفَّت:** یہ زفت سے ہے، اور زفت کے معنی ہیں "تارکول"، مزفت وہ برتن ہے جس پر تارکول کو بطور روغن کے ملا گیا ہو۔

آنحضرت ﷺ نے شراب کے حرام ہونے پر ان چار برتنوں کے استعمال کی ممانعت فرمادی تھی، کیونکہ یہ برتن اس وقت شراب کشید کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے، اور ان سے شراب میں جلدی نشہ پیدا ہوجاتا تھا۔ جب شراب کی حرمت اور اس سے نفرت اہلِ ایمان کے قلوب میں خوب راسخ ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی، بشرطیکہ ان کے استعمال سے نشہ پیدا نہ ہو، جیسا کہ اگلے باب کی احادیث میں آتا ہے۔

خاص برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت

[حدیث:۹۶۳] "عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّیْ کُنْتُ نَهَیْتُکُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ، وَإِنَّ ظَرْفًا لَا یُحِلُّ شَیْئًا وَلَا یُحَرِّمُهٗ، وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ۔ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِی الرُّخْصَةِ أَنْ یُّنْتَبَذَ فِی الظُّرُوْفِ")

ترجمہ: "حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں تم کو خاص برتنوں سے منع کیا کرتا تھا، اور برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے (لہٰذا برتنوں کے استعمال کی اجازت ہے)، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے (لہٰذا یہ احتیاط

رکھو کہ نبیذ میں ان برتنوں کی وجہ سے نشہ پیدا نہ ہو جائے)۔"

[حدیث:۹۶۴] "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الظُّرُوْفِ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ الْأَنْصَارُ، فَقَالُوْا: لَيْسَ لَنَا وِعَاءٌ، قَالَ: فَلَا إِذًا"

(ترمذی ج:۲ ص:۹)

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں سے منع فرمایا تو حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی، انہوں نے عرض کیا کہ: ہمارے پاس اور برتن نہیں۔ فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں!"

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ان برتنوں کے استعمال کی اجازت ہے اور پہلی ممانعت منسوخ ہے، مگر اس کا خیال رکھا جائے کہ مشروب میں نشہ پیدا نہ ہو۔

مشکیزوں میں نبیذ بنانے کی اجازت

[حدیث:۹۶۵] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ يُوْكَأُ فِيْ أَعْلَاهُ لَهُ عَزْلَاءُ نَنْبِذُهُ غُدْوَةً وَيَشْرَبُهُ عِشَاءً وَنَنْبِذُهُ عِشَاءً وَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً۔" (ترمذی ج:۲ ص:۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِنْتِبَاذِ فِي السِّقَاءِ")

ترجمہ: "اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مشکیزے میں نبیذ بنایا کرتے تھے، اس کے اُوپر کے حصے کو بند لگادیا کرتے، اس کے نیچے کے حصے میں ایک ٹونٹی تھی (جس سے نبیذ نکالی جاتی تھی)، ہم لوگ صبح کو کھجور پانی میں بھگو دیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام کو نوش فرمالیتے تھے، اور شام کو بھگو لیتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو نوش فرمالیتے۔"

تشریح: کھجور یا کشمش پانی میں بھگودی جائے تو پانی میں اس کی شیرینی آجائے، اس کو "نبیذ" کہتے ہیں، اور یہ صحت و قوّت کے لئے مفید ہے، صبح بھگو کر شام کو پی لی جائے، یا شام کو بھگو کر صبح پی لی جائے، تو اس میں نشہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر زیادہ دیر تک پڑی رہنے سے اس میں جھاگ آنے لگے تو اس کو نہ پیا جائے۔

کن غلوں سے شراب کشید کی جاتی ہے؟

[حدیث:۹۶۶] "عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا، وَمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا، وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا، وَمِنَ

الزَّبِیْبِ خَمْرًا، وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا۔ وَرَوٰی أَبُوْ حَیَّانَ التَّیْمِیُّ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ: إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا۔ فَذَکَرَ هٰذَا الْحَدِیْثَ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِی الْحُبُوْبِ الَّتِیْ یُتَّخَذُ مِنْهَا الْخَمْرُ")

ترجمہ: "حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گیہوں سے بھی شراب بنتی ہے، جو سے بھی شراب بنتی ہے، کھجور سے بھی شراب بنتی ہے، کشمش سے بھی شراب بنتی ہے، اور شہد سے بھی شراب بنتی ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کی ہے۔"

تشریح: یعنی ان تمام غلوں سے شراب کشید کی جاتی ہے، علاوہ ازیں شہد سے اور گنے کے رَس سے بھی شراب تیار کی جاتی ہے، پس شراب خواہ کسی چیز سے بنائی جائے وہ حرام اور نجس ہے۔

دو چیزوں کو ملاکر نبیذ بنانا

[حدیث:۹۶۷] "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی أَنْ یُّنْتَبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطَبُ جَمِیْعًا۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ خَلِیْطِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ")

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ: گدر کھجور اور تازہ کھجور کو ملاکر نبیذ بنائی جائے۔"

[حدیث:۹۶۸] "عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ أَنْ یُّخْلَطَ بَیْنَهُمَا، وَعَنِ الزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ أَنْ یُّخْلَطَ بَیْنَهُمَا، وَنَهٰی عَنِ الْجِرَارِ أَنْ یُّنْتَبَذَ فِیْهَا۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۰،۹)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ نیم پختہ اور پختہ کھجور کو ملاکر نبیذ بنائی جائے، اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کشمش اور کھجور کو ملاکر نبیذ بنائی جائے، اور مٹکوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا ہے۔"

تشریح: مٹکے میں نبیذ بنانے کی ممانعت اور اس کے بعد اجازت اُوپر گزر چکی۔

نیم پختہ اور پختہ کھجور کو ملاکر نبیذ بنانے، اسی طرح کشمش اور کھجور کو ملاکر نبیذ بنانے کی ممانعت کا سبب –واللہ اعلم– یہ ہے کہ دو قسموں کو ملانے سے ان میں جلدی تغیر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، ایسا نہ ہو کہ اس سے نشہ پیدا ہوجائے۔ گویا وہ تمام اسباب جن سے نشہ پیدا ہوجانے کا احتمال تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت

[حدیث:۹۶۹] ”سَمِعْتُ ابْنَ أَبِیْ لَیْلٰی یُحَدِّثُ أَنَّ حُذَیْفَةَ اِسْتَسْقٰی فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ بِإِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهٖ وَقَالَ: إِنِّیْ كُنْتُ قَدْ نَهَیْتُهٗ فَأَبٰی أَنْ یَنْتَهِیَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الشُّرْبِ فِیْ اٰنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِیْرِ وَالدِّیْبَاجِ، وَقَالَ: هِیَ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَكُمْ فِی الْاٰخِرَةِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۰ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِیَةِ الشُّرْبِ فِیْ اٰنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ“)

ترجمہ: ”ابنِ ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی طلب فرمایا، پس ایک شخص آپ کے لئے چاندی کے برتن میں پانی لایا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا: میں نے اس کو چاندی کے برتن میں پانی لانے سے منع کیا ہے، لیکن یہ باز نہیں آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، اور ریشم اور دیباج کے پہننے سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ: یہ چیزیں ان کے لئے (یعنی کافروں کے لئے) دُنیا میں، اور تمہارے لئے ہیں آخرت میں۔“

تشریح: سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا حرام ہے، اور یہ شخص ”ذِمی“ تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو تادیب نہیں فرمائی، لیکن اس کے برتن کو پھینک دیا، اگر زور سے پھینکا ہو تو برتن ٹوٹ بھی سکتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمان ایسی گستاخی کرے تو اس کا برتن توڑ دیا جائے، ورنہ ناراضگی کے اظہار کے لئے اس کا برتن پھینک دیا جائے۔

کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت

[حدیث:۹۷۰] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی أَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا، فَقِیْلَ الْأَكْلُ؟ قَالَ: ذَاكَ أَشَدُّ!“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۰ ”بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّهْیِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے ممانعت فرمائی۔ عرض کیا گیا کہ: کھڑے ہوکر کھانا کیسا ہے؟ فرمایا: وہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے!“

[حدیث:۹۷۱] ”عَنِ الْجَارُوْدِ بْنِ الْعَلَاءِ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

نَهٰى عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا" (ترمذی ج:۲ ص:۱۰)

ترجمہ: "حضرت جارود ابن المعلّٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت فرمائی۔"

تشریح: کھڑے ہوکر پانی پینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اُوپر جو اَحادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہوکر کھانا پینا ممنوع ہے، لیکن اگلے باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اجازت ہے۔ علماء نے ان کے درمیان جمع کی کئی صورتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک یہ کہ ممانعت شرعی نہیں ہے بلکہ طبّی ہے، کیونکہ جب آدمی کھڑے ہوکر کھائے پیئے گا تو زیادہ کھایا پیا جائے گا۔ دوم یہ کہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ کھڑے ہوکر کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو، لیکن جب ضرورت ہو تو ممانعت نہیں۔ تیسرے یہ کہ پہلے ممانعت تھی پھر اِجازت ہوگئی، یا پہلے اجازت تھی پھر ممانعت ہوگئی۔ چوتھے یہ کہ کھڑے ہوکر کھانا پینا خلافِ ادب ہے، اگرچہ ممنوع نہیں۔

کھڑے ہوکر پینے کی اجازت

[حدیث:۹۷۲] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا نَأْكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِىْ، وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۱۰ "بَابُ مَا جَاءَ فِى الرُّخْصَةِ فِى الشُّرْبِ قَائِمًا")

ترجمہ: "حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے پھرتے کھالیا کرتے تھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں پانی پی لیا کرتے تھے۔"

تشریح: اُوپر گزر چکا ہے کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں، اور حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہوکر کھانے پینے کی رُخصت ہے، اور یہ لفظ ایسے موقع پر اِستعمال کیا جاتا ہے جبکہ آدمی کو ضرورت پیش آئے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ کھڑے ہوکر کھانا پینا ضرورت کی بنا پر صحیح ہے۔

[حدیث:۹۷۳] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ" (ترمذی ج:۲ ص:۱۰)

ترجمہ: "ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہونے کی حالت میں زمزم نوش فرمایا۔"

تشریح: بعض اہلِ علم نے تحریر فرمایا ہے کہ زمزم شریف کھڑے ہوکر نوش کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ زمزم شریف سے پیٹ کو خوب بھرنا مطلوب ہے، اس لئے زمزم کو دُوسرے پانیوں پر قیاس نہیں کیا

جاسکتا، چنانچہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: پیٹ بھر کر زمزم نہ پینا نفاق کی علامت ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ سواری پر سوار تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں حالتیں الگ الگ ہوں، ایک موقع پر سواری پر پانی طلب فرمایا ہو، اور دُوسرے وقت خود اُتر کر نوش فرمایا ہو۔

[حدیث:۹۷۴] "عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۰)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دونوں حالتوں میں پانی نوش فرماتے دیکھا، کھڑے بھی اور بیٹھے بھی۔"

تشریح: یعنی کبھی ضرورت کے موقع پر کھڑے ہوکر نوش فرمایا اور عام حالت میں بیٹھ کر نوش کرنا اصلی حالت ہے، اور کھڑے ہوکر نوش فرمانا کسی عارضے کی بنا پر ہے۔

پانی تین سانس میں پینا چاہئے

[حدیث:۹۷۵] "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا وَيَقُوْلُ: هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوٰى۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۱۰ "بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ")

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پیتے ہوئے تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: یہ زیادہ خوشگوار ہے اور زیادہ سیراب کرنے والا ہے۔"

تشریح: ادب یہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے برتن منہ سے ہٹاکر سانس لے، اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہی معمول ذکر کیا گیا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے اس کے دو فائدے ذکر فرمائے ہیں، ایک یہ کہ اس طرح پینا زیادہ خوشگوار ہے، کہ ٹھہر ٹھہر کر تھوڑا تھوڑا پانی پینے سے پانی خوب ہضم ہوجاتا ہے، اور دُوسرا یہ کہ اس سے پیاس بجھ جاتی ہے، بخلاف اس کے کہ اگر آدمی ایک مرتبہ پورا گلاس غٹاغٹ چڑھا جائے اور درمیان میں سانس نہ لے تو ایک تو پیاس نہیں بجھے گی، دُوسرا خدشہ ہے کہ پانی کی گرہ پڑ جائے۔ اس لئے ادب یہ ہے کہ پانی آہستہ آہستہ پیا جائے گویا پی نہیں رہا بلکہ پانی کو چوس رہا ہے۔

[حدیث:۹۷۶] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ، وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ

شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۱)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم پانی پینے لگو تو اُونٹ کی طرح یک بارگی نہ پیا کرو، بلکہ دو تین سانس میں پیا کرو اور جب پانی پینے لگو تو اللہ کا نام لیا کرو (یعنی بسم اللہ شریف پڑھا کرو) اور جب پی چکو تو الحمدللہ کہو۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں پینے کے تین آداب ذکر فرمائے ہیں، ایک یہ کہ کم از کم دو تین سانس کے ساتھ پانی پینا چاہئے، اس کی وجہ اُوپر گزر چکی ہے کہ آہستہ آہستہ پانی پینا ہضم میں مفید ہے اور یک بارگی اُنڈیل لینا اس سے بعض دفعہ پانی کی گرہ پڑ جاتی ہے، معدہ میں ثقل پیدا ہوجاتا ہے اور آدمی شدید تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے، دُوسرے یہ کہ اس طرح پانی پینا بے صبری اور بے قراری کی علامت ہے، اس لئے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اُونٹ کی طرح یک بارگی نہ اُنڈیل لیا کرو، بلکہ دو تین سانس کا وقفہ درمیان میں کیا کرو۔

دُوسرا اَدب یہ معلوم ہوا کہ پانی بسم اللہ سے شروع کرنا چاہئے، اور تیسرا ادب یہ کہ ختم کے بعد "الحمدللہ" کہنا چاہئے، یہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آدمی کو اِحساس ہو کہ پانی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

دراصل ہوا اور پانی اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں، اگر ہوا نہ ہوتی تو ایک سانس لینا بھی محال تھا، اور اگر پانی نہ ہوتا تو کوئی جاندار زندہ نہ بچتا۔ اس لئے قرآنِ کریم میں ان دونوں نعمتوں کو بار بار ذکر فرمایا ہے، کیونکہ تمام نعمتوں کی اصل انسان کی زندگی ہے اور یہ دو چیزیں (یعنی پانی اور ہوا) مدارِ زندگی ہیں، اس لئے اس حدیث میں فرمایا کہ پانی پینا شروع کرو تو بسم اللہ کہو، اور جب فارغ ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو۔

میں نے حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ سے سنا ہے کہ حضرت اِمام باقر رحمۃ اللہ علیہ پانی پیتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ، وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا أُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے پانی کو شیریں اور پیاس بجھانے والا بنایا، اور ہمارے گناہوں کی نحوست سے اس کو کڑوا اور شور نہیں بنایا۔"

ہمارے شیخ مولانا زکریا کاندھلوی نوّر اللہ مرقدہٗ "فضائلِ صدقات" میں لکھتے ہیں: ابنِ سماک رحمۃ اللہ علیہ ایک بادشاہ کے پاس گئے، پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا، بادشاہ نے کہا کہ: مجھے کوئی نصیحت فرمادیجئے! فرمانے لگے: پانی کا یہ گلاس جو آپ کے ہاتھ میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوجائے کہ یہ گلاس

سلطنت کے بدلے میں مل سکتا ہے، ورنہ پیاسے رہو، تو کیا آپ سلطنت دے کر پانی لینے پر تیار ہوں گے؟ بادشاہ نے کہا: ضرور! فرمایا: اس چیز کی کیا رغبت کی جائے جس کی قیمت ایک گلاس پانی ہے۔ ۔ ۔!

دو سانس سے پانی پینا

[حدیث:۹۷۷] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ يَتَنَفَّسُ مَرَّتَيْنِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۱ ”بَابُ مَا ذُكِرَ مِنَ الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سانس سے پانی پیا کرتے تھے۔“

تشریح: دو سانس میں پانی پینے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ درمیان میں دو مرتبہ سانس لیتے تھے، اور جب پانی میں دو مرتبہ سانس لیا جائے تو پانی کے تین حصے ہوں گے، تو گویا پانی تین سانس سے پیتے تھے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ پانی میں ایک دفعہ پی کر سانس لیا اور دُوسری مرتبہ پی کر دُوسری مرتبہ سانس لیا۔ بظاہر پہلا مطلب راجح ہے۔

پانی میں سانس لینے کی ممانعت

[حدیث:۹۷۸] ”عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: اَلْقَذَاةُ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ؟ فَقَالَ: أَهْرِقْهَا، فَقَالَ: فَإِنِّيْ لَا أَرْوٰى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: فَأَبِنِ الْقَدَحَ إِذًا عَنْ فِيْكَ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱ ”بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے، ایک شخص نے کہا کہ: پانی میں کوئی تنکا نظر آتا ہے، فرمایا: اتنا پانی گرادو! اس شخص نے عرض کیا: میں ایک سانس سے سیراب نہیں ہوتا (یعنی میری پیاس نہیں بجھتی)، فرمایا: پیالے کو ایک دفعہ منہ سے جدا کرکے دوبارہ پیؤ۔“

تشریح: پانی میں پھونک مارنا مکروہ ہے، اس لئے کہ پھونک مارنے سے بعض دفعہ منہ کا لعاب پانی میں گر جاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو کراہت ہوتی ہے۔ اور دُوسرے جملے میں یہ ادب بتایا ہے کہ جس شخص کو ایک دفعہ پینے سے سیرابی نہ ہو وہ تھوڑا تھوڑا کرکے پانی پیئے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

[حدیث:۹۷۹] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ

يُتَنَفَّسَ فِى الْاِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيهِ۔" (ترمذی ج:۲ ص: ۱۱)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ برتن میں سانس لیا جائے، اور منع فرمایا ہے کہ پانی میں پھونک ماری جائے۔"

پانی کے برتن میں سانس لینے کی کراہت

[حدیث: ۹۸۰] "عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِىْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِى الْاِنَاءِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص: ۱۱ "بَابُ مَا جَاءَ فِىْ كَرَاهِيَةِ التَّنَفُّسِ فِى الْاِنَاءِ")

ترجمہ: "حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔"

تشریح: پانی کے برتن میں سانس لینا شرعاً وطبعاً مکروہ ہے، اس لئے کہ پینے کے دوران برتن میں سانس لینے سے احتمال ہے کہ ناک کی ریزش پانی میں مل جائے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ سانس لیتے ہوئے پانی دِماغ پر چڑھ جائے۔ بہرحال منہ کو برتن کے ساتھ لگا کر سانس لینا مہذّب انسانوں کا طریقہ نہیں بلکہ جانوروں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بچّہ یہ کام کرے تو اس کو منع کیا جاتا ہے، منہ سے برتن الگ کرکے سانس لینے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت

[حدیث: ۹۸۱] "عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ رِوَايَةً أَنَّهُ نَهٰى عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص: ۱۱ "بَابُ مَا جَاءَ فِى النَّهْىِ عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ")

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا۔"

تشریح: "اِختناث" کے معنی ہیں چمڑے کے مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پیا جائے، اور مشکیزے کو اُنڈیل دیا جائے، واللہ اعلم!

ممانعت کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں، ایک یہ کہ بڑے مشکیزے کو اُلٹائیں گے تو پانی زیادہ چلا جائے گا اور اس کا سنبھالنا مشکل ہوگا، اور دُوسری وجہ یہ کہ بعض روایات میں یہ وارِد ہوا ہے کہ ایک شخص نے اس طرح مشکیزے سے پانی پیا اور سانپ کا بچہ اس کے اندر چلا گیا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کو

منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی اجازت

[حدیث:۹۸۲] ”عَنْ عِيسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ إِلٰى قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ فَخَنَثَهَا ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِيهَا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن انیس رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ اُٹھے اس کو منہ لگا کر پانی پیا۔“

تشریح: حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ روایت کمزور ہے۔ بہرحال اس روایت سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہوکر مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینا جائز ہے، اور یہ کہ اُوپر کی ممانعت تنزیہی ہے۔

[حدیث:۹۸۳] ”عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ جَدَّتِهِ كَبْشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلٰى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۱)

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ اپنی دادی کبشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، پس ایک مشکیزے سے، جو وہاں لٹک رہا تھا، منہ لگا کر کھڑے ہوکر پانی پیا، میں اُٹھی اور اُٹھ کر مشکیزے کا منہ کاٹ لیا۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینا جائز ہے، جبکہ کیڑے، پتنگے کے اندر جانے کا اندیشہ نہ ہو، اور حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کا منہ تبرکاً کاٹ لیا کہ ان کو گوارا نہ ہوا کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک لگے ہیں، وہ حصہ کہیں ضائع نہ ہو۔

دائیں والے پانی پینے کے زیادہ مستحق ہیں

[حدیث:۹۸۴] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ: الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ!۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱ ”بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأَيْمَنِينَ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دُودھ لایا گیا جس کو پانی ملا کر ٹھنڈا کیا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب ایک

اَعرابی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُودھ نوش فرمایا، باقی ماندہ اَعرابی کو دے دیا اور فرمایا: مستحق ہے وہ شخص جو دائیں جانب ہو، پھر اس کے بعد جو دائیں جانب ہو!“

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دائیں جانب بیٹھا ہو وہ زیادہ مستحق ہے، کیونکہ دائیں جانب کا اِکرام اس کا مستحق ہے۔

۲:...... ”اَلْأَیْمَنَ فَالْأَیْمَنَ“ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص دائیں جانب ہو وہ زیادہ مستحق ہے، اس کے فارغ ہونے کے بعد پھر جو اس کے دائیں جانب ہو۔ اور دُوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جو شخص دائیں جانب سب سے زیادہ قریب ہو وہ مستحق ہے، اس کے بعد پھر بائیں جانب جو سب سے زیادہ قریب ہو وہ مستحق ہے، جس طرح کہ اِمام کے پیچھے صفیں بنانا، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلے دائیں جانب صف بنے، پھر بائیں جانب، اور ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایک آدمی اِمام کے دائیں جانب کھڑا ہو، پھر دُوسرا آدمی بائیں جانب کھڑا ہو، پھر تیسرا آدمی دائیں جانب، پھر چوتھا بائیں جانب۔ بہرحال بظاہر یہی معنی یہاں راجح ہیں، واللہ اعلم!

۳:...... یہاں سے اسلام کا نظریۂ مساوات بالکل کھل کر سامنے آجاتا ہے، غور فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب ایک غیرمعروف اَعرابی ہے، اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، لیکن اس اَعرابی کے ساتھ وہی حسنِ معاملہ کیا جاتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

پلانے والا سب سے آخر میں پیا کرتا ہے

[حدیث:۹۸۵] ”عَنْ أَبِیْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ شُرْبًا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱ ”بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ سَاقِیَ الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ شُرْبًا“)

ترجمہ: ”حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں پیا کرتا ہے۔“

تشریح: ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے دُودھ دوہنے کا حکم فرمایا، یا یہ کہ بکری کا دُودھ خود نکالا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُفقاء سے فرمایا کہ: پیؤ! اور ایک آدمی کو مقرّر کردیا کہ پلاؤ، اس نے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ پیالہ پیش کردیا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی قوم کو پلانے والا خود سب سے بعد میں پیا کرتا ہے، اس لئے کہ اس وقت پینے والوں کی حیثیت مہمان کی ہے اور پلانے والے

کی حیثیت صاحبِ خانہ کی ہے، صاحبِ خانہ مہمانوں کونمٹانے کے بعد کھایا پیا کرتا ہے اور جب تک مہمان فارغ نہ ہوجائیں خودنہیں کھاتا، اگر مہمان بیٹھے ہوں اور وہ خود کھانا شروع کر دے تو اس کو مکارمِ اخلاق کے خلاف تصوّر کیا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف سے آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کا علوّ فکر بھی معلوم ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے عمل کا عقلاً عالَم کے لئے بہترین نمونہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

آنحضرت ﷺ کو کون سا مشروب پسند تھا؟

[حدیث:۹۸۶] ”عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: کَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۱ ”بَابُ مَا جَاءَ أَیُّ الشَّرَابِ کَانَ أَحَبَّ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ“)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ وہ مشروب مرغوب و پسندیدہ تھا جو میٹھا اور ٹھنڈا ہو۔“

[حدیث:۹۸۷] ”عَنِ الزُّھْرِیِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَیُّ الشَّرَابِ أَطْیَبُ؟ قَالَ: اَلْحُلْوُ الْبَارِدُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۱)

ترجمہ: ”دُوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا مشروب زیادہ پسندیدہ اور مرغوب ہے تو فرمایا: جو میٹھا اور ٹھنڈا ہو۔“

تشریح: ”گویا یہ حدیث مسند بھی مروی ہے اور مرسل بھی، اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرسل زیادہ صحیح ہے۔

ویسے تو پانی اللہ کی نعمت ہے، بلکہ ہوا کے بعد دُنیا کی عظیم ترین نعمت ہے، اس لئے پاک پانی جیسا بھی مل جائے قابلِ قدر اور لائقِ شکر ہے، مگر پانی سے مقصود پیاس بجھانا ہے اور وہ مشروب طبیعت کو زیادہ مرغوب ہوگا جو اس مقصد میں زیادہ معین ہو، ٹھنڈا میٹھا پانی زیادہ مرغوب ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو اَحب اور اَطیب فرمایا، یعنی زیادہ مرغوب۔

حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نوّر اللہ مرقدہٗ کا ملفوظ نقل کرتے ہیں، جو فرماتے تھے: میاں اشرف علی! پانی پیو تو ٹھنڈا پیو، اس لئے کہ ٹھنڈا پانی پیوٴ گے تو ہر بُنِ مُو سے ”الحمدللہ“ نکلے گا۔

کتابُ اللِّباس والزِّینة

کافروں کے لباس سے مشابہت

[حدیث:۹۸۸] ’’أَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ...... إِنَّ ھٰذِہٖ مِنْ ثِیَابِ الْکُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْھَا (قَالَہٗ حِیْنَ رَأٰی عَلَیْہِ ثَوْبَیْنِ مُعَصْفَرَیْنِ)، وَفِیْ رِوَایَۃٍ: رَأَی النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَیْنِ مُعَصْفَرَیْنِ، فَقَالَ أَأُمُّکَ أَمَرَتْکَ بِھٰذَا؟ قُلْتُ أَغْسِلُھُمَا، قَالَ بَلْ أَحْرِقْھُمَا۔‘‘ (صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۴۳۰، حدیث نمبر:۳۸۷۳، ۳۸۷۲، بَابُ النَّھْيِ عَنْ لُبْسِ الرَّجُلِ الثَّوْبَ الْمُعَصْفَرَ)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو کپڑے (جو کسم سے رنگے ہوئے تھے) پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے اس کو نہ پہن! اور ایک روایت میں ہے کہ: تیری ماں نے تجھے کہا ہے اسے پہننے کو؟ وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ان کو دھولوں؟ فرمایا کہ: جلادے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں بھی ایک چھوٹا سا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک چھوٹے سے نوجوان صحابی تھے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ راوی کہتے ہیں بہت زیادہ روایت کرنے والے کو۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس اُمت کے احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں، جتنی احادیث انہوں نے نقل کی ہیں اتنی کسی نے نہیں کی، وہ خود کہا کرتے تھے کہ صحابہ کرام میں مجھ سے بڑھ کر حدیث کا کوئی راوی نہیں ہے، ہاں! عبداللہ بن عمرو بن العاص ہو سکتے ہیں۔ ’’فَإِنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ وَلَا أَکْتُبُ‘‘ کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا، میں زبانی یاد کرتا تھا تو ان کے پاس ہو سکتا ہے کہ ذخیرہ مجھ سے زیادہ ہو۔

بہرحال نوجوانوں میں رنگینی ہوتی ہے، رنگینی پسند مزاج ہوتا ہے، ’’کسم‘‘ ایک جڑی بوٹی سے ہے،

اس سے کپڑے کو رنگتے ہیں، اس سے زرد رنگ ہو جاتا ہے۔ عورتیں عام طور پر پہنتی تھیں اس میں کچھ خوشبو بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ کپڑے پہن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلا گیا تو ڈانٹ کر فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے مت پہنا کرو! اور ایک روایت میں آتا ہے کہ تیری ماں نے کہا تھا تجھے پہننے کو؟ (صحیح مسلم)۔ یہ کہنے لگے: حضرت! میں ان کو دھودُوں؟ فرمایا: دھونہیں جلا دے۔ یہ بات ناراضگی کے اظہار کے لئے فرمائی تھی، واقعتاً جلانے کا حکم دینا مقصود نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے جا کے جلا ہی دیا، تنور جل رہا تھا اس میں کپڑے ڈال دیئے بعد میں حضور ﷺ نے پوچھا کہ: کپڑا کیا کیا؟ فرمایا: جلا دیئے! فرمایا: بندہ خدا! عورتوں کو دے دیتے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''یہ کفار کا لباس ہے، اس کو نہ پہنو'' یہاں سے آپ کو یہ اُصول معلوم ہو جائے گا کہ کفار کا لباس نہیں پہننا چاہئے، کافروں کا سا لباس نہیں پہننا چاہئے اور اسی لئے علماء یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ پینٹ شرٹ جو پہنتے ہیں یہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان کا لباس ہے اور انہوں نے ساری دنیا میں اس کو رائج کر دیا۔

ایک تو یہ کفار کا لباس ہے اور دوسرا یہ کہ یہ اُصول ہے کہ جس لباس سے بدن کے اعضاء جھلکتے ہوں وہ صحیح نہیں، اور تم جانتے ہو کہ یہ پینٹ اتنی چست ہوتی ہے کہ سلوٹیں بھی نظر آتی ہیں گو کپڑا موٹا ہوتا ہے خدانخواستہ اگر سجدے میں جاتے ہوئے کپڑا پھٹ جائے تو مسئلہ ہی خراب ہو جائے گا، کیوں زور اتنا لگتا ہے اس پر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ پھٹتی کیوں نہیں یہ؟ سلائی ذرا مضبوط کرتے ہوں گے اگر اس اُلٹی اور گمراہ بے خدا قوم نے اس کو اتنا رواج نہ دے دیا ہوتا تو میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی اس لباس کو پہننا گوارہ نہ کرتا، مگر اب یہ لوگوں میں عزت کا نشان بن گیا، گھر میں دوسرے کپڑے پہنتے ہیں، دفتر جانے کے لئے پابندی ہے۔ ماضی میں بعض حکمرانوں نے یہ پابندی ہٹا دی تھی اور لوگ قمیص شلوار میں جانے لگے تھے لیکن ان کے جانے کے بعد قوم اسی کی طرف لوٹ آئی۔ تو ایک اُصول تو یہ معلوم ہو گیا کہ کفار کا لباس نہیں پہننا چاہئے: ''إِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا'' یہ کفار کا لباس ہے تم نہ پہنو۔

اور دُوسری بات یہ کہ تم لوگ کبھی کبھی ترنگ میں آ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ: ''اسلام اتنا تنگ نظر نہیں ہے!'' جب کوئی مسئلہ مزاج کے خلاف ہو تو یوں کہہ دیتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ نے جواب دیا تھا کہ آپ حضرات صحیح فرماتے ہیں کہ اسلام اتنا تنگ نظر نہیں، لیکن جتنا وسیع النظر آپ نے سمجھ لیا ہے، اتنا وسیع النظر بھی نہیں۔ وہ دردہ بھی نہیں ہے کہ جو کچھ بھی ڈالتے جاؤ اسلام اس کو قبول کرتا جائے گا، ہر گندگی اسلام کی طرف منسوب کرتے ہو، اتنا وسیع بھی نہیں ہے، اسلام کی بھی کچھ حدود ہیں، تھوڑا سا تنگ بھی ہے۔ لیکن یہ اعتراض ہی غلط ہے، بھائی! تنگ نظر تم نے اس لئے کہہ دیا کہ ایک پابندی لگا دی کہ یہ لباس نہ پہنو، یہ لباس نہ پہنو، تم

نے کہہ دیا کہ تنگ نظری ہے، مجھے بتاؤ کہ کون سے محکمے میں خاص لباس مقرر نہیں ہے؟ تمہارے لئے بیرکوں کا لباس بھی ایک مستقل ہے، جو بیرے کھانا کھلاتے ہیں ان کا بھی ایک خاص لباس ہے، چپڑاسی کا ایک خاص لباس ہے، اور اگر وہ نہ پہنے تو حاکم اس کو اندر نہیں آنے دے گا، اور یہی بات جب ہم کہتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ تنگ نظر! شکر ہے ملا کو کہتے ہیں کہ تنگ نظر ہے، دُرست فرماتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کو کہنے کے بجائے ملا کو یہ کہہ دو ٹھیک ہے۔ ملا راضی ہے اس پر۔ لیکن معقولیت کے ساتھ ذرا غور کرو کہ تنگ نظری کا الزام کس طرح اس پر صحیح ہے؟ تمہارا کون سا ملک اور کون سا محکمہ ہے جہاں پر یہ تنگ نظری نہیں پائی جاتی، اور اگر اللہ اور اللہ کا رسول فرمادیں کہ یہ لباس نہ پہنو، یہ نہ پہنو تو تم کہتے ہو کہ تنگ نظر ہے، یہ کام کرو، یہ نہ کرو، تو تم کہتے ہو کہ تنگ نظر ہے، اور کبھی کبھی ہمارے دوست ''مجتہد'' بھی بن جاتے ہیں۔

مجھے ایک صاحب نے لکھا کہ ایک خاتون کہتی ہیں کہ وہاں حج پر جاکے تو کوئی بھی منہ نہیں ڈھکتا، لہٰذا یہاں بھی نہ ڈھکو۔ میں نے ان سے کہا: اپنے میاں سے کہیں کہ دو چادریں پہن کر رکھا کریں، مُردوں کا کفن جو حاجی پہنتے ہیں وہی ہمیشہ پہن کر رکھا کریں۔ حماقت کی بھی حد ہوگئی، یہاں کی معاشرت کو اِحرام کی حالت پر قیاس کرتی ہے، وہاں اللہ کے گھر میں طواف ہو رہا ہے اور یہاں محلوں میں ایک دوسرے کو تکتے ہوئے پھر رہے ہیں، چھیڑتے ہوئے، اس حالت کو اس حالت پر قیاس کرتے ہو؟ لیکن اس کے باوجود عورت کو کہا گیا ہے کہ کپڑا چہرے سے نہ لگے مگر مردوں سے پردہ بھی کرنا ہے۔

ابوداؤد میں حدیث ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں تھے اور چہرے کھلے تھے، فرماتی ہیں کہ: جب مرد لوگ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے منہ کے سامنے کوئی چیز کرلیتے، عین اس حالت میں بھی اُمہات المومنین پردہ کرتی تھیں جبکہ وہ اُمت کی مائیں ہیں اور کسی بے ایمان کے لئے گنجائش نہیں کہ نگاہِ غلط انداز ان پر ڈالے، جو اِحترام ماں کا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اِحترام ان اُمہات المومنین کا تھا۔ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی پردہ کرتی تھیں، لیکن ان چھوکریوں کو معاف ہوگیا، یہاں بھی معاف ہوگیا وہاں تو معاف تھا ہی۔

تو بھائی یہ تنگ نظری نہیں ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کا کیا مفاد ہے اس میں؟ تمہیں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تمہارے ہی فائدے کے لئے ہیں، اس لئے کہ کفار کا لباس پہنوگے تو کفار کے اخلاق تمہارے اندر آئیں گے، صوفیوں کا لباس پہنوگے تو صوفیت اندر آئے گی، متکبروں کا لباس پہنوگے تو تکبر اندر آئے گا، کافروں کا لباس پہنوگے تو کافروں کے اخلاق کے جراثیم تمہارے اندر آئیں گے، ہیجڑوں کا لباس پہنوگے تو ہیجڑاپن پیدا ہوگا، عورتوں کا لباس پہنوگے تو مزاج میں زنانہ پن پیدا ہوگا۔ اس لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ مرد عورتوں کا لباس نہ پہنیں اور عورتیں مردوں کا لباس نہ پہنیں۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو باریک لباس پہنے ہوئے دیکھتے تھے تو دُرّہ اُٹھا لیتے اور فرماتے: یہ عورتوں کے لئے چھوڑو! تو اللہ اور رسول نے ہمیں ہدایات فرمائی ہیں، اس میں حکمتیں ہیں اور وہ حکمتیں تمہاری ہی طرف راجع ہیں، تمہاری ہی تربیت اور تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں، تم اس کو تنگ نظری کہتے ہو، اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے بکری کو حلال کیا ہے اور خنزیر کو حرام کیا، کوئی تو بات ہے نا! یہ تنگ نظری نہیں ہے، شریعت کو خنزیر سے کیا نفرت اور بکری سے کیا محبت تھی؟ بکری کا گوشت کھاؤ گے تو تمہارے اندر پاکیزہ صفات پیدا ہوں گی، اس کو اللہ نے پاک بنایا ہے اور کتا اور خنزیر کھاؤ گے تو کتے اور خنزیر والے اخلاق وصفات پیدا ہوں گے۔ ابھی دو تین دن پہلے اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک وائرس نکلا ہے جس میں انسان کی شکل خنزیر کی طرح بن جاتی ہے، یہ اندر کے جراثیم ہیں جو کبھی یہ شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

بہرحال حلال اور حرام کا نظام جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے یہ خالص تمہارے نفع کے لئے ہے، اس کی بہت سی حکمتیں تو ایسی ہیں جو تمہیں بھی سمجھ میں آسکتی ہیں اور بے شمار ایسی ہیں جہاں تک شریعت ونبوت کی نظر پہنچ سکتی ہے، ہماری نظر نہیں پہنچ سکتی۔

سفید کپڑوں کی فضیلت

[حدیث: ۹۸۹] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ لِیَلْبِسَهَا أَحْیَاؤُ کُمْ، وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ فَإِنَّهَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ۔“ (الشمائل المحمدیة للترمذی ج: ۱، ص: ۷۶، حدیث نمبر: ۶۸، بَاب مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ....)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید کپڑوں کو لازم سمجھو، چاہیئے کہ ان کو پہنیں تمہارے زندہ لوگ اور ان میں کفن پہنایا کرو اپنے مردوں کو اس لئے کہ یہ تمہارے سب سے بہتر کپڑوں میں سے ہیں۔“

[حدیث: ۹۹۰] ”عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا الْبَیَاضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَ أَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔“ (الشمائل المحمدیه للترمذی ج: ۱، ص: ۷۶، حدیث نمبر: ۶۹، بَاب مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ....)

ترجمہ: ”حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو اس لئے کہ یہ زیادہ پاک اور صاف رہتے ہیں اور ان میں اپنے

مردوں کو کفن دیا کرو۔‘‘

تشریح: ان دو حدیثوں میں سفید کپڑا پہننے کی ترغیب دلائی ہے، فرمایا کہ خود بھی پہنا کرو اور مُردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفن پہنایا کرو سفید کپڑوں کا کفن دیا کرو۔

پہلی حدیث میں فرمایا کہ یہ تمہارے بہترین کپڑوں میں سے ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا فَإِنّھا أَطْھَرُ وَأَطْیَبُ کیونکہ یہ پاک اور صاف رہتے ہیں، بہترین ہونا رنگ کے اعتبار سے تمام رنگوں میں سب سے زیادہ محبوب سفید رنگ ہے اگرچہ دوسرے رنگ کا استعمال بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی قوم کے ساتھ مشابہت نہ پائی جاتی ہو، ایک رنگ کا زیادہ موزوں ہونا بنسبت دوسری رنگ کے یہ دوسری بات ہے، سیاہ کپڑوں میں گمراہ فرقوں کی مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے سیاہ لباس پہننا ممنوع ہوگا ان کی مشابہت کی وجہ سے، البتہ سیاہ عمامہ جائز ہے بشرطیکہ کسی خاص علاقے میں کسی خاص قوم کا شعار نہ ہو کیونکہ سیاہ عمامہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

سرخ رنگ کے کپڑے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس کا پہننا مردوں کو جائز ہے یا نہیں، علماء کے متعدد اقوال ہیں اور خود ہمارے مذہب میں بھی اس میں متعدد اقوال ہیں، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے، بعض نے مکروہ تنزیہی، بعض نے مکروہ تحریمی لیکن حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پہن سکتے ہیں لیکن تقویٰ کے خلاف ہے، گویا خلاف اولیٰ ہے بہتر نہیں ہے۔

تو دوسرے رنگوں کا پہننا بھی جائز ہے اس میں کوئی کراہت اور مضائقہ نہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ترغیب دلائی ہے سفید رنگ کا کپڑا پہننے کی، آدمی کو خود بھی برا لگتا ہے اس کو صاف کرلے گا اور دوسرے رنگ میں دھبہ زیادہ نمایاں نہیں ہوتا چلتا رہتا ہے، اس لئے عام طور پر جو حضرات سفر میں رہتے ہیں وہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں تاکہ جلدی دھونے کی ضرورت پیش نہ آئے، بہرحال سفید کپڑا پہننا افضل ہے البتہ عورتوں کے لئے رنگین کپڑے افضل ہیں، ان کے کپڑوں میں بھی زنانہ پن محسوس ہونا چاہئے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اب عورتوں اور مردوں کا لباس بھی گڈمڈ ہونے لگا، ہمارے نوجوانوں کو پھول دار منقش کپڑے پہننے کا شوق چڑھا آتا ہے، نہیں پتا چلتا کہ صاحبزادہ ہے یا صاحبزادی، لباس سے پتہ نہیں چلتا پھر بال بھی ایسے ہیں کہ لڑکیوں نے کٹوانا شروع کردیئے اور لڑکوں نے بڑھانا شروع کردیئے اور اللہ معاف کرے بعض کو تو عورتوں کے ساتھ مشابہت کا اتنا شوق ہے کہ وہ باتیں بھی عورتوں کی طرح کرنے لگے ہیں، شاید ان سے ممکن ہو تو صیغہ بھی مونث کا ستعمال کرنے لگیں، جیسا کہ بعض لڑکیوں کو مرد بننے کا شوق ہوتا ہے ان کے انداز

تفاخر میں مردانہ پن پایا جاتا ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں، عورتوں کو مردوں کی اور مردوں کو عورتوں کی مشابہت نہیں کرنی چاہیئے، لباس میں بھی نہیں ہونی چاہیئے رفتار میں بھی نہیں ہونی چاہیئے، رنگین لباس شوخ قسم کے یہ عورتوں کے لئے ہے مردوں کے لئے نہیں، مردوں کے لئے باوقار لباس سفید ہی ہے، خاص صحیح بخاری شریف کی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ سفید کپڑے کو پسند فرماتے تھے اور اسی کو زیب تن فرماتے تھے۔

سیاہ بالوں کی چادر

[حدیث: ۹۹۱] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۶۷، حدیث نمبر: ۷۰، بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ سیاہ بالوں کی چادر آپ نے اوڑھی ہوئی تھی۔“

تشریح: اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو آپ کے پاس بالوں کی بنی ہوئی سیاہ کملی تھی، کالی کملی جس کو کہتے ہیں، بخاری وغیرہ کی روایت میں مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ (مسلم ۱۰/۱۴۱، ۴۴۱، ۳۸۸۱) آتا ہے یعنی جس میں کجاوے کے نقشے بنے ہوئے ہیں، اونٹ کا کجاوہ ہوتا ہے اصل میں ان حضرات کے ہاں دستور تھا کہ مختلف قسم کے پھول بناتے تھے چادروں کے اوپر، کسی پر ایسا نقشہ بنا دیا جیسے کجاوہ ہوتا ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس پر سیاہ رنگ کا پھول پڑے ہوئے یا منقش تھا جس میں نقشہ بنا ہوا تھا اُونٹ کے کجاوے کا، گویا وہ پوری چادر سیاہ نہیں تھی بلکہ اس میں سیاہ نقش بنے ہوئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالوں کی بنی ہوئی سیاہ چادر کا استعمال بھی ثابت ہے جس کو ہم پشم کہہ سکتے ہیں، اُونٹ کے پشم (بال) سے بھی بنتی تھیں ان کے ہاں چادریں اور بھیڑ اور دُنبے کی پشم سے بھی بنتی تھیں، بکریوں کے بالوں سے بھی بنتی تھیں تینوں احتمال اس میں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنگ آستینوں والا جبہ پہننا

[حدیث: ۹۹۲] ”عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۶۷، حدیث نمبر: ۷۱، بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: ”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ زیب تن فرمایا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں، یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے، یہاں امام ترمذی نے صرف اتنا ٹکڑا نقل کر دیا ہے روایت کا، روایت بہت لمبی ہے، غزوہ تبوک میں حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ صبح کا وقت اذان کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگل میں تشریف لے گئے قضائے حاجت کے لئے، میں پانی کا لوٹا لے کر پیچھے چلا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے پانی پیش کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا اس کے بعد میں وضو کرانے لگا جب ہاتھ دھونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ پہنا ہوا تھا رومی جس کی آستینیں تنگ تھیں یعنی اوپر نہیں چڑھ سکتی تھی، ہاتھ دھونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال لیا اور ہاتھ نکال لئے، اس کے بعد دوبارہ پہن لیا، **ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ** (بخاری ۱۸ / ۱۰۸، ۵۳، ۵۴) پھر میں آپ کے موزوں کی طرف لپکا، چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے کہ ان کو کھولوں موزے اُتار دوں قدم مبارک سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **دَعْهُمَا** ان کو رہنے دیں، **فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ** کہ انہیں میں نے پاؤں دھو کر پہنا ہے وضو پر پہنا ہے۔

یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں ذرا دیر ہوگئی، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امام بنا دیا نماز شروع کر دی، اب صبر کا موقع تھا کہ پتہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے ہیں قافلے سے یا کیا قصہ ہوا ہے پورا علم نہیں تھا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے تو عبدالرحمٰن بن عوف کو انہوں نے امام بنا دیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ایک رکعت ہو چکی تھی فجر کی نماز کا وقت تھا اور یہ منفرد قسم کی نماز تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رکعت فوت ہوگئی، بہرکیف! انہوں نے سلام پھیرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ اپنی نماز پوری کی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے دیکھا صحابہ نے تو متفکر ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: **قَدْ أَحْسَنْتُمْ** تم لوگوں نے ٹھیک کیا گھبراؤ نہیں، اس پر ان کو تسکین ہوئی۔

یہ واحد صحابی ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کی اقتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھی اور ایک ایسا ہی قصہ پیش آیا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کہ وہ نماز شروع کر چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں پہنچے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ نے تصفیق کرنا شروع کر دی تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو التفات ہوا کہ کیا بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہاتھ سے کہ اپنی جگہ کھڑے رہو نماز پڑھاؤ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرح ہاتھ اُٹھائے جس طرح دعا مانگتے ہیں اور پھر پیچھے ہٹ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف قبیلہ تھا وہاں، کچھ ناچاقی ہوگئی تھی صلح کرانے کے لئے تشریف لے

گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہہ گئے تھے کہ اگر نماز کا وقت ہو جائے اور ہم واپس نہ آئیں تو ابوبکر کو کہنا کہ نماز پڑھائیں۔ وقت ہونے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نماز پڑھاؤ گے؟ انہوں نے کہا: إِنْ شِئْتَ تم کہہ دو گے تو پڑھائیں گے، نماز شروع ہو چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کھڑے رہو لیکن وہ ٹھہرے نہیں ہاتھ اُٹھائے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اِمام بن گئے اور جہاں سے ختم ابوبکر نے کیا تھا وہاں سے شروع کر دیا، نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم لوگ تالیاں کیوں بجا رہے تھے نماز میں؟ وہ تالیاں بجا بجا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متوجہ کر رہے تھے فرمایا: إِذَا حَذَبَ أَمْرٌ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيُسَبِّحْ تم میں سے نماز میں کسی کو کوئی امر پیش آجائے تو تسبیح کرو فَإِنَّمَا التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَ التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ اس لئے کہ مردوں کے لئے تسبیح کا حکم ہے اور عورتوں کے لئے تالیاں بجانے کا حکم ہے لیکن تالیاں اس طرح دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی کے ساتھ نہیں بلکہ اُلٹے ہاتھ کی پشت پر مارے یہ تالی ہے بس اس سے زیادہ نہیں، اگر عورت کو متوجّہ کرنا ہے، امام سے کوئی غلطی ہوگئی، مرد کوئی بولا نہیں اور عورت متوجّہ کرنا چاہتی ہے، امام کو کسی غلطی کی طرف متوجّہ کرنا چاہتی ہے تو ان کے لئے تصفیق کا حکم ہے۔ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو تو تم پیچھے کیوں ہٹے تھے؟ انہوں نے کہا: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ابو قحافہ کے بیٹے سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ علماء نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پیچھے نہیں ہٹے، وہ بدستور نماز پڑھاتے رہے؟ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابھی پہلی رکعت میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہونے کی وجہ سے نماز نہ ٹوٹتی بخلاف عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے کہ وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے، وہ دوسری رکعت میں تھے، اب اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہوتے تو ایک رکعت پڑھا کر پھر کسی اور کو آگے کرتے کہ سلام پھیرے اور خود اپنی نماز پوری پڑھتے، نماز کی ترتیب ٹوٹتی، ادب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر بھی غالب تھا، لیکن شرعی مسئلے کے لحاظ سے انہوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب پیچھے ہٹیں تا کہ نماز کی ترتیب گڑبڑ نہ ہو۔

بہرکیف یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں واحد صحابی ہیں جن کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے اور ایک قول کے مطابق دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، مرض الوفاۃ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لائے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر آکر بیٹھ گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اس نماز میں اختلاف ہوا ہے کہ امام ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، دونوں قول ہیں لیکن محققین کا راجح قول یہ ہے کہ امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیثیت مکبّر کی ہوگئی تھی۔

سرخ کپڑے کا حکم

[حدیث:۹۹۳] ”عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ...وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَاءَ...... وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى بَرِيقِ سَاقَيْهِ، قَالَ سُفْيَانُ: نُرَاهُ حِبَرَةً ......۔“(سنن ترمذی ج: ۱، ص: ۳۳۰، حدیث نمبر: ۱۸۱، بَابُ مَا جَاءَ فِي إِدْخَالِ الْإِصْبَعِ فِي الْأُذُنِ عِنْدَ الْأَذَانِ)

ترجمہ: ”حضرت عون ابن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے سرخ جوڑا حلہ پہنا ہوا تھا گویا کہ میں دیکھ رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کی چمک کی طرف، امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے یہ یمن کی منقش چادروں کا جوڑا تھا۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ حلہ پہنے ہوئے دیکھا تھا اور گویا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چمکتی ہوئی پنڈلیوں کو ابھی دیکھ رہا ہوں میری نظر کے سامنے ہیں، صحیح بخاری شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قصہ حجۃ الوداع کا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے تھے تو میں نے (حضرت ابوجحیفہ اس وقت کا قصہ ذکر کررہے ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ پہلے انہوں نے اذان کہی **فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَا هُنَا وَهَا هُنَا وحَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ** اور **حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ** (مسلم ۳/ ۶۷، ۷۷۷) پر اپنا منہ دائیں اور بائیں گھمارہے تھے، اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا عصا لائے اور لاکر میدان میں ایک جگہ گاڑ دیا، یہ سترہ تھا قبلے کا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے نماز پڑھائی، اس وقت آپ نے سرخ حلہ پہنا ہوا تھا سرخ جوڑا چونکہ سرخ جوڑے کے پہننے میں اختلاف ہے اور احادیث میں اس کے پہننے کی ممانعت آئی ہے، اس لئے حضرت سفیان ثوری جو اس حدیث کے راوی بھی ہیں اور امام ہیں بہت بڑے حدیث کے بھی فقہ کے بھی اور تصوّف کے بھی، وہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ منقش چادر تھی، سرخ سے مراد یہ ہے کہ اس میں سرخ ڈورے تھے، یمن کی چادریں مختلف قسم کی بن کے آتی تھیں کسی میں سرخ ڈورے ہوتے تھے کسی میں سبز ہوتے تھے کسی میں سیاہ ہوتے تھے، تو عرف عام کے اعتبار سے ان کو کہہ دیا جاتا تھا سرخ چادر اور جوڑا کہتے ہیں حلہ دو چادروں کا جن کو پہلی دفعہ تھان سے کھولا جائے یعنی تہ کھولی جائے اس کو حلہ کہتے ہیں، تو مطلب یہ کہ اس حدیث میں جو فرمایا گیا کہ سرخ چادریں پہنی ہوئی تھیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ خالص سرخ کپڑا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی چادریں تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں علماء کا سرخ لباس پہننے کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے بالکل منع کیا ہے اور بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے کہا کہ جائز ہے کیونکہ روایات کے اعتبار میں مختلف ہیں، خود حنفیہ کے ہاں بھی اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ شیخ لکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیتے تھے کہ سرخ لباس کا پہننا جائز ہے لیکن تقویٰ کے خلاف ہے، گویا پسندیدہ نہیں ہے۔ اور آنحضرت ﷺ سے جو منقول ہے سرخ کپڑے کا پہننا، وہ اسی قسم کا کپڑا مراد ہے، یعنی منقش ڈوروں والا، سرخ دھاریوں والا کپڑا۔

سرخ جوڑے میں حضور ﷺ کی خوبصورتی

[حدیث:۹۹۴] ”عَنِ الْبَرّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحداً مِّنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنْ كَانَتْ جُمَّتُهُ لَتَضْرِبُ قَرِيْباً مِّنْ مَنْكِبَيْهِ۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۴۳، حدیث نمبر: ۶۵، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ)

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا سرخ حلے میں، آپ ﷺ کے بال مبارک قریب ہو رہے تھے کندھوں کے۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرخ جوڑے میں ملبوس آنحضرت ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا اور آپ کے سر کے بال کندھوں کے قریب تک پہنچ رہے تھے، یہ روایت پہلے باب میں گذر چکی ہے اور یہاں لباس کے اعتبار سے امام ترمذی نے اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور سرخ جوڑے سے مراد یہی سرخ دھاریوں والا جوڑا مراد ہے اور بالوں کے بارے میں جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں تین قسم کی روایتیں آتی ہیں اور یہ مختلف حالات پر محمول ہے، کبھی اصلاح بنانے میں دیر ہوگئی تو کندھوں کے قریب پہنچ جاتے تھے بال مبارک اور کبھی اصلاح بنا لیتے تھے تو کانوں کی لو تک ہو جاتے تھے۔

دو سبز چادروں کا لباس

[حدیث:۹۹۵] ”عَنْ أَبِيْ رَمْثَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۴۳، حدیث نمبر: ۶۶، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ)

ترجمہ: ''حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سبز چادریں پہنی ہوئی ہیں۔''

تشریح: یہ روایت ابورمثہ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سبز چادریں پہنی ہوئی تھیں اوپر کی نیچے کی، یہاں بھی سبز سے مراد سبز دھاریوں والی چادر ہے۔

زعفران کی رنگی ہوئی چادریں

[حدیث:۹۹۶] ''عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ أَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانَ وَقَدْ نَفَضَتْهُ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ۔'' (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۷۳، حدیث نمبر: ۶۷، بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ...)

ترجمہ: ''قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس حالت میں کہ آپ نے دو پرانی چادریں پہنی ہوئی تھیں زعفران کی رنگی ہوئی لیکن زعفران کا اثر جاتا رہا تھا اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔''

تشریح: یہ حدیث حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا کی ہے، یہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بہت پرانی قسم کی چادری پہنی ہوئی تھیں اور وہ زعفران کے رنگ کی رنگی ہوئی تھیں لیکن زعفران کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو اتنا نقل کر کے آگے کہہ دیا کہ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے، جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پرانی چادروں کے پہننے کا تعلق ہے تو کبھی ایسا بھی ہوا ہوگا کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قیمتی لباس کا پہننا بھی ثابت ہے، ایک دفعہ ایک جوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۲ اُونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا لیکن عام عادت اس کے پہننے کی نہیں تھی، عام عادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معتدل درمیانہ قسم کا لباس پہننے کی تھی اور کبھی پرانی چادریں بھی پہن لیں دوسرا کپڑا میسر نہیں ہوگا وہی پہن لیا۔

حضرات صوفیاء پرانے کپڑوں کے پہننے کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ ان میں تواضع اور شکستگی زیادہ ہے، لباسِ فاخرہ کے پہننے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے آدمی کو کبر اور تعلّی کا خطرہ ہے۔ البتہ حضراتِ نقشبندیہ کا مزاج اس کے اُلٹ ہے، وہ عمدہ قسم کے لباس کے پہننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے لباس بہت شکستہ تھا اور ان کی حالت سے شکستہ حالی محسوس ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

گراں گزرا اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ بھائی ان کو کچھ دو، ان کی مدد کرو! ان صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بندۂ خدا! جب اللہ نے آپ کو دے رکھا ہے تو پھر اپنی شکل ایسی کیوں بنا رکھی ہے؟ اور پھر فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ کسی پر انعام فرمائیں تو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمت کا اثر اس پر دیکھیں، بات یہ ہے کہ دونوں طرف خطرہ ہے، اچھا لباس پہننے میں بھی خطرہ ہے اور بھدّا لباس پہننے میں بھی خطرہ ہے، مناسب یہ ہے کہ درمیانہ لباس پہنا جائے اور ان خطرات سے بچنے کی کوشش کی جائے، لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ اچھا لباس عطا فرمادیں تو ٹھیک ہے، آدمی کو فخر و مباہات سے بچنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اسے منجانب اللہ سمجھے اس کو دل میں فخر اور غرور نہیں ہونا چاہئے، لیکن کم لوگ ایسے ہیں کہ اچھا لباس پہننے کے بعد ان کے دل میں کبر پیدا نہ ہو، ورنہ عام طور پر ہوا بھر جاتی ہے، جیسے کہ غبارے میں ہوا بھر جاتی ہے، ایسے ہی آدمی بھی پھول جاتا ہے، ہوا بھر جاتی ہے۔ اور شکستہ لباس پہنے تو اپنی تواضع کا اظہار مقصود نہ ہو، بلکہ یوں سمجھے کہ میں تو اس لائق ہی نہیں تھا، یہ تو مالک کا احسان ہے، آخر جانوروں کو لباس کون پہناتا ہے؟ یہ کتّے ہیں، گدھے ہیں، گائے ہیں، بھینسیں ہیں، ان کو کُرتا اور پاجامہ کون پہناتا ہے؟ میری حیثیت تو ان سے بھی بدتر ہے یہ تو مالک کا احسان ہے کہ مجھے لباس عطا فرمادیا میرے ستر کو چھپانے کے لئے، میں تو اس شکستہ لباس کے بھی لائق نہیں تھا، آدمی یہ سمجھے تو بہرحال یہ نہیں کہ لوگ کہیں بڑا صوفی ہے، بڑا ہی درویش آدمی ہے یہ دیکھو اس کو کوئی بھی کیونکہ یہ بھی ایک کبر ہے، کبھی تواضع کی شکل میں کبر ہوتا ہے، ظاہر کرتا ہے تواضع کو اور اندر کبر ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ظاہر کو نہیں دیکھتے باطن کو دیکھتے ہیں، اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ کو متواضع سمجھے وہ متکبر ہے، تواضع یہ ہے کہ اپنے آپ کو متواضع بھی نہ سمجھے کہ میں تواضع اختیار کرنے والا ہوں کیونکہ اس کی تواضع کی حقیقت ابھی میں نے عرض کی کہ اپنے کو اس لائق ہی نہ سمجھے یہ تو تواضع ہوئی، اپنے آپ کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھے، حقیقت میں تواضع یہ ہے، باقی میلے کچیلے کپڑے پہننے کا نام تواضع نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ تو لباس کے معاملے میں تکلّف ہو کہ اگر ایسے رکھ رکھاؤ کا لباس ہو تو مابدولت پہنیں گے ورنہ نہیں پہنیں گے۔ اور قصداً میلا کچیلا یا پھٹا لباس بھی پہننے کی کوشش نہ کرے، بلکہ جو وقت پر میسر آجائے پہن لے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سناتے تھے حضرت حکیم الاُمّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن کُرتا پہن کر مسجد میں آئے، بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے جلدی میں یا تاریکی میں آدمی کو خیال نہیں رہتا، مجلس میں آکے بیٹھ گئے اور کُرتا اُلٹا پہنا ہوا تھا، کسی نے توجّہ دلائی حضرت! کُرتا اُلٹا ہے، دیکھ کر کہنے لگے کہ: اللہ کے لئے پہنا تھا، اب تمہاری خاطر نہیں بدلوں گا، اسی طرح بیٹھے رہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس مقام کو پہنچنا

ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہے، سچی بات ہے۔

ایک صاحب حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آئے، پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ کہا کہ بادشاہ کے لئے کپڑا لے کے آیا تھا، مجھے خیال تھا کہ اچھے دام مل جائیں گے، لیکن بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا کہ ہم نہیں خرید سکتے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمیں دکھاؤ ہم لے لیتے ہیں، اب جو کپڑا بادشاہ نہیں خرید سکتا، اس نے پیش کیا، دام پوچھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھائی دے دو اس کو جتنے پیسے ہیں اور کُرتا بننے کے لئے چلا گیا، خلیفہ بغداد کو اِطلاع پہنچی، درویش نے ہماری ناک کاٹ دی ہے، جو کپڑا ہم نہیں خرید سکے تھے اس نے خرید لیا، اس کو بھی اطلاع مل گئی، وزیر کو کہا جاؤ تحقیقات کر کے آؤ، وزیر گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں، دیکھا واقعی اتفاق سے کپڑا اسل کے آ گیا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہ پہنے بیٹھے تھے مجلس میں، وزیر دیکھ کر اور بھی جل گیا، غور کیا تو ایک طرف پیوند لگا ہوا ہے، اسی کپڑے کو مخمل ٹاٹ کا پیوند لگا ہوا، وزیر نے پوچھا کہ حضرت! اتنا اچھا کپڑا تھا آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمانے لگے کہ ایک مسافر آدمی آیا تھا بیچارہ، اس نے کہا: میرا کپڑا نہیں بکا، ہم نے اس کی اعانت کی نیت سے کپڑا لے لیا، جب کُرتے کے لئے دیا تو کپڑا کم نکلا تو ہم نے کہا کہ یہاں سے کوئی ٹاٹ لے کر لگا دوں، مقصود تو تن ڈھانپنا ہے، وزیر نے بادشاہ کو جا کر کہا کہ جس شخص کے نزدیک اس کپڑے کی قیمت اور ٹاٹ برابر ہو، اس کے ساتھ کیا لڑائی کر سکتے ہو تم!

صحیح نظریہ ہے کہ بحیثیت اللہ کی نعمت کے اس کی قدر کرو کپڑے کی قدر کرو، مالک نے کتنا انعام فرمایا یہ جانور پھر رہے ہیں ننگے کون ان کو لباس دیتا ہے؟ ہمیں مالک نے لباس عطا فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ (سنن ابوداود ۱۱/ ۳۰۷، ۳۵۰۵)۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے مجھے یہ لباس عطا فرمایا ہے اور پھر جو حدیث گزر چکی اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ (سنن ابوداود ۶/ ۳۹۹، ۳۵۰۴)۔ یہ دُعا پڑھو تو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرو لیکن اس سے تفاخر پیدا نہیں ہونا چاہئے دل میں کبر نہیں پیدا ہونا چاہئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میرے وجود پر ایسا کپڑا ہے کہ اگر کوئی ایک درہم میں خریدنا چاہے تو نہیں خریدے گا ساڑھے تین آنے میں کوئی اس کو نہیں خریدے گا یعنی ایک درہم میں اگر اس کو بیچا جائے تو مہنگا ہے خریدا جائے تو مہنگا ہے اور اس کپڑے کے اندر ایک ایسا وجود ہے یعنی شخصیت بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرماتے ہیں کہ اگر ثقلین دو جہاں اس کی قیمت لگائی جائے تو یہ سستا ہے، کوئی شک نہیں ہے پوری دنیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں بے قیمت ہے تو آدمی لباس سے نہیں بنتا، لباس سے اس کی قیمت نہیں بنتی، لوگ تو چمڑے کو دیکھتے ہیں اندر کو نہیں دیکھتے، اصل چیز تو اندر کا جوہر ہے وہ ہو تو اوپر ظاہر میں کچھ بھی نہ ہو تو کوئی بات نہیں اور اگر اندر کچھ نہیں باہر سب کچھ لدا ہوا ہے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول گدھے کو اگر ہیرے

پہنا دیئے جائیں تو وہ باکمال تو نہیں ہو جاتا۔

رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ لباس

[حدیث: ۹۹۷] ”عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصُ“۔

[حدیث: ۹۹۸] ”عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْصُ۔“ (الشمائل المحمدیۃ للترمذی ج: ۱، ص: ۶۴، حدیث نمبر: ۵۶۔۵۸، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى..)

ترجمہ: ”حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام کپڑوں میں سب سے زیادہ محبوب قمیص تھی۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کا معمول کا لباس تین کپڑے ہوتے تھے، ایک لنگی، کُرتا اور عمامہ۔ اور اکثر و بیشتر آنحضرت ﷺ اُوپر چادر بھی اوڑھتے تھے یعنی ہمیشہ، قریب قریب ہمیشہ چادر ہی رہتی تھی، سردیوں کے موسم میں آنحضرت ﷺ سے گرم کپڑوں کا پہننا یعنی روئی دار بھی ثابت ہے اور کبھی کبھی جبہ بھی زیب تن فرمایا، شلوار آنحضرت ﷺ نے خرید فرمائی تھی لیکن پہننا ثابت نہیں ہے، اس کو پسند فرمایا اس کو خرید فرمایا اور یہ فرمایا کہ پردے کا لباس ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ آدمی کا لباس کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی مستحب ہوتا ہے، کبھی مباح ہوتا ہے، کبھی مکروہ ہوتا ہے، کبھی حرام ہوتا ہے، ناف سے لے کر گھٹنوں تک مرد کا ستر ہے، اس لئے اتنا لباس جس سے ستر چھپ جائے فرض ہے، اس لئے ناف کا کھولنا، یا گھٹنوں کا کھولنا، یا رانوں کا کھولنا حرام ہے، عام طور سے لوگ اس معاملے میں احتیاط نہیں کرتے، ناف سے نیچے کا حصہ بعض دفعہ کھلا رہتا ہے، خاص طور سے حاجی صاحبان نے لنگی باندھی ہوئی ہوتی ہے، چادر پہنی ہوئی ہوتی ہے نیچے، اور چادر ان کے نیچے ڈھلکی ہوئی ہوتی ہے اور ناف ننگی ناف سے نیچے کا حصہ بھی کچھ ننگا، بہت سے لوگ گھٹنے کھول لیتے ہیں، بعض رانیں کھول لیتے ہیں، یہ حرام ہے، اتنا لباس پہننا جس سے ستر چھپ جائے فرض ہے۔

اور مستحب لباس یہ ہے جس کے پہننے کی شریعت نے ترغیب دی ہو جیسے کہ حکم ہے عید کے لئے اچھا کپڑا پہنا جائے، **يَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابٍ** اچھے سے اچھے کپڑے اپنی وسعت کے مطابق پہنے، اسی طرح جمعہ کے دن سفید کپڑا اچھا لباس پہنے، کوئی اچھا کھاتا پیتا آدمی ہے اور پھٹا پرانا لباس پہنتا ہے اس میں کراہت ہے۔

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی قسم کا لباس پہنے ہوئے آئے تھے، آنحضرت ﷺ

کو ان کی حالت دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید بیچارے ضرورت مند آدمی ہیں، آپ نے صحابہ کو ترغیب دی کہ ان کو کچھ دو، کہنے لگے یا رسول اللہ! میرے پاس تو بہت کچھ ہے، آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا اے بندۂ خدا! پھر تم نے ڈھب کا لباس کیوں نہیں پہنا؟ حق تعالیٰ شانہٗ نے جس شخص کو نعمت دی ہو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کے بدن پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو اور جس کپڑے کے پہننے پر شریعت کی طرف سے وعید آئی ہے اس کا پہننا حرام ہے جیسا کہ ریشمی لباس کے پہننے پر وعید آئی ہے، مرد کے لئے ریشمی لباس پہننا حرام ہے خالص ریشم، یہ جو مصنوعی ریشہ ہے لوگ اس کو ریشمی کہہ دیتے ہیں یہ نہیں، وہ کیڑے کا بنا ہوا جو ہوتا ہے ریشم وہ ریشم مراد ہے جس کو خالص ریشم کہتے ہیں۔

حضرت عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ ایک جبہ بک رہا تھا ریشمی مجھے بہت اچھا لگا، میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ یہ لے لیں، آپ کی بارگاہ عالی میں وفود آتے ہیں سفراء آتے ہیں جمعہ وعیدین کے مواقع پر اسے پہنا کریں، آپ نے فرمایا: إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذَا مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ اس کو وہ پہنتا ہے جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس اسی قسم کا کوئی جبہ آیا آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے عطا فرمایا، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے تو وہ بات فرمائی تھی مجھے مرحمت فرماتے ہیں، فرمایا میں تمہیں پہننے کے لئے تھوڑی دے رہا ہوں، فرماتے ہیں: مکے میں میرا ایک بھائی تھا مشرک کافر میں نے اس کو بھیج دیا چلو تم اُڑاؤ، غرض یہ کہ ریشمی لباس حرام ہے۔

اسی طرح جس لباس میں کسی قوم کی مشابہت پائی جاتی ہو وہ بھی حرام ہے اور مشابہت دو قسم کی ہوتی ہے ایک مشابہت دینی اور دوسری مشابہت قومی، اگر کسی مذہب کے شعار میں قومی شعار میں یعنی مذہبی شعار میں کوئی لباس داخل ہے تو اس کا پہننا مسلمان کے لئے حرام نہیں بلکہ کفر ہے جیسے بعض عیسائی صلیب لٹکاتے ہیں یا زنار پہنتے ہیں یا اور کوئی کفر کی علامت یہ مسلمان کے لئے جائز نہیں بلکہ زنار پہن لینے کے بعد آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

اور ایک وہ لباس ہے جو ان کا قومی لباس ہے قومی شعار ہے اگرچہ مذہبی شعار نہیں، یعنی یہ لباس کافروں کے ہاں ہی پہنا جاتا ہے تو کسی قوم کی مشابہت لباس میں غیر قوم کی مشابہت کرنا یا کافر قوم کی مشابہت کرنا یہ جائز نہیں کافروں کی یا فاسقوں بدکاروں کی مشابہت کرنا یہ جائز نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ جی اس میں کیا رکھا ہے کیسا بھی آدمی لباس پہنے؟ رکھا تو بہت کچھ ہے اس میں تم تہ بند باندھ کر فوج میں چلے جاؤ اس کی ٹریننگ کے لئے جانیں دیں گے اسمیں؟ تم وہاں کہو اس میں کیا رکھا ہے، ایک وردی ہے اس میں کیا رکھا ہے اور اسی طرح دوسرے محکموں میں جو ان کا یونیفارم رکھا ہوا ہے تجویز کیا ہے اس کے علاوہ تم کہو اس میں کیا رکھا ہے اس کی پابندی تو لازم ہے لیکن ساری مستی دین کے معاملے میں سوجھتی ہے، یہاں لوگوں کی عقل کام کرتی

ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے؟ وہاں جا کے عقل ان کی اندھی ہو جاتی ہے، وہاں کبھی نہیں بولتے 'اس میں کیا رکھا ہے' کا لفظ وہاں کبھی استعمال نہیں کرتے یہاں کرتے ہیں، جب کوئی مولوی مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں کہتے ہیں اس میں کیا رکھا ہے؟ تنگ نظری یہ تنگ نظری کی بات ہے ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ غریب تنگ نظری کا کیوں شکار ہوتے ہیں، ملا تو تنگ نظر تھا ہی غریب لیکن یہ تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں؟

میانوالی کا ایک بہت بڑا نواب پرل کانٹی نینٹل ہوٹل چلا گیا تھا اپنی ایفا جو پنجابی لباس تھا اس کا، اس کو روک دیا بیروں نے روک دیا، وہ اتنا بڑا آدمی تھا کہ پورا ہوٹل خرید لیتا لیکن کہنے لگے صاحب! آپ پینٹ پہنے بغیر نہیں آسکتے۔ کیوں جی تنگ نظری نہیں تھی؟ یہود ونصاری تمہیں جو پٹی پڑھادیں وہ تو عین ایمان ہے یہ کوئی تنگ نظری نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی جو تعلیم ہو اس کو لوگ کہتے ہیں تنگ نظری ہے اس میں کیا رکھا ہے؟

اس شبہ کے مسئلے میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں، یہ مجیب الرحمان شامی کا رسالہ نکلتا ہے ''قومی ڈائجسٹ''، اس رسالے میں میں نے خود مضمون پڑھا تھا کہ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا اس کا جو پہلا ایڈیشن چھپا تو ''ٹائی'' کے بارے میں مقالہ لکھا گیا تھا، اس میں لکھا تھا کہ ٹائی لباس کا وہ ٹکڑا ہے جس کو عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کے یادگار کے طور پر اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں، بعد میں انہوں نے دیکھا یہ تو کام خراب ہو جائے گا، اگلے ایڈیشنوں میں اس کو بدل دیا اور واقعہ یہی تھا، یہ عیسیٰ لٹکا ہوا ہے اور یہ جو تمہارے کالر ہیں یہ صلیب ہیں، انہوں نے مذہبی شعار کے طور پر اس لباس کو اپنایا تھا تو تم نے ان کی تقلید کے طور پر اپنایا یعنی ایسے غیر محسوس طریقے سے انہوں نے مسلمانوں کو اُلّو بنایا کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلنے دیا، اُلٹا اگر کوئی نصیحت کرے تو کہتے ہیں تنگ نظر ہے، لیکن جب کان پکڑ کر نکالا دیئے جاؤ گے نا! ادھر پھینک دیئے جاؤ گے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا، وہ ان ہی میں سے ہوگا، اس وقت پتا چلے گا یہ تنگ نظری تھی یا نہیں؟

اسی طرح تفاخر کے طور پر لباس کا پہننا حرام ہے زینت الگ چیز ہے فخر الگ چیز ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ایک شخص نے تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص نے حلہ پہنا نیا سوٹ اور پہن کر اترا کر چلا جا رہا تھا کہ زمین میں دھنسا دیا گیا کہ آج تک وہ دھنس رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی، قمیص کے پسند ہونے کی وجہ علماء نے کئی لکھی ہیں، بعض نے کہا اس میں پردہ زیادہ ہوتا ہے بعض نے کہا یہ کم قیمتی ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ کم قیمت بھی ہوتی ہے پردہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اس میں تجمل بھی زیادہ ہے جمال اور زینت بھی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو قمیص زیادہ پسند تھی، بات یہ ہے کہ عرب کے لوگ اکثر دو چادریں پہنے رکھتے تھے جیسے احرام والوں کی دو چادریں ہوتی ہیں ایک لنگی زیر،

ایک بالا، ایک لنگی نیچے ایک لنگی اُوپر تو آنحضرت ﷺ خود بھی قمیص پہنتے تھے، کُرتا پہنتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، حضور اقدس ﷺ کا کُرتا سوت کا بنا ہوا تھا جو زیادہ لمبا بھی نہیں تھا اور زیادہ مختصر بھی نہیں تھا، ابنِ جوزی نے لکھا ہے کہ آدھی پنڈلی تک سنّت ہے یعنی گھٹنے سے نیچے آدھی پنڈلی تک کُرتا سنّت ہے، اس سے زیادہ نہ ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایک ہی کُرتا ہوتا تھا، ایک سے زیادہ کُرتا نہیں، صبح کی چیز شام تک اور شام کی چیز صبح تک رکھنے کا معمول ہی نہیں تھا، اس لئے اسی طرح لباس میں بھی زُہد تھا جب تک وہ لباس پھٹ نہ جاتا یا اس کو تبدیل نہ فرمالیتے دوسرا اس کی جگہ نہیں ہوتا تھا، اگرچہ اعتدال کے ساتھ اس کی اجازت ہے ایک سے زیادہ جوڑے بنانے کی اجازت ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔

حضور ﷺ کی قمیص کی آستینوں کا بیان

[حدیث: ۹۹۹] "عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ۔" (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ٦٧، حديث نمبر: ۵۹، بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ)

ترجمہ: "حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آستینیں گٹوں تک تھیں۔"

تشریح: یہ روایت حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کرتے کی آستینیں پونچوں تک ہوتی تھیں۔

اس بات میں روایتیں مختلف وارد ہوئی ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ پہنچوں تک ہوتی تھی اور بعض روایتوں میں ہے کہ پہنچوں سے آگے تک ہوتی تھی، درحقیقت یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے، کبھی درزی پونچوں تک بناتا ہے کبھی کچھ بڑی بنادیتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ آستین کبھی لمبی ہوتی ہے کبھی سکڑ جاتی ہے پہنے ہوئے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ کُرتے کی آستین پہنچوں تک ہونی چاہئے اور کوئی جبہ ہو تو آدھے ہاتھ تک ہونی چاہئے لیکن اُنگلیاں نہیں ڈھکنی چاہئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لباس میں اتباعِ نبوی

[حدیث: ۱۰۰۰] "عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهُ، وَإِنَّ قَمِيْصَهُ لَمُطْلَقٌ، أَوْ قَالَ: زِرُّ قَمِيْصِهِ

مُطْلَقٌ، قَالَ: فَأَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ۔"

(الشمائل المحمدية للترمذی ج: ا، ص: ۶۸، حديث نمبر: ۶۰، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ)

ترجمہ: "معاویہ ابن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا قبیلہ مزینہ کے ایک گروہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کے لئے، آپ کی قمیص کھلی ہوئی تھی یا یہ کہا کہ آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے، پس میں نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے گریبان میں ڈالا چنانچہ میں نے مہرِ نبوّت کو چھولیا۔"

تشریح: یہ روایت حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بنومزینہ کے وفد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بیعت کے لئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کُرتا مبارک کا گریبان کھلا ہوا تھا، وہ فرماتے ہیں میں نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پیچھے مہرِ نبوّت کو چھوکر دیکھا۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کُرتا مبارک میں گنیاں ہوتی تھیں، بٹن جس کو کہتے ہیں، یہ آج کل ہمارے والے بٹن تو نہیں ہوتے تھے یہ زمانہ مابعد کی ایجاد ہے، دیسی گنیاں ہاتھ کی بنی ہوئی وہ ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کُرتے میں وہ لگتی تھیں، یہاں سے کچھ اشارہ اس طرف بھی نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان کندھے پر ہوتا تھا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ گریبان کھلا تھا، تو میں نے ہاتھ ڈال کر پیچھے مہرِ نبوت کو چھولیا۔

بہر حال اس بارے میں کوئی صریح روایت مجھے معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان سامنے ہوتا تھا کہ جیسا کہ ہمارے ہاں اس وقت رواج ہے یا کندھے پر ہوتا تھا یا سینے پر ایک طرف ہوتا تھا جیسے کہ پرانے بوڑھوں کے ہاں یہ رواج تھے، میں نے بچپن میں بعض بوڑھوں کو دیکھا ہے وہ یہیں ہوتا تھا، ہمارے حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال والے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی ہیں، ان کے صاحبزادہ ہمارے استاد حضرت عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے بارہا کہا کہ حضرت! اب تو بہت اچھے اچھے بٹن آ گئے ہیں آپ یہ لگالیا کیجئے، وہ گھنڈیوں والے بٹن لگاتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شیخ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اسی طرح دیکھا ہے اس لئے یہ نئے بٹن میں نہیں لگاتا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ بن قرہ اور ان کے والد ماجد ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ آپ کا گریبان کھلا تھا بٹن لگے ہوئے نہیں تھے اس لئے ساری عمر انہوں نے سردی ہو یا گرمی ہو بٹن نہیں لگایا اور کہتے کہ ہم نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کو اسی حالت میں دیکھا۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے اسی عشق کی بناء پر آج نبی کریم ﷺ کی ایک ایک ادا اُمّت کے پاس موجود ہے محفوظ ہے، عشق اور محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کو جس رنگ میں دیکھ لے اس رنگ میں رنگ جائے گا۔

ایک شیعہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہوئے یہ بات لکھی تھی کہ اہلِ سنّت والجماعت کہتے ہیں کہ جس نے اسلام لانے کی حالت میں ایک نظر رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا یا رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھ لیا اُمّت کا کوئی بھی ولی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، یہ اہل سنّت والجماعت کہتے ہیں، اس پر وہ تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سوچنا چاہئے کہ کیا ایک لمحے کی صحبت یہ اثر ڈال سکتی ہے؟ یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان غریبوں کو نبی پاک ﷺ کی صحبت پر اِعتراض ہے، یہ صحابہ کے منکر صحابیت یعنی حضور ﷺ کی صحبت کا کیمیا ہونا اس سے انکار ہے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی صحبت ایسی کیمیا تھی کہ معجزانہ طور پر ایک لمحہ انقلاب پیدا ہوجاتا تھا اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

اب معاویہ بن قرۃ قبیلہ مزینہ سے آئے ہیں باہر سے کہیں دیہات سے، بالکل اعرابی دیہاتی قسم کے لوگ لیکن ایک لمحہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جس حالت میں دیکھا اسی حالت میں ساری عمر گذار دی، یہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا اثر ہے اور کوئی شک نہیں عالم وجود کا سارا نور رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے ہے، اگر آپ کی ایک نظر بھی قلب میں بجلی بھر دے، دل کی بیٹری چارج ہوجائے، آپ کی ایک نظر سے قلب کی یہ کیفیت ہوجائے ایمان سے بھر جائے تو ساری عمر اِن شاءاللہ کام آئے گا، ایک نظر کافی ہے۔

تو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا واقعۃً یہی اثر ہے، بہت مدت کی بات ہے کہ پینتیس چھتیس سال گذرے ہوں گے کہ میں نے مضمون لکھا تھا منکرینِ حدیث کے رَدّ میں، چلتے چلتے اس میں ایک فقرہ یہ آ گیا تھا کہ وہ آفتابِ نبوّت تھے جو چودہ سو سال کے بعد آج تک بھی علوم کو روشن کئے ہوئے ہیں، وہ آفتابِ نبوّت جو چودہ سو سال کے بعد بھی آج تک قلوب کو منوّر کئے ہوئے تھے اور جس کی وجہ سے دلوں کی انگیٹھیاں تپ رہی ہیں، جن لوگوں کے گھروں میں یہ سورج طلوع ہوا تھا ان کی نورانیت کا کیا عالم ہوگا، جن کے گھروں میں یہ طلوع ہوا تھا ان کی نورانیت کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ جن اکابر کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا، آنحضرت ﷺ کی نظر میں نظر ڈالنا نصیب ہوا، آپ کے چہرے انور کو دیکھنا نصیب ہوگیا، جب تمہارا آج کے چودہ سو سال کے بعد یہ حال ہے حبِّ رسول میں تو ان اکابر کا کیا حال ہوگا ان کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟

ریشم پہننے کی ممانعت

[حدیث: ۱۰۰۱] ”سَمِعتُ عُمَرَ ....، مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ۔“ (صحیح بخاری ج:۱۸، ص: ۱۵۵، حدیث نمبر: ۵۳۸۶، بَاب لُبْسِ الْحَرِيرِ وَافْتِرَاشِهِ لِلرِّجَالِ وَقَدْرِ مَا يَجُوزُ مِنْهُ، صحیح مسلم ج:۱۰، ص: ۴۲۲، حدیث نمبر: ۳۸۶۶، بَاب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى........)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دُنیا میں ریشم کا کپڑا پہنے گا، وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ“ جو دُنیا میں ریشم کا کپڑا پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنّت میں ہی نہیں جائے گا، جنّت میں ریشم پہنایا جائے گا، تو اس شخص کا ریشم سے محروم ہونا جنّت سے محروم ہونا ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر جنّت میں چلا جائے تب بھی اس کو ریشم نہیں ملے گا، واللہ اعلم بالصواب!

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مردوں کے لئے ریشم پہننا گناہِ کبیرہ ہے، البتہ عورتوں کے لئے حلال ہے۔ سونا اور ریشم یہ دونوں چیزیں عورتوں کے لئے حلال ہیں اور مردوں کے لئے ان کا استعمال حرام ہے، عورتوں کے لئے حلال ہیں اس لئے کہ یہ کمزور ہیں، اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ صبر نہیں کرسکیں گی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عورتوں کے لئے بھی حوصلہ شکنی فرمائی ہے، افضل اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں بھی نہ پہنیں۔

لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

[حدیث: ۱۰۰۲] ”عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ....، إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلَاءَ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۵۰۰، حدیث نمبر: ۳۳۹۲، بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا......)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم یہ کام یعنی چادر کا ڈھیلا چھوڑنا بطور تکبر نہیں کرتے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنے تہبند، چادر، لنگی کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا وہ دوزخ میں جائے گا لیکن فرمایا کہ جو شخص کہ ازراہِ تکبر اپنی لنگی کو لٹکائے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: یا رسول اللہ! میری لنگی کمر پر ٹھہرتی نہیں جب تک کہ میں اس کی

نگہداشت نہ کروں، کمر پتلی تھی لنگی ٹھہرتی نہیں تھی، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا آپ یہ کام تکبر کی بناء پر نہیں کرتے، تو اگر کوئی شخص اپنی لنگی یا پاجامہ، زیر جامہ یا جو جامہ بھی ہو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اس کو فخر کی چیز سمجھتے ہوئے۔

ہمارے چوہدریوں کے یہاں یہ بڑائی کا معیار ہے کہ اس کی چادر کتنی جھاڑو دیتی ہے، پیچھے کم سے کم ایک ہاتھ لمبی ہونی چاہئے، ٹخنوں سے نیچے جب وہ چلے تو جھاڑو دیتی جائے، یہ بڑا چوہدری ہونے کی علامت ہے، اور اب بھی میں نے دیکھا کہ لوگ شلواریں سلواتے ہیں ان کے پائنچے ایڑھیوں کے نیچے ہوتے ہیں اور اس کو وہ فخر کی چیز سمجھتے ہیں، ٹخنوں سے اوپر پاجامے کا ہونا ان کے نزدیک عار کی چیز ہے، کراہت اور حقارت کی چیز ہے، تو حدیث: ”مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ خُيَلَاءَ فَهُوَ فِي النَّارِ“ (مسند احمد بن حنبل ۳۱/۱۰۲، ۱۵۰۵۲، کذا فی البخاری ۸۲/۱۸، ۵۳۳۷، کنز العمال ۵۳۰/۳، ۷۷۵۹) وہ اس کا مصداق ہیں، اور اس کو علماء نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، کیونکہ وہ تمام ایسے گناہ جن پر رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں یا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لعنت فرمائی ہو یا دوزخ کی دھمکی دی ہو یا عذاب کی دھمکی دی ہو، یا ان کے لئے کوئی سزا مقرر کی ہو یہ تمام کے تمام گناہ گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں، تو جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے زیر جامے کو یا لنگی ہو یا پاجامہ ہو یا شلوار ہو، اس کو ٹخنوں سے نیچے کھینچے گا وہ دوزخ میں ہے، تو یہ گنا کبیرہ ہوا اور منشا فخر اور کبر ہے کہ ٹخنوں سے اوپر رکھنا عار اور ذلت کی چیز سمجھتا ہے، اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کہ اس پر اتراتا ہو لیکن بے قصد پاجامہ نیچے چلا جاتا ہے تو یہ گناہ کبیرہ تو نہیں لیکن مکروہ ہے، اللہ اور اس کے رسول کی نظروں میں ناپسندیدہ ہے، اور اگر کسی کا پاجامہ زبردستی ڈھلک جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو یہ شخص معذور ہے اس کا کوئی گناہ نہیں، پھر دوبارہ ٹھیک کرلے۔

ریشمی کپڑے کا حکم

[حدیث: ۱۰۰۳] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ......، إِنِّي لَمْ أَبْعَثْ بِهَا إِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا وَإِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا إِلَيْكَ لِتَنْتَفِعَ بِثَمَنِهَا۔“ (صحیح مسلم، ج: ۱۰، ص: ۴۲۱، حدیث نمبر: ۳۸۶۵، بَاب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى......، صحیح بخاری، ج: ۷، ص: ۲۹۲، حدیث نمبر: ۱۹۶۲، بَاب التِّجَارَةِ فِيمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے یہ تیرے پاس اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو اس کو پہنے، میں نے اس لئے تیرے پاس

بھیجا تھا کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے نفع اُٹھائے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے تھے، ان میں سے ایک ریشمی کرتا تھا، وہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور فرمانے لگے کہ: یا رسول اللہ! میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ ریشم کے پہننے سے منع فرماتے ہیں، یہ آپ نے کرتا مجھے عنایت فرما دیا، فرمایا: میں نے تیرے پاس اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو پہنے، میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت کو کام میں لائے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے ایک ریشمی کپڑا ان کے پاس بھیج دیا کہ حضور ﷺ کا عطیہ ہے، پہن کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ناراض ہوئے کہ یہ کیوں پہنا؟ انہوں نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! آپ ہی نے تو بھیجا ہے، فرمایا: میں نے اس لئے تھوڑی بھیجا کہ تو خود پہنے، میں نے تو اس لئے بھیجا تھا کہ تو اس کو پھاڑ کر عورتوں کا دوپٹہ بنا دے (کذا فی الادب المفرد للبخاری، والسنن الکبریٰ للبیہقی)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک مشرک عزیز تھا مکہ مکرّمہ میں، میں نے اس کو بھجوا دیا، عورتوں کو بھی نہیں دیا، ریشم کا پہننا عورتوں کے لئے حلال ہے، مردوں کے حلال نہیں۔ مگر اس سے مراد خالص ریشم ہے جو کیڑے سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ جو مصنوعی ریشم کا دھاگہ بنایا ہوا ہے اس کو لوگ ریشم کہہ دیتے ہیں مگر یہ ریشم نہیں ہے، اس کا پہننا جائز ہے۔

ریشم کا حکم

[حدیث:۱۰۰۴] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ....، إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ (الْحَرِيْرَ) مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ۔" (صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۴۰۷، حدیث نمبر: ۳۸۵۱، باب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى.......)

ترجمہ: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ریشمی کپڑا تو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

تشریح: اس حدیث میں ریشم کے بارے میں ذکر فرمایا، بازار میں ایک جبہ ریشمی بکنے کے لئے آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بہت پسند آیا، میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ اس کو خرید لیں عید اور جمعہ کے لئے یا کبھی کوئی وفد ملنے آئے اس موقع پر حضور اس کو پہن لیا کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: وہ تو ریشم کا ہے اور ریشم کا لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ تو مرد کے لئے ریشم کا لباس

پہننا جائز نہیں۔

ریشم اور سونا دونوں مردوں کے لئے حرام ہے اور عورتوں کے لئے حلال کر دیا گیا ہے، کیونکہ زیب وزینت کرنا عورتوں کی فطرت میں داخل ہے، یہ اس میں کسی حد تک معذور ہیں، زیب وزینت کے بغیر ان کا گزارہ نہیں ہوسکتا، تو شریعت نے ریشم اور سونا پہننے کی ان کو اجازت دے دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا جو اللہ کی رضا کے لئے اس کو دنیا میں نہیں پہنے گی اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں پہنائیں گے، عورتوں کو بھی رخصت اور اجازت دی ہے ان کو ترغیب نہیں دی پہننے کی۔

مشکوٰۃ شریف میں قصہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر سے تشریف لائے، عادت مبارکہ یہ تھی کہ سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے، اور جب جاتے تھے تو سب سے آخر میں ان سے مل کر جاتے تھے، معمول کے مطابق آنحضرت ﷺ ان سے ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ انہوں نے منقش پردہ لٹکایا ہوا ہے گھر کے دروازے پر، اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ ملے نہیں بلکہ وہیں سے واپس تشریف لے آئے، وہ بھی آخر آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی تھیں، سمجھ گئیں کہ آنحضرت ﷺ کیوں ناراض ہوئے ہیں، وہ پردہ اُتار دیا اور حسنین کے کنگن بھی اُتار دیئے، اب ان دونوں نے ہاتھ میں کنگن پکڑے ہوئے اور دونوں نانا جان کے پاس پہنچ گئے، امی جی کی شکایت لگائی کہ ہمارے کنگن اُتار دیئے، آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آئے اور ارشاد فرمایا: بلال! فلاں بڑھئی کے پاس ایک خاص قسم کی لکڑی ہوتی ہے، حسنین اور فاطمہ کے لئے اس لکڑی کے کنگن بنا کر لاؤ، میں نہیں چاہتا کہ محمد ﷺ کے گھر کے لوگ اپنی ساری چیزیں دنیا ہی میں برت کر چلے جائیں۔

یہ آنحضرت ﷺ کے گھر کا نقشہ تھا، امہات المؤمنین کے پاس کچھ نہیں تھا، یہ نہیں تھا بلکہ مزاج ایسا بنا دیا تھا اور عورتوں کو شوہر پر کچھ تھوڑا سا نخرہ بھی ہوتا ہے اور کچھ تھوڑا سا دباؤ بھی ہوتا ہے، بعض چیزیں زور زبردستی سے بھی منوا لیتی ہیں۔

ایک دانا کا قول ہے کہ عورت یا ناراض ہو کر منوا لیتی ہے یا پھر ہنس کر منوا لیتی ہے، اس کا رونا اور ہنسنا دونوں ادائیں بس خدا کی پناہ! کچھ ہنس کے منوا لیتی ہیں یا رو کے منوا لیتی ہیں لیکن یہاں یہ پتّا بھی اللہ تعالیٰ نے کاٹ دیا تھا، اُمہات المومنین سے سے کہہ دیا تھا کہ اگر تمہیں دنیا کی زیب وزینت چاہئے تو آؤ تمہیں کچھ دے کر رُخصت کر دیں، اور اگر تمہیں صرف اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور آخرت کا گھر چاہئے دنیا کا کوئی ایک مطالبہ بھی تمہارا نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

یہ تمام کی تمام ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کے پاس اس شرط سے تھیں کہ ایک سوئی کا مطالبہ بھی نہیں کریں گی اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائیں گی کہ آج گھر میں کچھ نہیں، اس شرط پر انہوں نے رہنا

پسند کیا اور پھر اس کا صلہ کہ آنحضرت ﷺ کو حکم فرمایا کہ اب آپ کے لئے ان عورتوں کے علاوہ دوسری بیوی بدلنا جائز نہیں ہے: ﴿وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ تمام مردوں کو اختیار ہے کہ جب چاہے بیوی کو طلاق دیدے اس کی جگہ دوسری لے آئے، اللہ نے کسی مرد کا یہ حق سلب نہیں کیا، لیکن حضور اقدس ﷺ پر پابندی عائد کر دی کہ اب آپ کو اجازت نہیں کہ ان بیویوں کی جگہ دوسری بیوی لے کر آئیں، ہاں! اور باندیاں کرنا چاہیں کر لیں، اس کی پابندی نہیں لیکن ان کو بدلنا جائز نہیں۔ سورۃ احزاب کی آیت ہے:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ (الاحزاب:۵۲)

ترجمہ: ”حلال نہیں آپ کے لئے بیویاں اس کے بعد اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے میں دوسری بیویاں لائیں، اگرچہ آپ کو بھاتا ہو ان کا حسن، ہاں! اپنی باندیاں اس کی اجازت ہے۔“

لیکن حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بعد میں اجازت عطا فرمادی تھی مگر اور کوئی بیوی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا احترام رکھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اجازت عطا فرمادی تھی، اور یہ پابندی باقی رہی کہ آپ ﷺ ان کی جگہ اور بیویاں بدل نہیں سکتے، اب ایسی بیویاں کہاں سے لاتے کہ جن کا ایک سوئی ایک دھاگے کا بھی مطالبہ نہیں، اور یہ بھی اجازت دی گئی تھی کہ آپ ان میں سے جس کو چاہیں قریب کر لیں اور جس کو چاہیں دور کریں:

﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ﴾ (الاحزاب:۵۱)

ترجمہ: ”اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا اس کو دوبارہ قریب کرنا چاہیں تو آپ پر یہ بھی کوئی حرج نہیں یہ بات ہم نے اس لئے کہی کہ یہ بات زیادہ قریب ہے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے اور ان کو غم نہ ہو، اور وہ سب کی سب اس پر راضی ہوجائیں جو آپ ان کو عطا کریں۔“

یعنی شوہر کے ذمے بیوی کے جو حقوق معاشرت ہوتے ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے ذمے نہیں، حسن معاشرت بیوی کے حقوق ادا کرنا شوہر کے ذمے ہوتا ہے، نان و نفقہ شوہر کے ذمے ہوتا ہے، آپ ﷺ کے ذمے کچھ بھی نہیں، آپ ﷺ ساری عمر کسی سے بات نہ کریں آپ ﷺ کے ذمے کوئی گناہ نہیں، اور ایک کو آپ ﷺ چھوڑ دیں اور پھر اس کو بلالیں آپ کے ذمے کوئی الزام نہیں، اور یہ اس لئے فرمایا تھا کہ ان ازواج

مطہرات کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا استحقاق کچھ بھی نہیں، جو کچھ آپ ﷺ عطا فرمائیں اس پر وہ راضی رہیں۔ جب آدمی کو یہ معلوم ہو کہ میرا کوئی حق نہیں تو اس کو جو ملے گا وہ اس پر راضی رہے گا، اور جو یہ سمجھے گا کہ میرا حق ہے اور دیا نہیں جارہا وہ ہمیشہ ناراض رہے گا کہ میرا حق پورا ادا نہیں ہوا، میرا اتنا حق تھا اس میں اتنی کمی رہ گئی، یہ بھی عجیب نکتہ ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی شرافت اور آپ ﷺ کے مکارمِ اخلاق یہ تھے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی بیوی کا حق ادا نہ فرمایا ہو، البتہ تھوڑے سے عرصے کے لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو گئے تھے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سواری کمزور ہو گئی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس زائد اُونٹ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: صفیہ کو دے دو! انہوں نے کہا: میں آپ کی یہودیہ کو دوں؟ یہ خیبر کے رئیس کی بیٹی تھیں، آنحضرت ﷺ یہ سن کر ناراض ہو گئے، پورا ذی الحجہ، محرم، صفر آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا صرف اتنی بات سن کر لیکن وصال سے چند دن پہلے آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے، زبان سے کوئی لفظ نہیں فرمایا، کوئی سخت کلمہ ذکر نہیں فرمایا، بس تشریف لے جانا تھی، فرماتی ہیں: میں نے اوٹ میں سے مرد کا سایہ پڑتے ہوئے دیکھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا، یہ مسند احمد کی روایت ہے اور صحیح حدیث ہے۔ فرماتی ہیں: میں نے ایک مرد کا سایہ پڑتے دیکھا، میں نے کہا کہ: یا اللہ! رسول اللہ ﷺ تو میرے پاس تشریف نہیں لاتے، دن کا وقت تھا اور دوسرا کون آدمی میرے گھر آ سکتا ہے؟ اتنے میں آنحضرت ﷺ کا جمال جہاں آرا نظر آیا تو میں اُٹھنے لگی، چارپائی کھڑی تھی، آنحضرت ﷺ نے خود چارپائی بچھائی، اس پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے گھر والوں سے صلح کر لی۔

ریشم پہننا منع ہے

[حدیث:۱۰۰۵] ”فَإِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ......، لَا تَلْبَسُوْا الْحَرِيْرَ فَإِنَّهُ مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ۔“ (صحیح مسلم ج:۱۰، ص: ۴۱۲، حدیث نمبر: ۳۸۵۶، بَاب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى......، صحیح بخاری ج:۱۸، ص: ۱۵۵، حدیث نمبر: ۵۳۸۶، بَاب لُبْسِ الْحَرِيرِ وَافْتِرَاشِهِ لِلرِّجَالِ وَقَدْرِ مَا يَجُوزُ مِنْهُ)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ریشم نہ پہنا کرو، کیونکہ جو شخص دُنیا میں ریشم پہنے گا اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں نہیں دیں گے، وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: ریشم نہ پہنا کرو، جو شخص دُنیا میں ریشم پہنے گا اس کو آخرت میں نہیں پہنائیں گے، آخرت میں نہیں دیں گے، اور جو شخص جنّت میں جائے گا اس کو تو ملے گا ہی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو جنّت میں ہی نہیں جانے دیں گے، کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جنّت میں جائے اور ریشم پہننے کو نہ ملے، ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ﴾ (فصلت:۳۱) تمہارے لئے ہیں وہ تمام چیزیں جن کو تمہارے جی چاہیں جنّت میں۔ یہ تو جنّت کا مسئلہ ہے، تو جن کے بارے میں فرمایا کہ ان کو آخرت میں نہیں ملے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آخرت میں جانے نہیں دیا جائے گا۔ ریشم اور سونا مردوں کے لئے حرام ہے، اور جو وجود کہ ریشم اور سونا پہنتا ہو وہ جنّت کے بجائے دوزخ کا زیادہ مستحق ہے۔

ریشم اور دیباہ

[حدیث:۱۰۰۶] ”كَانُوا عِنْدَ حُذَيْفَةَ........لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَلَا الدِّيبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ۔“ (صحیح بخاری ج:۱۷، ص:۴۶، حدیث نمبر:۵۰۰۶، بَاب الْأَكْلِ فِي إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ، صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۴۰۶، حدیث نمبر:۳۸۵۰، بَاب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى.......)

ترجمہ: ”حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہ ریشم پہنو اور نہ دیباہ پہنو، نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، اس لئے کہ یہ چیزیں ان کافروں کے لئے ہیں دُنیا میں اور ہمارے لئے ہیں آخرت میں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا: ریشم نہ پہنو اور دیباہ نہ پہنو، دیباہ کہتے ہیں منقش ریشم کو، اور ریشم ہی کی پھر آگے مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں، کمخواب، تافتہ، دریائی، اطلس، گلبدین، رعنا، زیبا، یہ سارے مختلف قسم کے ریشمی کپڑوں کے نام ہیں، ان میں سے کوئی بھی مردوں کے لئے حلال نہیں۔ پرانے زمانے میں دو گھوڑے کی بوسکی کہلاتی تھی، خالص ریشم ہوتا تھا، اس کا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں، البتہ یہ جو مصنوعی ریشم تیار ہوا ہے ٹیرون کا اس کو بھی لوگ ریشمی کپڑا کہہ دیتے ہیں، یہ ریشمی نہیں ہے اس کا پہننا جائز ہے، ریشم سے مراد وہ ریشم ہے جو کیڑے سے نکلتا ہے، تو ریشم اور سونا پہننا جائز نہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ریشم اور دیباہ نہ پہنا کرو، سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو، سونے اور چاندی کی رکابیوں میں کھانا نہ کھاؤ، اس لئے کہ یہ چیزیں ان کے لئے ہیں دُنیا میں اور ہمارے لئے ہیں آخرت میں، ان کے لئے یعنی کافروں کے لئے کہ یہی ان کی جنّت ہے اور ہمارے لئے یعنی مسلمانوں

کے لئے جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کو مانتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سونے اور چاندی کے زیور پہننا بھی جائز نہیں البتہ عورتوں کے لئے جائز ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال بھی جائز نہیں۔ جس چیز کو بطور برتن کے استعمال کیا جائے وہ مردوں کے لئے بھی جائز نہیں اور عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں، یہ عجیب بات ہے کہ سونے کا پہننا تو عورتوں کے لئے جائز ہے لیکن اس کا استعمال عورتوں کے لئے جائز نہیں۔ مثال کے طور پر عطردان سونے یا چاندی کا بنالیا جائے، جائز نہیں۔ آنکھوں میں لگائی جانے والی سلائی سونے چاندی کی جائز نہیں اور اسی طرح دوسرے جتنے استعمال کے برتن ہو سکتے ہیں یہ جائز نہیں۔

لوگ تعویذ لیتے ہیں اور اس کے بعد اس کو چاندی کے برتن میں بند کروا لیتے ہیں، حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی صاحب قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے کہ چاندی کا تعویذ پہننا لڑکی کے لئے جائز ہے، لڑکے کے لئے جائز نہیں۔ نابالغ لڑکے کو چاندی کا تعویذ پہنانا جائز نہیں۔ اور جب تم نے اس کے اندر تعویذ بند کر دیا تو وہ برتن بن گیا اب تم اس کا استعمال بطور برتن کر رہے ہو بطور زیور نہیں کر رہے، البتہ اب لڑکی کو پہنانا بھی جائز نہیں، سونے اور چاندی کے تعویذ میں جس میں ورق ڈالا گیا ہو، تعویذ لکھ کر ڈالا گیا ہو اس کا استعمال لڑکی کے لئے بھی حرام۔

ستر اور پردے کے اَحکام

عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے

[حدیث:۱۰۰۷] ''عَنْ جَابِرٍ....، إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ....۔'' (صحیح مسلم ج:۷، ص:۱۸۰، حدیث نمبر: ۲۴۹۱، بَاب نَدْبِ مَنْ رَأَى امْرَأَةً فَوَقَعَتْ فِي نَفْسِهِ إِلَى أَنْ يَأْتِيَ........)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک عورت سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور سامنے سے پھرتی ہے تو شیطان کی صورت میں پھرتی ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ عورت جب آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے، جاتی ہے تو شیطان کی صورت میں جاتی ہے، مراد اس سے ہے شیطان کا بُرائی کی طرف رغبت دلانا، نامحرَم عورتوں کو دیکھے گا تو دل میں بُرائی آئے گی، خواہ مخواہ دیکھنے کی رغبت پیدا ہوگی اور یہ شیطان کا فعل ہے، تو اس میں عورت کا تو کوئی قصور نہیں ہے مگر اس کی طرف لوگوں کی نظریں اُٹھوانا یہ شیطان کا فعل ہے، چونکہ یہ اس کا ذریعہ بنی اس لئے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو ''اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ'' (مجمع الزوائد ۱/ ۲۵۲، ۲۵۳) تو شیطان اس کی تاک جھانک کرتا ہے، یعنی تاڑ تاڑ کر دیکھتا ہے اس کو، اور لوگوں کی نظریں اس کی طرف اُٹھواتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، ان کے شیخ تھے مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ، امروٹ شریف کے، وہاں ایک خادمہ تھی بڈھی خدمت کیا کرتی تھی، کوئی مہمان آتے وہاں کھانا وغیرہ پکادیا کرتی، ایک دفعہ وہ حضرت سے چھٹی لے کر اپنے عزیزوں کے یہاں ملنے گئی، جب وہ واپس آئی تو سر پر لال دوپٹہ لیا ہوا تھا، حضرت کی نظر جو دوپٹے پر پڑی تو فرمایا: اس کو نکال دو خانقاہ سے، پتا نہیں اس نے کتنوں کے ایمان خراب کئے ہوں گے راستے میں، اس لئے کہ لوگ تو دوپٹے کو ہی دیکھیں گے۔

اندر سے بے چاری نانی اماں ہوگی، اُوپر سے لیا ہوا ہے بھڑکیلا کپڑا، لوگوں کا ایمان خراب کرنے

کے لئے، اب تو عورتوں کو بالکل معلوم نہیں کیا ہوگیا ہے؟ ان کے بارے میں تو کچھ گفتگو کرنا ہی فضول ہے، اتنی عریانی، اتنی بے پردگی، میری عقل میں نہیں آتا کہ عورت کا عورت پنا کہاں چلا گیا؟ اس کی نسوانیت کہاں چلی گئی؟ غالباً امیر المؤمنین علی کرّم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ: چند چیزیں چند لوگوں سے زیادہ قبیح ہیں، ان میں سے ایک فرمایا کہ: اگر چہ بے حیائی، حیا کے خلاف کرنا ہر ایک سے بُرا ہے، لیکن عورت سے بہت ہی بُرا ہے، اس لئے کہ حیا اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں رکھی ہے، اب یہ ننگے سر اور ننگے منہ پھر رہی ہیں بازاروں میں، میں اس بات کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ ان کی حیا کو کون چر گیا ہے؟ اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مزاحیہ انداز میں فرمایا:

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں
اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا کہ آپ کا جو پردہ تھا، کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا!

تم تو پردہ کر کے نکلا کرتی تھیں، تمہارا پردہ کہاں چلا گیا؟ کہنے لگیں: مردوں کی عقلوں پر پڑ گیا۔ پہلے عورت کے چہرے پر پردہ ہوتا تھا، اب مردوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ بہت شدید گناہ ہے عورت کا بے پردہ اور بلا ضرورت باہر نکلنا، شرم وحیا عورت کا لازمی حصہ ہے، شرم وحیا نہ رہے تو عورت کی قیمت دو کوڑی کی نہیں ہے۔

خواتین کا گھر سے باہر نکلنا:

عورتوں کے لئے اصل حکم تو یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر قدم نہ رکھیں، چنانچہ سورۂ الاحزاب کی آیت: ۳۳ میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حکم ہے: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو، (مراد اس سے یہ ہے کہ محض کپڑا اوڑھ لپیٹ کر پردہ کر لینے پر کفایت مت کرو، بلکہ پردہ اس طریقے سے کرو کہ بدن مع لباس نظر نہ آوے، جیسا آج کل شرفا میں پردے کا طریقہ متعارف ہے کہ عورتیں گھروں ہی سے نہیں نکلتیں، البتہ مواقع ضرورت دوسری دلیل سے مستثنیٰ ہیں) اور (اسی حکم کی تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو (جس میں بے پردگی رائج تھی، گو بلا فحش ہی کیوں نہ ہو، اور قدیم جاہلیت سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اِسلام سے پہلے تھی، اور اس کے مقابلے میں ایک مابعد کی جاہلیت ہے کہ بعد تعلیم وتبلیغ اَحکامِ اسلام کے ان پر عمل نہ کیا جائے، پس جو تبرّج بعد اِسلام ہوگا وہ جاہلیتِ اُخریٰ ہے) (تفسیر بیان القرآن از حکیم الاُمّت رحمۃ اللہ علیہ)۔

اس پر شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ حکم تو صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''اَحکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''اس آیتِ کریمہ میں پانچ حکم دیئے گئے ہیں:

۱:......اجنبی لوگوں سے نزاکت کے ساتھ بات نہ کرنا۔

۲:......گھروں میں جم کر بیٹھنا۔

۳:......نماز کی پابندی کرنا۔

۴:......زکوٰۃ ادا کرنا۔

۵:......اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام اَحکام عام ہیں، صرف اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں، چنانچہ تمام اَئمۂ مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ اَحکام سب مسلمان خواتین کے لئے ہیں۔ حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: یہ چند آداب ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حکم فرمایا ہے، اور اہلِ ایمان عورتیں ان اَحکام میں اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے تابع ہیں۔'' (اَحکام القرآن، حزب خامس، ص:۲۰۰)

البتہ ضرورت کے موقعوں پر عورتوں کو چند شرائط کی پابندی کے ساتھ گھر سے نکلنے کی اجازت ہے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''اَحکام القرآن'' میں اس سلسلے کی آیات و احادیث کو تفصیل سے لکھنے کے بعد ان شرائط کا خلاصہ حسبِ ذیل نقل کیا ہے:

''۱:...... نکلتے وقت خوشبو نہ لگائیں، اور زینت کا لباس نہ پہنیں، بلکہ میلے کچیلے کپڑوں میں نکلیں۔

۲:......ایسا زیور پہن کر نہ نکلیں جس میں آواز ہو۔

۳:......زمین پر اس طرح پاؤں نہ ماریں کہ ان کے خفیہ زیورات کی آواز کسی کے کان میں پڑے۔

۴:......اپنی چال میں اِترانے اور مٹکنے کا انداز اختیار نہ کریں، جو کسی کے لئے کشش کا باعث ہو۔

۵:......راستے کے درمیان میں نہ چلیں، بلکہ کناروں پر چلیں۔

۶:...... نکلتے وقت بڑی چادر (جلباب) اوڑھ لیں، جس سے سر سے پاؤں تک پورا بدن ڈھک جائے، صرف ایک آنکھ کھلی رہے۔

۷:......اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلیں۔

۸:......اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر کسی سے بات نہ کریں۔

۹:......کسی اجنبی سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ان کے لب و لہجے میں نرمی اور نزاکت نہیں ہونی چاہئے، جس سے ایسے شخص کو طمع ہو جس کے دل میں شہوت کا مرض ہے۔

۱۰:......اپنی نظریں پست رکھیں، حتّی الوسع نامحرَم پر ان کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔

۱۱:......مردوں کے مجمع میں نہ گھسیں۔''

اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ پارلیمنٹ وغیرہ کی رکنیت قبول کرنا اور مردانہ مجمعوں میں تقریر کرنا، عورتوں کی نسوانیت کے خلاف ہے، کیونکہ ان صورتوں میں اسلامی ستر وحجاب کا ملحوظ رکھنا ممکن نہیں۔

کیا پردہ صرف شرم وحیا کا نام ہے؟

[حدیث:۱۰۰۸] ”عن بریدة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لِعليٍّ: يَا عليّ! لَا تُتبِعُ النَّظْرَةَ النَّظْرَةِ فإِنَّ لَکَ الْأُولٰی وَلَيْسَتْ لَکَ الْآخِرَةُ۔“

(مشکوٰة ص:۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة)

ترجمہ: ''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! اچانک نظر کے بعد دوبارہ نظر مت کرو، پہلی تو (بے اختیار ہونے کی وجہ سے) تمہیں معاف ہے، مگر دُوسری کا گناہ ہوگا۔''

تشریح: اکثر حضرات کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ''شرم وحیا کا نام پردہ ہے'' مگر ان کا یہ فقرہ نامکمل اور ادھورا ہے۔ انہیں اس کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہئے کہ: ''شرم وحیا کی شکلیں متعین کرنے کے لئے ہم عقلِ سلیم اور وحیِ آسمانی کے محتاج ہیں۔''

یہ تو ظاہر ہے کہ شرم وحیا ایک اندرونی کیفیت ہے، اس کا ظہور کسی نہ کسی قالب اور شکل میں ہوگا، اگر وہ قالب عقل وفطرت کے مطابق ہے تو شرم وحیا کا مظاہرہ بھی صحیح ہوگا، اور اگر اس قالب کو عقلِ صحیح اور فطرتِ سلیمہ قبول نہیں کرتی تو شرم وحیا کا دعویٰ اس پاکیزہ صفت سے مذاق تصوّر ہوگا۔

فرض کیجئے! کوئی صاحب بقائمی ہوش وحواس قیدِ لباس سے آزاد ہوں، بدن کے سارے کپڑے اُتار پھینکیں اور لباسِ عریانی زیبِ تن فرماکر ''شرم وحیا'' کا مظاہرہ کریں تو غالباً کوئی بھی ان صاحب کے دعویٔ شرم وحیا کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوگا، بلکہ اسے شرم وحیا کے ایسے مظاہرے کا مشورہ دے گا جو عقل و

فطرت سے ہم آہنگ ہو۔

سوال یہ ہے کہ عقل وفطرت کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ اور یہ فیصلہ کس طرح ہو کہ شرم وحیا کا فلاں مظاہرہ عقل وفطرت کے مطابق ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں کسی اور قوم کو پریشانی ہو، تو ہو، مگر اہلِ اسلام کو کوئی اُلجھن نہیں۔ ان کے پاس خالقِ فطرت کے عطا کردہ اُصولِ زندگی اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں، جو اُس نے عقل وفطرت کے تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر وضع فرمائے ہیں۔ انہی اُصولِ زندگی کا نام ''اسلام'' ہے۔ پس خدا تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم وحیا کے جو مظاہرے تجویز کئے ہیں وہ فطرت کی آواز ہیں، اور عقلِ سلیم ان کی حکمت وگہرائی پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے۔ آیئے! ذرا دیکھیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ میں اس سلسلے میں کیا ہدایات دی گئی ہیں۔

۱:...... صنفِ نازک کی وضع وساخت ہی فطرت نے ایسی بنائی ہے کہ اسے سراپا ستر کہنا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ خالقِ فطرت نے بلاضرورت اس کے گھر سے نکلنے کو برداشت نہیں کیا، تاکہ گوہرِ آب دار، ناپاک نظروں کی ہوس سے گرد آلود نہ ہوجائے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾ (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ:''اور ٹکی رہو اپنے گھروں میں اور مت نکلو پہلی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر۔''

''پہلی جاہلیت'' سے مراد قبل از اِسلام کا دور ہے، جس میں عورتیں بے حجابانہ بازاروں میں اپنی نسوانیت کی نمائش کیا کرتی تھیں۔ ''پہلی جاہلیت'' کے لفظ سے گویا پیش گوئی کردی گئی کہ انسانیت پر ایک ''دُوسری جاہلیت'' کا دور بھی آنے والا ہے جس میں عورتیں اپنی فطری خصوصیات کے تقاضوں کو ''جاہلیتِ جدیدہ'' کے سیلاب کی نذر کردیں گی۔

قرآن کی طرح صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صنفِ نازک کو سراپا ستر قرار دے کر بلاضرورت اس کے باہر نکلنے کو ناجائز فرمایا ہے:

''وعنه (ای عن ابن مسعود رضی الله عنه) عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ۔''

(رواه الترمذی، مشکوٰة ص:۲۶۹)

ترجمہ:''حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سراپا ستر ہے، پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک کرتا ہے۔''

۲:...... اور اگر ضروری حوائج کے لئے اسے گھر سے باہر قدم رکھنا پڑے تو اسے حکم دیا گیا کہ وہ ایسی

بڑی چادر اوڑھ کر باہر نکلے جس سے پورا بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جائے، سورۂ احزاب آیت: ۵۹ میں ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ﴾

ترجمہ: ”اے نبی! اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (جب باہر نکلیں تو) اپنے اُوپر بڑی چادریں جھکالیا کریں۔“

مطلب یہ کہ ان کو بڑی چادر میں لپٹ کر نکلنا چاہئے، اور چہرے پر چادر کا گھونگھٹ ہونا چاہئے۔ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں خواتینِ اسلام کا یہی معمول تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ: ”خواتین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز کے لئے مسجد آتی تھیں تو اپنی چادروں میں اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔“

مسجد میں حاضری، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کی ان کو ممانعت نہیں تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بھی یہ تلقین فرماتے تھے کہ ان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ان کے لئے بہتر ہے (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص:۹۶)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دِقّتِ نظر اور خواتین کی عزّت وحرمت کا اندازہ کیجئے کہ مسجدِ نبوی، جس میں ادا کی گئی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کے لئے اس کے بجائے اپنے گھر پر نماز پڑھنے کو افضل اور بہتر فرماتے ہیں۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں جو نماز ادا کی جائے، اس کا مقابلہ تو شاید پوری اُمت کی نمازیں بھی نہ کرسکیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اقتدا میں نماز پڑھنے کے بجائے عورتوں کے لئے اپنے گھر پر تنہا نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے شرم وحیا اور عفت وعظمت کا وہ بلند ترین مقام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اِسلام کو عطا کیا تھا اور جو بدقسمتی سے تہذیبِ جدید کے بازار میں آج ٹکے سیر بک رہا ہے۔

مسجد اور گھر کے درمیان تو پھر بھی فاصلہ ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے قانونِ ستر کا یہاں تک لحاظ کیا ہے کہ عورت کے اپنے مکان کے حصوں کو تقسیم کرکے فرمایا کہ: فلاں حصے میں اس کا نماز پڑھنا فلاں حصے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عن عبدالله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: صلٰوة المرأة فى بيتها افضل من صلٰوتها فى حجرتها، وصلٰوتها فى مخدعها افضل من صلٰوتها فى بيتها۔“ (ابوداؤد ج:۱ ص:۸۴)

ترجمہ: ''عورت کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو اپنے گھر کی چاردیواری میں ادا کرے، اور اس کا اپنے مکان کے کمرے میں نماز ادا کرنا اپنے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور پچھلے کمرے میں نماز پڑھنا آگے کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔''

بہرحال ارشادِ نبوی یہ ہے کہ عورت حتّی الوسع گھر سے باہر نہ جائے، اور اگر جانا پڑے تو بڑی چادر میں اس طرح لپٹ کر جائے کہ پہچانی تک نہ جائے، چونکہ بڑی چادروں کا بار بار سنبھالنا مشکل تھا۔ اس لئے شرفاء کے گھرانوں میں چادر کے بجائے برقع کا رواج ہوا، یہ مقصد ڈھیلے ڈھالے قسم کے دیسی برقع سے حاصل ہوسکتا تھا، مگر شیطان نے اس کو فیشن کی بھٹی میں رنگ کر نسوانی نمائش کا ایک ذریعہ بنا ڈالا۔ میری بہت سی بہنیں ایسے برقعے پہنتی ہیں جن میں ستر سے زیادہ ان کی نمائش نمایاں ہوتی ہے۔

۳:......عورت گھر سے باہر نکلے تو اسے صرف یہی تاکید نہیں کی گئی کہ چادر یا برقع اوڑھ کر نکلے، بلکہ گوہرِ نایاب، شرم وحیا کو محفوظ رکھنے کے لئے مزید ہدایات بھی دی گئیں۔ مثلاً: مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں نیچی اور اپنی عصمت کے پھول کو نظرِ بد کی بادِ سموم سے محفوظ رکھیں، سورۃ النور آیت: ۳۰، ۳۱ میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝۳۰﴾ (النور)

ترجمہ: ''اے نبی! مؤمنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔''

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور:۳۱)

ترجمہ: ''اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، مگر یہ کہ مجبوری سے خود کھل جائے... الخ۔''

ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ عورتیں اس طرح نہ چلیں جس سے ان کی مخفی زینت کا اظہار نامحرَموں کے لئے باعثِ کشش ہو، قرآن کی مندرجہ بالا آیت کے آخر میں فرمایا ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ﴾ (النور:۳۱)

ترجمہ: ''اور اپنا پاؤں اس طرح نہ رکھیں کہ جس سے ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے۔''

ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر اچانک کسی نامحرَم پر نظر پڑ جائے تو اسے فوراً ہٹا لے، اور دوبارہ قصداً دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! اچانک نظر کے بعد دوبارہ نظر مت کرو، پہلی تو (بے اختیار ہونے کی وجہ سے) تمہیں معاف ہے، مگر دُوسری کا گناہ ہوگا'' (مسندِ احمد، دارمی، ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ ص:۲۶۹)۔

بغیر پردہ عورتوں کا سرِ عام گھومنا

[حدیث:۱۰۰۹] ''عن ابی الملیح قال: قدم علٰی عائشة نسوة من أھل حمص فقالت: من این أنتن؟ ...... قالت: فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول لَا تخلع امرأة ثیابها فی غیر بیت زوجها الّا ھتکت الستر بینها وبین ربها۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۸۳، واللفظ لہٗ، ترمذی ص:۱۰۲)

ترجمہ: ''جس عورت نے اپنے گھر کے سوا دُوسری کسی جگہ کپڑے اُتارے اس نے اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان جو پردہ حائل تھا، اسے چاک کردیا۔''

تشریح: آج کل گلی کوچوں میں، بازاروں میں، کالجوں میں اور دفتروں میں بے پردگی کا جو طوفان برپا ہے، اور یہود ونصاریٰ کی تقلید میں ہماری بہو بیٹیاں جس طرح بن ٹھن کر بے حجابانہ گھوم پھر رہی ہیں، قرآنِ کریم نے اس کو ''جاہلیت کا تبرج'' فرمایا ہے، اور یہ انسانی تہذیب، شرافت اور عزّت کے منہ پر زناٹے کا طمانچہ ہے۔

عورت کے سر کا ایک بال بھی ستر ہے، اور نامحرَموں کے سامنے ستر کھولنا شرعاً حرام اور طبعاً بے غیرتی ہے۔

دیور سے بھی پردہ

[حدیث:۱۰۱۰] ''عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ....، إِیَّاکُمْ وَالدُّخُولَ عَلَی النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: یَا رَسُولَ اللہِ! أَفَرَأَیْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔''

(صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۲۵۷، حدیث نمبر: ۴۸۳۱، باب لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا ذُو مَحْرَمٍ وَالدُّخُولُ..)

ترجمہ: ''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کرو، انصار میں سے ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ خاوند کے رشتے داروں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا وہ تو موت ہے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ جو عورت اس کا شوہر یا اس کے خاندان والے موجود نہ ہوں وہ تنہا ہو اس کے پاس نہ جایا کرو، عورت کے پاس جانے سے پرہیز کرو اِلّا یہ کہ اس کا شوہر موجود ہو یا اس کا والد بھائی اور دوسرے محارم اس کے موجود ہوں۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! عورت کے سسرالی رشتے دار جیسے دیور ہے جیٹھ ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو موت ہے یعنی ان سے بے تکلفی بھی ہوتی ہے، گھر میں جبکہ عورت تنہا ہو ان کا گھر میں جانا یہ ہلاک کرنے والی چیز ہے۔

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آداب الطالب'' ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں طالبوں کے لئے ہدایات ہیں یعنی مریدین کے لئے ہدایات ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ نامحرم مردوں سے پردہ کرنا چاہئے عورت کو، اگر مکان چھوٹا ہو اور عورت کو نامحرم مردوں کے سامنے جانا پڑے تو چاہئے کہ پوری بڑی چادر استعمال کرے اور چہرے پر گھونگھٹ بھی ڈالے یعنی پردہ کرے پھر اس صورت میں وہ ان کے پاس جاسکتی ہے، یعنی ضرورت کی چیزوں کے لئے لیکن ہمارے یہاں تو اپنے شوہر سے اتنی بے تکلفی سے بات نہیں کرتیں جیسے اجنبی مردوں سے بات کرتی ہیں۔

اسلام میں داڑھی کا حکم

داڑھی منڈانا یا کترانا (جبکہ ایک مشت سے کم ہو) حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اس سلسلے میں پہلے چند احادیث لکھتا ہوں، اس کے بعد ان کے فوائد ذکر کروں گا۔

[حدیث: ۱۰۱۱] ''عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ۔''

(صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۲۹)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں، مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا... الخ۔''

[حدیث: ۱۰۱۲] ''عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: احفوا الشوارب واعفوا اللّحی۔''

ترجمہ: ''ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔''

[حدیث: ۱۰۱۳] ''وفی روایۃ: انہ أمر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ۔''

(صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۲۹)

ترجمہ: ''اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مونچھوں کو کٹوانے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم فرمایا۔''

[حدیث:۱۰۱۴] **''عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خالفوا المشرکین، أوفروا اللحی واحفوا الشّوارب۔''**

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۳۸۰)

ترجمہ: ''ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔''

[حدیث:۱۰۱۵] **''عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جزّوا الشّوارب وارخوا اللحی، خالفوا المجوس۔''**

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۲۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

[حدیث:۱۰۱۶] **''عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من لم یأخذ من شاربہ فلیس منا۔''**

(رواہ احمد والترمذی والنسائی، مشکوٰۃ ص:۳۸۱)

ترجمہ: ''زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں۔''

[حدیث:۱۰۱۷] **''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال۔''** (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ص:۳۸۰)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں، اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔''

تشریح:

۱:...... پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ مونچھیں کٹانا اور داڑھی بڑھانا انسان کی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے، اور مونچھیں بڑھانا اور داڑھی کٹانا خلافِ فطرت ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ فطرۃ اللہ کو بگاڑتے

ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ شیطان لعین نے خدا تعالیٰ سے کہا تھا کہ میں اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا، اور میں ان کو حکم دُوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑا کریں۔ تفسیر حقانی اور بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ داڑھی منڈانا بھی تخلیقِ خداوندی کو بگاڑنے میں داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردانہ چہرے کو فطرۃً داڑھی کی زینت و وجاہت عطا فرمائی ہے۔ پس جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ اغوائے شیطان کی وجہ سے نہ صرف اپنے چہرے کو بلکہ اپنی فطرت کو مسخ کرتے ہیں۔

چونکہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہی صحیح فطرتِ انسانی کا معیار ہے، اس لئے فطرت سے مراد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ اور ان کی سنّت بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موںچھیں کٹوانا اور داڑھی بڑھانا ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم وبیش) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ سنّت ہے۔ اور یہ وہ مقدس جماعت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے: ''أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ'' (سورۃ الانعام: ۹۰) اس لئے جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں۔ گویا اس حدیث میں تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ داڑھی منڈانا تین گناہوں کا مجموعہ ہے۔ ۱- انسانی فطرت کی خلاف ورزی، ۲- اغوائے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑنا، ۳- اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت۔ پس ان تین وجوہ سے داڑھی منڈوانا حرام ہے۔

۲:...... دُوسری حدیث میں موںچھیں کٹوانے اور داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور حکمِ نبوی کی تعمیل ہر مسلمان پر واجب اور اس کی مخالفت حرام ہے، پس اس وجہ سے بھی داڑھی رکھنا واجب اور اس کا منڈانا حرام ہوا۔

۳:...... تیسری اور چوتھی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ موںچھیں کٹوانا اور داڑھی رکھنا مسلمانوں کا شعار ہے، اس کے برعکس موںچھیں بڑھانا اور داڑھی منڈانا مجوسیوں اور مشرکوں کا شعار ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو مسلمانوں کا شعار اپنانے اور مجوسیوں کے شعار کی مخالفت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسلامی شعار کو چھوڑ کر کسی گمراہ قوم کا شعار اختیار کرنا حرام ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔'' (جامع صغیر ج:۲ ص:۸)

ترجمہ: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہوگا۔''

پس جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ مسلمانوں کا شعار ترک کرکے اہلِ کفر کا شعار اپناتے ہیں، جس کی مخالفت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا، اس لئے ان کو وعیدِ نبوی سے ڈرنا چاہئے کہ ان کا حشر بھی قیامت کے دن انہی غیر قوموں میں نہ ہو۔ نعوذ باللہ!

۴:...... پانچویں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ موںچھیں نہیں کٹواتے وہ ہماری جماعت میں

شامل نہیں، ظاہر ہے کہ یہی حکم داڑھی منڈانے کا ہے، پس یہ ان لوگوں کے لئے بہت ہی سخت وعید ہے جو محض نفسانی خواہش یا شیطانی اغوا کی وجہ سے داڑھی منڈاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان کے لئے اپنی جماعت سے خارج ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں، کیا کوئی مسلمان جس کو رسول اللہ ﷺ سے ذرا بھی تعلق ہے، اس دھمکی کو برداشت کرسکتا ہے۔۔۔؟

اور آنحضرت ﷺ کو داڑھی منڈانے کے گناہ سے اس قدر نفرت تھی کہ جب شاہِ ایران کے قاصد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں:

”فَكَرِهَ النَّظَرَ إِلَيْهِمَا، وَقَالَ: وَيْلَكُمَا! مَنْ أَمَرَكُمَا بِهٰذَا؟ قَالَا: أَمَرَنَا رَبُّنَا - يَعْنِيَانِ كِسْرىٰ - فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلٰكِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي بِإِعْفَاءِ لِحْيَتِي وَقَصِّ شَارِبِي۔“

(البدایہ والنہایہ ج:۴ ص:۲۷۰، حیاۃ الصحابہ ج:۱ ص:۱۱۵)

ترجمہ: ”پس آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر کرنا بھی پسند نہ کیا اور فرمایا: تمہاری ہلاکت ہو! تمہیں یہ شکل بگاڑنے کا کس نے حکم دیا ہے؟ وہ بولے کہ: یہ ہمارے رَبّ یعنی شاہِ ایران کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیکن میرے رَبّ نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم فرمایا ہے۔“

پس جو لوگ آنحضرت ﷺ کے رَبّ کے حکم کی خلاف ورزی کرکے مجوسیوں کے خدا کے حکم کی پیروی کرتے ہیں، ان کو سو بار سوچنا چاہئے کہ وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں کیا منہ دِکھائیں گے؟ اور اگر آنحضرت ﷺ فرمائیں کہ: تم اپنی شکل بگاڑنے کی وجہ سے ہماری جماعت سے خارج ہو، تو شفاعت کی اُمید کس سے رکھیں گے؟

۵:...... اس پانچویں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مونچھیں بڑھانا (اور اسی طرح داڑھی منڈانا اور کترانا) حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی گناہِ کبیرہ پر ہی ایسی وعید فرماسکتے ہیں کہ ایسا کرنے والا ہماری جماعت سے نہیں ہے۔

۶:...... چھٹی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کریں۔ اس حدیث کی شرح میں مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ مرقاۃ لکھتے ہیں کہ: ”لَعَنَ اللهُ“ کا فقرہ، جملہ بطور بددُعا بھی ہوسکتا ہے، یعنی ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو، اور جملہ خبریہ بھی ہوسکتا ہے، یعنی ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں۔

داڑھی منڈانے میں گزشتہ بالا قباحتوں کے علاوہ ایک قباحت عورتوں سے مشابہت کی بھی ہے،

کیونکہ عورتوں اور مردوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے داڑھی کا امتیاز رکھا ہے، پس داڑھی منڈانے والا اس امتیاز کو مٹا کر عورتوں سے مشابہت کرتا ہے، جو خدا اور رسول ﷺ کی لعنت کا موجب ہے۔

ان تمام نصوص کے پیشِ نظر فقہائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ داڑھی بڑھانا واجب ہے، اور یہ اسلام کا شعار ہے، اور اس کا منڈانا یا کترانا (جبکہ حدِ شرعی سے کم ہو) حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے سخت وعیدیں فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فعلِ حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب الآداب

ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت

[حدیث:۱۰۱۸] ”أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ....، لَا تَمْشِ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدٍ وَلَا تَحْتَبِ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ وَلَا تَأْكُلْ بِشِمَالِكَ وَلَا تَشْتَمِلِ الصَّمَّاءَ وَلَا تَضَعْ إِحْدٰى رِجْلَيْكَ عَلَى الْأُخْرٰى إِذَا اسْتَلْقَيْتَ۔“ (صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۴۹۴، حدیث نمبر:۳۹۱۹، بَابٌ فِيْ مَنْعِ الِاسْتِلْقَاءِ عَلَى الظَّهْرِ وَوَضْعِ إِحْدٰى.)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ چلا کر ایک جوتی پہن کر اور ایک تہبند میں زانو اُٹھا کر اکڑوں نہ بیٹھ، اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھا، اور کپڑے کو سارے بدن پر لپیٹ کر نماز نہ پڑھ، اور ایک پاؤں دُوسرے پاؤں پر نہ رکھ جبکہ تو سیدھا چت لیٹے۔“

تشریح: اس حدیث میں چار ہدایات فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ ایک جوتا پہن کر نہ چلو، ایک تو یہ کہ آدمی ویسے ہی برا لگتا ہے، دوسری بات یہ کہ تجربہ کر کے دیکھو آدمی ٹھیک چل نہیں سکتا، عجیب حکیم انسانیت ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، آدمی ٹھیک سے چل ہی نہیں سکتا، ایک جوتا پہنا ہوا ہو اور ایک نہ پہنا ہوا ہو۔ ہاں! کوئی مجبور ہے تو دوسری بات ہے، دوسرے پاؤں میں کوئی تکلیف ہے کہ جوتا نہیں پہن سکتا۔

دُوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ایک چادر پہن کر گوٹ مار کر نہ بیٹھو، گوٹ مار کر بیٹھنا یہ ہوتا ہے جیسے دیہاتی کرتے ہیں کہ گھٹنے کھڑے کر لیئے اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر باندھ لیا سرین پر بیٹھ کر، اس کو گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے نیچے سے ستر کھل جائے اس لئے اس کی ممانعت کر دی اور یہیں سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر اس کا امکان اور احتمال نہ ہو تو اجازت ہے۔

تیسری نصیحت وہدایت اسی کے ساتھ کہ چادر اس طرح نہ لپیٹو کہ آدمی بالکل بندھ جائے، نماز پڑھنے لگا اور چادر کو اس طرح لپیٹ دیا کہ اب گویا یہ قید ہو گیا کہ ہاتھ بھی اپنے نہیں اُٹھا سکتا نہ نکال سکتا ہے اور تم جانتے ہو کہ آدمی کے دونوں ہاتھ اس کے پر ہیں، انہی پر یہ اُڑتا ہے جب ان کو کاٹ دو یا باندھ دو گے تو

پرندہ اُڑے گا کیسے؟ اگر ہاتھ باندھ دیئے جائیں تو آدمی نیچے بیٹھ نہیں سکتا، تجربہ کر کے دیکھو۔

تو جو شخص اس طرح اشتمال صماء کرے گا پوری طرح چادر میں اس طرح لپٹ جائے گا کہ اس کے ہاتھ بھی نہ کھل سکیں اس کے لئے مشکل ہوگی، نماز کیسے پڑھے گا؟ اور آگے سجدے میں ہاتھ کیسے رکھے گا؟ بلکہ سجدے میں جائے گا کیسے؟ رُکوع سجدے کیسے کرے گا؟ اس لئے اس کی ممانعت فرمائی۔

اور چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان اور کافر کھاتے ہیں، شیطان اور اس کے چیلے کھاتے ہیں اس لئے تم نہ کھاؤ۔ شیطان اس لئے کھاتا ہے کہ اس کو فطرت انسانی کی ضد میں محبت ہے، ہر وہ چیز جو فطرت انسانی کے خلاف ہو بس اس کو اچھی لگتی ہے، آدمی کا وصف ہے تواضع، اس کا وصف ہے تکبر، آدمی کا وصف ہے اصلاح، اس کا وصف ہے فساد ڈالنا، آدمی کا وصف ہے لوگوں کی خدمت کرنا، لوگوں کا بھلا کرنا اور اس کا وصف ہے لوگوں سے شرارت کرنا، ایذا پہنچانا، ایک ایک وصف لیتے جاؤ جو وصف کہ انسانی فطرت ہے اس کا شیطان مخالف، اور جو وصف کہ انسانی فطرت کے خلاف ہو اس سے اس کو محبت۔ تو بائیں ہاتھ سے کھانا انسانی فطرت کے خلاف ہے اس لئے شیطان کو بہت اچھا لگتا ہے، شیطان دائیں ہاتھ سے استنجا کرتا ہوگا، بائیں ہاتھ سے روٹی کھاتا ہے۔

راستوں کے بھی حقوق ہیں

[حدیث: ۱۰۱۹] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ..... إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ! مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَقَالَ: إِذْ أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ، قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ اللهِ!؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۲۳۰، حدیث نمبر: ۵۷۶۱، بَاب قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا})

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: راستوں کے درمیان بیٹھنے سے پرہیز کرو، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگوں کو راستے میں بیٹھنے سے کوئی چارہ نہیں کہ ہم آپس میں وہاں بات چیت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم وہاں بغیر نشست کے نہیں رہتے تو راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے کہا راستے کا حق کیا ہے یارسول اللہ؟ فرمایا: نظر کو نیچے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو بچا کرو، لوگوں کی عام گزرگاہ جس میں مرد بھی عورتیں بھی آتے جاتے ہیں وہاں بیٹھ کر باتیں کرنا گپیں ہانکنا یہ صحیح نہیں، اس سے منع فرمایا، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں راستے میں بیٹھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں یعنی ضرورت پیش آتی ہے راستے میں بیٹھنے کی، بعض دفعہ دو آدمیوں کو یا زیادہ کو کسی مسئلے پر گفتگو کرنی ہوتی ہے، گھر میں کوئی جگہ نہیں کہ ہم بیٹھ کر بات کرسکیں، لامحالہ ہم کو بیٹھنا پڑے گا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم راستے میں بیٹھنے کے سوا ہر چیز کا انکار کرتے ہو یعنی لامحالہ تمہیں راستے میں بیٹھنا ہی پڑتا ہے تو پھر راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: پانچ حق ہیں:

۱: نظر نیچی رکھے، کسی نامحرَم پر نظر نہ پڑے اور کسی کے عیب پر نظر نہ پڑے۔

۲: راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، راستے میں کانٹا پڑا ہوا ہے اس کو ہٹا دیا، پتھر پڑا ہوا ہے وہ ہٹا دیا یا خود اپنی طرف سے کوئی حرکت ایسی نہ کی جائے جس سے لوگوں کو ایذاء پہنچے۔

۳: حق یہ ہے کہ راہ چلتا ہوا تمہیں **اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ** کہے تو تم اس کا جواب **وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ** کہو، جانے والے اور گذرنے والا کا حق ہے کہ وہ سلام کہے اور جو بیٹھے ہیں ان کے ذمے اس کے سلام کا جواب دینا ہے، یوں فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے، سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو جماعت بیٹھی ہو وہاں سے کوئی گزر رہا ہے تو گزرنے والا سلام کرے اور یہ لوگ ان کے سلام کا جواب دیں۔

۴: چوتھی چیز ہے نیکی کا حکم کرنا۔

۵: پانچویں چیز ہے برائی سے روکنا۔ کوئی آدمی غلط کام کرتا ہو اس کو روکا جائے اور کوئی آدمی نیکی کا کام نہ کرتا ہو اس کو نیکی کے کام کا حکم کیا جائے، یہ راستے میں بیٹھنے والوں کے ذمے حق ہے، جو شخص ان حقوق کو ادا نہیں کرتا وہ گویا راستے کے حق میں خیانت کرتا ہے۔

مجلس کے آداب میں سے ایک ادب

[حدیث:۱۰۲۰] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ وَفِي حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔"

(صحیح مسلم ج:۱۱ ص:۱۶۰، حدیث نمبر: ۴۰۴۷، بَاب إِذَا قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ عَادَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اُٹھ کر جائے اپنی جگہ سے پھر پلٹ کر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ایک آدمی اُٹھ کے چلا گیا ایک جگہ سے مجلس

سے صف سے اُٹھ کے چلا گیا اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی نشانی چھوڑ کر نہیں گیا، واپس آ گیا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ حقدار ہے، کوئی دوسرا آدمی اس کی جگہ پر قبضہ نہ کرلے، جگہ خالی پڑی رہی اس کے آنے تک، وہ گھر نہیں گیا تھا یہیں مسجد کے ماحول میں گیا تھا ناک صاف کرنے کے لئے گیا تھا، وضو کی ضرورت پیش آ گئی تھی وضو کرنے کے لئے گیا تھا یا کسی اور کام سے مسجد کی ضروریات کے اندر ہی گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی سنّت ہے رسول اللہ ﷺ کی مسلمانوں نے اس کو بھی توڑ دیا، اب اگر واپس آئے تو آ کر اس کو جگہ نہیں ملتی اور بھائی میں تو اُٹھ کر گیا ہوں یہاں سے جگہ دے دو، جاؤ کام کرو اس کو جواب ملتا ہے۔

وہ جس ذات عالی نے بیان فرمایا کیا وہ تمہارا نبی نہیں؟ یہ عام لوگوں کے لئے بیان فرمایا ہے کہ کسی بھی مجلس میں کوئی آدمی بیٹھا ہو وہ وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا مسجد سے، چلو بھائی اگر تم اس کی جگہ نشانی نہیں رکھ سکتے تو اتنا تو کرو اس کو جگہ دے دو کہ ہاں بھائی تم بھی بیٹھ جاؤ، مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے بیٹھنا نہیں چاہئے تھا، خیر اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑی سی جگہ میں بھی بنالوں، یہاں اتنا بھی نہیں کہتے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لینا

[حدیث: ۱۰۲۱] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ.....، إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ: لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۹۳، حدیث نمبر: ۳۷۶۲، بَابُ آدَابِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَأَحْكَامِهِمَا)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کو یاد کرے تو شیطان اپنے دوسرے چیلوں سے کہتا ہے یہاں تم کو نہ رات کو رہنے کی جگہ ملی اور نہ رات کا کھانا ملا اور جب آدمی گھر میں داخل ہوا اور داخل ہوتے وقت اللہ کو یاد نہیں کیا تو شیطان کہتا ہے رات کا رہنا تو تم کو مل گیا پھر جب اس نے کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا تو شیطان کہتا ہے تم کو رات کا کھانا مل گیا رہنے کی جگہ بھی مل گئی۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ جب کوئی شخص شام کے وقت عشاء کے وقت یا مغرب کے بعد گھر میں جائے، گھر میں داخل ہوتے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لے، اللہ کا نام ذکر کردے، اللہ کو یاد کرلے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور جب کھانے پر بیٹھے تو بِسْمِ اللّٰهِ کر کے بیٹھے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے:

لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ ہمیں گھر میں نہ ٹھہرنے کی جگہ ملی اور نہ کھانا ملا کیونکہ بِسْمِ اللّٰهِ کر کے جب دروازہ بند کر دیا گیا شیاطین نہیں آسکتے اب اور بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر جب کھانا شروع کر دیا تو ان کے لئے کھانا بھی ممنوع ہو گیا، کچھ شیاطین تو ساتھ ہی رہتے ہیں نا، دروازہ بند بھی ہو جائے تو پہلے داخل ہو جاتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو شیطانوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دبلا پتلا تھا اور ایک موٹا تازہ، دبلا پتلا شیطان مومن کا شیطان تھا موٹا تازہ کافر کا شیطان تھا، ان کا مذاکرہ ہوا آپس میں، اس نے کہا: یار تم بڑے دُبلے پتلے ہو رہے ہو؟ کہتا ہے نہ کھانے کو ملتا ہے نہ رہنے کی جگہ ملتی ہے، اس کو کہا کہ تم بڑے موٹے تازے ہو رہے ہو؟ کہنے لگا: کھانے کو بھی وافر ملتا ہے اور بستروں پر بھی سوتا ہوں ان کے ساتھ تو اگر کوئی شخص گھر میں داخل ہوتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات کے رہنے کی تو اجازت مل گئی، اب روٹی کا پتہ نہیں کہ ملے گی یا نہیں؟ ملے گی تو مطلب یہ کہ شیاطین سے حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے گھر میں اور بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھ کر کھانا شروع کرے تو شیطان پر وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے کھا نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے...... آمین۔

اپنے خادم کو کھانے میں شریک کرنا

[حدیث: ۱۰۲۲] ”.....أَبَا هُرَيْرَةَ.....، إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلَاجَهُ۔“

(صحیح بخاری ج:۱۷، ص:۱۰۴، حدیث نمبر: ۵۰۳۹، بَابُ الْأَكْلِ مَعَ الْخَادِمِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا پکا کر لائے تو چاہئے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھالے اگر اپنے ساتھ نہ بٹھائے تو اس کو ایک دو لقمے ہی دے دے کیونکہ اس نے کھانا پکانے میں مشقت اور گرمی برداشت کی ہے۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب کسی کا خادم کھانا پکا کر لائے تو اخلاق اور مروّت کا تقاضہ تو ہے کہ اس کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھالے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا کھانا تھوڑا ہے یا مہمان ہیں تو کم سے کم اتنا ہی کر لے کہ ایک دو لقمے اس کو بھی دے دے، اس لئے کہ ایک تو وہ خادم جس غریب نے کھانا تیار کرنے میں گرمی سردی برداشت کی ہو اور محنت اور مشقت اُٹھائی ہو اس کو تم کھانا چکھاؤ ہی نہیں، اس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کھانا کیسا تیار ہوا ہے تو یہ بڑی بے مروّتی اور بداخلاقی ہے۔

دوسری قباحت اس میں یہ ہے کہ جب خادم کو یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ میاں صاحب خود ہی چٹ کر جایا کرتے ہیں اور اپنے خدام کو اس کا ذائقہ بھی نہیں چکھنے دیتے تو وہ خیانت اختیار کریں گے، یہی وجہ ہے کہ باورچی خانہ کا کھانا ضرور ساتھ ہوتا ہے یعنی اور تنخواہ جو تم چاہو رکھو اس کی لیکن کھانا ساتھ نہ رکھو تو وہ خیانت کرے گا حلال کے بجائے حرام کا کھائے گا، تو ایک تو تمہارا اخلاق خراب ہوگا دوسرے اس خادم اور ملازم کا بھی اخلاق خراب ہوگا، اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ جب وہ کھانا تیار کر کے لائے تو بہتر تو یہ ہے کہ اس کو ساتھ بٹھاؤ لیکن اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو ایک دو لقمے دے دو۔

سفر، جانور اور راستوں کے حقوق وآداب

[حدیث:۱۰۲۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نِقْيَهَا، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۶، حدیث نمبر: ۳۵۵۳، بَاب مُرَاعَاةِ مَصْلَحَةِ الدَّوَابِّ فِي السَّيْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کیا کرو تو اونٹوں کو ان کا حق دیا کرو زمین میں اور جب تم قحط سالی اور خشک سالی کے دنوں میں سفر کرو تو ان کو جلدی لے جاؤ ان کا گودا نچوڑنے سے پہلے پہلے اور جب تم رات کے وقت کسی جگہ پڑاؤ کرو تو راستوں سے بچا کرو یعنی راستے سے ہٹ کر اوٹ کی طرف پڑاؤ کرو کیونکہ وہ راستے ہیں چوپایوں کے اور ٹھکانہ ہیں کیڑے مکوڑوں کا رات کے وقت۔“

تشریح: اس حدیث میں سفر کے آداب بیان فرمائے ہیں، مطلب یہ کہ اونٹوں کے سفر ہوتے تھے اس زمانے میں اونٹ بھی اللہ کی مخلوق ہیں بوجھ بھی اُٹھاتے ہیں تمہیں بھی اُٹھاتے ہیں چلتے بھی ہیں سردی گرمی بھی ان کو متاثر کرتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ادب بتایا کہ اگر زمانہ سرسبزی کا ہو خوب راستے میں چارہ سبزہ ملتا ہے تو راستے میں اونٹوں کو ان کا حق دیتے جاؤ یعنی ان کو چراتے جاؤ کچھ کچھ وقفے کے بعد خود بھی آرام کر لیا کرو اور اونٹوں کو بھی چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو اور اگر قحط سالی اور خشک سالی کا زمانہ ہو راستے میں نہ سبزے کا نام تو پھر ان کا گودا پگھلنے سے پہلے پہلے سفر ختم کر دو یعنی پورا تھکاؤ نہیں ان کو بلکہ سفر جلدی سے کر کے ان کو آرام اور راحت پہنچاؤ۔

یہ مضمون اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں گذر چکا ہے اور وہاں پر ذکر کیا تھا کہ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا اس پر ایک مستقل رسالہ ہے: ”إِرْشَادُ الْحَائِمِ فِي حُقُوقِ الْبَهَائِمِ“ چوپایوں کے کیا حقوق ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے چوپایوں کے حقوق بھی ہمارے ذمے لازم کیے ہیں، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ بے تحاشہ مالوں کو بیلوں کو یا مویشوں کو مارتے ہیں جائز نہیں ہے، تمہیں اللہ نے ان کا مالک بنایا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سے ان کا کوئی حساب لینے والا نہیں ہوگا تو ان کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے ان کو تھکنے نہ دو، ان کا گودانہ پگھلاؤ ہڈیوں کا، اور ضرورت سے زیادہ بے رحمی کے ساتھ ان کو مارو نہیں۔

اور ایک ہدایت یہ فرمائی کہ رات کو پڑاؤ کی: عرب چونکہ گرم ملک تھا رات کو سفر کیا کرتے تھے عام طور پر عصر کے بعد سفر شروع کیا کرتے تھے اور رات کے آخری حصے تک سفر چلتا رہتا پھر رات کے آخر میں پڑاؤ کرتے تھے تاکہ ذرا سستا لیں اس کو عربی زبان میں ”تعریس“ کہتے ہیں، ارشاد فرمایا اگر تم آخری وقت میں رات کو پڑاؤ کرو تو راستوں سے بچو یعنی راستے میں اپنا ڈیرہ نہ ڈالو بلکہ راستے سے ہٹ کر اپنا ڈیرہ ڈالو اس لئے کہ رات کو راستے پر مویشیوں کو بھی چلنا ہوتا ہے درندے بھی چلتے ہیں اور دوسرے مویشی بھی چلتے ہیں اور اس کے علاوہ سانپ کیڑے مکوڑے وہ بھی راستے پر سے گزرتے ہیں تو ان سے الگ ہو کر ڈیرہ ڈالو۔

آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کی مثل انگوٹھی نہ بنانے کا حکم

[حدیث: ۱۰۲۴] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ .... لَا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلٰى نَقْشِ خَاتَمِي هٰذَا ......“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۶۶، حدیث نمبر: ۳۹۰۰، بَاب لُبْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ......)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص میری اس انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ بنائے۔“

تشریح: اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ ۶ ھ کے بعد آپ ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام گرامی نامے تحریر فرمائے، یہ ان کو اسلام کی دعوت کے خطوط تھے لیکن آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ شاہانِ عجم اس وقت تک کسی کے خط قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر نہیں ہوتی، خط کو بغیر مہر کے مستند نہیں سمجھتے، اس ضرورت کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی، پہلے سونے کی بنائی تھی پھینک دیا اس کو پھر چاندی کی بنوائی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا اور اس کے نگینے میں کندہ کروایا: محمد رسول اللہ (محمدٌ سطر وَرَسُوْلٌ سَطر واللّٰہ سَطر) تین سطروں میں محمد رسول اللہ لکھا اوپر اللہ درمیان میں رسول نیچے محمد اور یوں پہن بھی لیا کرتے تھے لیکن زینت کے لئے نہیں بلکہ ضرورت کے لئے تاکہ محفوظ رہے اور اس کا نگینہ اندر کی طرف رکھتے تھے نگینہ چاندی کا اور اس کو اندر کی طرف رکھتے اور ضرورت ہوتی تھی مہر لگانے کی اس انگوٹھی کے ساتھ۔

یہ گویا اس زمانے کی مہر تھی یہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کو ۶ سال گزر چکے تھے کہ عریس نامی ایک کنواں تھا مسجد قبا کے پاس، (وہ میں نے بھی دیکھا ہے اب بند کردیا گیا ہے)، اس کنویں میں وہ انگوٹھی گر گئی تھی، کنویں کا پورا پانی نکال کر، ایک ایک ذرّہ نکال کر دیکھا، انگوٹھی نہیں ملی، بقول شاہ ولی اللہ کے برکات ختم ہو گئے اور اس وقت سے فتنوں نے سر اُٹھالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری دور فتنوں کی لپیٹ میں آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورے کا پورا دور ہی فتنوں میں گزرا، بہر کیف یہاں یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی تو فرمایا: **لَا یَنْقُشْ أَحَدٌ عَلٰی نَقْشِ خَاتَمِي هٰذَا** تم میں سے کوئی آدمی میری انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ بنائے یعنی کسی کی انگوٹھی پر یہ نہیں ہونا چاہئے ورنہ مہر جعلی ہوجائے گی منع فرمادیا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا کہ نہیں اب بھی اس کی اجازت نہیں، بعضوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی التباس نہیں رہا، غلام احمد قادیانی ہوگا جو اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کہے ورنہ کون صحیح الدماغ آدمی اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کب کہے گا؟ اس لئے بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے لیکن نہ بنائے اس طرح تو بہتر ہے، انگوٹھی کے بارے میں لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کون سا نگینہ سنّت ہے کون سا پتھر پہننا چاہئے؟ یہ سب چیزیں شیعوں کی من گھڑت ہیں پتھر پہننے کی اجازت ہے لیکن پتھروں میں تاثیر نہیں ہوتی ہاں طبی طور پر کوئی چیز ہو تو وہ الگ بات ہے میں اس کا انکار نہیں کرسکتا، بعض پتھر ایسے ہیں جو دل کی تقویت کا موجب ہوتے ہیں جیسے کشتے کھائے جاتے ہیں اس کا انکار نہیں لیکن عام طور پر لوگوں کے ہاں تاثیر مشہور ہے یہ غلط ہے۔

بیمار جانور کو گھاٹ پر نہ لے جایا جائے

[حدیث:۱۰۲۵] "........أَبُو هُرَیْرَةَ........، لَا یُورِدُ مُمْرِضٌ عَلٰی مُصِحٍّ۔" (صحیح مسلم ج: ۱۱، ص: ۲۵۱، حدیث نمبر: ۴۱۱۷، باب لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا نَوْءَ وَلَا غُولَ...)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے اونٹ بیمار ہوں جانور بیمار ہوں وہ اس شخص کے گھاٹ پر نہ لیجائے جس شخص کے جانور تندرست ہوں۔"

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جن اونٹوں کو بیماری لگی ہوئی ہو وہ شخص ان کو ایسے گھاٹ پر نہ لے جائے جس پر تندرست اونٹ پانی پیتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہوجائے کہ ان کو بیماری لگ جائے اور لوگوں کا

عقیدہ خراب ہو جائے اس لئے الگ الگ پانی کے گھاٹ پر لے جانے کا حکم فرمایا۔

تھوکنے کے آداب

[حدیث:۱۰۲۶] ’’أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ....، إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى۔‘‘ (صحیح بخاری ج: ۲، ص: ۱۷۱، حدیث نمبر: ۳۹۳، بَاب حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ..)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کھنکھار کر تھوکے تو اپنے منہ کی طرف نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف بلکہ اپنے بائیں طرف تھوکے یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔‘‘

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دیکھا کہ دیوار قبلہ پر کسی نے بلغم ڈالا ہوا ہے مسجد شریف میں، دیواریں بھی کچی ہوتی تھیں فرش بھی کچا ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی منگوائی اپنے دست مبارک سے اسے صاف کیا اور خوشبو منگوائی اور وہاں لگوائی، اس موقع پر فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے ربّ سے مناجات کرتے ہو اور تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے اس لئے اگر کسی کو تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو سامنے کی طرف نہ تھوکے کیونکہ تمہارے سامنے کوئی آدمی بیٹھا ہے تم اس پر تھوکو کتنی بُری بات ہوگی اور اسی طرح دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ ادھر فرشتہ ہے فرشتہ تو اُدھر بھی ہے لیکن وہ زیادہ معزز فرشتہ ہے بلکہ بائیں جانب تھوک دے اور یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو مل دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد شریف کچی ہوتی تھی مٹی ہوتی تھی اور چٹائیاں صفیں اور دریاں قالین نہیں ہوتی تھیں خالی جگہ پر نماز پڑھتے تھے اس لئے فرمایا کہ نیچے تھوک کر اس کو دفن کر دے اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ یا یوں کرلے اپنے کپڑے کو لیا اور منہ پر کیا یعنی تھوک اس میں لے لے اور کپڑے کو مل لے، مطلب یہ ہے کہ سامنے کی جانب نہ تھوکے خصوصاً نماز میں اور دائیں جانب نہ تھوکے، اب اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ان چیزوں کے کرتے وقت حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی کا استحضار ہونا چاہئے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں چنانچہ نماز پڑھتے ہوئے اور ویسے بھی اگر سامنے کو تھوکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف تھوکتا ہے اور یہ بے ادبی ہے نہیں تھوکنا چاہئے۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ آدمی کو ضرورت کے بغیر اپنا ستر نہیں کھولنا چاہئے پیشاب پاخانے کے لئے حاجت پیش آتی ہے وہ تو الگ بات ہے مجبوری ہے ورنہ ستر نہیں کھولنا چاہئے کسی نے کہا:

یارسول اللہ! اگر آدمی تنہائی میں ہوا کیلا ہو فرمایا ایک تو إِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَّا يُفَارِقُكُمْ تمہارے ساتھ وہ لوگ رہتے ہیں جو تم سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے اور دوسری بات یہ فرمائی: فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ اللہ زیادہ حق دار ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے، گو ہمارا لباس اللہ تعالیٰ سے روکنے والا نہیں ہے، اللہ کی نظر سے روکنے والا نہیں ہے لیکن شرم وحیاء کا تقاضا ہے کہ ہم ستر نہ کھولیں اور اللہ سے شرم کریں، یہ حدیث شریف بھی اسی اُصول کے تحت میں آتی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار رکھنا چاہئے۔

جمائی لینے کے آداب

[حدیث:۱۰۲۷] ”...... لِأَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ......، إِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلٰى فِيهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔

(صحیح مسلم ج: ۱۴، ص: ۲۶۹، حدیث نمبر: ۵۳۱۱، بَاب تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَكَرَاهَةِ التَّثَاؤُبِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے ایک آدمی جمائی لیوے تو اسے چاہئے کہ اپنے منہ کو ہاتھ سے بند کردے کیونکہ شیطان اس میں داخل ہوجاتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے، سیدھا ہاتھ رکھ لے یا پھر اُلٹا ہاتھ رکھے منہ کھولنا نہیں چاہئے اس لئے کہ شیطان اس میں داخل ہوجاتا ہے، اور ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جب جمائی آتی ہے تو شیطان کھلکھلا کے ہنستا ہے اس لئے حکم ہے کہ نماز میں جمائی آئے تو منہ بند کرنے کی کوشش کرو اور اگر منہ کھلے تو اس کو ہاتھ سے بند کرلو۔

سونے کے آداب و دُعا

[حدیث:۱۰۲۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، إِذَا أَوٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔“

(صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۳۸۷، حدیث نمبر: ۵۸۴۵، بَاب التَّعَوُّذِ وَالْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْمَنَامِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی ٹھکانہ پکڑے اپنے بستر کی طرف تو جھاڑ لیں اپنے بستر کو اپنی لنگی کے ایک کنارے سے کیونکہ وہ شخص نہیں جانتا کہ اس کے بعد اس پر کیا چیز پڑی، پھر کہے:

آپ ہی کے نام سے اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا اور آپ ہی کے برکت سے اس کو اُٹھاؤں گا، اگر آپ روک لیں میری جان کو تو اس پر رحم فرمائیے اور اگر اس کو چھوڑ دیں تو اس کی حفاظت فرمائیے جیسا کہ حفاظت اس چیز کے ساتھ کی حفاظت کرتے ہیں آپ نیک بندوں کی۔"

تشریح: اس حدیث میں سونے کا ادب بتایا ہے کہ جب اپنے بستر پر جاؤ تو اس کو اپنی لنگی کے کنارے سے جھاڑ لو اپنے بستر کو، خدا جانے تمہارے بعد اس پر کیا چیز گئی ہوگی؟ کوئی کیڑا مکوڑا ہوگا، کوئی سانپ بچھو ہو اور تم اسی طرح لیٹ جاؤ، خصوصاً جب گھر میں چراغ بھی نہ ہو جیسا کہ صحابہ کرام کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا، تم جب اپنا پہلو بستر پر لگاؤ لیٹو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو: بِاسْمِکَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِکَ أَرْفَعُهُ..... اے اللہ! میں نے آپ ہی کے نام سے اپنا پہلو بستر پر لگایا ہے اور آپ ہی کے نام سے اس کو اُٹھاؤں گا، اب میں نہیں جانتا کہ صبح اٹھنا بھی ہے یا نہیں، اگر آپ میری جان کو روک لیں تو اس پر رحم فرمائیے یعنی بخشش فرما دیجئے اور اگر آپ میری جان کو دوبارہ چھوڑ دیں تو آپ اس کی حفاظت فرمائیں جس چیز کے ساتھ آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے رات کو سونے کے سلسلے میں بہت سی روایات جاری فرمائی ہیں، ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بستر کو جھاڑ لے اور یہ دعا پڑھ لے، آنحضرت ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تھے تو سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتے تھے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا ہماری کفایت کی اور ہمیں ٹھکانہ دیا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ (مسلم ۱۳/۲۴۱، ۴۸۹۰) کیونکہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کی کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور جن کو کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں۔

یہ بھی حکم فرمایا گیا ہے کہ تسبیحات فاطمی کا اہتمام کیا جائے ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ چوتھا کلمہ، آیۃ الکرسی کے پڑھنے کا بھی ارشاد فرمایا گیا ہے، سورۃ فاتحہ پڑھنے کا بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان سورۃ بقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھے بغیر بھی سو سکتا ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک اور اگر ان سے پہلی آیت بھی ملا لے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ تاکہ رکوع ہو جائے تو بہتر ہے، فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس کے بغیر بھی سو سکتا ہے، سورۃ نوح کے پڑھنے کا بھی حکم فرمایا ہے اور بہت سی دعائیں جو بھی یاد آئے پڑھ لے اور ایک صحابی سے فرمایا تھا جب تو بستر پر جائے اور جو کچھ پڑھنا ہے پڑھ لے پھر سب سے آخر میں تو یہ پڑھا کر:

"اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْکَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْکَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْکَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْکَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ

إِلاَّ إِلَيْکَ آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔"

(بخاری ۱۹/ ۷۵ ۳،۴ ۸۴ ۵۸)

یہ دُعا ان کو تلقین فرمائی، پھر فرمایا: سنا، تو اس نے سنائی، صحابی نے سنائی اور آخر میں پڑھا صحابی نے وَبِرَسُوْلِکَ الَّذِیْ أَرْسَلْتَ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا ایسے نہیں رَسُوْلِکَ الَّذِیْ نہیں بلکہ نَبِیِّکَ الَّذِي ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے:

بے شک اے اللہ! میں نے سپرد کر دی جان آپ کی طرف اور متوجہ کر لیا اپنا چہرہ آپ کی طرف اور سپرد کر دیا اپنا معاملہ آپ کے اور میں نے اپنی ٹیک لگالی آپ کی ذات کے ساتھ کسی چیز کا سہارا لینا ہو آپ کی بارگاہ سے رغبت کرتے ہوئے بھی اور آپ سے ڈرتے ہوئے بھی، رغبت بھی ہے ڈر بھی، کوئی ڈر بلا نہیں اور کوئی بھاگ کر نجات پانے کی صورت یا جگہ نہیں آپ سے بھاگ کر مگر آپ کے پاس سے بھاگیں تو آپ ہی کی طرف آئیں گے اور تو کوئی جائے پناہ نہیں ہے، میں ایمان لایا آپ کی اس کتاب پر جو آپ نے نازل فرمائی ہے اور آپ کے نبی ﷺ پر جس کو آپ نے بھیجا ہے، فرمایا: سب سے آخر میں یہ دعا کر لیا کرو جہاں تک ہو سکے متوجہ الی اللہ ہو کر سونا چاہیے، گناہوں کی معافی مانگ لینی چاہیے۔

ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت

[حدیث: ۱۰۲۹] "أَبُو هُرَيْرَةَ......، إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْشِ فِي الْأُخْرَى حَتّٰى يُصْلِحَهَا۔"

[حدیث: ۱۰۳۰] "عَنْ جَابِرٍ......، إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ أَحَدِكُمْ أَوْ مَنِ انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهٖ فَلَا يَمْشِ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهٗ۔"

(صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۹۱، حدیث نمبر: ۳۹۱۷، باب النَّهْيِ عَنْ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب تم میں سے ایک آدمی کے جوتے کا تسمہ گر جائے تو دوسری میں نہ چلے جب تک کہ اس کو درست نہیں کر لیتا۔"

تشریح: اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو دوسرا بھی اُتار دے، اس کو پہن کے نہ چلے جب تک کہ اس کو ٹھیک کر کے نہیں دیتا، یہ مضمون اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے کہ جب ایک جوتا خراب ہو جائے تو دوسرا بھی اُتار دے، پہنے تو دونوں پہنو اور اُتارو تو دونوں اُتارو، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایک پاؤں پہن کر رکھے اور ایک اُتار دے۔

نام رکھنے کے آداب

بچوں کا نام دیکھ بھال کر رکھنا

[حدیث: ۱۰۳۱] ”عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ.....، وَلَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَکَ يَسَارًا وَلَا رَبَاحًا وَلَا نَجِيحًا وَلَا أَفْلَحَ، فَإِنَّکَ تَقُولُ: أَثَمَّ هُوَ؟ فَلَا يَكُونُ فَيَقُولُ: لَا، إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ فَلَا تَزِيدُنَّ عَلَيَّ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۱، ص: ۷۷، حدیث نمبر: ۳۹۸۵، باب كَرَاهَةِ التَّسْمِيَةِ بِالْأَسْمَاءِ الْقَبِيحَةِ وَبِنَافِعٍ وَنَحْوِهِ)

ترجمہ: ”حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بچے کا نام ’یسار‘ نہ رکھ اور نہ ’رباح‘ اور نہ ’نجیح‘ اور نہ ’افلح‘، کیونکہ تو کہے گا کہ کیا یہاں فلانہ ہے؟ وہ ہوگا نہیں تو کہیں گے کہ (آسانی، فائدہ اور کامران) نہیں ہے، یہ صرف چار لفظ ہیں میری طرف اپنی طرف سے منسوب کرکے ان میں اضافہ نہ کردینا۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کہ فلاں کام سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور فلاں کام سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان چیزوں کو بیان فرمایا اور اس کے پھر بڑے بڑے پانچ دائرے بنادیئے پھر ہر دائرے کے اندر چھوٹی چھوٹی چیزیں، لہٰذا یہاں ایک نظام مرتب کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو عقائد بیان فرمائے کہ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو، نبیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو، تقدیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عبادات بتائیں، نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوۃ ہے، قربانی ہے اور دوسری جتنی بھی عبادات کی قسمیں ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کوئی شخص عمل کرے وہ کامیاب ہے چاہے تھوڑا عمل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف عمل کرے وہ ناکام ہے چاہے زیادہ عمل کرتا پھرے اور ان عقائد اور اعمال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی بھی تعلیم فرمائی، یہ اچھے اخلاق ہیں یہ برے اخلاق ہیں، ان کو اپنانا چاہیئے ان سے بچنا چاہیئے اور پھر اخلاق کے مطابق معاملات ہیں، لین دین اس طرح ہونا چاہیئے، کرایہ داری کا معاملہ ایسے ہونا چاہیئے، وکالت ایسی ہونی چاہیئے، جتنے بھی معاملات ہیں ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے اور

اسی میں معاملات راعی اور رعایا کے حقوق بھی ہیں جس کو تم سیاست کہتے ہو اور ایک پانچواں شعبہ ہے آداب کا، کھانا اس طریقے سے کھانا چاہئے، پہننے کا ادب یہ ہے، لیٹنے کا ادب یہ ہے، گفتگو کا ادب یہ ہے، تمام کے تمام آداب زندگی اس کو آپ کا جی چاہے تو آداب معاشرت کے اندر پڑھ لیں، انسانیت ان پانچ چیزوں میں آنحضرت ﷺ کی محتاج ہے، ان میں سے ایک ادب یہاں ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ کسی کا لڑکا ہو، حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے کہ اس کا نام ان چار ناموں پر نہ رکھو یسار، رباح، نجیح اور افلح۔

یسار کے معنی ہیں آسانی والا، آسانی ہر شخص کو پسند ہے اور اس کے مقابلے میں ہوتی ہے دشواری ہر شخص کو ناپسند ہے، رباح کے معنی ہیں نفع والا جس کو زندگی میں نفع حاصل ہو اور اس کے مقابلے میں ہے گھاٹے والا جس غریب کو کچھ بھی میسر نہ ہو اور نجیح کا معنی ہے کامیاب، نجاح سے ہے، نجاح کامیابی کو کہتے ہیں اور افلح کا معنی بھی کامیاب، نجات والا، فلاح پانے والا جس کو تمام مشکلات سے اللہ تعالیٰ چھٹکارا عطا فرمادے، تو یہ چار نام نہ رکھو اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ کسی جگہ تم پوچھو گے کہ یہاں یسار ہے؟ لوگ کہیں گے یہاں یسار نہیں، تم پوچھو گے رباح ہے؟ وہ کہیں گے نہیں رباح نہیں ہے، نجیح ہے؟ کہیں گے نہیں، افلح ہے؟ کہیں گے کہ نہیں ہے، تو گویا آسانی بھی نہیں ہے وہاں کامیابی بھی نہیں ہے اور نجاح بھی نہیں ہے نفع بھی نہیں ہے۔

جس کی مثال یہ ہے کہ ایک مجلس بیٹھی ہے، تم کہو کہ یہاں کوئی نیک آدمی ہے، کوئی کہے کہ یہاں کوئی نیک آدمی نہیں، ایسی مثال ہوگی تو اس سے بدشگونی پیدا ہوگی، اس لئے یہ نام مت رکھا کرو، عرب یہ نام بہت رکھتے تھے، ساتھ کے ساتھ ارشاد فرمایا: إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ میں نے صرف چار لفظ بولے ہیں میری طرف منسوب کرکے اضافہ نہ کردینا مزید، میں نے صرف چار لفظ بولے ہیں اس سے زیادہ نہ کہنا۔

اس حدیث شریف سے ایک تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے ناموں کو پسند نہیں فرمایا ہے جس سے غلط معنی سمجھے جائیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نام رکھتے وقت معنی کا بھی خیال رکھنا چاہئے، لوگ نام پہلے رکھ لیتے ہیں بعد میں پوچھتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ میں کہتا ہوں مہمل ہے کچھ بھی معنی نہیں، پہلے نام تجویز کرکے بچے کا پھر معنی پوچھتے ہیں اور منشاء اس کا یہ ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ نئے سے نیا نام رکھا جائے، نام نئے سے نیا ہو پرانا استعمال شدہ نام لوگوں کو اچھا نہیں لگتا، لوگ اس نکتے سے ناواقف ہیں کہ جتنا کوئی لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے اتنا زیادہ بابرکت ہوتا ہے کیونکہ جتنی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے اللہ اس کو عام فرمادیتے ہیں اور جتنی کوئی چیز نکمی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو مہنگا کردیتے ہیں اور کمیاب کردیتے ہیں، ہوا اور پانی سب سے زیادہ قیمتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہوا ہر جگہ رکھی ہوئی ہے، تمہیں پیسے نہیں دینے پڑتے سانس لینے کیلئے کہ تھوڑی سی آکسیجن چاہئے تھی جیسے دوسری چیزیں خریدتے ہو بازار سے کھانے پینے کی اور جتنی زیادہ بے ضرورت کی چیزیں ہیں اتنی زیادہ مہنگی ہوتی چلی جاتی ہیں، سب سے زیادہ مہنگا سونا اور سونے سے پھر جواہرات بالکل

بے قیمت چیزیں ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے، ایک آدمی نے ساری عمر سونا نہ دیکھا ہو جواہرات کو نہ دیکھا ہو اس کی صحت پر کوئی فرق نہیں آتا اور ایک آدمی کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں اس کی صحت دوبارہ نہیں آتی کوئی فرق نہیں پڑتا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہوا اور پانی سب سے زیادہ قیمتی ہیں کہ اس کے بغیر آدمی کا دم گھٹ جائے، بسا اوقات چھوٹے چھوٹے دن ہوتے ہیں لیکن پھر بھی روزہ محسوس ہوتا ہے، پانی اندر نہ جائے تو کمی محسوس ہوتی ہے، اللہ نے اس کو اتنا عام کر دیا، ہوا کے لئے تو کوئی جگہ ہی نہیں رکھی، پوری فضا کو اللہ نے بھر دیا اور پانی کو اس طرح بھر دیتے تو دنیا ہی ڈوب جاتی، اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اس کے خزانے بنا دیئے ہیں کہ نکالو پانی استعمال کرو اور پہاڑوں کے اندر سے پائپ لائن بنا دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے پوری زمین میں، تو یہی مثال ناموں میں بھی سمجھ لو، جتنے نام زیادہ استعمال ہوتے ہیں سمجھ لو کہ یہ زیادہ بابرکت ہیں، آج کل بچیوں کے نام عائشہ، فاطمہ، مریم، خدیجہ، خولہ، زینب، صفیہ، لوگوں کو اچھے نہیں لگتے، یہ پرانے نام ہیں دقیانوسی اور ابراہیم، یوسف، یعقوب، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، حسن، حسین، عباس، عبداللہ، عبدالرحمٰن، مقداد، یہ نام لوگوں کو اچھے نہیں لگتے، پرویز، فیروز، نام رکھتے ہیں، اقبال پرویز کسی آیت میں ہے یہ اقبال اور پرویز نا معلوم کیا کیا؟ اس لئے انبیاء کرام کے ناموں پر نام رکھو، صحابہ کرام کے ناموں پر نام رکھو، برکت حاصل کرنے کے لئے، اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھو، تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری اولاد کو بھی ان اکابر کی برکتیں عطا فرمائے۔

ایک کتنی چھوٹی سی بات ہے نام رکھنا، ساری دنیا میں لوگ پیدا ہوتے ہیں ان کے نام رکھتے ہیں، کوئی تارا سنگھ رکھتا ہے کوئی گندا سنگھ رکھتا ہے، کوئی رام داس رکھتا ہے، کوئی کچھ تا س ہے نام رکھتے ہی ہیں نا کچھ نہ کچھ، تمام مذاہب اور تمام لوگ اپنے اپنے بچوں کا نام رکھتے ہیں لیکن میں قربان جاؤں رسول اللہ ﷺ کے کہ آنحضرت ﷺ نے تمہیں نام رکھنے کے بھی آداب بتائے ہیں اور بات یہ ہے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا۔

ایمان سیکھا قرآن سیکھا کیا مطلب؟ ایمان کے معنی ہیں آنحضرت ﷺ کی بات کو سچا سمجھ کر بے چون و چرا تسلیم کر لینا، جب اندر ایمان آئے گا اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور آپ کے فرمودات کی قیمت اندر آئے گی تو اندر سے پھر خود طلب پیدا ہوگی، اندر سے طلب پیدا ہوگی اور آدمی خود تلاش کرتا پھرے گا کہ بھائی اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم کیا ہے ارشاد کیا ہے اور اگر اندر طلب نہیں ہوگی تو اوپر سے چاہے جتنا بھی انڈیلتے جاؤ وہ ابلتا جائے گا اندر طلب نہیں ہے، اس کے پیاس نہیں ہے۔

آج مسلمانوں کی بیماری اصلاً یہ ہے، معلومات کی کمی نہیں ہے، معلومات بہت ہیں لوگوں کے پاس، کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ڈھیر لگے ہوئے ہیں، ہمارے بزرگوں کے زمانے میں اتنی کتابیں بھی نہیں ہوتی تھیں، اتنی معلومات بھی نہیں ہوتی تھی، سادے لوگ ہوتے تھے لیکن ایک بات تھی اللہ اور اللہ کے رسول سے

تعلق صحیح تھا، اس زمانے میں سب سے زیادہ جو کمزوری واقع ہوئی ہے وہ معلومات کی نہیں بلکہ اندر کی پیاس بجھ گئی، ایمانی معدہ ہی ٹھنڈا ہو گیا، اب کتنی تقریریں ہی کرتے چلے جاؤ ہم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، اس لئے کہ اندر طلب ہوتی ہے اور طلب پر بات معلوم ہوتی ہے تو آدمی کو اس کی قیمت معلوم ہوتی ہے اور اگر طلب کے بغیر ایک بات حلق سے انڈیلی جائے وہ نہیں چلے گی۔

لوگ مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ تبلیغ کا کام فرض ہے یا واجب ہے سنّت ہے یا مستحب ہے؟ میں نے کہا تبلیغ کا کام تو فرض کفایہ ہے لیکن اپنے دل میں دین کا پیدا کرنا اپنے اندر دین پیدا کرنا یہ فرض عین ہے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ علم کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے کبھی مستحب کا درجہ ہے، میں کہتا ہوں کہ علم تو آتا ہے عمل کے لئے، پہلے علم کی پیاس پیدا کرنا یہ تو فرض عین ہے، ایک لڑکے نے لکھا کہ میرے ابا کہتے ہیں بس میاں نماز پڑھتے رہو ٹھیک ہے زیادہ بڑے مولوی نہ بنو، اب لوگوں کا تصور یہی ہے کہ نماز پڑھتے رہو، عام لوگوں کا تصور یہی ہے کہ نماز پڑھتے رہو، اچھا میاں پڑھتے رہیں گے لیکن ساری عمر اَلتَّحِیَّات درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کی فرصت ہی نہیں ہے، نہ ضرورت سمجھی ہے، پوری جماعت سے سنو نماز اول سے آخر تک معلوم ہو جائے گا کہ کتنی صحیح ہے اور کبھی کسی نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی ہے، پھر نماز کے ارکان کس طرح ادا کئے جائیں؟ رکوع سجدہ کس طرح کیا جائے، کس طرح کرنا صحیح ہے؟ کس طرح کرنا صحیح نہیں؟ عمدۃ الفقہ اور زبدۃ الفقہ میں دیکھو سجدے میں اتنے فرض ہیں، سجدہ ادا کرنے کے لئے اتنے فرض ہیں، ہم نے تو اتنا سنا ہے کہ سجدہ فرض ہے سجدے کے ادا ہونے کے لئے اتنے فرض ہیں۔

اب مولوی صاحب نے تقریر کر دی سن کر چلے گئے، چلو بھائی قصہ ختم، مویشیوں کا کام ہی اور کیا ہوتا ہے، بھائی تم لوگ روٹی کھاتے ہو کماتے ہو دکان داری کر کے، مولوی بیچارہ وعظ و تقریر کر کے روٹی کھاتا ہے، بس وہ تمہارا پیشہ ہے یہ اس کا پیشہ ہے، بس ختم مولوی اپنا کام کرتا ہے تم اپنا کام کرو، تو یہ دعوت و تبلیغ کا کام تم نے غلط سمجھا ہے، بھائی یہ صرف لوگوں ہی کو تبلیغ کرنے کے لئے نہیں ہے، کبھی کبھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ گھر پر کیوں نہیں تبلیغ کرتے؟ اتنا دور جاتے ہیں تبلیغ کرنے کے لئے، باہر ملکوں کا سفر کرتے ہیں، نا بھائی! یہ تبلیغ کا کام جو ہے یہ لوگوں کو بتانے کے لئے نہیں، اپنے کو جگانے کے لئے ہے، اپنے اندر پیاس پیدا کرنے کے لئے، اللہ کی سنّت یہ ہے کہ جو آدمی کسی راستے میں اپنی جان کھپاتا ہے اللہ اس کے لئے اس راستے کو کھول دیتے ہیں، تم دین کو چمکانے کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاؤ گے، اپنے ان بھائیوں کے پاس جاؤ گے جو دین سے بالکل بے خبر ہیں اور ان کی منت سماجت کرو گے، ان کو کھینچ کر مسجد میں لاؤ گے اور ان کے سامنے اللہ اور رسول کی باتیں رکھو گے، جنّت اور دوزخ کا تذکرہ رکھو گے، جنّت اور دوزخ کی باتیں کرو گے، ان کے دل میں آخرت کا شوق پیدا ہوگا اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کا یقین پیدا ہوگا تو ان کو تو بعد میں نوازیں گے تمہیں پہلے نوازیں گے۔

ایک بات میری عقل میں کبھی نہیں آتی وہ یہ کہ لوگ تبلیغ کے بڑے مخالف ہیں، جو مخالف نہیں ہیں وہ بھی ان کے ساتھ چلنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن کسی کو بہلا پھسلا کر تم لے جاؤ ایک دفعہ چار مہینے اس کے لگا دو تو پھر وہ ایسا کھپتا ہے تبلیغ میں پتہ نہیں کیا لذت رکھی ہوئی ہے اس میں! پھر اس کے ماں باپ کو شکایت ہے کہ یہ تو تبلیغ میں بہت جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ لذت تو رکھی ہوئی ہے اس میں کوئی بات تو ہے نا، یہی کل تک تبلیغ کا مخالف تھا اور تم اس کو کھینچ رہے تھے وہ نہیں آتا تھا، اس چار مہینے میں اس کو گشت کروایا۔

آپ دیکھو نا سفر میں مشقت ہے تکلیف ہے، بستر اُٹھانا ہے، سردی ہے گرمی ہے، پرائی جگہ ہے، نہ ڈھنگ سے بیٹھنے کی جگہ نہ آرام کی جگہ، مارے مارے پھرنا چار مہینے تک، اسی ایک بات سے سمجھ لو کہ اللہ نے اس میں کتنی لذت رکھی ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ جو ایمان اندر سے چلا گیا تھا وہ واپس آ گیا، جو ہمارے دلوں سے ایمان ٹھنڈا پڑ گیا تھا نا رخصت ہو گیا تھا وہ واپس آ گیا اور جب ایمان دل کے اندر واپس آ جاتا ہے تو یہ ایسا ہوتا ہے جیسے ماں کی گود میں بچھڑا ہوا بچہ ہوتا ہے، جیسے ماں کی ممتا تڑپتی ہے جب تک اس کا بچہ نہ ملے اور جونہی بچہ آ جائے سینے میں ٹھنڈ ہو جاتی ہے، آج دنیا پریشان ہے اس لئے کہ اندر سے ایمان اُڑ گیا ہے جدا ہو گیا ہے، ایمان کی ٹھنڈک، ایمان کا نور، ایمان کی خنکی، ایمان کی روشنی، ایمان کی لذت، ایمان کی چاشنی، یہ نہیں ہے، اگر ہے تو ٹھٹھرا ہوا پڑا ہے، بیچارہ ایمان سردی لگی ہوئی ہے، کبھی مفلوج ہو گیا، کبھی آنکھیں بند کر کے پڑا ہے دیکھ نہیں رہا لیکن جونہی ایمان تازہ دم ہو جاتا ہے اندر تو اطمینان اور سکون ایسا ہوتا ہے کہ آدمی گھر کی راحت پر سفر کی مشقت کو ترجیح دیتا ہے اور مارے مارے پھرنے کو چاہتا ہے، پیسے اپنے پاس سے خرچ کرتا ہے، کوئی دولت تو ملی ہے اس کو بھائی یا نہیں؟ مل تو گئی ہے نا کچھ نا کچھ اور یونہی دیکھتے دیکھتے اس کی شکل تبدیل ہو جاتی ہے، چہرے پر سنّت کا نور آ جاتا ہے، زبان میں نرمی اور لچک پیدا ہو جاتی ہے، پہلے اپنے بہن بھائیوں کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا اب نہایت نرم لہجہ پیدا ہو گیا، اخلاق اس کے بدلے، اعمال اس کے بدلے، شکل اس کی بدلی، عقل اس کی بدلی۔

چار مہینے کا کورس تو تم بتاؤ کہ چار مہینے کی محنت پر اگر اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرما دیں تو یہ کورس زیادہ لمبا تو نہیں ہے نا؟ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم اس معاملے میں خاص طور پر نوجوان طبقہ اور بطور خاص جن لوگوں نے ابھی تک وقت نہیں لگایا اس میں پہل کریں، میرے کہنے پر لگا دو پھر تم ایسا کرو گے، مشکل تو بہت ہے بھائی اس لئے کہ تمہیں اگر امریکا بھیجا جائے وہاں گرین کارڈ ملتا ہو تو تم جانے کے لئے تیار ہو گے، جرمنی بھیجا جائے کہ وہاں کی شہریت ہمیں ملتی ہے تو تم جانے کے لئے تیار ہو گے، سردی کے ساتھ بھی گرمی کے ساتھ بھی اور پیسے قرض لے کر کے بھی لیکن اگر تمہیں جنّت کا ٹکٹ دینے کے لئے بلایا جائے تو اس کے لئے تیار نہیں ہیں، اس لئے کہ مولوی کی بات پر یقین نہیں ہے اور جب تم اس راستے میں ٹھوکریں کھاؤ گے تو تمہیں خود یقین آئے گا، تو میرے بھائی اس کے لئے یہ دعوت و تبلیغ کا کام اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اپنا بھی نفع ہے دوسروں کا بھی نفع

ہے اُمّت کا بھی نفع ہے اور جتنا تم اس کام میں بڑھو گے اعتدال کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُمّت کو بھی نوازیں گے تو پہلا کورس چار مہینے اور اس کے بعد اور بھی ہے ایک سال کے لئے دو سال کے لئے تین سال کے لئے اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے زندگیاں وقف کردیں۔

آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کا بیان

[حدیث: ۱۰۳۲] "عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا۔"

(سنن ترمذی ج:۶، ص:۳۵۶، حدیث نمبر: ۱۶۶۱، بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ الْفِضَّةِ)

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔"

چاندی کی انگوٹھی

[حدیث: ۱۰۳۳] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ...... وَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَكَانَ يَخْتِمُ بِهِ وَلَا يَلْبَسُهُ۔" (سنن نسائی ج: ۱۵، ص: ۴۷۵، حدیث نمبر: ۵۱۲۳، نَزْعُ الْخَاتَمِ عِنْدَ دُخُولِ الْخَلَاءِ)

ترجمہ: "ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، پس آپ اس کے مہر فرماتے تھے اس کو پہنتے نہیں تھے۔"

[حدیث: ۱۰۳۴] "عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ۔"

(سنن ترمذی ج:۶، ص:۳۵۸، حدیث نمبر: ۱۶۶۲، بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ فِي فَصِّ الْخَاتَمِ)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اس کا نگینہ بھی اسی میں سے تھا۔"

مہر بنانے کی ضرورت

[حدیث: ۱۰۳۵] "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ۔"

(سنن ترمذی ج: ۹، ص: ۳۵۷، حدیث نمبر: ۲۶۴۲، بَابُ مَا جَاءَ فِي خَتْمِ الْكِتَابِ)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا سلاطین عجم کے نام خط لکھنے کا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ عجمی لوگ قبول نہیں کرتے مگر ایسے خط کو جس پر مہر ہو، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر بنوائی گویا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کی سفیدی کی طرف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میں پہنی ہوئی تھی۔“

انگوٹھی کا نقش

[حدیث:۱۰۳۶] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولُ سَطْرٌ وَاللهُ سَطْرٌ۔“

(سنن ترمذی ج:۶، ص:۳۶۷، حدیث نمبر: ۱۶۶۹، بَاب مَا جَاءَ فِي نَقْشِ الْخَاتَمِ)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش تھا (محمد رسول اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک سطر رسول ایک سطر اللہ ایک سطر۔“

تشریح: اس جگہ امام ترمذی نے آٹھ روایتیں ذکر ہیں جن میں سے چار مضامین آئے ہیں:

ایک یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں یوں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور نگینہ بھی اسی میں سے تھا یعنی چاندی ہی کا تھا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اور حضرت انس ہی کی دونوں روایتیں ہیں، ان کو دو طریقوں سے جمع کیا گیا ہے ایک یہ کہ ہوسکتا ہے ایک انگوٹھی اس قسم کی ہو ایک انگوٹھی اس قسم کی ہو، ایک کا نگینہ حبشی ہو حبشی پتھر کا اور دوسری کا نگینہ چاندی کا ہو اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ حبشی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حبشہ ایک ملک کا نام ہے ممکن ہے وہاں کی بنی ہوئی انگوٹھی تھی، یا یہ کہ اس کے بنانے والا حبشی تھا ورنہ نگینہ چاندی ہی کا تھا پتھر کا نہیں تھا۔

ہمارے شیخ مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ دو انگوٹھیاں تھیں ایک کا نگینہ پتھر کا تھا اور دوسری کا چاندی کا۔

دوسرا مضمون یہ آیا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اس کے ساتھ مہر لگانے کا حکم فرماتے تھے لیکن اس کو پہنتے نہیں تھے جبکہ بہت سی احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی پہننا ثابت ہے مذکور ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر کا یہ ارشاد ہے کہ اس کو پہنتے نہیں تھے مطلب یہ ہے

کہ عام معمول پہننے کا نہیں تھا کبھی پہن لیتے تھے کبھی نہیں پہنتے تھے عام معمول نہیں تھا، اصل مقصد مہر لگانا تھا کیونکہ اس کے نگینے پر آپ ﷺ کی مہر کندہ تھی اور یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ دو انگوٹھیاں تھیں ایک انگوٹھی پہنتے تھے اور ایک کو اکثر مہر کے لئے استعمال فرماتے تھے۔

تیسرا مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے شاہان عجم کے نام گرامی نامے تحریر کرنے کا ارادہ فرمایا اسلام کی دعوت کے لئے تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر خط کو قبول نہیں کرتے مستند نہیں سمجھتے جب تک کہ لکھنے والے کی مہر نہ ہو تو اس ضرورت کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی مہر کے طور پر استعمال کرنے کے لئے، حضرت انس فرمارہے ہیں کہ پہلی دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے اس کو پہنا تو گویا اس کو چمکتا ہوا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں یہ واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے، آنحضرت ﷺ نے تبلیغی خطوط تحریر فرمائے تھے ۶ ھ میں ۶، ۷، ۸، ۹ ان سالوں میں گرامی نامے تحریر فرمائے تھے قیصر کے نام بھی، کسریٰ کے نام بھی، شاہ حبشہ کے نام بھی، والی مصر کے نام بھی، یمن کے بادشاہ کے نام بھی اور بھی بہت سے رؤسا امراء کے نام گرامی تحریر فرمائے تھے۔

اور چوتھا مضمون ان احادیث میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کی مہر تین سطروں کی تھی یعنی اس میں **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ** لکھا ہوا تھا، **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ** کے الفاظ کی مہر تھی اور اس کی تین سطریں تھیں، محمد، رسول، اللہ، ایک سطر میں محمد ایک سطر میں رسول ایک سطر میں اللہ، کیونکہ چھوٹی سی انگوٹھی میں **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ** ایک ہی سطر میں نہیں آسکتا تھا اس لئے تین سطروں میں تھا۔

اب اس میں گفتگو ہوئی ہے کہ اس کی شکل کیا تھی؟ پھر بعض اکابر نے کہا کہ نیچے سے اوپر کو جاتی تھی یعنی نیچے کی سطر محمد اس سے اوپر کی سطر میں رسول اور اس کے اوپر کی سطر میں اللہ تو یوں بنا **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ**، اب دیکھنے میں اوپر کی سطر الگ پڑھو تو اللہ درمیان کی سطر پڑھو تو رسول اور نیچے والی سطر پڑھو تو محمد، یہ مشہور قول ہے علماء کا لیکن کسی روایت میں تصریح نہیں آتی اس کی کہ ان الفاظ کی ترتیب کیا تھی صرف اتنا آتا ہے **مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللہِ سَطْرٌ** محمد ایک سطر میں رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں۔

اب اس کے بعد دو مسئلے انگوٹھی کے سلسلے میں معلوم کرنے کے ہیں: ایک یہ کہ انگوٹھی سونے کی چاندی کی یا کسی اور دھات کی، سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے دوسرے زیور پہن سکتے ہیں لیکن انگوٹھی نہیں اور سونے کی انگوٹھی عورتوں کے لئے حلال ہے مردوں کے لئے حرام ہے، صحابہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ باہر تشریف لائے دولت کدہ سے، ایک ہاتھ میں سونے کا ٹکڑا تھا اور ایک ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا تھا، دونوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری اُمّت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں لیکن مردوں کے لئے حرام ہیں، اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے گھر کی

خواتین کے لئے سونے کو پسند نہیں فرمایا اور یہ ابھی ارشاد فرمایا کہ جو عورت دنیا میں سونا نہیں پہنے گی اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں سونا پہنائیں گے، اس کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی بلکہ حوصلہ شکنی فرمائی، اس لئے کہ یہ چیز عام طور پر کبر اور فخر کا باعث بنتی ہے اور کبر اور فخر، تکبر اور فخر ایسی بیماریاں ہیں جو آدمی کو ہلاک کر دیتی ہیں، تاہم عورتوں کی کمزوری کی رعایت رکھتے ہوئے اس کی اجازت دے دی ہے، مردوں کو اس کی اجازت نہیں ہے، مرد کے لئے کسی قسم کا زیور پہننا سونے کا جائز نہیں ہے اور انگوٹھی کی چاندی عورتوں کے لئے جائز ہے بغیر وزن کی قید کے۔ لیکن مردوں کے لئے جائز ہے ساڑھے تین ماشے وزن کی مقدار اس سے زیادہ نہیں، اس سے زیادہ ہوگی تو جائز نہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہوا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ انگوٹھی پہننے کا حکم کیا ہے؟ یہ تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی پہنی تو کیا انگوٹھی پہننا سنّت ہے یا جائز کے درجے میں ہے یا مکروہ ہے؟ اس میں تین اقوال ہیں: بعض اکابر نے انگوٹھی پہننے کو مطلقاً سنّت کہا ہے، سنّت ضروری نہیں مستحب اچھا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاضی کے لئے یعنی سلطان اور حاکم کے لئے چونکہ مہر لگانے کی ضرورت ہے اس لئے ان کا انگوٹھی پہننا تو سنّت اور دوسروں کے لئے مکروہ ہے۔

علماء حنفیہ کی تحقیق یہ ہے کہ انگوٹھی پہننا جائز ہے، نہ سنّت ہے نہ مکروہ ہے، جائز ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہنی اور مکروہ نہیں اس لئے کہ پہننا ثابت ہے اور سنّت اس واسطے نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک ضرورت کے واسطے بنوائی تھی، اگر سنّت ہوتی تو پہلے سے بنواتے وہ تو اس عذر کی بناء پر کہ عجمی بادشاہ کسی کا خط قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر نہ ہو، مہر لگانے کی ضرورت سے آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی اور اگر مطلقاً سنّت ہوتی مردوں کے لئے تو آنحضرت ﷺ زندگی کے کم از کم ۱۸، ۱۹ سال تو اس کے بغیر نہ گزارتے یعنی نبوت کے تیرہ سال مکہ مکرمہ کے اور چھ سال مدینہ آنے کے بعد ۱۹ سال ہوتے ہیں تو نبوت کے ۱۹ سال انگوٹھی کے بغیر گزارے اور آخری دو تین سال آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی استعمال فرمائی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل سنّت یہ نہیں ہے کہ ضرورت کی چیز ہے تاہم چونکہ سنّت سے ثابت ہے حضور ﷺ سے اس کو ہم مکروہ بھی نہیں کہیں گے جائز ہے افضل نہیں ہے، ہمارے اکابر دیوبند کا اسی پر عمل ہے، ہم نے اپنے جتنے اکابر کو دیکھا کوئی شاذ و نادر کسی نے انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو ہو، ورنہ ہم نے کسی کو انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے نعل شریف یعنی جوتے کا بیان

[حدیث: ۱۰۳۷] ”عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ

رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَھُمَا قِبَالَانِ۔" (سنن ترمذی ج: ٦، ص: ۴۰۸، حدیث نمبر: ۱۶۹۴، بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

ترجمہ: "قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا کیسا ہوتا تھا؟ فرمایا کہ اس کے دو تسمے ہوتے تھے۔"

[حدیث: ۱۰۳۸] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّی شِرَاکُھُمَا۔" (الشمائل المحمدیہ للترمذی، ج: ۱، ص: ۸۸، حدیث نمبر: ۷۷، بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ....)

ترجمہ: "ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے دو تسمے تھے اور ان کے تسمے دوہرے تھے۔"

تشریح: حضرت حکیم الاُمّت تھانوی قدس سرہٗ نے زادالسعید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کا نقشہ دیا ہے، ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے بھی یہاں نقشہ دیا ہوا ہے اور میری کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں میں نے پہلے حصے میں ایک مسئلے کے سوال کے جواب میں یہ نقشہ وہاں بھی دیا ہے، حضرت حکیم الاُمّت نے اس نعل شریف کے نقشے کے بہت سے فضائل و برکات ذکر کئے ہیں زادالسعید میں، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے توسط سے دعا قبول ہوتی ہے، زیادہ غلو بھی نہیں کرنا چاہئے۔ بس جیسے تعویذ کے مختلف نقوش ماہرینِ عملیات تجویز کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ہے، بریلوی حضرات کی طرح پیچھے نہیں پڑنا چاہئے کہ بدعت ہی بن جائے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ایک بار میرا بچہ بیمار ہوا اور حالت بڑی نازک سی ہوگئی میں بہت پریشان ہوگیا، مجھے کچھ اور تو نہ سوجھی میرے پاس نعل شریف کا نقشہ موجود تھا، لاکر اس کے سر پر رکھ دیا میں نے اور کہا کہ یا اللہ! اس کی برکت سے تو شفا عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمادی، حضرت فرماتے ہیں کہ پھر بعد میں مجھے خیال ہوا ارے تو پریشان تو ہوگیا لیکن تو نے دعا تو کی نہیں، پہلے دعا کرتا اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا تو یہ کمی رہ گئی، حضرت فرماتے ہیں کہ پھر بعد میں خیال آیا کہ دعا کیا کرتا اس وقت تو میں سراپا دعا بنا ہوا تھا بھائی، اپنے فقر کو اللہ کے سامنے پیش کرنا یہی تو دعا ہے اور کیا دعا ہے، اس وقت تو میں سراپا دعا بنا ہوا تھا، یہ نعل شریف کا نقشہ مل جاتا ہے عام طور سے اس کا فوٹو ملتا ہے۔

بہرحال اس جگہ جتنی احادیث بھی ہیں بیشتر احادیث کا مضمون ایک ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے دو تسمے ہوتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہ تسمے دوہرے ہوتے تھے یعنی دو دو تسمے ہیں جوتے میں اور وہ دوہرے تسمے ہیں یعنی اس میں دو تہیں ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ عرب میں اس وقت آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہندوستان جیسے جوتے استعمال نہیں ہوتے تھے یعنی جس میں پنجہ بند ہوجاتا تھا ایسے جوتے استعمال نہیں ہوتے تھے بلکہ لکڑی کے کھڑاؤ اور چپل قسم کے جوتے استعمال ہوتے تھے اور اس کے دو تسمے ہوتے تھے ایک چھوٹی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی میں ایک تسمہ پھنسا لیتے تھے اور ایک انگوٹھے میں اور اس کے پاس والی میں پھنسا لیتے تھے۔

بالوں کے بغیر کے جوتے

[حدیث: ۱۰۳۹] ”.....أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قُبَالَانِ قَالَ : فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“ (الشمائل المحمدیۃ للترمذی ج: ۱، ص: ۸۹، حدیث نمبر: ۷۸، بَاب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہ....)

ترجمہ: ”عیسیٰ ابن طھمان کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے دکھائے جن پر بال نہیں تھے، ان کے دو تسمے تھے، بعد میں ہمیں حضرت ثابت نے بتایا کہ یہ دونوں حضور ﷺ کے نعل شریف تھے۔“

[حدیث: ۱۰۴۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبَالَانِ۔“ (الشمائل المحمدیۃ للترمذی ج: ۱، ص: ۹۱، حدیث نمبر: ۸۰، بَاب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہ....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نعل شریف کے دو تسمے تھے۔“

تشریح: ان دو حدیثوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جوتے بالوں کے بغیر ہوتے تھے دھوڑی کے ہوتے تھے یعنی رنگا ہوا چمڑا، عرب کے ہاں سادگی ہوتی تھی وہ تکلّفات کے زیادہ قائل نہیں تھے، اسی طرح جانور کا چمڑا لیا بالوں سمیت اور اس کے جوتے بنالیے چپل بنالیے لیکن آنحضرت ﷺ رنگے ہوئے چمڑے کے جس کے بال اُتار دیئے گئے ہوتے اس کے جوتے استعمال فرماتے تھے، حضرت عیسیٰ ابن طھمان کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے دکھائے گھر سے لائے اندر سے نکال کر ان کی زیارت ہمیں کرائی، ان دونوں پر بال نہیں تھے دھوڑی کے تھے اور ان کے دو تسمے تھے، اس وقت تو انہوں نے ہمیں بتایا نہیں بعد میں ان کے شاگرد حضرت ثابت نے ہمیں بتایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ

دونوں جوتے رسول اللہ ﷺ کے تھے، آنحضرت ﷺ کے نعلین شریفین تھے، جن حضرات نے آنحضرت ﷺ کو پہنتے دیکھا وہ بھی خوش قسمت تھے اور جنہوں نے ان نعلین شریفین کی زیارت کرلی وہ بھی خوش قسمت ہیں کہ ہم نے ان کا فوٹو دیکھ لیا۔

دھوڑی کے جوتے

[حدیث: ۱۰۴۱] "...قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَأَيْتُکَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ، وَيَتَوَضَّأُ فِيْهَا ، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا۔" (الشمائل المحمدیة للترمذی ج: ۱، ص: ۹۰، حدیث نمبر: ۷۹، بَاب مَا جَاءَ فِيْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: "عبید بن جریج کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ دھوڑی کے جوتے پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایسے جوتے پہنتے تھے جن میں بال نہیں ہوتے تھے ان میں وضو فرماتے تھے تو میں بھی اسی قسم کا جوتا پہننا چاہتا ہوں۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک شخص نے تین سوالات کئے، یہاں صرف ایک سوال مذکور ہے کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ دوسرے حضرات تو بالوں والے جوتے پہنتے ہیں صحابہ کرام لیکن آپ کو دیکھا کہ آپ تو ہمیشہ دھوڑی کے جوتے پہنتے ہیں یعنی بال صاف کئے ہوئے؟ تو فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے جن پر بال نہیں، اس لئے میں اسی قسم کے جوتوں کو پسند کرتا ہوں، آنحضرت ﷺ انہی میں وضو فرماتے تھے، وضو فرمانا یا تو اس لئے کہ اس میں بے تکلف وضو ہوجاتا ہے جیسے ہمارے یہاں ہوائی چپل ہوتے ہیں لوگ ان سمیت وضو کرلیا کرتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ وضو کرکے آپ نے پہن لئے پاؤں کو سکھایا گیا۔

سلے ہوئے جوتوں میں نماز

[حدیث: ۱۰۴۲] "....حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَتَيْنِ۔"

(الشمائل المحمدیة للترمذی ج: ۱، ص: ۹۲، حدیث نمبر: ۸۱، بَاب مَا جَاءَ فِيْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ...)

ترجمہ: "عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ

گانٹھے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

تشریح: اوراس حدیث میں حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ سلے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھ رہے ہیں، سلے ہوئے جوتوں کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ جوتے کے نیچے جو چپل تھے اس کی دو تہیں تھیں اور وہ سلی ہوئی تھیں یعنی ایک تہہ کی نہیں تھیں بلکہ دو تہہ کی تھیں دو تہیں سلی ہوئی تھیں اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ گانٹھے ہوئے تھے یعنی ٹوٹ گئے ہوں گے بعد میں سلائی ان کی گئی ہوگی۔

دوسرا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے اس میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آنحضرت ﷺ ان جوتوں میں نماز پڑھا کرتے تھے چونکہ جیسے میں نے کہا کھلے جوتے ہیں پاؤں کا پنجہ لگ جاتا ہے نیچے زمین پر بھی لگ جاتا ہے اور اس کا موڑنا بھی آسان ہوتا ہے اور پھر عرب کا علاقہ خشک ہوتا تھا نجاست لگنے کا احتمال نہیں تھا اور مسجد کچی ہوتی تھی، عرفاً جوتے لانا بھی وہاں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، جیسے مسجد تعمیر ہو رہی ہوتی ہے، آگے فرش پر جہاں صفیں ہوتی ہیں وہاں تک لے آتے ہیں لوگ جوتے، وہاں تو صفیں بھی نہیں ہوتی تھیں، مسجد نبوی میں تو کچھ بچھا ہوا بھی نہیں تھا، ایسے خالی فرش ہے کنکریوں کا فرش ہے، بخلاف ہمارے کہ ایک تو ہماری مسجدیں بہترین سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا ہے، ان پر جوتے لانا عرفاً بے ادبی ہے یہ تو پھر شکر ہے کہ ہم اس میں احاطے میں لے آتے ہیں، ہمارے ملتان میں خواجہ بہاؤ الدین کے مزار پر آپ جوتے لے کر اندر احاطے میں بھی نہیں جاسکتے، وہیں اُتروا لیتے ہیں اور یہی حال داتا گنج بخش کے مزار پر ہے، یہ غلو ہے لوگوں کا مزارات کے ساتھ، اتنا غلو کرتے ہیں کہ اتنی تعظیم مساجد کی نہیں کرتے، جوتا لے جانا ہی سوء ادب سمجھتے ہیں دربار میں لے جانا، ہم تو مسجدوں میں لے جاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ہمارے جوتے بند ہوتے ہیں اور پھر ہمارے ہاں نجاست سے بچاؤ کا ایسا اہتمام نہیں ہوسکتا، اس لئے اس زمانے میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا اور مسجد میں آنا یہ خلاف ادب ہے، پاک بھی ہوں تب بھی، البتہ جائز ہے جوتے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کرو وہ جوتے پہن کر نماز نہیں پڑھتے تھے جوتے پہن کر نماز پڑھا کرو، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ بذل المجہود شرح سنن ابی داود میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کا شعار تھا جوتے اُتار کر نماز پڑھنا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ (طٰہ:۱۲) موسیٰ جوتے اُتار دو تم وادی مقدس طویٰ میں

ہو، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوتے اُتروا دیئے تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہے، یہودیوں نے اس سنّت کو مضبوط پکڑ لیا اپنے نبی کی سنّت کو، وہ جوتوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے، تو حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں میں کہتا ہوں کہ نصرانیوں کا شعار ہے جوتوں سمیت عبادت کرنا تو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مخالفت کی تھی کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اس طرح ہمارے زمانے کے نصرانیوں کی مخالفت کا تقاضہ یہ ہے کہ جوتے اُتار کر نماز پڑھی جائے کیونکہ یہود و نصاریٰ دونوں کی مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

جوتا پہننے اور اتانے کے آداب

[حدیث:۱۰۴۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،...... لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعاً أَوْ لِيَحْفُهُمَا جَمِيْعاً۔“ (الشمائل المحمدیة للترمذی ج: ۱، ص: ۹۳، حدیث نمبر: ۸۲، بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کسی کو ایک جوتے میں نہیں چلنا چاہیے دونوں کو پہن لے یا دونوں اُتار دے۔“

[حدیث:۱۰۴۴] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يَّأْكُلَ يَعْنِي الرَّجُلَ بِشِمَالِهِ أَوْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ۔“ (الشمائل المحمدیة للترمذی ج: ۱، ص: ۹۴، حدیث نمبر: ۸۳، بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس بات سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتے میں چلے۔“

[حدیث:۱۰۴۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، ...... إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْيَمِيْنُ أَوَّلُهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ۔“ (الشمائل المحمدیة للترمذی ج: ۱، ص: ۹۵، حدیث نمبر: ۸۴، بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اُتارے تو پہلے بائیں پاؤں کا اُتارے تاکہ دائیں پاؤں میں پہلے پہنا جائے اور دائیں پاؤں سے آخر میں اُتارا جائے۔“

[حدیث:۱۰۴۶] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ تَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ وَطَهُوْرِهِ۔" (الشمائل المحمدیۃ للترمذی ج:۱،ص:۹۶،حدیث نمبر:۸۵،بَاب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو جہاں تک ممکن ہو سکے پسند فرماتے تھے، بالوں کے کنگھا کرنے میں بھی جوتا پہننے میں بھی وضو کرنے میں بھی۔"

تشریح: پہلی دو حدیثوں میں ایک ہی مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتا پہن کر نہ چلا کرو یا دونوں پہنو یا دونوں اتارو اور دوسری حدیث میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے پیئے، بعض علماء نے کہا کہ یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، ایک جوتے میں چلنا یا دونوں پہنو یا پھر ننگے پاؤں چلو لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے، اور یہ ممانعت شفقت کی بناء پر ہے، اس لئے کہ ایک جوتا پہنا ہوا اور ایک جوتا نہ پہنے تو توازن صحیح نہیں رہتا چلنے میں تو یہ نہی (ممانعت) شفقت کے طور پر ہے، دوسرے یہ کہ بے ڈھنگ بھی معلوم ہوتا ہے۔

تیسری حدیث میں ایک یہ بتایا ہے کہ جوتا پہنو تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنو اور اُتارو تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارو تا کہ دائیں پاؤں میں پہلے پہنا جائے اور بعد میں اُتارا جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جوتا زینت کی چیز ہے تو دایاں پاؤں زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس میں پہلے پہنا جائے اور بعد میں نکالا جائے۔

چوتھی حدیث میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا تھا دائیں طرف سے شروع کرنے کا اہتمام فرماتے تھے سر میں کنگھا کرتے ہوئے بھی داڑھی میں کنگھا کرتے ہوئے بھی اور جوتا پہنتے ہوئے بھی اور وضو کرتے ہوئے بھی۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھی دو تسمے والے جوتے تھے

[حدیث:۱۰۴۷] "عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبَالَانِ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَّاحِدًا عُثْمَانُ"۔

(الشمائل المحمدیۃ للترمذی ج:۱، ص:۹۷، حدیث نمبر:۸۶، بَاب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ....)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے دو تسمے تھے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھی، سب سے پہلے جس شخص نے ایک تسمہ پہنا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔"

تشریح: اس آخری حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کے جوتوں کے تسمے دو دو ہوتے تھے، جیسا کہ ابھی بیان کیا میں نے ایک تسمے والا جوتا سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہنا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو تسمے والا جوتا پہننا عام طور پر اس وقت کی عادت کے طور پر تھا سنن عادیہ میں سے تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہ انہوں نے دوسری طرز بھی جاری کردی ورنہ کم سے کم وہی سنّت ہوتا اگر حضرات خلفائے راشدین بھی اسی پر عمل کرتے، تو دوسری وضع کا جوتا پہننا جیسے ہم بند جوتے پہنتے ہیں یا اور طرح کے جوتے یہ گو جائز ہوتا لیکن سنّت تو وہی ہوتا لیکن جب خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسری طرز کو ایجاد فرمادیا تو اب سنیت میں دونوں پہلو آ گئے یعنی وہ بھی سنّت ہے یہ بھی سنّت ہے۔

خط وکتابت کے لئے مہر کی ضرورت

[حدیث:۱۰۴۸] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيلَ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهُ فِضَّةً وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ۔“ (صحيح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۷۱، حديث نمبر: ۳۹۰۴، باب فِي اتِّخَاذِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا لَمَّا أَرَادَ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس والا نامے بھیجنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ عجم کے بادشاہ اس وقت تک خط وصول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر موجود نہ ہو، اس ضرورت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ کے الفاظ کندہ تھے (یعنی آپ کی مہر تھی مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ)۔

تشریح: میں نے ان تین خطوط کا تذکرہ کیا تھا، پہلا خط جو کسریٰ کے نام لکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرا ہرقل شاہ روم کے نام، قیصر کہتے تھے رومیوں کے بادشاہ کو، میں نے بتایا تھا کہ ابوسفیان اس وقت ملک شام گئے ہوئے تھے، بادشاہ نے ان کو بلا بھیجا اور ابوسفیان کو آگے بٹھایا ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس شخص سے ان صاحب کے بارے میں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں سوالات کرنا چاہتا ہوں، اگر یہ کسی جگہ غلط بیانی سے کام لے تو تم ٹوک دینا، اس نے چند سوالات کئے، ایک یہ کہ ان صاحب کا نسب کیسا ہے؟ اونچے نسب کے ہیں یا گھٹیا خاندان کے ہیں؟ ابوسفیان

نے کہا کہ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ وہ ہم میں بڑے عالی نسب ہیں، پھر پوچھا کہ ان کے بڑوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا کبھی؟ کہا نہیں، پوچھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے کبھی تم نے ان سے جھوٹی باتیں سنیں کوئی غلط بیانی کبھی اس نے کی ہے؟ کہا نہیں، کہا کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑے بڑے لوگ ہیں یا غریب و مسکین قسمکے لوگ پسماندہ طبقے کے لوگ ہیں؟ یعنی ایک نچلے قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن کو معاشرے میں وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، تو اس نے پوچھا: معاشرتی طور پر کون لوگ ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کمزور طبقے کے لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں، بڑے بڑے چودھری نہیں ہیں۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ ان کے متبعین کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ کہا کہ بڑھ رہی ہے، چھٹا سوال یہ تھا کہ جو لوگ اس کی پیروی کر لیتے ہیں کیا ان میں سے کسی شخص نے اس کے دین کو اس سے نفرت کرتے ہوئے بھی چھوڑا ہے کہ یار یہ بڑا غلط مذہب ہے جی، کہا کہ نہیں ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا، بہت اچھا، ساتواں سوال یہ کہ کبھی تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے؟ کہا کہ جی ہوتی رہتی ہے، آٹھواں سوال یہ تھا کہ پھر اس جنگ کا نتیجہ کیسا رہا؟ کہا کہ وہ ڈول ہے کبھی وہ کھینچ لیتے ہیں کبھی ہم کھینچ لیتے ہیں، کبھی وہ غالب آجاتے ہیں کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔

نواں سوال یہ تھا کہ کیا اس نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے عہد شکنی؟ کہا کہ جی نہیں عہد شکنی تو کبھی نہیں کہ آج تک تو نہیں کی، کہا کہ آج کل ان کا اور ہمارا معاہدہ چل رہا ہے دیکھئے پورا کرتے ہیں یا نہیں کرتے، ابوسفیان کہتے تھے کہ اللہ کی قسم مجھے جھوٹ بولنے کا صرف اتنا ہی موقع ملا اور میں نے بول دیا، حالانکہ مجھے یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ بدعہدی نہیں کریں گے اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آخر میں پوچھا جب اس نے کہا کہ دیکھئے عہد پورا کرتے ہیں یا نہیں تو ہرقل نے کہا کہ تمہیں اندیشہ کیوں ہے کہ وہ عہد پورا کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں؟ اس پر پکڑا گیا، ابوسفیان نے کہا کہ جی اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارا ان کا معاہدہ ہوا تھا اور اس معاہدے میں کچھ لوگ ان کی طرف سے شریک ہو گئے کچھ قبائل اور کچھ ہماری طرف سے شامل ہو گئے، اب ہماری طرف کے آدمیوں نے ان کی طرف کے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، اس لئے ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ عہد شکنی کرے گا، ہرقل نے کہا کہ بدعہدی تو تم نے کی پھر، وہ معاہدہ تو تم نے ختم کر دیا، تم نسبت ان کی طرف کرتے ہو، جب تم خود تسلیم کرتے ہو کہ تمہارے معاہدے میں شامل تھے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اور ان کے معاہدے میں شامل تھے وہ آدمی جن کا آدمی قتل ہوا، اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے بدعہدی کی معاہدہ توڑ ڈالا، اس پر ابوسفیان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا ایک جھوٹ بولا تھا لیکن اس میں پکڑا گیا۔

دسواں سوال یہ تھا کہ کیا تمہارے علاقے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ جی ہم نبی اور نبوت کو جانتے ہی نہیں، کبھی نہیں کیا کسی نے، نبی کیا ہوتا ہے نبوت کیا ہوتی ہے ہم اس سے آشنا ہی نہیں ہیں۔

یہ تھے سوال و جواب، اب اس میں ایک ایک سوال پر ہرقل نے تبصرہ کیا، تبصرے سے پہلے میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی علامتیں بے شمار تھیں، آپ کے نبی برحق ہونے پر نشانیاں بے شمار تھیں، جس طرف کسی کی نظر اٹھتی تھی اور جس فن کا کوئی شخص ماہر ہوتا تھا وہ اسی جہت سے آنحضرت ﷺ کی صداقت کو معلوم کر لیتا تھا، میں نے ایک دفعہ اس کی مثال دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کی مثال اس محبوب کی ہے جس کا پورا سراپا حسین ہو، اب کسی نے اس کی آنکھوں کی تعریف شروع کر دی کہ بڑی حسین آنکھیں ہیں سبحان اللہ، کیا بات ہے! کسی نے اس کے بلند بینی کی، ناک کے اونچا ہونے کی صفت کر دی، یہ بڑا حسین ہے ایسی ناک سبحان اللہ! کسی نے کانوں اور اس کے دائرے اور حلقے کی تعریف کرنا شروع کر دی، کسی نے اس کے چہرے کی گولائی کو بیان کرنا شروع کر دیا، کسی نے اس کی رنگت کو بیان کرنا شروع کر دیا، کسی نے اس کے دانتوں کی صفت کی بیان کر دی، ان میں سے ہر ایک چیز مستقل ایک حسن رکھتی ہے، آنحضرت ﷺ کے جس پہلو کو دیکھا جائے وہ سراپا اعجاز نبوت ہے، جہاں جہاں کسی کی نظر پہنچے۔

ایک عرب کا پہلوان آیا کہنے لگا حضور میں تو جب نبی سمجھوں کہ کشتی کریں میرے ساتھ، فرمایا ٹھیک ہے چلو کشتی کی، سو آدمی مل کر اس کی پیٹھ لگانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، آنحضرت ﷺ نے منٹ ہی نہیں لگنے دیا کہ چت تھا، کہنے لگا جی اصل میں داؤ نہیں چلا میرا، پھر سے فرمایا ٹھیک ہے پھر چت، کہنے لگا جی ایک مرتبہ پھر آپ نے کہا ٹھیک، پھر چت، کہنے لگا **أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ** لیجئے اس کے لئے کشتی کا راستہ دلیل نبوت تھا، یہ بیچارہ اتنا ہی جانتا تھا، جس آدمی کی سو آدمی مل کر پیٹھ نہ لگا سکیں انہوں نے اشارہ تک نہیں کیا کہ وہ چت تھا، معلوم ہوا کہ یہ نبی ہیں، نبی کی قوت ہے یہ انسانی عام قوت نہیں ہے معجزانہ قوت ہے۔

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں، اس وقت مجھے ان کے بارے میں نہیں ذکر کرنا، میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ ہرقل پہلی آسمانی کتابوں کا ماہر تھا اس نے پوری کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور وہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے باخبر تھا کہ نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے، کہتے ہیں کہ کچھ اس زمانے کے علم نجوم سے بھی واقف تھا یعنی وہ اچھا خاصا عالم تھا، اس لئے اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات سے مطابقت کرنے کے لئے کہ اس شخص کے حالات نبی کریم ﷺ کے آیا پہلے انبیاء کرام سے ملتے ہیں یا نہیں؟ اس نے یہ سوالات کئے، اس کے بعد پھر ہر سوال کے بارے میں تبصرہ کیا۔

پہلا سوال یہ تھا کہ یہ مدعی نبوت نسب کے اعتبار سے کیسا ہے؟ تم نے کہا کہ بڑا عالی نسب ہے، **وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا** (بخاری ۱۴ / ۲۲، ۱۸۸ء) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم میں ہمیشہ اعلیٰ ترین نسب کے ہوتے ہیں، ورنہ مرزائی پہلے نمبر پر چت۔

غلام احمد قادیانی پہلے نمبر پر چت، یہاں کسی کے نسب پر تحقیر کا مطلب نہیں ہے، یہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ عجمیوں کے جتنے نسب ہیں سب برابر ہیں، یہاں بڑا چھوٹا کوئی نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کا عالی خاندان اس کے مقابلے میں پھر دوسرا خاندان کون ہوسکتا ہے؟ اور یہی بات کہی تھی شمسی نے، میں نے سنایا تھا کہ ملتان میں جلسہ تھا ختم نبوت کا، ۷۴ء کی تحریک میں شمسی نے جوش خطابت میں کہا، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اسٹیج پر بیٹھے تھے کرسی صدارت پر، شمسی تقریر کررہا تھا شیعہ، اس نے تقریر کی اور کہا کہ ایک بات تو یہ کہی کہ قادیانیوں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو حضرت ابوبکر صدیق نے مسیلمہ کذاب کے ساتھ کیا تھا، اس نے برملا کہا جلسے میں اور پھر غلام احمد کو کہا کہ تو نے نبوّت کا دعویٰ کیا، ذرا آئینے میں اپنی شکل تو دیکھ لی ہوتی، دعویٔ نبوّت کرنے سے پہلے منہ تو دیکھ لیا ہوتا، حضرت کی طرف اشارہ کرکے کہا یہ سیّد (بنوری) جس کا چہرہ چمکتے ہوئے سورج جیسا ہے یہ نبوّت کا دعویٰ کرتا تو ایک بات تھی، اس کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت نے ارشاد فرمایا اُٹھ کر کہ شمسی صاحب نے جوش خطابت میں غلط بات کہہ دی، اس کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ یہ سیّد محمد یوسف بنوری اگر نبوّت کا دعویٰ کرتا ہم اس کو بھی قتل کردیتے، اس لئے کہ خاتم النّبیین کے بعد رسول اور نبی کیسا؟

دوسرا سوال یہ کیا تھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ گزرے ہیں؟ تم نے کہا نہیں ہم میں یہاں بادشاہی نظام ہی نہیں ہے عرب میں، میں نے کہا کہ اگر اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص دعویٔ نبوّت کے ذریعے لوگوں کو اپنا معتقد بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اپنے باپ دادا کی گدی لینا چاہتا ہے اور غلام احمد اس بات کو بڑے فخر سے بیان کرتا ہے کہ میرے جو پردادا تھے فلانے تھے ان کے پاس اتنی بڑی ریاست تھی اور اس کے بعد پھر سکھوں کے زمانے میں پھر انگریزوں کے زمانے میں ہماری ریاست چھن گئی گویا خود نفی کررہا ہے نبوّت کی۔

تیسرے نمبر پر میں نے تم سے یہ پوچھا کہ دعویٔ نبوّت سے پہلے ان صاحب نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے؟ تم نے کہا کہ کبھی زندگی میں اس نے جھوٹ نہیں بولا، اس نے کہا کہ میری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ ایک شخص مدت العمر کبھی مخلوق کے سامنے جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ اور یہاں کام ہی جھوٹ سے چلتا ہے، میرا ایک رسالہ ''سر ظفر اللہ خان کو دعوت اسلام'' کے نام سے ہے، اس میں مَیں نے غلام احمد کے تیس جھوٹ نقل کئے ہیں اور اس کو چیلنج کیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو بھی غلط ثابت کردو تو بات ہے، ایک ذمے دار آدمی کو چیلنج کیا ہے اور تیس جھوٹ بھی یوں نقل کئے کہ دس جھوٹ اللہ تعالیٰ پر، دس جھوٹ نبی کریم ﷺ پر، دس جھوٹ عیسیٰ علیہ السلام پر غلام احمد نے جھوٹ بولے، ان میں سے ایک عبارت میں نے یہ نقل کی تھی کہ انبیائے گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر کردی ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آئے گا اور یہ کہ وہ پنجاب میں آئے گا، پنجاب میں ہوگا، میں نے کہا ایک حدیث کسی نبی کی پیش کرو، ایک لاکھ چوبیس

ہزار نبیوں کا نام لے کر اتنا بڑا جھوٹ بولا ہے اور پھر میں نے یہ کہا کہ چودھویں صدی میں شاید یہ جھوٹ کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے کہ ایک فقرے میں اتنا بڑا جھوٹ، ظفر اللہ اس کا جواب نہیں دے سکا اور نہ کوئی قادیانی دے سکتا ہے۔

میں نے تم سے پانچویں نمبر پر پوچھا تھا کہ اس کے پیروی کرنے والوں میں اشراف ہیں یا ضعفا ہیں یا پسماندہ طبقے کے لوگ ہیں؟ تم نے کہا پسماندہ طبقے کے لوگ ہیں، صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ ہرقل نے کہا **وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ** رسولوں کی اطاعت کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں اور غلام احمد بڑے فخر یہ انداز میں کہتا ہے کہ میرے تابعین میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بڑے بڑے مفکرین، بڑے بڑے سیٹھ اور بڑے بڑے سرکاری افسران ہیں۔

چھٹے نمبر پر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تم نے کہا تھا کہ بڑھ رہی ہے، ہرقل نے کہا کہ انبیاء کرام کی جماعت کی تعداد اسی طرح بڑھا کرتی ہے۔

ساتویں نمبر پر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا ان میں سے کوئی شخص محمد (ﷺ) کے دین سے بددل ہو کر کبھی مرتد ہوا ہے؟ تم نے کہا نہیں، ہرقل نے کہا **وَ كَذٰلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بَشَاشَةَ الْقُلُوبِ** کہ جب ایمان دلوں کے اندر رچ بس جاتا ہے تو پھر نکلتا نہیں ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ جو پیچھے مڑ جاتے ہیں نا وہ راستے ہی سے مُڑ جاتے ہیں مرتد ہو جاتے ہیں، ان کے دل میں ایمان اُترا ہی نہیں ہے، ایمان دل میں اُتر جائے تو پھر نہیں نکلتا، ممکن ہی نہیں ہے نکلنا، جان جا سکتی ہے دل سے ایمان نہیں نکل سکتا۔

آٹھویں نمبر پر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تمہاری اور اس کی کبھی لڑائی بھی ہوئی ہے؟ تم نے کہا کہ ہاں ہوئی ہے اور میں نے پوچھا کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ تم نے کہا کہ کبھی وہ جیتتے ہیں کبھی ہم جیتتے ہیں، **فَتَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُ سِجَالًا يَنَالُ مِنْكُمْ وَ تَنَالُونَ مِنْهُ** لڑائی ہمارے درمیان ڈول کی مانند ہے کبھی وہ کھینچ لے جاتا ہے کبھی ہم کھینچ لے جاتے ہیں، ہرقل نے اس پر کہا کہ **وَ كَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ** انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی طرح قوموں کے ساتھ ٹکرایا جاتا ہے مبتلا کیا جاتا ہے لیکن آخر کار غلبہ ان کا ہوتا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا اس نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں، کہا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔

میں نے پوچھا تھا کہ کیا تمہارے علاقے میں کبھی کسی نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے؟ تم نے کہا کہ ہم نبی اور نبوّت کو ویسے نہیں جانتے، میں نے کہا کہ اگر کسی نے پہلے نبوّت کا دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ یہ بھی اس کی

ریس کر رہا ہے اور جب تم کہتے ہو کہ نبی اور نبوّت کو جانتا ہی نہیں، کبھی کسی نے عرب میں نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا جب سے عرب کی آبادی قائم ہوئی ہے تو پھر کیسے سمجھ لیا جائے کہ اس نے نبوّت کا تخیل کسی سے چرایا ہوگا؟

یہ ہرقل کے سوال وجواب پر تبصرہ ہوا ہے، گویا ہر سوال اور اس کا جواب آنحضرت ﷺ کی نبوّت پر مستقل دلیل ہے، اس کے بعد اس نے ابوسفیان سے مخاطب ہوکر کہا کہ تم نے ان صاحب کے بارے میں جو معلومات دی ہیں اگر سچ کہتے ہو تو یہ شخص میرے ان قدموں کی جگہ کا مالک ہوکر رہے گا جہاں میں بیٹھا ہوں اس کا مالک ہوکر بیٹھا ہوں اور یہ بھی کہا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں وہاں تک پہنچ سکتا ہوں تو میں ضرور پہنچتا۔

رُوم اس وقت کا امریکہ، شاہِ رُوم کو صدر امریکہ کہنا چاہئے، وہ کہہ رہا ہے کہ کاش کہ میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا تو میں ان کے پاؤں دھوکر پیتا، اس کے بعد ابوسفیان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا خط مبارک پڑھا گیا دربار لگا ہوا تھا تو اس نے یعنی ہرقل نے تقریر کی اور کہا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا تھا اور یہ ان صاحب کا خط آیا ہے، میرا پکا یقین یہ ہے کہ یہ شخص نبی آخرالزمان ہیں تو کیوں نہ ہم سب کے سب لوگ مسلمان ہوجائیں؟ یہ سننا تھا کہ پادریوں نے شور مچانا شروع کردیا اور ہرقل کا دربار مچھلی بازار بن گیا، اب اس نے چالاکی کی اور کہا کہ بندگانِ خدا تم کر کیا رہے ہو؟ بپھر گئے لوگ، کہا کہ میں نے تو تمہیں یہ دیکھنا چاہا کہ تم اپنے مذہب میں کتنے پختہ ہو؟ میں تمہاری پختگی دیکھنا چاہتا تھا، اب لوگ ٹھنڈے ہوگئے، اس لئے حقانیت معلوم ہوجانے کے باوجود بھی یہ شخص مسلمان نہیں ہوئے تاہم اس نے نامہ مبارک کو بہت ادب سے رکھا، ایک نفیس قیمتی صندوقچہ بنایا اس میں آنحضرت ﷺ کا یہ تبرک رکھا اور یہ خط نسلاً بعد نسلٍ اس کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہرقل نے اپنا ملک محفوظ کرلیا اور کسریٰ بے وقوف نے اپنے ملک کو پارہ پارہ کردیا، ہمارے خط کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ اپنے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔

تیسرا خط آنحضرت ﷺ نے نجاشی کے نام لکھا تھا، یہ لفظ عام طور پر اُردو دان لوگ غلط پڑھتے ہیں نجّاشی پڑھا کرتے ہیں، جیم مشدّد نہیں ہے نجاشی جیسا کہ ہرقل کو لوگ غلط پڑھتے ہیں، ہِرَقْل ہے (''ہ'' کے زیر اور ''ر'' کے زبر کے ساتھ، ''ق'' اور ''ل'' کے سکون کے ساتھ) ہَرقَل یا ہِرقَل نہیں ہے، بہرکیف حبشے کا وہ بادشاہ جس کے پاس مسلمان ہجرت کرکے گئے تھے وہ تو مسلمان ہوگیا تھا اور ان کے پاس بھی آنحضرت ﷺ کا کرامت نامہ پہنچا تھا اور اس نے سر آنکھوں پر رکھا بہت ہی ادب اور تعظیم بجالایا اور اس کا جواب لکھا کہ یارسول اللہ! میں مسلمان ہوگیا ہوں، میں پہلے سے مسلمان ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں حضور کی خدمت میں پہنچنے سے قاصر ہوں، پھر اس نے اپنے بیٹے کو اور ان کے ساتھ ۷۰ آدمیوں کو بھیجا آنحضرت ﷺ کی

بارگاہ میں حاضری اور آپ کی قدم بوسی کے لئے لیکن بدقسمتی یہ کہ وہ کشتی اُلٹ گئی سب غرق ہو کر شہید ہو گئے، اس کے بعد ذی مخبر اس کا بھتیجا تھا اس کو بھیجا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اور وہ رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے اور کئی سال تک آپ کے خادم رہے۔

دوسرا خط اس کے فوت ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے دوسرے نجاشی کو لکھا، نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے تھے اس میں بھی اسلام کی دعوت تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ صاحب مسلمان ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے اسلام لائے ہیں یا نہیں لائے۔

خط وکتابت کے لئے مہر کی ضرورت

[حدیث: ۱۰۴۹] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ، فَقِيلَ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهُ فِضَّةٌ وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ۔“

(صحيح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۷۱، حديث نمبر: ۳۹۰۴، بَاب فِي اتِّخَاذِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا لَمَّا أَرَادَ....)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس والا نامے بھیجنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ عجم کے بادشاہ اس وقت تک خط وصول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر موجود نہ ہو، اس ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی جس میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ کے الفاظ کندہ تھے (یعنی آپ کی مہر تھی مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ)۔“

بیت الخلاء میں جاتے وقت انگوٹھی کا اُتار دینا

[حدیث: ۱۰۵۰] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ۔“

(سنن ترمذی ج: ۶ ص: ۳۶۵، حدیث نمبر: ۱۶۶۸، باب مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِينِ)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تھے تو انگشتری اُتار دیتے تھے۔“

[حدیث: ۱۰۵۱] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَماً مِنْ وَرِقٍ فَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ وَيَدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ

عُثْمَانَ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ بِئْرِ أَرِيْسَ نَقْشُهٗ: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔"

(الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۱۰۵، حديث نمبر: ۹۴، بَاب مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللهِ.....)

ترجمہ: "ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی وہ آپ کے ہاتھ مبارک میں رہا کرتی تھی پھر حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی یہاں تک کہ بئر اریس میں گرگئی اس کا نقش تھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔"

تشریح: پہلی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے نام والے نامے تحریر فرمائے تو عرض کیا گیا کہ عجم کے بادشاہ خط کو قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کے اوپر مہر نہ ہو، چنانچہ اس ضرورت کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی اور اس میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اپنے نام مبارک کی مہر بنوائی نقش اس میں کروایا، کسریٰ قیصر اور نجاشی، کسریٰ کہتے تھے ایران کے بادشاہ کو یہ لوگ اس وقت مجوسی ہوتے تھے عام طور سے اور قیصر کہتے تھے رومیوں کے بادشاہ کو، یہ عیسائی ہوتے تھے اور نجاشی کہتے تھے حبشہ کے بادشاہ کو، حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی طرف بھیجا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ مدائن اس کا سرحدی شہر ہے اس کے گورنر کو دے دو اور وہ بادشاہ کے پاس پہنچا دے گا، چنانچہ مدائن کے حاکم کو انہوں نے خط پہنچا دیا اور اس نے کسریٰ کو پہنچا دیا، اس بدبخت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ اور حضرت دحیہ کو دحیہ کلبی جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے ان کو خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا، قیصر اس وقت بیت المقدس آیا ہوا تھا سفر میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ گرامی کا بہت احترام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع پہنچی تو ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور قیصر نے اپنا ملک بچا لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حرف بحرف صادق آیا، نامہ گرامی چاک کرنے کے بعد اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا اور اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ مجھے قتل کر دے گا تو اس نے اپنی دوائیوں کے خزانے میں ایک نہایت تیز قسم کا زہر ایک شیشی میں رکھا اور اس پر لکھ دیا قوت باہ کی دوائی، اس کے لڑکے نے جب وہ خزانہ کھولا تو اس پر یہ لکھا ہوا پایا، وہ کھولا اس نے کھایا تو وہ بھی مر گیا حتی کہ کوئی اس کے خاندان میں نہ رہا، تو ایک لڑکی کو بادشاہ بنا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع پہنچی تو ارشاد فرمایا: لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَوْا أَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنی ذمام حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی، کسریٰ کے نام جو والا نامہ لکھا تھا اس کا متن یہ تھا۔

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ

فَارِسِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَدْعُوْکَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ فَإِنِّيْ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَی النَّاسِ کَافَّةً لِأُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکَافِرِيْنَ فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِنَّ إِثْمَ الْمَجُوْسِ عَلَيْکَ۔" (دلائل النبوۃ لأبی نعیم الأصبھانی ج: ۱، ص: ۲۷۹، حدیث نمبر: ۲۳۵، الفصل السابع عشر و مماظھر....)

ترجمہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ محمد اللہ کے رسول کی جانب سے کسریٰ شاہ فارس کے نام، سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ایسے شخص کو سلامتی ہو، میں تجھ کو اللہ کی طرف سے دعوت دیتا ہوں اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام انسانوں کی طرف اور یہ رسول اس لئے بھیجا گیا ہے تا کہ ڈرائے اس شخص کو جو زندہ ہو اور تا کہ بات ثابت ہو جائے کافروں پر، تو اسلام لے آ بچ جائے گا اور اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تجھ پر مجوسیوں کے گناہ کا وبال ہوگا۔

یہ زرقانی سے نقل کیا ہے شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے باقی قیصر کے نام یعنی شاہ روم کے نام جو نامہ کرامت آنحضرت ﷺ نے تحریر فرمایا تھا اس کا متن صحیح بخاری میں موجود ہے اس میں لکھا تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ إِلٰی هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوکَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِکَ اللّٰهُ أَجْرَکَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْکَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ وَ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴿٦٤﴾﴾۔" (صحیح بخاری ج: ۱۰، ص: ۹۳، حدیث نمبر: ۲۷۲۳، بَاب دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ إِلَى ....)

ترجمہ: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ محمد ﷺ کی جانب سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل حاکمِ روم کی طرف سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ بچ جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے گا دوہرا لیکن اگر تم منہ پھیر لو تو تمہارے ذمے ہوگا ان تمام کاشتکاروں کا

گناہ جو تمہاری رعایا کے لوگ ہیں، اس کے بعد یہ آیت کریمہ درج فرمائی: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں ﴿وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور ہم ایک دوسرے کو خدا نہ بنائیں اللہ کو چھوڑ کر ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ٦٤) اس کے باوجود اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو اے مسلمانو! تم کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"

جیسا کہ میں نے کہا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے یہ گرامی نامہ بیت المقدس میں پہنچایا تھا، وہ اپنے مرکز سے یہاں آیا ہوا تھا سفر کر کے کسی کام سے آیا ہوا تھا حاکم روم ہرقل، جب یہ گرامی نامہ پہنچا اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو قیصر کا بھتیجا نہایت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ یہ خط مجھے دے دو، چچا نے کہا کہ تم کیا کرو گے؟ یعنی قیصر نے کہا کہ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگا کہ اس شخص نے آپ کی گستاخی کی، کہ اپنا نام سب سے پہلے لکھا ہے اور آپ کا نام بعد میں لکھا ہے، عربوں کے یہاں دستور تھا اس وقت یعنی اس زمانے کا رواج تھا کہ خط کے شروع ہی میں مکتوب الیہ کا نام بھی لکھتے تھے، آج کل تو نیچے دستخط کرتے ہیں لیکن اس زمانے میں مکتوب الیہ کا نام بھی لکھتے تھے اور خط کے بھیجنے والے کا نام بھی لکھتے تھے لیکن فرق یہ ہوتا تھا کہ اگر بڑا چھوٹے کو لکھتا ہے تو مکتوب الیہ کا نام پہلے اور اپنا بعد میں لکھتا تھا، جیسے درخواست دیتے ہوئے لکھتے ہیں بحضور فلاں صاحب بہادر دانا اقبال روم از طرف فلاں اور اگر بڑا آدمی لکھتا تھا چھوٹے کو تو اپنا نام پہلے لکھتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھتا تھا، تو اس نے کہا کہ اس نے آپ کی ایک تو بے ادبی اور گستاخی یہ کی ہے کہ اپنا نام پہلے لکھا: مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ، دوسری گستاخی اس نے یہ کی ہے کہ آپ کو شاہ روم لکھنے کے بجائے عَظِيْمِ الرُّوْمِ، لکھا یعنی رومیوں کا بڑا آدمی یہ لکھا ملک روم نہیں لکھا تو ہرقل نے کہا کہ تو تو بے وقوف آدمی ہے، بھائی بات یہ ہے کہ جس کے پاس ناموسِ اکبر یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہوں وہ نبی ہے، تو اب اگر یہ نبی ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو ان کو اپنا پہلے لکھنا چاہئے میرا بعد میں لکھنا چاہئے عقلی بات ہے، اس نے جو خط لکھا ہے بحیثیت نبی کے لکھا ہے اور یہ نبی ہے تو تم ہی بتاؤ کہ اس کو نام اپنا پہلے لکھنا چاہئے یا میرا نام پہلے لکھنا چاہیے اور دوسری بات یہ کہ اس نے عَظِيْمِ الرُّوْمِ، لکھا ہے رومیوں کا بڑا آدمی، مجھے تو اس نے رومیوں کا بڑا آدمی کہا ہے بڑا بادشاہ ہی ہوتا ہے اور کون ہوتا ہے پاگل۔

اس کے بعد حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بن کر گئے تھے ان کو نہایت اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا جیسا کہ کسی شاہی سفیر کو ٹھہرایا جاتا ہے ایسے ٹھہرایا، اصل قصہ یہ ہے کہ وہ خط دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ نبی کا خط

ہے، آپ ﷺ نبی برحق ہیں کیونکہ وہ نہ صرف یہ کہ نصرانی تھا بلکہ اہلِ کتاب کا عالم تھا، گزشتہ کتابوں کا عالم تھا باقاعدہ، چنانچہ اس کو جب یہ گرامی نامہ پہنچا تو بیت المقدس کے سب سے بڑے پادری کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے اس خط کے بارے میں؟ کہنے لگے کہ جی مجھے تو کچھ ایسا لگتا ہے کہ وہ نبی آخرالزمان جو آنے والے تھے وہ ہی ہیں، کہنے لگے میری بھی یہی رائے ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں یہ بات پیش کروں قوم کے سامنے تو لوگ تو نہیں مانیں گے اور میری سلطنت جاتی رہے گی، بغاوت کریں گے سارے لوگ۔

اس کے بعد وہ قصہ پیش آیا جو صحیح بخاری میں پیش کیا گیا ہے کہ ہرقل نے یعنی شاہ روم نے حکم دیا کہ یہاں دیکھو اس علاقے کے کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہوں گے، اس کے شہر کے لوگ آئے ہوئے ہوں گے جن صاحب کی طرف سے یہ خط آیا ہوا ہے ان سے ذرا حالات کی تحقیق کریں، اتفاق سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو مکے کے چودھری، سب سے بڑے آدمی اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے حریف، وہ وہاں گئے ہوئے تھے، ان کے چند رُفقاء بھی گئے ہوئے تھے، بادشاہ نے ان کو بلا بھیجا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سامنے بٹھا دیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا، بادشاہ نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان صاحب کو کہو یعنی ابوسفیان کو: تُو مکے کا رہنے والا ہے؟ کہنے لگے: ہاں! کہنے لگا: وہ تمہارے درمیان میں کوئی مدعیٔ نبوّت بھی ہے؟ کوئی نبوّت کا دعویٰ بھی کرتا ہے؟ کہنے لگے: جی ہاں! تو پوچھا کہ تم میں نسب کے اعتبار سے اس کا سب سے زیادہ قریبی کون ہے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں! یہ چوتھے دادا میں جا کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل جاتے ہیں، اصل میں ابوسفیان ابن حرب ابن امی ابن عبدشمس بن عبدمناف۔ اور آنحضرت ﷺ محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبدمناف، تو عبدمناف میں جا کر کے دونوں مل جاتے ہیں ابوسفیان اور آنحضرت ﷺ چوتھی پشت میں، تو سب سے زیادہ قریب یہی تھے نسب کے اعتبار سے۔

اس کے بعد وہ بات ہوئی کہ مجھے آگے بٹھا دیا اور میرے ساتھیوں کو پیچھے بٹھا دیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ میں ان مدعیٔ نبوّت کے بارے میں ان صاحب سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں، ان سے کہو کہ مجھے اس کے جوابات صحیح صحیح بتائیں اور ساتھ ہی ان کے ساتھی جو پیچھے بیٹھے ہیں ان سے کہہ دیا کہ اگر یہ کسی جگہ غلط بیانی کریں تو اس کو ٹوک دیں، لقمہ دے دیں، اب یہ گویا لٹکتی ہوئی تلوار ان کے سر پر تھی ابوسفیان کے اور یہ گیارہ سوال تھے جو صحیح بخاری میں ہیں یہاں شیخ مولانا زکریا نوراللہ مرقدہٗ نے بھی نقل کئے ہیں۔

گنڈا پہنانے کی ممانعت

[حدیث:۱۰۵۲] ”.....أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ.....، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا أَنْ لَا يَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا

قُطِعَتْ۔" (صحیح بخاری ج:۱۰، ص: ۱۹۰، حدیث نمبر: ۲۷۸۳، بَاب مَا قِيلَ فِي الْجَرَسِ وَنَحْوِهِ فِي أَعْنَاقِ الْإِبِلِ)

ترجمہ: "حضرت ابوبشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باقی نہ رہے کسی اونٹ کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کوئی اور گنڈا مگر اس کو کاٹ ڈالا جائے۔"

تشریح: اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ اونٹوں کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کسی اور چیز کا رکھا جائے، کانت یعنی چمڑا کاٹ کر کے اس کو جانوروں کے گلے میں پہناتے تھے اور کبھی کبھی آگے کے گنڈے پہناتے تھے اور کسی اور قسم کا گنڈا پہنانا دو طرح سے ہوتا تھا کبھی تو اس لئے کہ اس میں بجنے والے گھنگھرو ڈال دیتے تھے، جب اونٹ چلتا تھا اپنی گردن ہلاتا تھا تو اس کی آواز آتی تھی تو اس آواز کی وجہ سے وہ مست ہوتا تھا اور کبھی وہ نظر اُتارنے کے لئے نظر دور کرنے کیلئے ان کو قلادے پہناتے تھے گانیاں پہناتے تھے، تو یہ تین قسم کے قلادے ہوتے تھے:

ایک تانت کا یعنی چمڑے کا اس کو باریک کاٹ دیا جاتا تھا دھاگے کی طرح وہ پہناتے تھے، علماء فرماتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ تو یہ ہے کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ جانور چرتے ہوئے کسی درخت کے ساتھ وہ اٹک جائے اور جانور جب کھینچے گا تو چونکہ وہ بہت تیز ہوتا ہے اس لئے جانور کے گردن کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے، بڑی آسانی کے ساتھ وہ کاٹ دیتا ہے، جہاں تک ایسے قلادے کا جس میں کہ گھنٹیاں ہوں گھنگھرو ہوں اس کی ممانعت اس لئے فرمائی گئی کہ اس کو مِزْمَارُ الشَّيْطٰنِ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے قافلے میں کوئی ایسا جانور نہ رہے جس میں گھنٹی ہو کیونکہ جس قافلے میں کسی جانور کے گلے میں گھنٹی ہوتی ہے بجنے والا گھنگھرو ہوتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور تیسری قسم کے گنڈے جو نظر بد کے لئے ڈالے جاتے ہیں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فلاں رنگ کا اگر پہنایا جائے تو نظر نہیں لگتی جیسے کہ اس زمانے میں بھی بہت سے بدعقیدہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، تم نے پٹھانوں کی بسوں کو دیکھا ہوگا پیچھے کالے کپڑے لٹک رہے ہوتے ہیں یہ جہالت ہے، کپڑا نظر بد کو دور نہیں کرتا نہ وہ اللہ کی تقدیر کو ٹالتا ہے اور بعض جاہل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بلا کالے رنگ کی ہوتی ہے اگر کوئی بلا آئے گی تو رنگ پر عاشق ہو کر کے اس پر پڑے گی ہمارا ٹرک محفوظ رہے گا، تو یہ جاہلیت کے عقائد تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پامال کیا اور ان کی ممانعت فرمائی۔

جاندار کو نشانہ نہ بنانا چاہیے

[حدیث:۱۰۵۳] "عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ......، لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا۔" (صحیح مسلم ج:۱۰، ص:۱۲۵، حدیث نمبر:۳۶۱۷، بَاب النَّهْيِ عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔''

تشریح: اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ، جاہل لوگوں میں بڑی گندی گندی رسمیں تھیں ان میں سے ایک یہ کہ زندہ جانور کی چکی جیسے دنبے کی چکی ہوتی ہے پیچھے اس کو کاٹ لیتے تھے اور کاٹ کے پکاتے تھے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اب جانور کو کتنی تکلیف ہوتی تھی اور وہ جانور کو اسی طرح چھوڑ دیتے تھے اس کو فرمایا کہ یہ مردار ہے اور ایک یہ کہ لہو ولعب کے لئے کھیل تماشے کے طور پر جانور کو باندھ دیتے تھے اور اس کو تیروں کا نشانہ بناتے تھے ایسے بے رحم لوگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ نہ صرف یہ کہ جانور بلکہ کوئی بھی چیز جو روح والی ہو اس کو تختۂ مشق نہیں بنانا چاہئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا یوں کہئے کہ دین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین نے تمام چیزوں کے حقوق محفوظ کئے ہیں حتی کہ جانوروں کے بھی حقوق محفوظ کئے ہیں اور اس کے بارے میں بھی ہدایتیں عطا فرمائی ہیں، چنانچہ ایک حدیث شریف ارشاد فرمایا کہ جانور کی پشت کو ممبر نہ بنایا کرو یعنی جانور پر بیٹھے ہوئے ہیں باتیں کررہے ہیں، اب جانور بوجھ کے نیچے ہے تین من کی لاش کے نیچے ہے اور بیٹھے ہوئے باتیں کررہے ہیں اس کو احساس ہی نہیں ہے، اگر بات کرنی ہو اور بات لمبی ہو تو جانور کی پشت سے نیچے اُتر آؤ، اگر دو تین منٹ کی بات ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر چلتے بات کرلی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن لمبی بات کرنے کی اجازت نہیں جانور کے اوپر اوپر تاکہ بلاوجہ جانور بوجھ کے نیچے نہ دبے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منی میں اور عرفات میں خطبہ ناقہ پر دیا تھا اس پر اشکال کیا جائے گا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو اس کے خلاف ہوا پھر اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ کی پشت پر خطبہ دینا کیونکہ مجمع بہت زیادہ تھا اب اتنا تمہارے ہاں جلسے ہوتے ہیں، لوگ ہزاروں روپے اسٹیج پر خرچ کردیتے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی بناء پر ایسا کیا اور دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ سے اونٹ کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ خوشی ہوتی تھی اس ناقہ کے لئے صد جائے مسرت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پشت پر تشریف فرما ہوں اور وعظ ونصیحت کے لئے اس کی پشت کو ممبر بنایا جائے، اس کے لئے تو یہ سعادت ہی سعادت تھی جیسا کہ منیٰ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ ذبح فرمارہے تھے تو سات ناقائیں آگے بڑھ رہی تھیں **بِأَيِّ أَن يَبۡدَأَ** کہ کس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء فرماتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا کہ سفر میں جانور کو لے جاؤ تو اسے تھکا کر کے نہ چھوڑو بلکہ **اِرۡکَبُوۡهَا صَالِحَةً**

وَ اتْرُ کُوْ هَا صَالِحَةً جب اس میں صلاحیت ہو تازہ دم ہو اس وقت اس پر سواری کرو اور ابھی اس کی صلاحیت باقی ہے جانور آگے بھی چل سکتا ہے لیکن اس کو چھوڑ دو، یہ نہیں کہ اس کے خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر کے اس کو چھوڑ و اور اس حدیث شریف میں فرمایا اِتَّقُوا اللهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرا کرو یہ بے زبان ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے اور اونٹ کا قصہ تو بہت ہی مشہور ہے جو آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں شاکی ہوا تھا۔

آپ ﷺ سفر میں تھے ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا، اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا، ارشاد فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ ایک شخص آیا کہا کہ میرا اونٹ ہے، فرمایا کہ تم میرے پاس اس کو بیچ سکتے ہو؟ کہا کہ یا رسول اللہ! ایک ہی گھر میں اونٹ ہے اور باہر سے دور دور سے پانی لانا ہوتا ہے فرمایا مجھے ہدیہ کر دو بیچتے نہیں ہو، کہا کہ یا رسول اللہ! ہدیہ تو کر دیتے لیکن یہی عذر ہے، فرمایا کہ تمہارے اونٹ کی تو ہمیں ضرورت نہیں ہے لیکن یہ شکایت کر رہا ہے کہ چارہ کم دیتے ہیں اور کام زیادہ لیتے ہیں ایسا نہ کیا کرو، اس نے کہا کہ آئندہ نہیں ہوگا اور اس طرح یہ ہدایت فرمائی کہ جب کبھی ارزاں سالی میں بارشیں ہوں اور ماشاء اللہ ہر جگہ سبزہ ہے سفر کرو تو راستے میں جانور کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو ان کو چراتے ہوئے جایا کرو اور اگر خشک سالی ہو راستے میں سبزہ نہیں تو ذرا جلدی تیزی سے سفر کر لیا کرو تا کہ جانور کو تم وقت پر چارہ وغیرہ دے سکو، مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کی نہیں بلکہ جانوروں تک کی رعایت فرمائی ہے، ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

اور آج کی بے وقوف عورتوں کو بتا دیا گیا ہے کہ مرد لوگ تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا پارلیمنٹ میں عورتوں کی نشستیں ہونی چاہئیں اب کتنی ہونی چاہئیں بھائی؟ بے نظیر ہو یا نواز شریف یا کوئی اور ایرا غیرا ہو میں پوچھنا چاہتا ہوں کتنی نشستیں دے دو گے عورتوں کو ۲۰ دے دیں گے جی، تف، کھلا، تمہاری اسمبلی اگر ۲۵۰ کی یا ۳۰۰ کی ہے تو ڈیڑھ سو نشستیں عورتوں کو دو میں دیکھتا ہوں کیسی اسمبلی چلتی ہے؟ یہ تمہارے مردوں نے جیسے چلائی ہوئی ہے، بھائی نصف انسانیت ہے آدھے ووٹ مردوں کے ہیں آدھے عورتوں کے تو لازم ہے کہ عورتوں پر عورتیں ہوں اور مردوں پر مرد ہوں، دنیا کی کسی اسمبلی میں یہ قانون ہے پھر ہمیں سبز باغ کیوں دکھاتے ہو، ان بیچاری ناقصات العقل کو کیوں دھوکہ دیتے ہو؟ اگر تم عورتوں کے حقوق کا علم اُٹھا رہے ہو تو آؤ ذرا ہمیں انصاف کر کے دو امریکہ کی پارلیمنٹ میں برطانیہ کی یا کسی اور ترقی یافتہ ملک کی پارلیمنٹ میں یہ مثال موجود ہے کہ آدھی سیٹیں عورتوں کی ہوں اور آدھی عورتوں کی ہوں، کہتے نہیں پوری دنیا میں نہیں یہ حقوق نسواں کے علمبردار ہیں ان سے پوچھو کہ یہ بے انصافی کیوں کی؟ اور یہ ڈھائی سو مردوں کے مقابلے میں دس بیس عورتیں اسمبلی میں چلی بھی جائیں تو سوائے اس کے کہ وہ اپنا ہار سنگھار مردوں کو دکھائیں

اور کیا فائدہ دیں گی؟ محض دھوکہ ہے ابلیس نے دیا ہے ان کو اور یہ ناقصات العقل والدین رسول اللہ ﷺ نے تو ان کو فرمایا ہی تھا یہ دھوکے میں آگئیں بیچاری کہ مرد ہمارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا عورتوں کو نشستیں دو نمائندگی دو، میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور ائمہ دین ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کی؟ معلوم ہوا کہ یہ خیال ہی غلط ہے اور پھر میں کہتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ عورت یا ماں ہوتی ہے یا بیٹی ہوتی ہے یا بہن ہوتی ہے یا بیوی ہوتی ہے یہ چار مقدس رشتے ہیں، کیا شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا، بیٹا اپنی ماں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا اور کیا بھائی سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ بہن کے حقوق کا تحفظ کرے گا اور کیا باپ سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنی بیٹی کے حقوق کا تحفظ کرے گا؟ وہ تو آبرو کے محافظ ہیں ان کے تم حقوق کی بات کرتے ہو، کچھ تو شرم کرو مرد تو تمہاری آبرو کا محافظ ہے خواہ باپ کی شکل میں ہو بیٹے کی شکل میں ہو بھائی کی شکل میں ہو یا شوہر کی شکل میں ہو، تمہیں کس نے کہہ دیا کہ مرد تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ صرف ابلیس نے پھونک ماری اور کچھ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کھیل دیکھنا عید کے موقع پر

[حدیث:۱۰۵۴] ”عَنْ عَائِشَةَ.........، وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ......، دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ (قَالَهُ لِسُوْدَانَ)..........“

(صحیح بخاری ج:۴، ص:۶، حدیث نمبر:۸۹۷، بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيدِ)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا لو اپنی ڈھالیں اور برچھیاں اے اَرفِدہ کی اولاد! یہ بات آنحضرت ﷺ نے عید کے دن حبشیوں سے فرمائی تھی جو کہ ڈھالوں کے ساتھ اور برچھیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر فرمایا ہے کہ عید کا دن تھا اور آنحضرت ﷺ کی مجلس میں اور آپ ﷺ کی مسجد میں حبشی لوگ اپنے کرتب دکھا رہے تھے کھیل کے یعنی برچھیاں بھالے اور ان کا توڑ کرنا گتکا کھیلنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم بھی کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا ضرور، میں نے آنحضرت ﷺ کے شانے پر اپنا منہ رکھ دیا اور اس طرح پردہ کر کے ان کو دیکھتی رہی، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ **دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ** اے ارفدہ کی اولاد! اپنے بھالے اور برچھیوں کو لو یعنی اپنے کھیل کے اوزار لو اور اپنا کھیل دکھاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری عمر اس وقت زیادہ نہیں تھی اتنی کم عمر کی لڑکی کھیل کو دیکھنے کی کتنی شوقین ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے لیکن

آنحضرت ﷺ مجھے برابر وہ کھیل دکھاتے رہے یہاں تک کہ میں نے کہا بس۔

اس حدیث سے ایک تو بات معلوم ہوگئی کہ یہ کھیل آنحضرت ﷺ نے حبشیوں سے عید کے دن کروایا تھا وہ چھٹی کا دن تھا اور مسجد کے صحن میں کروایا تھا چونکہ ان کا یہ کھیل حقیقت میں کھیل نہیں تھا بلکہ جہاد کی تیاری تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ اس کی ترغیب دی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گھوڑ دوڑ کروائی اونٹوں کی دوڑ کروائی، حضرات صحابہ فرماتے ہیں کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک آنحضرت ﷺ نے مسافت مقرر کی تھی گھوڑ دوڑ کے لئے اور فلاں جگہ تک اونٹوں کی دوڑ کے لئے آپ ﷺ نے مسافت مقرر کی تھی اور فرمایا تھا کہ دیکھئے کون آگے نکلتا ہے کیونکہ یہ سب کا سب جہاد کی تیاری کے لئے تھا، اس زمانے میں جو کھیل کھیلے جاتے ہیں وہ بے مقصد ہیں فضول اور لہو ولعب لایعنی ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل اللہ کی خاطر تھا اور اللہ کے لئے تھا۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوگئی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک کم عمر لڑکی کھیل کی کتنی شوقین ہوسکتی ہے اس کا خود ہی اندازہ کرلو لیکن آنحضرت ﷺ نے جب تک کہ میں نے بس نہیں کہا آپ ﷺ نے اس وقت تک نہیں کہا کہ بس کرو چھوڑ دو، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ امہات المومنین کی اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کتنی رعایت فرماتے تھے اور آپ ﷺ امہات المومنین کے حق میں کتنے نرم تھے۔

سونے کی انگوٹھی پہننے پر حضور ﷺ کی ناراضگی

[حدیث: ۱۰۵۵] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ.....، يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلٰى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ: لَا وَاللهِ لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۶۲، حدیث نمبر: ۳۸۹۷، بَاب تَحْرِيمِ خَاتَمِ الذَّهَبِ عَلَى الرِّجَالِ وَنَسْخِ مَا كَانَ.)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے ایک آدمی قصد کرتا ہے آگ کے انگارے کا پس اس کو ڈال دیتا ہے اپنے ہاتھ میں، یہ بات آپ ﷺ نے فرمائی تھی اس وقت جبکہ ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی دیکھی، پس آنحضرت ﷺ نے اس کو اُتارا اور اس کو پھینک دیا، پس اس صاحب سے کسی نے کہا جبکہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے کہ اپنی انگوٹھی اُٹھالے اس کے ساتھ نفع اُٹھا، وہ کہنے لگے نہیں اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی نہیں لوں گا جبکہ اس کو

رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا۔"

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے ایک صاحب آپ کی خدمت میں آئے انہوں نے انگوٹھی پہنی ہوئی تھی سونے کی، آپ ﷺ نے ان صاحب کی انگوٹھی اُتروائی یا خود اُتاری اور پھر غصے کے لہجے میں فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی قصد کرتا ہے کہ آگ کا انگارہ اپنے ہاتھ میں پہن لے، یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ نے اس کو دور پھینک دیا، اس کے بعد کچھ دیر مجلس رہی آنحضرت ﷺ گھر تشریف لے گئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا ہے اس لئے کہ تم نے انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تم اس کو کسی خاتون کو پہنا دیتے یا ویسے ہی بیچ دیتے اب اُٹھالو، وہ صاحب کہنے لگے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا اس کو میں نہیں اُٹھا سکتا۔

اس حدیث پاک سے چند باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی شدت اور سختی سے بات کہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی ان باتوں پر ناراض نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ہمارے فائدے کے لئے کہہ رہے ہیں، اب ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آدمی کو میٹھی بات ہی کہنی چاہئے کڑوی بات نہیں کہنی چاہئے حالانکہ کڑوی بات کہنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حلوہ بیچتا تھا اور ساتھ ہوکا لگاتا تھا کہ کسی کو شفاء کی ضرورت ہو تو دواء استعمال کرے، بیچ رہا ہے حلوہ اور ہوکا لگا رہا ہے دواء، کا اگر تمہیں شفا چاہئے تو حلوے کے ساتھ کام نہیں چلے گا میٹھی چیز کے ساتھ کام نہیں چلے گا کبھی کڑوی چیز کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، تم کہتے ہو کہ ڈاکٹر بڑے بے رحم ہیں پیٹ پھاڑ دیتے ہیں آپریشن کرکے عجیب بات یہ ہے کہ فیس بھی دیتے ہو کیونکہ بیماری کی شفاء اس میں ہے، تو ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی یہ رنگ بھی استعمال فرماتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو منع نہیں فرمایا کہ تمہیں یہ انگوٹھی نہیں پہننی چاہئے بُری بات ہے، ہم تو زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں ملّا لوگ، ایک صاحب کو میں نے کہا کہ یہ نہیں پہننا چاہئے تو وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں تو یہ بڑا ضروری ہے اس لئے کہ کبھی آدمی سفر میں ہوتا ہے اور جیب میں پیسے نہیں ہوتے تو آدمی اس کو بیچ سکتا ہے حالانکہ میرے خیال میں ساری عمر بھی کسی کو ضرورت پیش نہیں آئی ہوگی الا ماشاء اللہ لیکن حجت کے لئے یہ بات بنادی اس نے اور شیطان نے اس کو القاء کر دی، تو آنحضرت ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ پہنو نہیں بھائی گھر میں کسی خاتون کو دے دو یا اپنے کسی اور کام میں لے آؤ لیکن آپ ﷺ نے تلخ لہجہ اختیار کیا، حالانکہ کبھی ایسا بھی کیا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک ریشمی کپڑا آپ ﷺ کے پاس آیا تھا حضرت عمر کو دے دیا انہوں نے پہن لیا آپ ﷺ نے نہایت ناگواری کا اظہار فرمایا، وہ کہنے لگے کہ حضور آپ ہی نے تو دیا تھا فرمایا: میں نے اس لئے تھوڑی دیا تھا کہ پہن لے گھر

میں کسی خاتون کو پہنا دیتے۔

تیسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان حضرات کا برتاؤ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے حالانکہ لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم اُٹھا لو اس چیز کو قیمتی چیز ہے سونے کی چیز ہے کسی دوسرے کو پہنا دینا گھر میں عورتوں کو پہنا دینا، وہ کہنے لگے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا اس کو میں نہیں اُٹھا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خود سے ختنہ کرنا

[حدیث:۱۰۵۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، اِخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَام وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً بِالْقَدُّومِ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۱۴۴، حدیث نمبر: ۳۱۰۷، بَاب قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی {وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا} وَقَوْلِهِ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کیا اسّی سال کی عمر میں۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا تھا اور لفظ آتا ہے قَدُّوم کا، قدوم کے معنی میں نے کیا ہے کہ قدوم ایک جگہ کا نام ہے کہ حضرت نے وہاں اپنا ختنہ خود کیا تھا اور بعض حضرات نے قدوم کے معنی کیا ہے کلہاڑا یعنی حضرت نے اپنا خود ختنہ خود کیا تھا کلہاڑے کے ساتھ، بہرحال یہ صحیحین کی حدیث ہے یہ جو ترجمہ کیا کہ کلہاڑے کے ساتھ کیا تھا یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ قدوم ایک جگہ کا نام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ وہاں کیا اور اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے سنّت جاری کی ہے ختنے کی، بعض انبیاء کرام کی خصوصیت ہے کہ ان کو اس کی ضرورت پیش نہیں آتی قدرتی طور پر ان کا پہلے سے یہ حصہ کٹا ہوا ہوتا ہے۔

بلّی کو ستانے پر عذاب

[حدیث:۱۰۵۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، عُذِّبَتْ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ لَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَسْقِهَا وَلَمْ تَتْرُكْهَا تَأْكُلُ مِنْ خِشَاشِ الْأَرْضِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱۱، ص: ۳۰۲، حدیث نمبر: ۴۱۶۱، بَاب تَحْرِيمِ قَتْلِ الْهِرَّةِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عورت کو عذاب دیا گیا ایک بلّی کے بارے میں، اس نے اس کو باندھ رکھا تھا نہ اس کو کھلاتی نہ پلاتی تھی نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے جانور کھا لیتی۔“

تشریح: یہ حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کہ ایک عورت کو عذاب دیا گیا ایک بلّی کی وجہ

سے جس نے بلّی کو باندھ رکھا تھا نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی چیزیں کھا کر اپنا گزارہ کر لیتی اور نہ اس کو روٹی کھلاتی تھی یہاں تک کہ بلّی مرگئی، ایک بلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو عذاب دیا بمقابلہ اس کے ایک فاحشہ عورت کو ایک کتّے کو پانی پلانے کی وجہ سے بخش دیا تھا، عورت جارہی تھی اس نے پانی پیا تو کتّا بھی پہنچ گیا وہ بھی چاہتا تھا کہ پانی ملے، لیکن اس کے پاس کوئی ڈول نہیں تھا تو اس نے اپنے سر کا دوپٹہ اُتارا اور اس میں اپنے جوتے کو باندھا گویا ڈول اور رسی بن گئے، اور اس نے اس کے ساتھ پانی کھینچا اور کتّے کو پلایا، فاحشہ عورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے اس کی بخشش فرمادی۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ انسان تو انسان ہیں کسی جانور کو بھی اگر ایذا پہنچائی جائے تو یہ ناجائز ہے، اس کا بھی محاسبہ ہوگا اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں تو ایک فاحشہ عورت کے اس عمل کی وجہ سے بخشش فرمادیتے ہیں۔

تھوکنے کے آداب

[حدیث:۱۰۵۸] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ......، عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔“ (صحیح مسلم ج: ۳، ص:۱۶۹، حدیث نمبر:۸۵۹، بَاب النَّهْيِ عَنْ الْبُصَاقِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت کے اعمال میرے سامنے پیش کئے گئے نیک بھی اور بد بھی، پس میں نے اپنی اُمّت کے نیک اعمال میں سے پایا اس تکلیف دہ چیز کو جو راستے سے ہٹادی جائے اور میں نے اپنی اُمّت کے بُرے اعمال میں سے پایا اس بلغم کو جو مسجد میں چھینک دی جائے اور زمین میں دفن نہ کی جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری اُمّت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے اعمال بھی بُرے اعمال بھی، اچھے اعمال میں میں نے وہ تکلیف دہ چیز دیکھی جس کو راستے سے ہٹادیا جائے، مطلب یہ کہ ہم راستے پر چل رہے ہیں کوئی چیز تکلیف دہ کانٹا ہے کوئی جھاڑی ہے کوئی اور چیز جس سے آدمی ٹھوکر کھا سکتا ہے، جس کی بصارت کمزور ہو وہ پھسل سکتا ہے، کیلے کا چھلکا ہے غرضیکہ ایسی چیز جو تکلیف دہ ہو اس کو بھی میں نے اپنی اُمّت کے اعمال میں پایا کہ وہ نیک اعمال میں لکھے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی ایسے عمل پر بھی آدمی کی بخشش فرمادے اور بُرے اعمال کو میں نے دیکھا، اس وقت

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد کچی تھی تو کسی شخص نے حلق سے بلغم نکالی اور ویسے پھینک دی اس کو بھی بُرے اعمال میں شمار کیا گیا، فرمایا کہ اس کو پھینک دیا گیا اور دفن نہیں کیا دفن کر دیتے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو قبلہ کی دیوار کی طرف کسی نے بلغم پھینکی ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ نے کھجور کی شاخ منگوائی اس کے ساتھ اس کو کھر چا اس کے بعد اس کو صاف کیا اور پھر مسجد کو دھونی دی، ہمارے یہاں تو مسجدیں پکی ہیں یہاں گنجائش نہیں کہ بلغم پھینک دی جائے، دریاں بھی بچھی ہوئی ہیں قالین بچھی ہوئی ہیں لیکن میرے بھائی دیوار قبلہ کی طرف پھینکتے ہیں یا ادھر سے کھڑکیوں کی طرف سے پھینک دیتے ہیں، بھائی یہ آدمیوں کی ضرورتیں ہیں تکلیف ہوجاتی ہیں، آپ کے پاس ٹوٹیاں موجود ہیں تھوکنے کے لئے وہاں جائیں یا کسی کے جیب میں کوئی کپڑا ہو اس سے صاف کرلے، بہر حال جس چیز کو دیکھ کر لوگوں کو نفرت اور کراہت ہوتی ہے، آپ غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے کتنی نفرت اور کراہت آتی ہوگی؟ تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اُمّت کے بُرے اعمال کو دیکھا، بُرے اعمال میں وہ بلغم بھی ہے جو پھینک دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔

اَبْوَابُ الطِّبِّ

علاج معالجہ اور طب کے آداب

''طب'' کہتے ہیں علاج معالجے کو، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک علاج معالجہ دواؤں کے ذریعے، اور دُوسرے دُعاؤں کے ساتھ۔ یہ دونوں قسمیں احادیث سے منقول ہیں، دُوسری قسم کو ''جھاڑ پھونک'' یا عام زبان میں ''دَم دُرود'' کہا جاتا ہے۔

اور دُوسری قسم معالجے کی ''نفس کا علاج معالجہ'' ہے، یعنی نفسانی اَمراض کا علاج، اور یہی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اصل موضوع ہے۔ مگر آج کل عوام دوا دارو کو ''جسمانی علاج'' کہتے ہیں، اور دَم دُرود یا تعویذات کے ذریعے جو علاج کیا جاتا ہے، اس کو ''رُوحانی علاج'' کہتے ہیں، یہ بالکل غلط اِصطلاح ہے۔ جیسا کہ میں اُوپر بتاچکا ہوں، جسمانی بیماریوں کا علاج خواہ دوا دارو سے کیا جائے، تعویذ گنڈوں سے کیا جائے، جھاڑ پھونک سے کیا جائے، یا کسی اور ذریعے سے کیا جائے، یہ ''جسمانی علاج'' ہی کہلاتا ہے، اس کو ''رُوحانی علاج'' نہیں کہہ سکتے۔

بیماری میں پرہیز کرنے کا بیان

[حدیث:۱۰۵۹] ''عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٍ قَالَتْ: فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَمَعَهُ عَلِيٌّ يَأْكُلُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مَهْ مَهْ يَا عَلِيُّ! فَإِنَّکَ نَاقِهٌ۔ قَالَ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، قَالَتْ:

فَجَعَلْتُ لَهُمْ سَلْقًا وَشَعِيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ! مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ فَإِنَّهٗ أَوْفَقُ لَكَ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۴ "بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِمْيَةِ")

ترجمہ: "حضرت اُمِّ منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی تھے، اور ہمارے یہاں کھجور کے کچھ خوشے لٹک رہے تھے (جن میں کچھ پختہ کھجوریں ہوتی ہیں، کچھ نیم پختہ، تاکہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق تناول کرے)۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کھانے لگے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی! اس کے کھانے سے باز رہو، کیونکہ تم بیماری سے اُٹھے ہو۔ (یعنی تمہاری طبیعت میں ابھی بھی نقاہت ہے) حضرت اُمِّ منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے رہے۔ فرماتی ہیں: پھر میں نے ان کے لئے چقندر اور جو ملا کر پکائے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! اس میں سے کھاؤ! یہ تمہارے زیادہ موافق ہے۔"

تشریح: "پرہیز" جس کو عربی میں "حِمْيَة" کہتے ہیں، خصوصاً بیمار کے لئے بہت ضروری چیز ہے، اس پرہیز کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز بیمار کے مزاج کے موافق نہ ہو، یا جس سے بیمار کی بیماری کے عود کر آنے کا اندیشہ ہو، اس سے پرہیز کیا جائے۔ پرہیز، جیسا کہ مشہور ہے، سو دواؤں کی ایک دوا ہے، اور یہ علاج معالجے کا اصل الاُصول ہے، اگر آدمی ان تمام چیزوں سے بچتا رہے، جو صحت کے لئے نقصان دہ ہیں، اور مزاج کو فاسد کرنے والی ہیں، تو اِن شاء اللہ وہ بڑی حد تک بیماریوں سے بچا رہے گا۔

[حدیث:۱۰۶۰] "عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا، كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۴، ۲۵)

ترجمہ: "حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ بن نعمان سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دُنیا سے اس طرح بچاتے ہیں، جس طرح کہ تم میں سے ایک آدمی اپنے بیمار کو پانی سے بچایا کرتا ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُنیا میں تنگی اور ترشی پیش آنا یہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو دُنیا میں تکالیف پیش آتی ہیں، اور بعض اوقات تو اتنی

تکالیف پیش آتی ہیں، اور دُنیا کی اتنی تنگی ان کو لاحق ہوتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ان پر ترس آنے لگتا ہے، بخلاف اس کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں، ان کو بظاہر دُنیا کی راحت اور کشائش نصیب ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾ (الزخرف)

ترجمہ: ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے، تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ہم ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے، اور زینے بھی جن پر چڑھا کرتے، اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی، اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں صرف دُنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے، اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جس طرح تم میں سے ایک آدمی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو دُنیا سے بچاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض امراض میں پانی مضر ہوتا ہے اور مریض کو اس سے بچانا ضروری ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ”حِمْيَة“ یعنی پرہیز، علاج معالجے کا اصل الاُصول ہے، اس لئے مسلمانوں کو پرہیز کا بطورِ خاص اہتمام کرنا چاہئے، واللہ اعلم!

دوا کا بیان اور اس کی ترغیب

[حدیث: ۱۰۶۱] ”عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ: قَالَتِ الْأَعْرَابُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَلَا نَتَدَاوٰى؟ قَالَ: نَعَمْ! يَا عِبَادَ اللهِ تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً -أَوْ قَالَ: دَوَاءً- إِلَّا دَاءً وَاحِدًا، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا هُوَ؟ قَالَ: الْهَرَمُ!۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۵ ”بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ“)

ترجمہ: ”حضرت اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اَعراب یعنی دیہاتیوں

نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم علاج معالجہ نہ کیا کریں؟ فرمایا: ہاں ضرور کیا کرو! اے اللہ کے بندو! علاج معالجہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی کوئی بیماری، مگر اس کے لئے شفا رکھی ہے۔ یا فرمایا: دوا رکھی ہے۔ سوائے ایک بیماری کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: بڑھاپا!''

تشریح: مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی پیدا کی ہے، اس کے لئے دوا بھی پیدا کی ہے، مگر ایک بیماری ایسی ہے کہ اس کا علاج نہیں، یعنی بڑھاپے کی بیماری۔ اور بعض روایات میں اس کی جگہ ''موت'' کا لفظ آیا ہے، کیونکہ بڑھاپے کا انجام بالآخر موت ہے، اس لئے بعض احادیث میں بڑھاپے کو اور بعض احادیث میں موت کو ذکر کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوا اور علاج معالجہ کرنا مستحب ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ یقین رکھا جائے کہ دوا بھی مؤثر اور کارگر اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اللہ کا حکم ہو، بغیر اِذنِ اِلٰہی کے مؤثر نہیں ہوتی۔ اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علاج معالجہ قضا و قدر کے منافی نہیں، بلکہ وہ قضا و قدر کے ماتحت ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں علاج مؤثر ہوجاتا ہے، اور جب نہیں چاہتے تو ہزار تدبیریں کرو، علاج مؤثر نہیں ہوتا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ: ''فلاں آدمی کا صحیح علاج نہیں کیا گیا، اس لئے وہ مرگیا'' یہ بیہودہ بات ہے، اگر اس کی صحت اور زندگی مقدّر ہوتی، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اسباب بھی پیدا فرمادیتے۔

بیمار کو کیسی خوراک دی جائے؟

[حدیث:۱۰۶۲] ''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوَعَكُ أَمَرَ بِالْحِسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ، وَكَانَ يَقُوْلُ: إِنَّهُ لَيَرْتُوْ فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَيَسْرُوْ عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْا إِحْدَاكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۵ ''بَابُ مَا جَاءَ مَا يُطْعَمُ الْمَرِيْضُ'')

ترجمہ: ''اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کسی کو بخار ہوتا تو اس کے لئے ''حسا'' (یعنی پتلا سا شیرہ) کا حکم فرماتے، چنانچہ وہ تیار کیا جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم فرماتے، وہ اس کو پیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: یہ غمگین کے دِل کو راحت دیتا ہے اور بیمار کے دِل سے بیماری کے اثرات کو زائل کرتا ہے، جیسا کہ تم میں سے ایک (آدمی) میل کو پانی کے ساتھ اپنے چہرے سے

دُور کرتا ہے۔‘‘

تشریح: ’’حساء‘‘ کہتے ہیں اس پتلے سے کھانے کو جو آٹے، پانی اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے، اور اس کو گھونٹ گھونٹ کرکے پیا جاتا ہے، اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ پتلا شیرہ کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بیماروں کو اور بخار والوں کو اس کے پلانے کا حکم فرمایا کہ اس سے ایک غمگین کے دِل کو راحت ہوتی ہے، دُوسرے بیمار کے دِل سے بیماری کے اثرات زائل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ چہرہ پانی سے دھولیا جائے تو میل کچیل دُور ہوجاتا ہے۔

وجہ اس کی... واللہ اعلم... یہ ہے کہ بالکل ہلکی پھلکی غذا ہوتی ہے، نہ تو اس سے پیٹ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، نہ بیمار کی انتڑیاں خشک ہوتی ہیں، اس لئے بیمار کو ایسی ہلکی پھلکی غذا ضرور دینی چاہئے، بشرطیکہ اس کی طبیعت میں رغبت بھی ہو، ورنہ کھانے پر اس کو مجبور نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ اگلی حدیث میں آتا ہے۔

بیمار کو اگر اس کا جی نہ چاہے تو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے

[حدیث:۱۰۶۳] ’’عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۲۵ ’’بَابُ مَا جَاءَ لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ‘‘)

ترجمہ: ’’حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں۔‘‘

تشریح: بیمار کو کھانے پینے کی رغبت نہیں ہوتی، اور گھر والے پریشان ہوتے ہیں کہ اگر یہ کھائے پیئے گا نہیں تو کمزوری بڑھ جائے گی، اس حدیث شریف میں ان کی اصلاح فرمائی ہے کہ بیمار کو اگر کھانے پینے کی رغبت نہ ہو تو اس کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے اور پلاتے ہیں، یعنی ان کو صبر اور قوّت عطا فرماتے ہیں، اور صبر اور قوّت اللہ کی جانب سے ہے، کھانے پینے سے نہیں۔

راز اس کا یہ ہے کہ خوراک وہی جزوِ بدن بنتی ہے جس کی طبیعت کو رغبت ہو، جس کھانے کی طبیعت کو رغبت نہ ہو، وہ کھانا جزوِ بدن نہیں بنتا، بلکہ اُلٹا ضعف اور کمزوری کا سبب بنتا ہے، اور اس سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے تاوقتیکہ طبیعت اعتدال پر نہ آجائے، اور اَزخود کھانے پینے کی رغبت پیدا نہ ہو، بیمار کو کھانے پر مجبور کرنا بے سود ہے، ہاں! اس کا علاج معالجہ ضرور کرنا چاہئے تاکہ بیماری کا بحران ختم ہوجائے اور کھانے

پینے کی رغبت پیدا ہو جائے۔

اور پھر جب کھانے پینے کی رغبت پیدا ہو جائے تو سب سے پہلے اس کو ایسی غذا دی جائے جو زود ہضم ہو، اور اس کے معدے کو زیادہ تعب نہ اُٹھانا پڑے، چنانچہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''علی! یہ کھجوریں نہ کھاؤ، اس لئے کہ تم بیماری سے اُٹھے ہو'' اور جب چقندر اور جو کا مالیدہ پیش کیا گیا تو فرمایا: ''ہاں اسے کھاؤ یہ تمہارے موافق ہے!''

بہر حال بیمار جب بیماری سے اُٹھے تو اس کی خوراک میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھا جائے تا آنکہ اس کا معدہ خوراک کو قبول کرنے لگے، جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو، اس کو مقوّی دوائیں دینا بے کار رہے، واللہ اعلم!

کلونجی کے ساتھ علاج

[حدیث: ۱۰۶۴] ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَلَیْكُمْ بِهٰذِهِ الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ فَإِنَّ فِیْهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ، وَالسَّامُ: الْمَوْتُ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۲۵ ''بَابُ مَا جَاءَ فِی الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ'')

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کالے دانے کو لازم پکڑو، کیونکہ اس میں شفا ہے ہر بیماری سے، سوائے بڑھاپے کے، اور بڑھاپا موت ہے۔''

تشریح: سیاہ دانہ کلونجی کو کہتے ہیں، ''مظاہرِ حق'' میں لکھا ہے کہ علّامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث اگرچہ عام ہے کہ کلونجی میں ہر بیماری کی شفا ہے، لیکن یہ مخصوص ہے ان امراض کے ساتھ جو رطوبت و بلغم سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ حار اور یابس ہے، پس ان امراض کو دفع کرتی ہے جو اس کی ضد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حدیث عموم پر محمول ہے، اور کلونجی ہر دوا میں شامل ہوتی ہے ترکیب کے ساتھ۔ علّامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حدیث میں عموم متعین ہے، کیونکہ سام کا اِستثنا کیا گیا ہے۔ اور ''سفر السعادۃ'' کے مصنّف نے کہا ہے کہ ایک جماعتِ اکابر سے منقول ہے کہ وہ تمام امراض کا معالجہ کلونجی سے کرتے تھے، اور بعض حضرات تمام امراض میں شہد اِستعمال کرتے تھے، بسبب کثرت حسنِ اعتقاد ان کے امراض دفع ہوتے تھے، واللہ اعلم!

بطورِ علاج معالجے کے اُونٹوں کا پیشاب پینا

[حدیث: ۱۰۶۵] ''عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَیْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِیْنَةَ فَاجْتَوَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ: اشْرَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا

وَ أَبْوَالِهَا۔" (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ")

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے، پس یہاں کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی، وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باہر جنگل میں جہاں صدقے کے اُونٹ چر رہے تھے، بھیجا، اور حکم دیا کہ ان کے پیشاب اور ان کے دُودھ پئیں۔"

تشریح: اس مسئلے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ اُونٹوں کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ بہت سے حضرات ان کے پاک ہونے کے قائل ہیں، لیکن اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ان کا پیشاب ناپاک ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غالباً بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا کہ ان کے پیٹ کی بیماری کا علاج اسی سے ہوسکتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دُودھ اور پیشاب پینے کا حکم فرمایا۔ یہاں تداوی بالحرام کا مسئلہ جاری ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حرام چیز کے ساتھ علاج کرنا صحیح نہیں اِلَّا یہ کہ مجبوری ہو، اور مجبوری کے لئے دو تین شرطیں ہیں۔ ۱:...... مسلمان متدین طبیب یہ فیصلہ کرے کہ سوائے اس حرام چیز کے اس بیماری کا کوئی علاج نہیں، ۲:...... دوم یہ کہ اس حرام چیز کے ساتھ علاج متوقع ہو، ۳:...... اگر اس ناپاک چیز سے بھی علاج کی توقع نہ ہو تو اس کا استعمال کرنا بے سود ہے، اور اگر کوئی حلال اور پاک چیز استعمال کے لئے مل سکتی ہو، تب بھی ناپاک چیز کو اِستعمال کرنا صحیح نہیں، واللہ اعلم!

زہر یا کسی اور چیز کے ساتھ خودکشی کرنے کا وبال

[حدیث: ۱۰۶۶] "عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَرَاهُ رَفَعَهُ قَالَ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَحَدِيْدَتُهُ فِیْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا بَطْنَهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ فَسَمُّهُ فِیْ يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا۔"

"عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِیْ يَدِهٖ يَجَأُ بِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ فَسَمُّهُ فِیْ يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدّٰى فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا۔"

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵ "بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهٖ")

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (راوی کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ اس

حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے): جس شخص نے اپنے آپ کو کسی ہتھیار کے ساتھ قتل کیا، وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپ رہا ہوگا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو قتل کیا زہر کھا کر، تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس کو پیتا رہے گا جہنّم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔

دُوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے آپ کو ہتھیار کے ساتھ قتل کیا، پس اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا جہنّم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اور جس نے اپنے آپ کو قتل کیا زہر کھا کر، پس اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اس کو پیتا رہے گا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اور جس شخص نے کسی پہاڑ سے چھلانگ لگائی، پس وہ پہاڑ سے چھلانگ لگاتا رہے گا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودکشی کبیرہ گناہ ہے، نعوذ باللہ! اور آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ خودکشی کر کے چھوٹ جائے گا، حالانکہ وہ ہمیشہ کے لئے پکڑا گیا!

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی یہ تأویل کی ہے کہ: ''خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا'' کے الفاظ صحیح تر روایتوں میں نہیں ہیں، اور مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، بلکہ وہ ایک وقت تک دوزخ میں سزا بھگتیں گے، پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ یہ تأویل صحیح ہے، اور اہلِ حق کا یہی عقیدہ ہے کہ اہلِ اسلام ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ اور اس حدیث میں ''خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا'' کے جو الفاظ آئے ہیں، یہ یا تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو خودکشی کو جائز سمجھتے ہیں، اور یا تغلیظ پر محمول ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اس گناہِ کبیرہ سے پناہ میں رکھے...!

خبیث دوا سے علاج

[حدیث:۱۰۶۷] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ۔ يَعْنِى السَّمَّ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۵)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے خبیث دوا یعنی زہر سے۔''

تشریح: خبیث دوا کی تفسیر روایت میں زہر کے ساتھ کی گئی ہے، اس لئے یہ حدیث گویا پہلی

حدیث کا تتمہ ہے، یا اس کی ہم معنی ہے، اور حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مستقل باب نہیں باندھا، بلکہ اس کو عنوانِ بالا کے ذیل میں درج کیا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک دوا خبیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ناپاک ہو، مثلاً شراب، حرام جانوروں کا گوشت وغیرہ، اور دوم یہ کہ جو ذائقے کے اعتبار سے مکروہ ہو، یعنی جو چکھنے میں قابلِ نفرت ہو، اور جس سے مریض کو جھرجھری آئے۔ پہلی صورت میں جبکہ دوائے خبیث سے حرام مراد ہو، یہ ممانعت تحریم کے لئے ہوگی، اور دُوسری صورت میں جبکہ اس سے ناگوار دوا مراد ہو، یہ ممانعت شفقت کے طور پر ہوگی، یعنی مریض کو ایسی دوا نہ پلائی جائے جس کی کڑواہٹ اور اس کا بدذائقہ ہونا مریض کی طبیعت کے لئے ناقابلِ برداشت ہو، واللہ اعلم!

نشہ آور چیز کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث:۱۰۶۸] "عَنْ سِمَاکٍ أَنَّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ عَنْ أَبِیْهِ أَنَّهٗ شَهِدَ النَّبِیَّ صَلَّ اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَسَأَلَهٗ سُوَیْدُ بْنُ طَارِقٍ أَوْ طَارِقُ بْنُ سُوَیْدٍ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ عَنْهُ فَقَالَ: إِنَّا لَنَتَدَاوٰی بِهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا لَیْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلٰکِنَّهَا دَاءٌ!۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۵، ۲۶ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ التَّدَاوِیْ بِالْمُسْکِرِ")

ترجمہ: "علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے، جبکہ سوید بن طارق نے یا طارق بن سوید نے شراب کے بارے میں پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، وہ کہنے لگے: ہم اس کے ذریعے علاج کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دوائی نہیں، بلکہ بیماری ہے!"

تشریح: مطلب یہ کہ شراب کی لت لگ جانا، یہ خود ایک بیماری ہے، اور تداوی بالحرام کا مسئلہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

سعوط وغیرہ کا بیان

[حدیث:۱۰۶۹] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَیْرَ مَا تَدَاوَیْتُمْ بِهِ السَّعُوْطُ وَاللَّدُوْدُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِیُّ۔ فَلَمَّا اشْتَکٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَدَّهٗ أَصْحَابُهٗ فَلَمَّا فَرَغُوْا قَالَ: لُدُّوْهُمْ! قَالَ:

فَلُدُّوْا کُلُّھُمْ غَیْرَ الْعَبَّاسِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۶ "بَابُ مَا جَاءَ فِی السَّعُوْطِ وَغَیْرِہٖ")

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو، وہ سعوط ہے (یعنی وہ دوا جو ناک میں ڈالی جاتی ہے)، اور لدود ہے (یعنی وہ دوا جو منہ کے اندرونی حصے میں لگائی جاتی ہے)، اور حجامت ہے (یعنی پچھنے لگوانا)، اور مشی ہے (یعنی مسہل لینا)۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لدود کیا، جب وہ لوگ فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس کے سوا ان سب کا لدود کرو۔"

تشریح: یہ مرض الوفات کا قصہ ہے، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لدود کرنا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور لوگوں نے سمجھا کہ بیمار کو دوا دارو سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے منع فرما رہے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود دوائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں لگا دی گئی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: گھر میں جتنے لوگ موجود ہیں، اور وہ اس دوا لگانے میں شریک ہوئے ان سب کو لدود کیا جائے، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس سے مستثنیٰ کرلیا، یا تو اس وجہ سے کہ لدود کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہوں گے، اور اس میں ان کا مشورہ شامل نہیں ہوگا، یا ہوسکتا ہے کہ محض ان کے احترام کی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کردیا ہو، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ کرنا از راہ شفقت تھا، محض انتقامی کارروائی نہیں تھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے عالی کے خلاف انہوں نے عمل درآمد کیا تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ ان پر کوئی آفت و مصیبت نازل نہ ہوجائے، واللہ اعلم!

سعوط کے معنی ہیں: ناک میں دوائی چڑھانا۔ اور لدود کے معنی ہیں: منہ کے اندرونی حصے میں دوائی ملنا۔ اور مشی کے معنی ہیں: مسہل، کیونکہ اس سے بار بار بیت الخلا جانے کی ضرورت پیش آتی ہے، واللہ اعلم!

[حدیث:۱۰۷۰] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُوْدُ وَالسَّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ، وَخَيْرُ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِثْمِدُ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ۔ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۶)

ترجمہ: "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سب سے بہترین چیز جس کے ساتھ تم علاج معالجہ کرو، وہ لدود ہے، سعوط ہے،

حجامت یعنی پچھنے لگانا ہے، مشی یعنی مسہل لینا ہے، اور سب سے بہتر سرمہ جو تم آنکھوں کو لگاؤ، وہ اِثمد ہے، کیونکہ وہ نظر کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اُگاتا ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک سرمہ دانی تھی جس کے ساتھ سوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگاتے تھے، تین سلائیاں ہر آنکھ میں۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی وہی ہے جو اُوپر کی حدیث کا ہے، اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِثمد سرمے کی تعریف فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت ہر آنکھ میں سرمے کی تین سلائیاں لگاتے تھے۔

داغ دے کر علاج کرنا

[حدیث: ۱۰۷۱] ”عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْکَیِّ۔ قَالَ: فَابْتُلِیْنَا فَاکْتَوَیْنَا فَمَا أَفْلَحْنَا وَلَا أَنْجَحْنَا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۶ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ التَّدَاوِیْ بِالْکَیِّ“)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر ہم مبتلا ہوئے، ہم نے داغ لگایا تو ہمیں فلاح نصیب نہیں ہوئی، اور ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔“

[حدیث: ۱۰۷۲] ”عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ: نُهِیْنَا عَنِ الْکَیِّ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہمیں داغ دے کر علاج کرنے سے منع کیا گیا ہے۔“

تشریح: بعض بیماریوں میں لوہے کو گرم کرکے تکلیف کی جگہ لگایا جاتا ہے، یہ چونکہ بہت تکلیف دہ علاج ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عربوں کا مشہور مقولہ ہے: ”آخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیُّ“ یعنی آخری علاج داغ دینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں یہ علاج نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بہت اُونچے درجے کے صحابی ہیں، ان کو ناسور ہوگیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا کہ داغ دینے کا علاج نہ کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باعلامِ الٰہی علم ہوگیا تھا کہ یہ علاج کارگر نہیں ہوگا، چنانچہ جب ان کی تکلیف میں شدّت ہوئی تو بعض اطباء کے مشورے سے انہوں نے داغ دینے کا علاج کیا، مگر وہ کامیاب نہیں ہوا، اس لئے فرماتے ہیں کہ: ہم مبتلا ہوئے، ہم نے داغ لگایا تو ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

داغ دینے کے علاج کی اجازت

[حدیث:۱۰۷۳] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَوٰی سَعْدَ بْنَ زُرَارَۃَ مِنَ الشَّوْکَۃِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۶ ”بَابُ مَا جَاءَ فِی الرُّخْصَۃِ فِیْ ذٰلِکَ“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کو داغ دیا تھا شوکہ بیماری سے۔“

تشریح: ”شوکہ“ ایک بیماری ہے جس میں جسم میں موٹے موٹے دانے ہوجاتے ہیں، اور پورے جسم کو مبتلائے اذیت کردیتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے، اور اُوپر کی حدیث میں جو اس سے ممانعت آئی ہے، وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، تاہم اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اور علاج کارگر نہ ہو تو مجبوری کی حالت میں داغ کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے، واللہ اعلم!

پچھنے لگانے کا بیان

[حدیث:۱۰۷۴] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْتَجِمُ فِی الْأَخْدَعَیْنِ وَالْکَاہِلِ، وَکَانَ یَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَۃَ وَتِسْعَ عَشْرَۃَ وَإِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۶ ”بَابُ مَا جَاءَ فِی الْحِجَامَۃِ“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پچھنے لگواتے تھے اخدعین میں (یعنی گردن کی دونوں جانب کی رگوں میں)، اور کندھے میں، اور پچھنے لگاتے تھے سترہ، اُنیس، اور اکیس تاریخ کو۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانا بہت سے موقعوں پر ثابت ہے، اور یہ جو تاریخیں اس کی مقرّر کی گئی ہیں... واللہ اعلم... اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تاریخوں میں خون میں جوش زیادہ ہوتا ہے۔

[حدیث:۱۰۷۵] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لَیْلَۃِ أُسْرِیَ بِہٖ أَنَّہٗ لَمْ یَمُرَّ عَلٰی مَلَأٍ مِّنَ الْمَلَائِکَۃِ إِلَّا أَمَرُوْہُ أَنْ مُرْ أُمَّتَکَ بِالْحِجَامَۃِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ

معراج کے بارے میں بتایا کہ آپ ﷺ ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گزرے، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: آپ اپنی اُمت کو پچھنے لگانے کا حکم کیجئے!“

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ پچھنے لگانا صحت کے لئے مفید ہے، کیونکہ معراج کی مبارک رات اور ملائکہ کا اس کے بارے میں مشورہ دینا یہ اس کی عمدگی اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔

[حدیث:۱۰۷۶] ”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ نَبِیُّ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْعَبْدُ الْحَجَّامُ، یُذْهِبُ الدَّمَ وَیُخِفُّ الصُّلْبَ وَیَجْلُوْ عَنِ الْبَصَرِ۔ وَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ عُرِجَ بِهٖ مَا مَرَّ عَلٰی مَلَأٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ إِلَّا قَالُوْا: عَلَیْکَ بِالْحِجَامَةِ! وَقَالَ: إِنَّ خَیْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِیْهِ یَوْمَ سَبْعَ عَشْرَةَ وَیَوْمَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَیَوْمَ إِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ۔ وَقَالَ: إِنَّ خَیْرَ مَا تَدَاوَیْتُمْ بِهِ السَّعُوْطُ وَاللَّدُوْدُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِیُّ۔ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَدَّهُ الْعَبَّاسُ وَأَصْحَابُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَدَّنِیْ؟ فَکُلُّهُمْ أَمْسَکُوْا، فَقَالَ: لَا یَبْقٰی أَحَدٌ مِّمَّنْ فِی الْبَیْتِ إِلَّا لُدَّ غَیْرَ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ۔ قَالَ النَّضْرُ: اللَّدُوْدُ الْوَجُوْرُ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے تین غلام پچھنے لگانے والے تھے، ان میں سے دو تو دُوسروں کے پچھنے لگا کر غلہ لایا کرتے تھے، اور ایک حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے گھر والوں کو پچھنے لگایا کرتا تھا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پچھنے لگانے والا غلام بہت اچھا ہے، خون (کی زیادتی) کو دُور کردیتا ہے، کمر کو ہلکا کردیتا ہے، اور نظر کو روشن کردیتا ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ: آنحضرت ﷺ جب معراج کے لئے تشریف لے گئے تو ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرے، انہوں نے یہ مشورہ ضرور دیا کہ پچھنے لگایا کرو۔ اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سب سے بہتر دن جس میں تم پچھنے لگاؤ وہ سترہ تاریخ، اُنیس تاریخ، یا اِکیسویں تاریخ کا دن ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بے شک سب سے بہتر چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو، وہ ”سعوط“ ہے (یعنی ناک میں دوا کو چڑھانا)، اور ”لدود“ ہے (یعنی دوائی منہ میں لگانا)، اور پچھنے لگانا ہے، اور مسہل لینا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو (جب آپ ﷺ بیمار ہوئے) حضرت عباس اور ان کے رُفقاء (رضی اللہ عنہم) نے لدود کیا،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے کس نے لدود کیا ہے؟ وہ سب کے سب خاموش رہے، پس ارشاد فرمایا کہ: گھر میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے جس کو لدود نہ کیا جائے، سوائے عباس کے۔ نضر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: لدود کے معنی وہ دوا جو منہ کے درمیان میں ڈالی جائے۔"

تشریح: اس حدیث کے متعدّد مضامین گزشتہ احادیث میں گزر چکے ہیں، ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے تین غلام پچھنے لگانے والے تھے، ان میں سے دو کمائی کر کے لاتے تھے، یعنی لوگوں کے پچھنے لگا کر ان کی اُجرت وصول کرتے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو وہ اُجرت دیتے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچھنے لگانا اور اس کی اُجرت وصول کرنا جائز ہے۔

اس سے پہلے آچکا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لدود سے مستثنیٰ فرمانا محض ان کے احترام کی وجہ سے تھا، کیونکہ چچا بمنزلہ باپ کے ہے، اور باقی گھر کے تمام لوگوں کو لدود کرنے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی منشائے مبارک کے خلاف آپ ﷺ کو لدود کیا تھا، تو ان کو لدود کرنے کا حکم بطور شفقت کے تھا، تاکہ آنحضرت ﷺ کی اِیذا رسانی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہ ہو، واللہ اعلم!

مہندی کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث:۱۰۷۷] "عَنْ عَلِيِّ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ عَنْ جَدَّتِهِ (سَلْمٰى) وَكَانَتْ تَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: مَا كَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ إِلَّا أَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَّاءَ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۶ "بَابُ مَا جَاءَ فِى التَّدَاوِىْ بِالْحِنَّاءِ")

ترجمہ: "آنحضرت ﷺ کی ایک خادمہ فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کو کوئی زخم ہو جاتا، کوئی چوٹ وغیرہ لگتی تو رسول اللہ ﷺ مجھے حکم فرماتے کہ میں اس پر مہندی لگاؤں۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کی یہ خادمہ سلمیٰ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔ کسی چوٹ یا زخم پر مہندی لگانے کا حکم دینا اس بنا پر تھا کہ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہے اور خشک ہے، اس لئے زخم جلدی بھر جاتا ہے اور درد کو سکون ملتا ہے۔

جھاڑ پھونک کا ناپسندیدہ ہونا

[حدیث:۱۰۷۸] "عَنْ عَقَّارِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنِ اکْتَوٰی أَوِ اسْتَرْقٰی فَقَدْ بَرِیَٔ مِنَ التَّوَکُّلِ۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۲۶ ’’بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاھِیَۃِ الرُّقْیَۃِ‘‘)

ترجمہ: ’’حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے داغ لگایا یا جھاڑ پھونک کی، وہ توکل سے بَری ہوگیا۔‘‘

تشریح: داغ لگانے کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے، اور جھاڑ پھونک کے بارے میں دو قسم کی احادیث آتی ہیں، بعض سے جھاڑ پھونک کی کراہت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ زیرِ بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اور بعض احادیث سے اس کی اجازت اور رُخصت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ اگلے باب سے معلوم ہوتا ہے، ان دونوں کے درمیان تطبیق چند وجوہ سے دی گئی ہے:

۱:...... جو جھاڑ پھونک کہ عربی زبان میں نہ ہو اور اس کے الفاظ کا مفہوم واضح نہ ہو، اس کا کرنا جائز نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں شرکیہ مضامین ہوں۔

۲:...... جو جھاڑ پھونک کہ اللہ تعالیٰ کے کلام، یا اس کے اسماء و صفات یا آسمانی کتب کے الفاظ سے ہو، وہ جائز ہے، اور دُوسرے الفاظ میں کراہت ہے۔

۳:...... جو شخص جھاڑ پھونک کو قطعی طور پر نافع سمجھتا ہو، اور اس پر کامل بھروسا رکھتا ہو، اس کے حق میں مکروہ ہے اور جو شخص ایسا نہ ہو، اس کے حق میں کراہت نہیں، واللہ اعلم!

جھاڑ پھونک کی اجازت کے بیان میں

[حدیث:۱۰۷۹] ’’عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِی الرُّقْیَۃِ مِنَ الْحُمَۃِ وَالْعَیْنِ وَالنَّمْلَۃِ۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِی الرُّقْیَۃِ مِنَ الْحُمَۃِ وَالنَّمْلَۃِ۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا رُقْیَۃَ إِلَّا مِنْ عَیْنٍ أَوْ حُمَۃٍ۔‘‘ (ترمذی ج:۲ ص:۲۷ ’’بَابُ مَا جَاءَ فِی الرُّخْصَۃِ فِیْ ذٰلِکَ‘‘)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی جھاڑ پھونک کے بارے میں اجازت دی، ۱:...... کسی زہریلے جانور کا کاٹ لینا، ۲:...... نظر لگ جانا، ۳:...... اور پہلو میں دانے نکل آنا۔

دُوسری روایت میں صرف دو چیزوں کا تذکرہ ہے، یعنی زہریلے جانور کا

کاٹ لینا، اور پہلو میں دانے نکل آنا۔

تیسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ: جھاڑ پھونک نہیں مگر نظر لگ جائے یا کسی جانور کے کاٹ لینے سے۔''

تشریح: بابِ سابق کے ذیل میں یہ تفصیل گزر چکی ہے، جھاڑ پھونک کے سلسلے میں احادیث مختلف وارِد ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے، اور بعض سے ممانعت، اور دونوں قسم کی احادیث کے درمیان وجہ جمع بھی وہاں گزر چکی ہے۔

مُعَوّذتین کے ساتھ جھاڑ پھونک کا بیان

[حدیث: ۱۰۸۰] ''عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ حَتّٰى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ، فَلَمَّا نَزَلَتَا أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۷ ''بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ'')

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں سے اور اِنسان کی نظرِ بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، یہاں تک کہ مُعَوّذتین نازل ہوئیں، پس جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے لیا اور ان کے ماسوا کو ترک کردیا۔''

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعوّذ میں یہ کلمات کہتے تھے کہ: ''میں جنوں سے پناہ لیتا ہوں اور اِنسان کی نظرِ بد سے پناہ لیتا ہوں'' یعنی اگر کسی پر جنات کے اثر کا شبہ ہوتا تو اس سے پناہ مانگتے تھے، اور کسی کے بارے میں نظرِ بد لگنے کا شبہ ہوتا تو اس سے پناہ مانگتے تھے۔ جب قرآنِ کریم کی دو آخری سورتیں جن کو ''مُعَوّذتین'' کہتے ہیں، نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اِختیار کرلیا اور باقی تمام رُقیے چھوڑ دیئے، اس لئے کہ یہ دونوں سورتیں رُقیے کے باب میں جامع ترین سورتیں ہیں، اور ان سے بہتر اور افضل جھاڑ پھونک کے لئے کوئی چیز نہیں...!

نظر کو جھاڑنے کا بیان

[حدیث: ۱۰۸۱] ''أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ إِلَيْهِمُ الْعَيْنُ أَفَأَسْتَرْقِي لَهُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْئٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۷ ''بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ'')

ترجمہ: ''عبید بن رِفاعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت اسماء بنتِ عُمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! جعفر کے بچوں کو نظر بہت جلدی لگتی ہے، کیا ان کے لئے نظر جھڑوا لیا کروں؟ فرمایا: ہاں! بے شک بات یہ ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے نکل سکتی تو نظر اس سے آگے نکل جاتی۔''

تشریح: یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بغیر کوئی چیز مہلک یا مضر ہو سکتی تو وہ نظر ہو سکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بغیر کوئی چیز نافع یا مضر نہیں۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمائی تا کہ نظر کی تاثیر سے لوگ محفوظ ہو جائیں اور لوگوں کی نظر سے بچنے کا پورا اہتمام کریں۔

جھاڑ پھونک کے جامع کلمات

[حدیث: ۱۰۸۲] ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ يَقُوْلُ: أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔ وَيَقُوْلُ: هٰكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يُعَوِّذُ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِيْلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۷)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے: ''أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ'' (میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں، ہر شیطان اور جن بھوت سے اور ہر نظر چھونے والی سے)۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ: اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو دم کیا کرتے تھے۔''

تشریح: ''اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات'' یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی نقص اور عیب نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پناہ لینے والے کو نفع دیتے ہیں۔ ''شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ'' اس سے مراد ہیں: جن، بھوت، جن کا بیان آگے ہوتا ہے۔ ''وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ'' اس سے مراد ہے ایسی نظر جو اِنسان کو جلدی لگنے والی ہو، اور مراد اس سے یہ ہے کہ آدمی کو اس سے ایک قسم کا جنون لاحق ہو جائے۔

نظر برحق ہے، اور نظر اُتارنے کے لئے اعضا کا دھونا

[حدیث: ۱۰۸۳] ''عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ قَالَ: ثَنِيْ حَيَّةُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ ثَنِيْ أَبِيْ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ وَالْعَيْنُ حَقٌّ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۲۷ ''بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْغَسْلُ لَهَا'')

ترجمہ: ”حیہ بن حابس تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے میرے والد ماجد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: ہام میں کوئی چیز نہیں، اور نظر برحق ہے۔“

تشریح: ”ہام کوئی چیز نہیں“ کہتے ہیں کہ: ”ہام“ ایک پرندے کا نام ہے جو رات کو اُڑتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ: یہ اُلّو ہے، اور وہ لوگ ”ہام“ سے نحوست پکڑا کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ: عرب یہ گمان کرتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کی رُوح اُلّو بن جاتی ہے اور ہمیشہ یہ کہتی رہتی ہے کہ: ”مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ“ اور جب اس کا بدلہ لے لیا جائے تو اُڑ جاتی ہے۔ بعضوں نے کہا کہ: وہ لوگ گمان کرتے تھے کہ میّت کی ہڈیاں اور بعض کہتے تھے کہ: اس کی رُوح اُلّو بن جاتی تھی اور وہ اس کا نام ”صدیٰ“ رکھتے تھے، اسلام نے اس کی نفی فرمائی اور اس سے منع فرمایا۔

[حدیث: ۱۰۸۴] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَوْ کَانَ شَیْئٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْہُ الْعَیْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۷)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی چیز ایسی ہوتی کہ تقدیر سے آگے نکل سکتی تو نظر آگے نکل جاتی، اور جب تم سے دھونے کے لئے کہا جائے تو دھو دیا کرو۔“

تشریح: یہ مضمون تو پہلے آچکا ہے کہ کوئی چیز تقدیر سے آگے نہیں نکل سکتی، یعنی جو کچھ ہوتا ہے حق تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ کوئی چیز تقدیر سے آگے نکل سکتی ہے تو نظر کا لگنا تقدیر سے آگے نکل سکتا تھا، لیکن یہ محال ہے۔ خلاصہ یہ کہ بغیر تقدیرِ الٰہی کے کوئی چیز موٴثر نہیں ہوتی۔

”اور جب تم سے دھونے کے لئے کہا جائے تو دھو دیا کرو“ یعنی جس کو نظر لگ گئی ہو، جب وہ مطالبہ کرے کہ جس کی نظر کی لگی ہوئی ہے وہ اپنے اعضا کو دھوکر دیدے تو اس کو اس کی بات مان لینی چاہئے۔ کہتے ہیں کہ: اہلِ عرب کی عادت میں سے یہ تھا کہ جب کسی کو کسی کی نظر لگتی تو جس کی نظر لگتی اس کے پاس پانی کا پیالہ لایا جاتا، اس میں وہ اپنا ہاتھ رکھتا، اس میں کلی کرتا، پھر وہ کلی اس پیالے میں ڈال دیتا، پھر اس میں اپنا چہرہ دھوتا، پھر دایاں ہاتھ دھوتا، پھر بایاں ہاتھ دھوتا، پھر اپنے اِزار کے نیچے کے حصے کو دھوتا، اور وہ پانی اس پر ڈالا جاتا جس کو نظر لگی ہے۔

فائدہ:...... ”مظاہرِ حق“ میں ہے کہ: اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: نظر لگانے والے کے وضو کا طریقہ

علماء کے نزدیک اس طرح ہے کہ پانی کا پیالہ لایا جائے اور اس پیالے کو زمین پر نہ رکھا جائے، پھر نظر لگانے والا ایک چُلّو لے کر کلی کرے اور کلی پیالے میں ڈالے، پھر اس سے پانی لے اور اس سے اپنا منہ دھوئے، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے اور اس سے داہنی ہتھیلی دھوئے، پھر دائیں ہاتھ سے پانی لے اور اس سے بائیں ہتھیلی دھوئے، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے اور اس سے داہنی کہنی دھوئے، پھر داہنے ہاتھ سے پانی لے اور اس سے بائیں کہنی دھوئے، اور اس چیز کو نہ دھوئے جو کہنیوں اور ہتھیلیوں کے درمیان ہے، پھر داہنا قدم دھوئے، پھر بایاں، پھر داہنا گھٹنا دھوئے، پھر بایاں، یہ سب اس پیالے میں دھوئے، پھر تہبند کے اندر کے اعضاء کو دھوئے، جب سب دھو چکے تو جس کو نظر لگی ہے اس پر پیچھے سے پانی ڈالے۔ اس طرح کے معالجات اسرار اور حکمتوں میں سے ہیں کہ عقل ان کے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔۔۔!

جھاڑ پھونک یا تعویذ پر اُجرت لینا

[حدیث: ۱۰۸۵] ”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاھُمُ الْقِرٰی فَلَمْ یَقْرُوْنَا، فَلُدِغَ سَیِّدُھُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوْا: ھَلْ فِیْکُمْ مَنْ یَرْقِیْ مِنَ الْعَقْرَبِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ أَنَا! وَلٰکِنْ لَا أَرْقِیْهِ حَتّٰی تُعْطُوْنَا غَنَمًا۔ قَالَ: فَإِنَّا نُعْطِیْکُمْ ثَلَاثِیْنَ شَاةً! فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَیْهِ الْحَمْدَ لله سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ۔ قَالَ: فَعَرَضَ فِیْ أَنْفُسِنَا مِنْھَا شَیْءٌ، فَقُلْنَا: لَا تَعْجَلُوْا حَتّٰی تَأْتُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَیْهِ ذَکَرْتُ لَهُ الَّذِیْ صَنَعْتُ، قَالَ: وَمَا عَلِمْتَ أَنَّھَا رُقْیَةٌ؟ اقْبِضُوا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَکُمْ بِسَھْمٍ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۷ ”بَابُ مَا جَاءَ فِیْ أَخْذِ الْأَجْرِ عَلَی التَّعْوِیْذِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں بھیجا، پس ہم ایک قوم کے پاس اُترے، پس ہم نے ان سے مہمانی طلب کی، لیکن انہوں نے ہماری مہمانی نہیں کی۔ پھر ان کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ: کیا تم میں کوئی آدمی ہے جو بچھو کے کاٹے کی جھاڑ پھونک کرتا ہو؟ میں نے کہا: ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن اس کو جھاڑ پھونک نہیں کروں گا جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ: میں تم کو تیس بکریاں دُوں گا! ہم نے یہ بکریاں قبول کرلیں، پس میں نے اس پر سورۂ فاتحہ سات مرتبہ پڑھی، وہ ٹھیک ہوگیا، اور بکریاں ہم نے وصول کرلیں۔ پھر ہمارے جی میں اس سے کچھ کھٹکا پیدا ہوا،

ہم نے کہا کہ جلد بازی نہ کرو یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور میں نے آپ ﷺ سے اس چیز کا تذکرہ کیا جو میں نے کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ ''رُقیہ'' ہے؟ بکریاں وصول کرو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ! امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے معلّم کو یہ رُخصت دی ہے کہ وہ تعلیمِ قرآن پر اُجرت لے۔''

[حدیث:۱۰۸۶] ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِحَیٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَلَمْ یَقْرُوْهُمْ وَلَمْ یُضَیِّفُوْهُمْ، فَاشْتَكٰی سَیِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوْا: هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ؟ قُلْنَا: نَعَمْ! وَلٰكِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُوْنَا وَلَمْ تُضَیِّفُوْنَا، فَلَا نَفْعَلُ حَتّٰی تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا، فَجَعَلُوْا عَلٰی ذٰلِكَ قَطِیْعًا مِنْ غَنَمٍ۔ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَّا یَقْرَأُ عَلَیْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبَرَأَ۔ فَلَمَّا أَتَیْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهٗ۔ قَالَ: وَمَا یُدْرِیْكَ أَنَّهَا رُقْیَةٌ؟ وَلَمْ یَذْكُرْ نَهْیًا مِنْهُ، وَقَالَ: كُلُوْا وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ!'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۷، ۲۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ عرب کے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے، پس انہوں نے ان کی مہمانی اور ضیافت نہیں کی، پھر ان کے سردار کو تکلیف ہوگئی، پس وہ ہمارے پاس آئے، کہنے لگے: تمہارے پاس کوئی دوا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں! لیکن تم نے ہماری مہمانی اور ہماری ضیافت نہیں کی، پس ہم علاج نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہماری مزدوری مقرّر نہ کرو۔ پس انہوں نے اس پر بکریوں کا ریوڑ دینا طے کیا، پس ہم میں سے ایک آدمی اس پر سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا، پس وہ ٹھیک ہوگیا، پھر جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے کیا خبر تھی کہ یہ جھاڑ پھونک ہے؟ اور اس سے ممانعت ذکر نہیں فرمائی، اور فرمایا: کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھو!''

تشریح: یہ حدیث متعدّد مسائل و فوائد پر مشتمل ہے:

۱:...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قبیلے کے لوگوں سے ضیافت و مہمانی طلب کی، اس لئے کہ مسافروں کی خدمت کرنا مکارمِ اخلاق میں سے ہے، اور خصوصاً اہلِ عرب مہمان نوازی میں بہت مشہور تھے۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدمی بھوکا اور ضرورت مند ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ بستی

والوں سے کھانے کی فرمائش کرے۔

۲:......ان لوگوں نے چونکہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مہمانی نہیں کی، اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ ہمیں دَم دُرود اور جھاڑ پھونک تو آتی ہے، مگر چونکہ تم لوگوں نے ہماری مہمانی نہیں کی، اس لئے ہم بغیر اُجرت کے جھاڑ پھونک نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ لوگ ان حضرات کی مہمانی کرتے تو ان حضرات کو ان سے اُجرت وصول کرنے کا خیال پیدا نہ ہوتا۔

۳:......جھاڑ پھونک پر اُجرت لینا جائز ہے، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حدیث شریف سے اس کا جواز معلوم ہوا، چنانچہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ بھی یہی ہے یعنی: ''تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے۔''

۴:......اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ رُقیہ ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو ''سورۃ الشفاء'' فرمایا ہے، اور باذن اللہ یہ تمام اَمراض کے لئے مفید ہے، چنانچہ خواہ کوئی بیماری ہو، سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے شفا عطا فرمائیں گے۔

۵:......اس صحابی نے سورۂ فاتحہ کو سات مرتبہ پڑھا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اقل درجہ تین دفعہ پڑھنا ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ پڑھنا ہے۔

۶:......صحابی کا اس کو رُقیہ سمجھنا بطور اِجتہاد کے تھا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ رُقیہ ہے؟''۔

۷:......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: ''کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ!'' یہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دِل جوئی کے لئے تھا، تاکہ ان کے دِل میں کسی قسم کا کھٹکا نہ رہے۔

۸:......جیسا کہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے اِستدلال کرتے ہوئے تعلیمِ قرآن پر اُجرت کا لینا جائز قرار دیا ہے، نیز ایک حدیث میں آیا ہے:

''اِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ''

اس حدیث سے بھی یہ اخذ کیا گیا ہے کہ کتابُ اللہ پر اُجرت لینا جائز ہے، اور جو حضرات اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بطور دوا کے قرآنِ کریم کا پڑھنا تو صحیح ہے، اور اس کی اُجرت لینا بھی جائز ہے، لیکن بطور عبادت کے قرآنِ کریم کا پڑھنا یا پڑھانا جبکہ محض ثواب کی نیت سے ہو، اس پر اَجر لینا صحیح نہیں، واللہ اعلم!

۹:......اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رُقیہ اور جھاڑ پھونک یا دوا دارو تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ وہ بھی تقدیر کے ماتحت ہے، واللہ اعلم!

جھاڑ پھونک اور دواؤں کا بیان

[حدیث:۱۰۸۷] ”عَنْ أَبِی خُزَامَةَ عَنْ أَبِیهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! أَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ شَیْئًا؟ قَالَ: هِیَ مِنْ قَدَرِ اللهِ!۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۸ ”بَابُ مَا جَاءَ فِی الرُّقٰی وَالْأَدْوِیَةِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! یہ ارشاد فرمائیے کہ ہم جو جھاڑ پھونک کرواتے ہیں اور جو دوا دارو کرواتے ہیں، اور کوئی پرہیز اور بچاؤ کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو ٹال دیتی ہیں؟ فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں شامل ہیں!“

تشریح: مطلب یہ کہ جھاڑ پھونک ہو یا دوا دارو ہو یا پرہیز اور بچاؤ ہو، یہ سب اللہ کی تقدیر میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو جھاڑ پھونک کا، دوا دارو کا، علاج معالجے کا اور بچ بچاؤ کا سامان بھی پیدا کردیتے ہیں، اور اللہ کو منظور نہیں ہوتا تو آدمی چاہے جتنے علاج معالجے کرتا رہے اور دوا دارو کرتا رہے، کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بیماری کے درمیان اور دوائی کے درمیان پردہ رکھا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہوتا ہے، اس پردے کو ہٹادیتے ہیں، اور دوائی اثر کرتی ہے، اور اگر شفا منظور نہیں ہوتی تو اس پردے کو نہیں ہٹاتے، اب جتنی چاہو دوائیں کرتے رہو، وہ موٴثر نہیں ہوں گی۔ الغرض یہ سمجھنا کہ دوا دارو سے اللہ کی تقدیر ٹل جاتی ہے، یہ غلط ہے، الا یہ کہ وہ خود تقدیر کا حصہ بن جائے، جیسا کہ اُوپر کی روایت میں ہے، واللہ اعلم بالصواب!

کھمبی اور عجوہ کا بیان

[حدیث:۱۰۸۸] ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ! وَفِیْهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ، وَالْکَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ! وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَیْنِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۸ ”بَابُ مَا جَاءَ فِی الْکَمْأَةِ وَالْعَجْوَةِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عجوہ جنّت سے ہے! اور اس میں شفا ہے زہر سے۔ اور کھمبی منّ سے ہے! اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔“

تشریح: ''کھمبی'' ریتلی زمین میں خودبخود پیدا ہوتی ہے، اور اس کو سالن کے طور پر پکایا جاتا ہے۔ اور ''عجوہ'' مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں ایک خاص قسم کی کھجور ہے، جو عام طور پر سیاہی مائل ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے لگی ہے، اور یہ مدینہ کی کھجوروں میں سب سے بہترین کھجور ہے۔ عجوہ کے کھانے سے سحر کا دفع ہونا اور زہر کا جاتے رہنا اس کی خاصیت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی دُعا کی برکت ہے۔ اور کھمبی کا منّ سے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جو منّ بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا (وہ ترنجبین طرح کی ایک چیز ہوتی تھی یعنی میٹھی)۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح بغیر محنت و مشقت کے بنی اسرائیل پر منّ نازل ہوتا تھا، ایسے ہی بغیر محنت ومشقت کے کھمبی پیدا ہوتی ہے، گویا یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر اِنعام فرمایا ہے۔ اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: کھمبی کو منّ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ یہ بغیر کلفت کے حاصل ہوتی ہے اور اس کو کاشت نہیں کرنا پڑتا اور بیج نہیں ڈالنا پڑتا، واللہ اعلم!

[حدیث: ۱۰۸۹] ''عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۸)

ترجمہ: ''حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھمبی منّ سے ہے، اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔''

تشریح: کھمبی کا منّ سے ہونا، اس کی تشریح اُوپر گزر چکی۔ اور اس کے پانی کا آنکھ کے لئے شفا ہونا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی کے پانی کو نچوڑ لیا جائے اور کسی شیشی میں بند کرلیا جائے، اور سلائی کے ساتھ آنکھ میں لگایا جائے، جیسا کہ آگے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے تین یا پانچ یا سات کھمبیاں لی تھیں اور ان کو کچل کر ان کا پانی نکالا اور اسے شیشی میں بند کرلیا، ان کی لونڈی آنکھ کی مریض تھی، وہ اس پانی کو لونڈی کی آنکھوں میں لگاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمادی۔ صرف خالص پانی کے ساتھ شفا ہوگئی یا پانی میں کوئی اور دوائی بھی ڈالی گئی؟ اس میں علماء کے دونوں قول ہیں، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھمبی کا پانی لگایا گیا اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز نہیں ملائی گئی، واللہ اعلم!

[حدیث: ۱۰۹۰] ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا: اَلْكَمْأَةُ جُدَرِيُّ الْأَرْضِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ حضرات نے آنحضرت ﷺ

کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ: کھمبی زمین کی چیچک ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کھمبی منّ سے ہے، اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے، اور عجوہ جنّت سے ہے اور یہ زہر سے شفا ہے۔"

تشریح: "کھمبی زمین کی چیچک ہے" یہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شبہ ہوا تھا، کیونکہ خاص خاص موسموں میں کھمبی بکثرت اُگتی ہے، جس طرح کہ بچوں کو چیچک نکل آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ یہ کھمبی قابلِ مذمت چیز نہیں جیسا کہ تم نے سمجھا ہے، بلکہ یہ لائقِ مدح چیز ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ترنجبین کے ساتھ تشبیہ دی جو بنی اسرائیل کے لئے آسمان سے نازل ہوتا تھا، یہ بغیر کاشت کے، بغیر بیج کے، بغیر سیراب کرنے کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیدا ہوجاتی ہے اور اس میں نقصان نہیں بلکہ شفا ہی شفا ہے۔

[حدیث: ۱۰۹۱] "عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حُدِّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: أَخَذْتُ ثَلَاثَةَ أَكْمُؤٍ أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ فَجَعَلْتُ مَاءَهُنَّ فِي قَارُوْرَةٍ فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِي فَبَرَأَتْ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۸)

ترجمہ: "حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے تین یا پانچ یا سات کُھمبیاں لیں، پس ان کو نچوڑا، پھر ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا، پس میں وہ اپنی ایک لونڈی کے لگایا کرتا تھا، پس وہ ٹھیک ہوگئی۔"

[حدیث: ۱۰۹۲] "عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حُدِّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: اَلشُّوْنِيْزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ۔ قَالَ قَتَادَةُ: يَأْخُذُ كُلَّ يَوْمٍ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ حَبَّةً فَيَجْعَلُهُنَّ فِيْ خِرْقَةٍ فَلْيَنْقَعْهُ فَيَتَسَعَّطُ بِهِ كُلَّ يَوْمٍ فِيْ مَنْخِرِهِ الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً، وَالثَّانِيْ فِي الْأَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْمَنِ قَطْرَةً، وَالثَّالِثُ فِي الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۸)

ترجمہ: "حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کلونجی موت کے سوا ہر بیماری کی دوا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: کلونجی کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ روزانہ اِکیس دانے لئے جائیں، ان کو کسی کپڑے میں باندھ کر پانی میں بھگو دیا جائے، پس روزانہ اس کے ساتھ دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ڈالے، اور دُوسری مرتبہ بائیں میں دو قطرے اور دائیں میں

ایک قطرہ، اور تیسری مرتبہ دائیں میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ۔"

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کلونجی کا استعمال کسی اور دوائی کے ساتھ ملا کر ہونا چاہئے، تنہا نہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو شفا فرمایا، اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ حسنِ اعتقاد کے ساتھ اگر کوئی شخص صرف کلونجی کے دانے استعمال کرلیا کرے تو باذنِ اللہ اس کو شفا حاصل ہوگی۔

کاہن کی اُجرت کا بیان

[حدیث: ۱۰۹۳] "عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِیِّ قَالَ: نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَھْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْکَاھِنِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۸ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ أَجْرِ الْکَاھِنِ")

ترجمہ: "حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت لینے سے، اور زانیہ کی اُجرت سے، اور کاہن کی شیرینی سے۔"

تشریح: کسی زمانے میں کتّا پالنے کی مطلقاً ممانعت تھی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں کتے کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی، لیکن بعد میں کتے کے ساتھ نفع حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی، چنانچہ مروی ہے کہ کسی آدمی نے شکاری کتّا قتل کردیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے چالیس درہم کا فیصلہ فرمایا، اور مویشیوں کی نگہبانی کے لئے کتّا رکھا گیا، اس کو کسی نے قتل کردیا تو اس کے بدلے میں نر بکرا دینے کا فیصلہ فرمایا (ذکرہ ابن الملک، انتہی کلامہ فی المرقاۃ)۔

دُوسری چیز جس کی ممانعت فرمائی وہ بدکار عورت کی اُجرت ہے، اس لئے کہ زنا حرام ہے، تو اس کی اُجرت بھی حرام ہوگی۔

تیسری چیز کاہن کی شیرینی ہے، "کاہن" اس شخص کو کہتے ہیں جو مختلف ذرائع سے مستقبل کی خبریں معلوم کرکے لوگوں کو بتاتا ہے، کبھی جنات سے مدد لیتا ہے، کبھی اندازے اور قیافے کو اِستعمال کرتا ہے، اور اس کی اُجرت کو شیرینی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ پہلے وصول کرلیتا ہے۔ اور مستقبل کی خبریں معلوم کرنا اور ان پر یقین کرنا حرام ہے، کیونکہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اور یہ لوگ محض اَنٹ شنٹ باتیں تراش کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

کسی چیز کے لٹکانے کے مکروہ ہونے کے بیان میں

[حدیث: ۱۰۹۴] "عَنْ عِیْسٰی وَھُوَ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ لَیْلٰی قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُکَیْمٍ أَبِیْ مَعْبَدِ الْجُھَنِیِّ أَعُوْدُہٗ وَبِہٖ حُمْرَۃٌ، فَقُلْتُ: أَلَا

تُعَلِّقُ شَیْئًا؟ قَالَ: اَلْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذٰلِکَ! قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِّلَ إِلَیْهِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۸ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ التَّعْلِیْقِ")

ترجمہ: "حضرت عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ: میں حضرت عبداللہ بن عکیم ابو معبد جُہنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عیادت کے لئے گیا، اور ان کو سرخی کا مرض تھا، میں نے کہا: کوئی چیز لٹکا نہیں لیتے؟ فرمایا: موت اس سے زیادہ قریب ہے! جو شخص کسی چیز کو لٹکا لیتا ہے وہ اسی کے حوالے کردیا جاتا ہے۔"

تشریح: صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد کے حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ جن تعویذات میں قرآنِ کریم کی آیات یا حق تعالیٰ شانہٗ کے اسماء وصفات مذکور ہوں، ان کو لٹکانا صحیح ہے یا نہیں؟ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اسی کے قائل تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ مروی ہے اس کا ظاہر بھی یہی ہے۔ یہی امام جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں جو آتا ہے: "ان الرُّقٰی والتمائم والتولۃ شرک" یہ ان تعویذات پر محمول ہے جن میں شرکیہ الفاظ ہوں، واللہ اعلم!

بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کے بیان میں

[حدیث:۱۰۹۵] "عَنْ عَبَایَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهٖ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْحُمّٰى فَوْرٌ مِّنَ النَّارِ فَأَبْرِدُوْهَا بِالْمَاءِ!۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۸ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَبْرِیْدِ الْحُمّٰى بِالْمَاءِ")

ترجمہ: "حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بخار جہنّم کے جوش کی وجہ سے ہے، پس اس کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو!"

[حدیث:۱۰۹۶] "عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْحُمّٰى مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوْهَا بِالْمَاءِ!۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۸، ۲۹)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بخار جہنّم کی تپش کے پھیلنے سے ہے، پس اس کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو!"

تشریح: بخار کی بعض قسموں میں حرارت اتنی شدید ہوتی ہے گویا آدمی آگ میں جل رہا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹھنڈا کرنے کا حکم فرمایا۔ آج کل کے ڈاکٹر بھی اس علاج کو مفید بتاتے ہیں کہ اگر بخار شدید ہوجائے تو بدن پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی جائیں۔ حضرتِ اقدس مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

کا واقعہ ہے کہ ان کو شدید بخار تھا، کنویں پر آکر بیٹھ گئے اور طالب علموں سے فرمایا کہ: کنویں سے ڈول نکال کر ڈالیں۔ حضرت کو شدّت کی کپکپی تھی لیکن مسلسل پانی ڈلواتے رہے، یہاں تک کہ بخار کا جوش ختم ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہ ہر بخار کا علاج نہیں، اس لئے حکیم، ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر یہ عمل نہ کیا جائے۔

بخار اُتارنے کا نبوی دم

[حدیث:۱۰۹۷] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰی وَمِنَ الْأَوْجَاعِ كُلِّهَا أَنْ یَقُوْلَ: بِسْمِ اللهِ الْكَبِیْرِ أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۹)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بخار سے اور تمام دردوں سے شفایابی کے لئے یہ دُعا سکھاتے تھے: "بِسْمِ اللهِ الْكَبِیْرِ أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ" (اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑی شان والا ہے، میں پناہ لیتا ہوں اللہ عظمت والے کی ہر اُونچا اُٹھنے والی رَگ کے شر سے اور آگ کی گرمی کے شر سے)۔"

تشریح: یہ بخار اُتارنے کا دَم ہے، جس کو اس یقین کے ساتھ پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی اور عظمت کے ساتھ اس بخار کو اور اس درد کو رفع کردیں گے۔ اُوپر کی حدیث میں بخار کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے، اور اس حدیث میں اس کو ٹھنڈا کرنے کی دُعا سکھائی گئی ہے، اس لئے دونوں کو جمع کرلینا چاہئے، واللہ اعلم!

ذات الجنب کی دوا کے بیان میں

[حدیث:۱۰۹۸] "عَنْ زَیْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَنْعَتُ الزَّیْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ۔ قَالَ قَتَادَةُ: وَیُلَدُّ مِنَ الْجَانِبِ الَّذِیْ یَشْتَكِیْهِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۲۹ "بَابُ مَا جَاءَ فِیْ دَوَاءِ ذَاتِ الْجَنْبِ")

ترجمہ: "حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعریف فرمایا کرتے تھے زیتون کی اور ورس کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اور لدود کیا جائے اس جانب سے جس میں تکلیف ہو۔"

[حدیث:۱۰۹۹] "سَمِعْتُ زَیْدَ بْنَ أَرْقَمَ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ أَنْ نَتَدَاوٰی مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِیِّ وَالزَّیْتِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۹)

ترجمہ: "دُوسری روایت میں ہے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہمیں حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ ہم علاج کریں ذات الجنب کا قُسطِ بحری یعنی عودِ ہندی کے ساتھ اور زیتون کے ساتھ۔"

تشریح: "ذات الجنب" پہلو کے درد کو کہتے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی، دُوسرا عرفی۔ حقیقی تو وہ وَرَم ہے جو پسلیوں میں پیدا ہوجاتا ہے، یا جس کو گردے کا درد کہتے ہیں، اس کی وجہ سے پہلو میں شدید درد اُٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے! اور عرفی وہ ریاحی درد ہے جو اندرون اعضاء میں پیدا ہوتا ہے۔

اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس پر اِعتراض کیا بعض ان لوگوں نے جن کے دِل میں نفاق کی بیماری ہے، پس انہوں نے کہا کہ: اطباء اس بات پر اِتفاق رکھتے ہیں کہ ذات الجنب کا علاج عودِ ہندی کے ساتھ، باوجودیکہ اس میں شدید حرارت ہوتی ہے، شدید خطرناک ہے۔ مازری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ان کا یہ قول کھلی جاہلیت ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو کہ انہوں نے نہیں احاطہ کیا اس کے علم کا۔" اور جالینوس وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ 'قسط یعنی عودِ ہندی سینے کے درد میں نفع دیتی ہے، اور بعض قدیم اطباء نے کہا ہے کہ: اس کو اِستعمال کیا جاتا ہے جہاں ضرورت ہو کہ باطن بدن سے اخلاط کو ظاہر کی طرف جذب کیا جائے، اور اس سے باطل ہوجاتا ہے وہ خیال جو اس معترض ملحد نے ظاہر کیا (طیبی شرح مشکوٰۃ، حاشیہ ترمذی)۔

اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذات الجنب کی تفسیر "سل" (ٹی، بی) کے ساتھ کی ہے، اور "سل" کہتے ہیں اس بیماری کو جس میں پھیپھڑوں میں زخم ہوجاتا ہے اور خون کی قے آنے لگتی ہے، مگر ذات الجنب کی یہ تفسیر معروف نہیں ہے، بلکہ معروف وہی ہے جو اُوپر ذکر کی گئی، واللہ اعلم بالصواب!

دردوں کا دَم

[حدیث:۱۱۰۰] "عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِی الْعَاصِ أَنَّهٗ قَالَ: أَتَانِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبِیْ وَجَعٌ قَدْ كَانَ یُهْلِكُنِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: امْسَحْ بِیَمِیْنِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَقُلْ: أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ۔ قَالَ: فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللهُ مَا كَانَ بِیْ، فَلَمْ أَزَلْ اٰمُرُ بِهٖ أَهْلِیْ وَغَیْرَهُمْ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۲۹)

ترجمہ: ''حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، مجھے اتنا شدید درد تھا کہ قریب تھا کہ مجھے ہلاک کردے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اپنے دائیں ہاتھ سے درد کی جگہ کو سات دفعہ ملو اور یہ دُعا پڑھو: **''أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ''** (میں اللہ کی عزّت اور اس کی قدرت اور اس کی سلطنت کی پناہ لیتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں پاتا ہوں) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پس میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمل کیا، پس اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دُور فرمادی جو مجھے لاحق تھی، پس میں ہمیشہ اپنے گھر والوں کو اور دُوسرے لوگوں کو اس کا حکم دیتا رہتا ہوں۔''

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا تلقین فرمائی، وہ تمام دردوں کی گویا شفا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عزّت وقدرت اور اس کی سلطنت کا واسطہ دے کر تمام تکالیف سے پناہ مانگی گئی ہے، اور سات مرتبہ ہاتھ پھیرنا اور دُعا پڑھنا اس کی تاثیر کے لئے موزوں اور مفید ہے۔

سنا کے بیان میں

[حدیث: ۱۱۰۱] **''عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهَا: بِمَا تَسْتَمْشِيْنَ؟ قَالَتْ: بِالشُّبْرُمِ! قَالَ: حَارٌّ جَارٌّ! قَالَتْ: ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ شِفَاءٌ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا۔''** (ترمذی ج:۲ ص:۲۹ ''بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّنَا'')

ترجمہ: ''حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ: تم کس چیز کے ساتھ مسہل لیتی ہو؟ انہوں نے کہا: شبرم کے ساتھ! فرمایا: بہت گرم ہے! حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر میں نے مسہل لیا سنا کے ساتھ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جس میں موت سے شفا ہوتی تو سنا میں ہوتی۔''

تشریح: ''شبرم'' ''ش'' کے ضمہ کے ساتھ اور ''را'' کے ساتھ، چنوں کے مشابہ دانے ہوتے ہیں، جن کو پکا کر دوائی کے لئے پیا جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا **''حَارٌّ جَارٌّ''** پہلا ''ح'' کے ساتھ اور دُوسرا ''ج'' کے ساتھ، اور یہ بطور اس کی تاکید کے ہے، مطلب یہ کہ یہ دوا بہت گرم ہوتی ہے، اس لئے اس کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اور ''سنا'' کو عام طور پر ''سنا مکی'' کہا جاتا ہے، گویا یہ مکہ مکرّمہ کی طرف منسوب ہے، یہ مسہل لانے والی ہے۔

شہد کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث:۱۱۰۲] ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ أَخِی اسْتَطْلَقَ بَطْنُہٗ۔ فَقَالَ: اسْقِہٖ عَسَلًا! فَسَقَاہُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! قَدْ سَقَیْتُہٗ عَسَلًا فَلَمْ یَزِدْہُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اسْقِہٖ عَسَلًا! فَسَقَاہُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! قَدْ سَقَیْتُہٗ عَسَلًا فَلَمْ یَزِدْہُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ اللہُ وَکَذَبَ بَطْنُ أَخِیْکَ، اسْقِہٖ عَسَلًا! فَسَقَاہُ عَسَلًا فَبَرَأَ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۲۹ ''بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّدَاوِیْ بِالْعَسَلِ'')

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میرے بھائی کا پیٹ چل گیا ہے (یعنی جلاب ہوگئے ہیں)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو شہد پلاؤ! پھر آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو شہد پلایا لیکن پیٹ کے چلنے میں اضافہ ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو شہد پلاؤ! اس نے پلایا، پھر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو شہد پلایا، پس پیٹ چلنے ہی میں اضافہ ہوا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے، اس کو شہد پلاؤ! پس اس نے شہد پلایا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دے دی۔''

تشریح: ''تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے'' یہاں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہ مجاز کے طور پر اِستعمال فرمایا، کیونکہ جھوٹ بولنا اقوال کے ساتھ مخصوص نہیں، پس اس کے بھائی کے پیٹ کو شہد سے نفع نہ ہونا اس کو جھوٹ فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے)۔ اور بعض نے یہ سمجھا ہے کہ یہ طب کے خلاف ہے، کیونکہ یہاں شہد کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے اور ہر بیماری کے لئے شہد مفید نہیں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ آدمی کے پیٹ کا چلنا ہیضے اور اِمتلا کی وجہ سے تھا، اور بسا اوقات علاج کیا جاتا ہے ایسی چیز کے ساتھ جو فضول مادّوں کو نکال دے، پھر اس کو خودبخود روک دے یا قابض ہوجائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کے دلائل میں سے ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے ہو، واللہ اعلم! (حاشیہ ترمذی، مجمع البحار)۔

عیادت کی دُعا

[حدیث:۱۱۰۳] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مَرِيْضًا لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ، إِلَّا عُوْفِيَ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۲۹)

ترجمہ: ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی مسلمان بندہ کسی بیمار کی عیادت کے لئے جائے بشرطیکہ اس کی موت کا وقت نہ آگیا ہو، پس سات مرتبہ یہ کہے: ”أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ“ (میں درخواست کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو عظمت والا ہے اور عرشِ عظیم کا مالک ہے، کہ تجھ کو شفا دے) تو اس کو شفا ہوجائے گی۔“

تشریح: یہ حدیث بھی دُعائیہ کلمات پر مشتمل ہے، اور اس کو سات مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، اِن شاء اللہ! اس کی برکت سے بیمار کو شفا حاصل ہوگی۔

[حدیث:۱۱۰۴] ”عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمُ الْحُمّٰى فَإِنَّ الْحُمّٰى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ فَلْيَسْتَقْبِلْ جِرْيَتَهُ فَيَقُوْلُ: بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ، بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَقَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ فَلْيَغْمِسْ فِيْهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ ثَلَاثٍ فَخَمْسٍ، فَإِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٍ، فَإِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ سَبْعٍ فَتِسْعٍ، فَإِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِإِذْنِ اللهِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۹، ۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو بخار آئے تو بے شک بخار دوزخ کا ٹکڑا ہے، پس چاہئے کہ بجھائے اس کو ٹھنڈے پانی سے، پس چاہئے کہ نہر میں جدھر سے ٹھنڈا پانی آتا ہے ادھر منہ کرکے کھڑا ہوجائے اور یہ دُعا پڑھے: ”بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ“ (اللہ کے نام سے، اے اللہ! اپنے بندے کو شفا عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرما) یہ کام نمازِ صبح کے بعد اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے کرے، پس اس میں تین غوطے لگائے، اگر تین میں ٹھیک نہ ہو تو پانچ لگائے، پانچ میں ٹھیک نہ ہو تو

سات لگائے، اگر سات میں بھی ٹھیک نہ ہو تو نو غوطے لگائے، کیونکہ اللہ کے حکم سے یہ نو سے تجاوز نہیں کرے گا۔"

راکھ کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث:۱۱۰۵] "عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ قَالَ: سُئِلَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَأَنَا أَسْمَعُ: بِأَيِّ شَيْئٍ دُوْوِیَ جُرْحُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ، كَانَ عَلِيٌّ يَأْتِيْ بِالْمَاءِ فِيْ تُرْسِهِ وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ، وَأُحْرِقَ لَهُ حَصِيْرٌ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۳۰ "بَابُ التَّدَاوِیْ بِالرَّمَادِ")

ترجمہ: "ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا کہ: کس چیز سے علاج کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا؟ انہوں نے فرمایا: اب کوئی بھی باقی نہیں رہا جو مجھ سے اس بات کو زیادہ جانتا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کو دھوتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بوریہ جلایا گیا، پس اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم بھر دیا گیا۔"

تشریح: یہ جنگِ اُحد کا واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک میں خود کی کڑیاں دھنس گئی تھیں، اور بہت زور کے ساتھ ان کو کھینچا گیا، جس کی وجہ سے خون کسی طرح بند نہیں ہوتا تھا، بہرحال جب کسی طرح بھی خون بند نہ ہوا تو بوریہ جلا کر اس کی راکھ اس زخم میں بھر دی گئی تب خون بند ہوا۔

عیادت کا ادب

[حدیث:۱۱۰۶] "عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِیْ أَجَلِهِ فَإِنَّ ذٰلِکَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۳۰)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی میعاد کے بارے میں اس کو طمع دِلاؤ، کیونکہ یہ چیز کسی چیز کو رَدّ نہیں کرے گی، اور بیمار کا دِل خوش ہوجائے گا۔"

تشریح: "اس کی میعاد کے بارے میں اس کو طمع دِلاؤ" یعنی اس سے کہو: "اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے، کسی قسم کا اندیشہ نہ رکھو، اِن شاء اللہ! تم کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، اور اللہ کو منظور ہوا تو تمہیں شفا

ہوجائے گی'' کیونکہ تمہاری دُعا اللہ کی تقدیر کو تو رَدّ نہیں کرسکتی، لیکن بیمار کا دِل خوش ہوجائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ بیمار کے لئے دُعا کی جائے اور اس کا حوصلہ بڑھایا جائے، واللہ اعلم بالصواب!

کتابُ النِّکاح

نکاح کرنا کب فرض، واجب اور کب حرام ہے؟

شرعاً شادی کی کوئی عمر مقرّر نہیں، والدین بچے کا نکاح نابالغی میں بھی کر سکتے ہیں، اور بالغ ہوجانے کے بعد اگر شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی کرنا واجب ہے، ورنہ کسی وقت بھی واجب نہیں، البتہ ماحول کی گندگی سے پاکدامن رہنے کے لئے شادی کرنا افضل ہے۔

درمختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر نکاح کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے، اگر غالب گمان ہو تو نکاح واجب ہے (بشرطیکہ مہر اور نان ونفقہ پر قادر ہو)، اگر یقین ہو کہ نکاح کر کے ظلم و ناانصافی کرے گا تو نکاح کرنا حرام ہے، اور اگر ظلم و ناانصافی کا غالب گمان ہو تو نکاح کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور معتدل حالات میں سنّتِ مؤکدہ ہے۔

اولاد جب بالغ ہوجائے تو نکاح کا حکم

[حدیث:۱۱۰۷] ”عن أبی سعید وابن عباس رضی اللہ عنہما قالَا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ، فاذا بلغ فلیزوجہ، فان بلغ ولم یزوجہ فأصاب اثمًا فانما اثمہ علٰی أبیہ۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۷۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ...... جب اولاد بالغ ہوجائے اور والدین ان کے نکاح سے آنکھیں بند کئے رکھیں، اس صورت میں اگر اولاد کسی غلطی کی مرتکب ہو تو والدین بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔“

تشریح: آج کل اعلیٰ تعلیم کے شوق نے والدین کو اپنے اس فریضے سے غافل کر رکھا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر کالج اور یونیورسٹیوں کے چکر میں ڈھل جاتی ہے، اور جب وقت گزر جاتا ہے تو ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ مجھے اس طرح کے سینکڑوں خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ لڑکی کی عمر ۳۰-۳۵ برس کی ہوگئی، کوئی رشتہ نہیں آتا اور جو آتا ہے وہ بھی دیکھ دا کھ کر چپ سادھ لیتا ہے۔ کوئی تعویذ، وظیفہ اور عمل بتاؤ کہ بچیوں کی شادی ہو جائے۔ لڑکی پڑھی لکھی قبول صورت اور سگھڑ ہے، مگر رشتہ نہیں ہو پاتا، وغیرہ وغیرہ۔ خدا جانے کتنے خاندان اس سیلاب میں ڈوب چکے ہیں اور کتنے لڑکے لڑکیاں غلط راستے پر چل نکلی ہیں۔

نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے

[حدیث:۱۱۰۸] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ۔“

(سنن الترمذی: کتاب النکاح، مشکوٰۃ، البحر الرائق ج:۳ ص:۹۴)

ترجمہ: ”وہ عورتیں زانیہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہیں۔“

تشریح: نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو عاقل بالغ مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری شرط ہے، اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

حق مہر کی تفصیل

مہر کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ طیبہ واضح ہیں، مثلاً:

[حدیث:۱۱۰۸] ”عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔“

(صحیح مسلم: کتاب النکاح، بَاب الصَّدَاقِ وَجَوَازِ، حدیث:۲۵۵۵)

ترجمہ: ”حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر (اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے) کتنا تھا؟ فرمایا: ساڑھے بارہ اوقیہ، اور یہ پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔“

[حدیث:۱۱۰۹] ”قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَلَا لَا تُغَالُوا صُدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللّٰهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً۔"

(سنن الترمذی: کتاب النکاح، حدیث: ۱۰۳۳)

ترجمہ: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: دیکھو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو، کیونکہ اگر یہ دُنیا میں عزّت کا موجب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ مجھے علم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو، یا اپنی صاحب زادیوں میں سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔''

تشریح: بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے، جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ ہمارے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی) ہے۔ اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرّر نہیں، حسبِ حیثیت جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں، یوں تو کوئی نکاح مہر کے بغیر نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں:

۱:...... ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کی جانب سے ہوتی ہے کہ مہر مقرّر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرّر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رُک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرّر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں، لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف و سیادت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کا مہر زیادہ ہوتا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کا اور کسی صاحب زادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرّر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم کی ایک سو اکتیس تولے تین ماشے (۱۳۱-) چاندی بنتی ہے۔ اگر چاندی کا بھاؤ پچاس روپے تولہ ہو تو پانچ سو درہم یعنی ۱۳۱- تولے چاندی کے چھ ہزار پانچ سو تریسٹھ (۶۵۶۳) روپے بنتے ہیں۔ (بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق اس مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، بہر حال ۱۳۱- تولے چاندی کا حساب رکھنا چاہئے)، اسی کو ''مہرِ فاطمی'' کہا جاتا ہے۔ بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑھانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے کہ اگر ''مہرِ فاطمی'' رکھو تو نکاح پڑھائیں گے، ورنہ کسی اور سے پڑھوا لو۔ الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہی لائقِ فخر ہونا چاہئے اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحب زادیوں کے لئے رکھی۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کس کی عزّت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں، لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنا لینا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

۲:...... ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں ہوتی ہے کہ سوا بتیس روپے مہر کو ''شرعِ محمدی'' سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی، مگر لوگ اسی مقدار کو ''شرعِ محمدی'' سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے؟ لیکن افسوس ہے کہ ''میاں جی'' صاحبان بھی لوگوں کو مسئلے سے آگاہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی ۲ تولے+۷ ماشے چاندی ہے، جس کے آج کے حساب سے تقریباً ایک سو ۱۱۳ اکتیس روپے بنتے ہیں، اس سے کم مہر مقرّر کرنا صحیح نہیں، اور اگر کسی نے اس سے کم مقرّر کرلیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

۳:...... ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کردیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے جس طرح دُوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کردے تو صحیح ہے، لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ''جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو، وہ زانی ہے۔''

۴:...... ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے، اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، اس لئے وہ چار و ناچار معاف کردینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر نہ کریں تو معاشرے میں ''نکّو'' سمجھی جاتی ہیں۔ دِین دار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی بُرائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دِلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دِلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کرلیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اس سلسلے میں ان پر قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

۵:...... مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی مرجائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کرجاتے ہیں، حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خانہ آبادی سے اور میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہوجائے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا، اور اگر میاں بیوی کی خلوتِ صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا، اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہوکر اس کے جائز ورثاء پر تقسیم ہوگا، اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کرلینا چاہئے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہو تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضے میں

آجاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے، اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالینا بڑی گری ہوئی بات بھی ہے اور ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے، بلکہ بعض اوقات دُوسرے مال کو بھی ساتھ لے ڈُوبتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و ایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم و رواج سے محفوظ رکھے۔

ولیمہ کا مسنون طریقہ

مسنون ولیمہ یہ ہے کہ جس رات میاں بیوی کی پہلی خلوَت ہو، اس سے اگلے دن حسبِ توفیق کھانا کھلایا جائے، مگر اس میں نمود و نمائش کرنا، قرض لے کر زیر بار ہونا اور اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا منع ہے، نیز اس موقع پر فقراء و مساکین کو بھی کھلایا جائے، حدیث میں ارشاد ہے کہ:

[حدیث:۱۱۱۰] ”عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیمَةِ یُدْعٰی لَھَا الْأَغْنِیَاءُ وَیُتْرَکُ الْفُقَرَاءُ ... متفق علیہ۔“ (مشکوٰة ص:۲۷۸)

ترجمہ: ”بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں اغنیاء کی دعوت کی جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے، اور جس شخص نے دعوتِ ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔“

آج کل جس انداز سے ولیمے کئے جاتے ہیں ان میں فخر و مباہات اور نام و نمود کا پہلو غالب ہے، سنّت کی حیثیت بہت ہی مغلوب نظر آتی ہے، حدیث میں ہے کہ:

[حدیث:۱۱۱۱] ”عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن طعام المتبارئین أن یؤکل۔ رواہ أبو داؤد۔“

(مشکوٰة ص:۲۷۹)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر و مباہات والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔“

اس لئے ایسے ولیمے کی دعوت کا قبول کرنا بھی مکروہ ہے۔ علاوہ ازیں آج کل ولیمے کی دعوتوں میں مردوں اور عورتوں کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے، کھانا عموماً میز کرسی پر یا کھڑے ہو کر کھایا جاتا ہے، اور اَب تو ویڈیو فلمیں بنانے کا بھی رواج چل نکلا ہے، بعض جگہ گانے بجانے کا شغل بھی رہتا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت سی قباحتیں پیدا ہوگئی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے ایسی دعوت میں جانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ولیمہ کی دعوت کا ثبوت

[حدیث:۱۱۱۲] ”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ..... إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۱۶۳، حدیث نمبر: ۴۷۷۵، بَاب حَقِّ إِجَابَةِ الْوَلِيمَةِ وَالدَّعْوَةِ وَمَنْ أَوْلَمَ سَبْعَةً........)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی آدمی کو ولیمے کے لئے بلایا جائے تو وہاں چلا جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ تمہیں ولیمے کے لئے بلایا جائے تو چلے جاؤ، ولیمہ کہتے ہیں شادی کی دعوت کو اور اگر میت کی دعوت ہو تو اس کو ماتم کہتے ہیں جیسے لوگ دسواں کرتے ہیں سوئم کرتے ہیں چالیسواں، ختنے کی دعوت ہو تو اس کا نام اور ہے، تو یہاں دوسری دعوتوں میں جانا جائز نہیں ہے، یہ ختنے کی دعوت ہے اور ماتم کی دعوت، مردوں کی روٹی کی دعوت، چہلم کی دعوت ان میں جانا جائز نہیں ہے ناجائز ہے۔

میاں بیوی کے حقوق

[حدیث:۱۱۱۳] ”عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خَيْرُكُمْ خيركم لأهلهٖ وانا خيركم لأهلی۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۸۱)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا اور بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے حق میں تم سب سے اچھا ہوں۔“

[حدیث:۱۱۱۴] ”عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اكمل المؤمنين ايمانًا احسنهم خلقًا وخياركم خياركم لنسائهم۔ رواه الترمذی۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۸۲)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے کامل الایمان وہ ہے جو سب سے زیادہ خوش خلق ہو اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہوں۔“

تشریح: اس مضمون کی اور بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی اچھائی، بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے ساتھ کتنا اچھا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ازدواجی تعلق کو میاں بیوی دونوں کی راحت وسکون اور عفت وعصمت کا ذریعہ بنایا

ہے، اوراس تعلق کو اپنے خاص انعامات میں سے شمار فرمایا ہے، اگر میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے حق کی رعایت کریں تو یہ ازدواجی تعلق پورے ماحول کو خوشگوار اور گھر کو رشکِ جنّت بنا دیتا ہے، اور اگر خدانخواستہ اس تعلق میں کجی آجائے تو ماحول میں تلخی گھول دیتا ہے، زندگی ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ میاں بیوی کی راحت وسکون ہی کو نہیں بلکہ دین وایمان اور دنیا وآخرت کو برباد کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیطان کو جتنی خوشی میاں بیوی کے درمیان منافرت پھیلانے اور ایک دوسرے کے خلاف ابھارنے سے ہوتی ہے، اتنی اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ:

”عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سرایاہ یفتنون الناس فادناھم منہٗ منزلۃ اعظم فتنۃ یجیٔ احدھم فیقول: فعلت کذا کذا، فیقول: ماصنعت شیئًا!، قال: ثم یجیٔ احدھم فیقول: ما ترکتہ حتی فرقت بینہٗ وبین امرأتہٗ، قال: فیدنیہ منہٗ ویقول: نعم! انت۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۸)

ترجمہ: ”شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے، پھر اپنے چیلوں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیجتا ہے، جو جس قدر لوگوں کو زیادہ بہکائے اسی قدر شیطان کی بارگاہ میں کامیابی پاتا ہے، شیطان ان سب کی کارگزاری سنتا ہے، ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے آج فلاں فلاں گناہ کرادیئے ہیں، شیطان کہتا ہے: ”تو نے کچھ نہیں کیا!“ پھر دوسرا آتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے پڑا رہا، اور اسے بیوی کے خلاف اور بیوی کو اس کے خلاف بہکاتا رہا، یہاں تک کہ ان کے درمیان تفریق کراکے آیا ہوں، شیطان یہ سن کر اس کو گلے لگالیتا ہے اور کہتا ہے: ”شاباش! تو نے کام کیا۔“

شیطان کو میاں بیوی کی تفریق سے اسی لئے خوشی ہوتی ہے کہ ان کے ازدواجی تعلق کا بگاڑ ان کی، ان کے اہل وعیال کی، ان کے خویش واقربا کی اور ان کے دوست احباب کی زندگی میں زہر گھول دیتا ہے، اور اس کے نتیجے میں بیسیوں خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

ازدواجی تعلق کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایسی ہدایات دی ہیں کہ اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو میاں بیوی کی گھریلو اُلجھنوں سے نجات مل سکتی ہے، اور یہ تعلق ہزاروں سعادتوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ان میں سب سے اہم تر ہدایت یہ ہے کہ آدمی اہل خانہ کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے، گھر میں قانون کی حکومت نہیں چلتی بلکہ اُلفت ومحبت اور اخلاق ومروّت کا سکہ چلتا ہے، جو لوگ گھر میں ذرا ذرا

بات پر قانون کی مین میخ نکالتے ہیں اور درشتی اور دھمکی کے زور سے ازدواجی پہیئے کو گردش دینا چاہتے ہیں وہ خشک دماغی کے عارضے میں مبتلا ہیں، خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا بیوی کا سب سے بڑا حق ہے، اور کمالِ ایمان کی علامت ہے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ ہدایت اگرچہ براہ راست مردوں کو ہے، اور گھر میں خوش اخلاقی کی فضا پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی سب سے بڑھ کر انہی پر عائد ہوتی ہے، مگر خواتین اسلام بھی اس مقدس ہدایت سے راہنمائی حاصل کرسکتی ہیں، اور انہیں کرنی چاہئے، میاں بیوی میں سے کامل الایمان وہی ہوگا جو دوسرے سے بڑھ کر خوش اخلاقی کو شعار بنائے، خوش اخلاقی کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اپنے حقوق طلب کرنے کے بجائے دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے، اگر میاں بیوی میں سے ایک کسی موقع پر رنجیدہ اور آزردہ خاطر ہوتو دوسرا فریق بھی مقابلے میں تندی و تیزی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ نرمی و خوش اسلوبی سے تحمل کرے۔ علّامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے شیخ سے بیوی کی زبان درازی کی شکایت کی، جواب میں شیخ نے لکھا کہ ''جو شخص بیوی کی ایذاؤں پر صبر نہیں کرسکتا وہ اس سے برتری کا دعویٰ کیسے کرتا ہے؟'' ازدواجی زندگی میں خوش خلقی کا عنصر جتنا غالب ہوگا اس کے نتائج اسی قدر خوشگوار ہوں گے۔ اور میاں بیوی میں سے جو شخص بھی خوش اخلاقی کے زیور سے آراستہ ہوگا، اس کی شخصیت دوسرے سے زیادہ وزنی اور پرکشش ہوگی۔ خوش اخلاقی ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس سے ازدواجی راحت وسکون کی اکسیر میسر آسکتی ہے۔

شوہر کا حق ادا نہ کرنے والی بیوی کا حکم

[حدیث: ۱۱۱۵] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.......، إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ۔''

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۳۰۱، حدیث نمبر: ۲۵۹۴، بَابُ تَحْرِيمِ امْتِنَاعِهَا مِنْ فِرَاشِ زَوْجِهَا)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رات گزارے عورت چھوڑ کر اپنے شوہر کے بستر کو تو فرشتے اس پر فجر تک لعنت کرتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو عورت روٹھ کر اپنے شوہر کے بستر سے الگ ہوجائے اس پر صبح تک فرشتے بھی لعنت کرتے رہتے ہیں اور فرشتوں کا لعنت کرنا یہ علامت ہے اللہ تعالیٰ کے ناراضگی کی، جس بندے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، تم سورہے ہوتے ہو اپنے کام میں مشغول ہوتے ہو اور فرشتے تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا

کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو مسجد میں آکر اور نماز کے سوا کوئی اور چیز اسے نہیں روکے رکھتی تو جتنی دیر مسجد میں بیٹھا رہے گا نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا، نماز پڑھنے کے حکم میں ہوگا اس کو نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا اور ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْهُ یا اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اور بھی بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے اور قرآن کریم میں ہے: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ:۵) ملائکہ استغفار کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے، ملائکہ استغفار کرتے ہیں زمین والوں کے لئے، جو بندہ اللہ کی فرمانبرداری میں ہو فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جو بندہ کہ اللہ کی نافرمانی میں ہو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

لعنت کے معنیٰ ہیں رحمت سے دُور ہونے کی بددُعا کرنا اللہ کرے یہ اللہ کی رحمت سے دُور ہو، نعوذ باللہ۔ فرشتوں کی پاک زبان سے جس کو بددُعا ملے وہ بڑا ہی بدنصیب ہے، بات یہ ہے کہ گھروں میں ناچاقیاں تو ہوجاتی ہیں عورتوں کو غصہ آجاتا ہے لیکن اس کی صفائی جلدی ہوجانی چاہئے، رات نہیں گزارنی چاہئے ورنہ نقصان اپنا ہی ہے، میں اکثر درسِ قرآن میں بتادیتا ہوں کہ مردوں کو بھی سست نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ عورتیں ان سے کئی درجے اچھی ہیں، نیکی کے کاموں میں آگے بڑھتی ہیں، ان میں اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کو سننے اور سمجھنے کا مادّہ زیادہ ہے، اور حتّی الوسع کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتیں۔ جبکہ مرد لوگ فرعون کے چھوٹے بھائی ہوتے ہیں، طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے ہیں، تکلیف دیتے ہیں، بعض لوگوں کے دماغ میں کجی ہوتی ہے یا کیڑا ہوتا ہے، ان کو دُوسرے کو اِیذا دینے میں لذّت آتی ہے، دُوسروں کو تکلیف پہنچا کر ان کو مزہ آتا ہے، ان کی رُوح کی تسکین اس میں ہوتی ہے، مسلمان تو کسی کو اِیذا دے کر خوش نہیں ہوتا، یہ کیسا مسلمان ہے جو اِیذاء دیتا پھرتا ہے؟ اگر سلیم الفطرۃ آدمی ہو تو وہ کسی کی سزا کو برداشت نہیں کرتا۔

دو بیویوں میں برابری

[حدیث:۱۱۱۶] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ .... إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي۔“ (صحیح مسلم ج:۷، ص:۳۷۴، حدیث نمبر:۲۶۵۰، باب قَدْرِ مَا تَسْتَحِقُّهُ الْبِكْرُ وَالثَّيِّبُ مِنْ إِقَامَةِ الزَّوْجِ.....)

ترجمہ: ”حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنے گھر والوں کے نزدیک بے قدر نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں سات دن تمہارے پاس رہوں اور اگر سات دن تمہارے پاس رہوں تو سات دن تمام بیویوں کے پاس رہوں۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک قصہ ذکر کیا ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا عقد ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین دن اس کے پاس رہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آنے لگے تو انہوں نے پیچھے سے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ: یا رسول اللہ! تین دن تو کافی نہیں، اس پر ارشاد فرمایا: "إِنَّکِ لَسْتِ بِأَهْلِكِ هَوَانٌ" آپ اپنے گھر والوں کے لئے یعنی میرے لئے بے قدر نہیں ہیں لیکن شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کی کئی بیویاں ہوں وہ جتنا ایک کے پاس رہے اتنا سب کے پاس رہے، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے پاس سات دن رہ سکتا ہوں، لیکن اگر آپ کے پاس سات دن رہوں گا تو پھر مجھے تمام بیویوں کے پاس سات سات دن رہنا ہوگا، پھر نو ہفتے کے بعد باری آئے گی۔ فرمانے لگیں کہ: یا رسول اللہ! نہیں، بس یہی ٹھیک ہے۔

یہاں ایک چھوٹا سا اختلافی مسئلہ پیدا ہوا، اگر کسی شخص کی پہلی بیوی موجود ہو ایک یا زیادہ اور وہ نئی شادی کرلے تو کیا اس نئی شادی کی وجہ سے اس کے پاس زیادہ دن ٹھہرنا صحیح ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کنواری ہے تو سات دن اس کے پاس رہے، سات دن کے بعد پھر باری شروع کردے، یعنی اس کے پاس سات دن رہنا بغیر باری کے ہوگا نئی شادی کی وجہ سے، اگر بیوہ سے نکاح کیا ہے تو اس کے پاس تین دن رہے یہ تین دن اس کے باری میں شمار نہیں ہوں گے، بلکہ یہ اس کے لئے اضافی ہوگا، تین دن کے بعد پھر باری شروع کردے۔ ہمارے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کے لئے کوئی رعایت نہیں، چاہے کنواری ہو یا بیوہ ہو، نئی شادی کی ہے تو اس کے پاس ایک دن رہے اور بس! اور اگر تین دن رہے تو پھر سب کے پاس تین تین دن رہے، سات دن رہے تو سب کے پاس سات سات دن رہے، اس کی اس کو اجازت ہے کہ اس کے پاس تین دن رہے لیکن جتنے دن اس کے پاس رہے گا اتنے دن پھر دوسری بیویوں کے پاس بھی رہے گا۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل فرماتے تھے، عدل کے معنی برابری کرنا، ہر چیز میں ان کو برابر رکھتے تھے، معاملات میں برابر رکھتے، جتنا ایک کے پاس قیام کرتے تھے اتنا ہی دوسرے کے پاس قیام کرتے تھے اور ساتھ یہ کہا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ" (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱۶۸/۸، سنن ابوداوٗد ۲/ ۴ ۳، ۱۸۲۲)۔ اے اللہ! جہاں تک میرا اختیار ہے میں اپنی بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرتا ہوں اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں آپ کے اختیار میں ہے اس میں مجھ پر مواخذہ نہ فرمایئے۔

یعنی کسی بیوی کے ساتھ طبیعت زیادہ لگتی ہے کسی کے ساتھ کم، تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قلبی تعلق زیادہ تھا مگر معاملے میں سب کو برابر رکھتے تھے۔ یہ جو دلی تعلق زیادہ تھا اس کے بارے میں دُعا فرماتے کہ یا اللہ! اس میں مؤاخذہ نہ فرمایئے گا، اس لئے کہ یہ میرے اختیار کی چیز نہیں ہے، یہ آپ کے اختیار کی چیز ہے۔

ہمارے یہاں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دوسری شادی کی جائے، اور اگر کوئی شخص کر بھی لیتا ہے تو عورتیں آسمان سر پر اُٹھا لیتی ہیں، یہ ان کی فطری چیز ہے، یہ سوکن کو برداشت نہیں کرسکتیں۔

یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاتون سے نکاح کرلیا تھا چھپ کر، یعنی پہلی بیوی کو نہیں بتایا، اُمّ حنیفہ کو معلوم ہوگیا تو روزانہ گھر میں لڑائی شروع، حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ذہین تو تھے ہی اس خاتون سے فرمایا: تم ایسا کرنا کہ ہمارے گھر میں آنا اور گھر آ کر مسئلہ پوچھنا کہ ایک شخص نے دوسری عورت سے شادی کرلی اب پہلی بیوی اس کو مجبور کرتی ہے کہ اس کو طلاق دے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ چنانچہ وہ خاتون آ گئیں اور کہا: حضرت! ایک مسئلہ پوچھنا ہے، فرمایا: کیا ہے؟ کہا: میرے شوہر کی پہلی بیوی تھی اس نے مجھ سے نکاح کرلیا، پہلی بیوی کو بتایا نہیں ہوگا، اب جب اس کو پتا چلا تو اس نے اصرار کرنا شروع کردیا ہے کہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دو، تو اس کے لئے ایسا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ایسا مطالبہ کرنا اس کے لئے بالکل جائز نہیں، حضرت کی اہلیہ مسئلہ سن رہی تھیں، فرمانے لگیں کہ: کیسے جائز نہیں؟ آپ نے بھی دوسری شادی کر رکھی ہے نا، اس لئے مطلب کا مسئلہ بتا رہے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس گھر سے باہر اگر کوئی میری بیوی ہو تو اس کو طلاق، تین طلاق! وہ خوش ہوگئی اور گھر سے باہر تو کوئی بیوی تھی ہی نہیں۔

تو میں نے کہا کہ عورتیں بے چاریاں اصرار کرتی ہیں کہ طلاق دو، اور اس میں قصور مردوں کا زیادہ ہے، اس لئے وہ ایک طرف کو ڈھل جاتے ہیں، اعتدال پر قائم نہیں رہتے، اگر پہلی سے دل لگا ہوا ہے تو دوسری کے حقوق ادا نہیں کرتے، اور اگر دوسری بیوی سے دل زیادہ لگ گیا تو پہلی بیوی کو نہیں پوچھتے۔ میرے پاس مسائل آتے رہتے ہیں، یہاں تک بھی ہوتا ہے کہ اس کی اولاد کو بھی کچھ نہیں دیتے، حالانکہ وہ اس کی اپنی اولاد ہے، یہ شرعاً حرام ہے، یہ جور و ستم ہے، جس شخص نے دو شادیاں کی ہوں اس کے ذمّے فرض ہے کہ دونوں کے درمیان ہر چیز میں عدل رکھے۔

حدیث شریف میں فرمایا کہ: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ انصاف سے کام نہ لیتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں پیش ہوگا کہ اس کا ایک پہلو خشک ہوگا، مفلوج ہوگا (سنن نسائی ۱۲/ ۲۹۲، ۳۸۸۱، ارواء الغلیل للالبانی ۷/ ۸۰، ۲۰۱۷)۔

متعہ کا بیان

[حدیث:۱۱۱۷] ”عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ سَبْرَةَ ....، مَنْ

كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ هٰذِهِ النِّسَاءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ فَلْيُخَلِّ سَبِيْلَهَا۔" (صحیح مسلم ج:۷، ص:۱۹۰، حدیث نمبر:۲۵۰۰، بَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ وَبَيَانِ أَنَّهُ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ ثُمَّ أُبِيحَ ثُمَّ.......)

ترجمہ: ''حضرت سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس کوئی عورت ہو ان عورتوں میں سے کہ جس سے متعہ کیا ہو تو اس کو چھوڑ دے، یعنی متعہ کرنا اب حرام ہوا۔''

تشریح: ''متعہ'' اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت سے کہے کہ: ''میں صحبت کے واسطے تجھ سے متعہ کرتا ہوں، بدلے پانچ یا دس روپے، دو روز یا سال بھر کے لئے''، اہل سنّت والجماعت کے چاروں مذاہب میں متعہ حرام ہے، اور ہدایہ کے مصنّف نے جو اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کی ہے، وہ غلط ہے، اس لئے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'مؤطا امام مالک' میں اور مالکیہ کی فقہ کی کتابوں میں متعہ کو صاف حرام لکھا ہے۔

علمائے محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ متعہ دو بار حلال ہوا ہے اور دو بار حرام ہوا ہے، پہلے چند روز مباح رہا تھا، پھر جب خیبر فتح ہوا تو حرام ہوگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مؤطا، بخاری، مسلم اور ترمذی میں اس کی روایت ہے، اور دوسری بار جنگ اوطاس میں تین دن کے لئے متعہ مباح ہوا پھر قیامت تک کے لئے اس کو حرام کردیا گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت موجود ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا متعہ کی حرمت پر اجماع اور اتفاق ہے، صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اوّل اس کو جائز فرماتے تھے، پھر جب اس کی حرمت کی حدیثیں ان کو پہنچیں تو وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہوگئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص کا مقدمہ آیا، جس نے کسی عورت سے متعہ کیا تھا، حضرت عمر نے اس سے پوچھا: یہ تو نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی اجازت دی تھی! فرمایا: اجازت دی تھی تو منع بھی کردیا تھا، تو کہنے لگا: منع کرنے کا مجھے پتا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے پتا نہیں لہٰذا زنا کی حد تجھ پر جاری نہیں کرتا لیکن میں آج سے بتادینا چاہتا ہوں کہ آئندہ اگر کوئی شخص میرے سامنے لایا گیا اس معاملے میں تو میں اس پر زنا کی حد جاری کروں گا، پوری سلطنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کروادیا کہ اگر کوئی متعہ کا مقدمہ آیا تو اس کو رجم کروں گا، سنگسار کروں گا اس شخص کو۔

چونکہ یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، اس لئے شیعوں نے کہا: ''جو کام عمر نے کیا وہ غلط ہے، لہٰذا متعہ حلال ہے!'' اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ۔'' (سنن نسائی ۱۱/۲۵، ۳۳۱۴)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ خیبر میں عورتوں سے متعہ کرنا اور پالتو گدھوں کے

گوشت، ان دونوں چیزوں کی ممانعت کا اعلان فرمایا۔‘‘

اور یہ روایت شیعہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے اور بقول شیخ ابوجعفر طوسی کے (یہ ان کا سب سے بڑا مجتہد ہے، اس کی ایک کتاب ہے ’’تہذیب الاحکام‘‘ اور دُوسری ہے ’’الاستبصار‘‘۔ ’’تہذیب الاحکام‘‘ آٹھ جلدوں میں ہے، اس کے مقدمے میں طوسی لکھتا ہے):

ہمارے ائمہ کی حدیثیں اتنی متعارض ہیں، آپس میں اتنی ٹکراتی ہیں کہ لوگ اس کو دیکھ کر سُنّی ہوجاتے ہیں، جس کو پتا چل گیا کہ ان کی روایتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو بہت سے لوگ سُنّی بن گئے، جب حقیقت حال کا علم ہوا تو شیعہ مذہب کو چھوڑ دیا، اس لئے میں نے چاہا کہ ان روایات کو جمع کروں اور ان کی تطبیق بتاؤں، روایت کی تطبیق یہ ہے کہ متونِ روایت کو بالمقابل جمع کیا اور ایک کو کہا: ’’مَحْمُولٌ عَلَی التَّقِیَّۃِ‘‘ یہ تقیہ پر محمول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرو، کہتے ہیں: ’’مَحْمُولٌ عَلَی التَّقِیَّۃِ‘‘ امام جعفر صادق سے مروی ہے تو بھی ’’مَحْمُولٌ عَلَی التَّقِیَّۃِ‘‘ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ خیبر میں متعہ سے منع فرمایا، کہتے ہیں: ’’مَحْمُولٌ عَلَی التَّقِیَّۃِ‘‘ تقیہ کے معنی معلوم ہیں؟ لوگوں کے ڈر کے مارے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلط بولا تھا، وہ تو روایت کر رہے ہیں، اپنا فتویٰ نہیں دے رہے، اگر اپنا فتویٰ دیتے تو بات دُوسری تھی کہ ڈر کے مارے غلط فتویٰ دے دیا، جب روایت نقل کر رہے ہیں اور وہ روایت ’’مَحْمُولٌ عَلَی التَّقِیَّۃِ‘‘ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈر کے مارے غلط روایت کی، اور اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی شخص سے حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہوجائے تو آئندہ ہمیشہ کے لئے اس کی روایت مردُود، کذاب۔ اور شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو روایتوں میں جتنا جھوٹ بولے اتنا بڑا امام، ابوالائمہ۔

غرضیکہ شیعہ اور سُنّی دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمادیا تھا، اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں سچے ہیں، لہٰذا متعہ ممنوع ہے۔ اور شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ڈر کے مارے جھوٹ بولا تھا، لہٰذا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ پھر انہوں نے اور روایتیں گھڑیں، اتنے سارے فضائل متعہ کے، میرا خیال ہے کہ اسلام کے بھی اتنے فضائل نہیں ہوں گے جتنے متعہ کے ہیں، کسی شخص کے مسلمان ہونے کے بھی اتنے فضائل نہیں ہوں گے۔

ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شخص متعہ کرکے کسی عورت کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے، جب دونوں غسل کرتے ہیں تو غسل کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، اور جتنے فرشتے پیدا ہوئے ان سب کا وظیفہ یہ ہوتا ہے کہ ان متعہ کرنے والوں کے لئے قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے۔

ایک فضیلت یہ بیان کی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسین کے برابر ہوگا، جو دُوسری دفعہ کرے اس کا درجہ امام حسن کے برابر ہوگا، تیسری دفعہ کرے اس کا درجہ امام علی کے برابر ہوجاتا

ہے، چوتھی دفعہ کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہوجاتا ہے، پانچویں دفعہ کا ذکر نہیں کیا، ورنہ کہہ دیتے کہ اس کا درجہ خدا کے برابر ہوجاتا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ!

شیعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص بحث کررہا تھا امام جعفر صادق سے متعہ کے متعلق، حضرت نے فرمایا: متعہ تو بہت اچھی چیز ہے، یہ تو کرنا چاہئے، وہ بیچارہ ایسا جاہل تھا سنی، اس نے کہا: حضرت! یہ اچھی چیز کیسے ہے؟ کہنے لگے: بہت اچھی چیز ہے، اس کے فضائل بیان کئے، آخر چلتے چلتے اس نے کہا: اپنی صاحبزادیوں کا متعہ کروائیں گے؟ حضرت غصہ ہوگئے تو میری لڑکیوں تک پہنچ گیا؟

اور اب بھی میں وہی بات کہتا ہوں جو امام سے کہی تھی، کوئی شیعہ صاحب اپنی صاحبزادی کا متعہ کروانے کے لئے تیار ہوں گے؟ یہ لوگوں کی عزّتوں پر ڈاکا ڈالنے کے لئے ایک مسئلہ نکال دیا گیا ہے، سوچنے کی بات ہے متعہ کرنے کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں، نکاح میں بیوی شوہر کے گھر کو آباد کرتی ہے اور جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کا کوئی تعلق مرد سے نہیں ہوتا، نکاح میں مہر لازم ہوتا ہے اور اس میں ایک دو گھنٹے کے لئے یا ایک دو دن کے لئے جو اجرت مقرر کی گئی ہے خرچی وہ ملتی ہے، جیسے دو چکے والی عورتیں کرتی ہیں، نکاح میں بیوی کا نان ونفقہ مرد کے ذمے ہے، متعہ میں ان کا کوئی نان ونفقہ نہیں، نکاح میں میاں بیوی دونوں محصن یعنی پاک دامن اور شادی شدہ ہوجاتے ہیں اور متعہ کرنے والے ایسے نہیں ہوتے، نکاح سے فراق یا جدائی کرنا چاہیں تو طلاق کی ضرورت پیش آتی ہے، متعہ موزے کے مسح کی طرح جب وقت گزر جائے تو خود بخود ختم ہوجاتا ہے، اس کو اُتارنے کی ضرورت بھی نہیں، عورت کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں، میاں بیوی کے درمیان اگر جدائی ہوجائے خلوَت کے بعد تو عدّت لازم ہوتی ہے اس کے بغیر عورت دُوسری جگہ شادی نہیں کرسکتی، لیکن متعہ میں کوئی شرط نہیں ہوتی، ایک عورت دن میں دس دفعہ متعہ کرسکتی ہے، اس کو نکاح کہتا کون ہے؟

اور ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے انہوں نے یہ گھڑی ہے:

''اللہ تعالیٰ بُرا کرے عمر کا، اگر وہ متعہ سے منع نہ کرتا تو کسی شریف آدمی کو زنا کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

ہم کہتے ہیں بالکل ٹھیک ہے! زنا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب اس پر متعہ کا لیبل چپکا دیا گیا، اب زنا کا نام کیوں لے گا کوئی؟ متعہ کیجئے، ثواب کمائیے اور حضرت علی اور نبی کے مرتبے تک پہنچئے، گناہ بھی نہیں ملے گا!

بات پھر وہی آتی ہے جو حضرت امام صاحب سے مکالمہ ہوا تھا کہ پھر اپنی صاحبزادیوں کو کیوں محروم رکھا ہے؟ ان سے بھی یہ ثواب کا کام کروایئے، نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

یہ ملعون خبیث چیز ہے، ہمارے مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: یہ شیعہ جس متعہ کا ذکر

کرتے ہیں یہ اسلام میں کبھی جائز ہی نہیں ہوا۔

رضاعت کے احکام

[حدیث:۱۱۱۸] : ”أَنَّ عَائِشَةَ........، الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ۔“

(صحیح بخاری ج:۱۰، ص:۳۴۵، حدیث نمبر:۲۸۷۴، بَاب مَا جَاءَ فِي بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ..)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک رضاعت یعنی دُودھ کا پینا نکاح کو حرام کر دیتا ہے، جیسے پیدائش کا رشتہ حرام کر دیتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ رضاعت یعنی دُودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو کہ نسب سے حرام ہوجاتے ہیں۔ یہاں چند مسائل ہیں:

ایک یہ کہ جس عورت نے کسی بچّے کو دُودھ پلایا ہو، وہ عورت اس بچے کی ماں بن جاتی ہے اور وہ بچّہ اس کا بیٹا بن جاتا ہے، اور اس عورت کا شوہر اس کا باپ بن جاتا ہے اور باپ کے رشتے کے جتنے لوگ ہیں جن سے کسی بچّے کا نکاح جائز نہیں ہوسکتا، اس دُودھ پینے والے بچّے کا بھی نکاح جائز نہیں ہوگا باپ کے ان رشتوں کے ساتھ، اسی طرح ماں کی طرف کے رشتے یعنی صرف دُودھ پلانے والی ماں نہیں بنتی بلکہ اس کا شوہر بھی باپ بن جاتا ہے حالانکہ شوہر نے تو دُودھ نہیں پلایا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ 'فلیح' نامی ایک صاحب آئے اور میرے پاس آنے کی اجازت چاہی، میں نے کہا: تم کون ہوتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں تیرا رضاعی چچا ہوں، میں نے انکار کر دیا، میں نے کہا کہ: مجھے تو دُودھ پلایا عورت نے، آدمی نے تو نہیں کہ اس کا بھائی میرا چچا بن جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّهُ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ“ وہ آپ کا رضاعی چچا ہے، وہ آپ کے پاس آسکتا ہے، وہ ایسا ہی محرم ہے جیسا کہ حقیقی چچا ہوتا ہے تو یہ مطلب ہے اس حدیث کا کہ: إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ یعنی بچّے کی پیدائش سے اس کے جتنے نسبی رشتے حرام ہوجاتے ہیں، کسی بچّے کے کسی عورت کا دُودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔

دُوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رضاعت کا اعتبار دو سال کی مدّت کے اندر ہے، یعنی کسی بچّے نے شیرخوارگی کے زمانے میں یعنی جبکہ بچّہ دُودھ پیا کرتا ہے دو سال کی عمر کے اندر اندر کسی عورت کا دُودھ پیا ہو تو اس سے

رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، اوراس سے وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جونسب سے حرام ہوجاتے ہیں، جمہور ائمہ کا یہی مسلک ہے،لیکن ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول، ایک روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال کے اندر اندر، رضاعت ثابت ہوسکتی ہے،تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی بچّے نے ڈھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دُودھ پیا ہوتو رضاعت کا حکم کیا جائے،لیکن بچّے کو دو سال سے زیادہ دُودھ پلانا جائز نہیں، قرآن پاک میں ہیں:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

(البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ: ’’مائیں دودھ پلائیں بچّوں کو دو سال پورے، اس شخص کے لئے حکم ہے جو دُودھ پلائی کی مدّت کو پورا کرنا چاہتا ہو۔‘‘

یعنی کوئی ماں اپنے بچّے کا دُودھ پہلے ہی چھڑا دینا چاہتی ہے تو کوئی گناہ کی بات نہیں، لیکن اگر پوری شیرگی کی عمر میں دُودھ پلانا چاہتی ہے تو وہ پورے دو سال ہے، اس کے بعد نہیں اور یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ دو سال کے بعد بچّے کو دُودھ پلانا صحیح نہیں ہے، جائز نہیں، اور یہ مسئلہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ اگر دو سال کے بعد کسی بچّے نے کسی عورت کا دُودھ پیا تو عام علماء کے نزدیک اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اور جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈھائی سال تک ثابت ہوتی اس کے بعد نہیں۔

جاہلوں میں یہ مسئلہ بڑا مشہور ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کا دُودھ پی لے تو اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا، ایسا کرنا حرام ہے، خود ماں کا اپنے بچّے کو دُودھ پلانا بھی صحیح نہیں ہے، چہ جائیکہ کسی اور کو پلائے، لیکن اگر کبھی غلطی سے ایسا ہوگیا تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، اس لئے یہ خالص جہالت کا مسئلہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کا دُودھ پی لیا اس لئے یہ اس کا بیٹا بن گیا، لاحول ولاقوۃ!

اوراس سے بڑھ کر جاہلوں میں ایک مسئلہ یہ مشہور ہے کہ اگر میاں بیوی ایک دُوسرے کا جھوٹا کھالیں تو بہن بھائی بن جاتے ہیں، عورتوں کی تو ہم نے سنا ہے کہ کوئی لال کتاب ہوتی ہے، عورتوں کی لال کتاب جس میں سے یہ مسئلہ نکالتی ہیں، یہ معلوم نہیں کونسی زرد کتاب ہے جس میں سے یہ مسئلہ نکالا۔

اور ایک مسئلہ یہ معلوم رہنا چاہئے کہ ایک خاتون نے جس بچّے کو دُودھ پلایا ہے وہی بچّہ اس کا بیٹا بنے گا، اس کے دُوسرے بھائی بہن اس کے بیٹے نہیں بنیں گے، مثال کے طور پر دو بھائیوں کی اولاد ہے، ان میں سے چھوٹے بھائی کی بیوی نے بڑے بھائی کی اولاد میں سے کسی بچّے یا بچّی کو دُودھ پلادیا، اب یہ بچّہ اس کا بیٹا بن گیا، چھوٹی صاحبہ اب چھوٹے بھائی کی اولاد میں سے اس کا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اس کے بہن بھائی ہیں، لیکن اس بچّے کے دُوسرے بہن بھائیوں کا عقد اپنے تائے کی اولاد کے ساتھ ہوسکتا

ہے، ان کا محرمیت کا کوئی رشتہ نہیں ہے، چچی نے ایک بچّے کو دُودھ پلادیا تھا تو اس بچّے کا تو چچی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ سارے بہن بھائی ہیں، اس بچّے کو جو دُوسرے بہن بھائی ہیں یعنی تائے کی اولاد ان کا نکاح چچا کی اولاد سے ہوسکتا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نانی اماں یا دادی اماں دُودھ پلادیتی ہیں، تو پھر مسئلہ اور گڑبڑ ہوجاتا ہے، اب دادی اماں کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ اپنے چچوں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کا بھائی بن گیا، نانی نے دُودھ پلایا تو خالہ اور ماموں کا رضاعی بھائی بن گیا، دادی نے دُودھ پلایا ہو تو چچا اور پھوپھی کا بھائی بن گیا، تو اب اس کی اولاد، دراولاد، دراولاد، دراولاد کسی کے ساتھ بھی اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، اس لڑکے کا دادی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، ہاں! جب نسل آگے چلے گی تو چچے کی اولاد اور اس کی اولاد آپس میں نکاح کرسکے گی، لیکن اس کا نکاح دادی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، نہ چچا کی اولاد کے ساتھ، نہ پھوپھی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ، اور ایسا ہی نانی کے ساتھ مسئلہ سمجھو، عورتیں بیچاری اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی کرتی ہیں، گڑبڑ کرتی ہیں۔

اور ایک مسئلہ بطورِ خاص رضاعت کا یہ ہے کہ بعض دفعہ بچّے کی امّاں کام کاج میں لگی ہوتی ہے، بچّہ روتا ہے دادی امّاں اس کو سینے سے لگالیتی ہیں اور اپنا پستان اس کے منہ میں دے دیتی ہیں، اگر اس کی چھاتیاں خشک ہیں کہ ان میں دُودھ نہیں ہے پھر تو کوئی مضائقہ نہیں، اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لیکن اگر بچّے کے چوستے سے دُودھ اُتر آیا تو اس سے حرمت ثابت ہوجائے گی۔

اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح حقیقی بھائی سے پردہ نہیں اسی طرح رضاعی بھائی سے پردہ نہیں، جیسے حقیقی چچا سے پردہ نہیں ایسے ہی رضاعی چچا سے بھی پردہ نہیں، جیسے حقیقی ماموں سے پردہ نہیں، رضاعی ماموں سے بھی پردہ نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ دین دار ہو، کیونکہ یہ رشتہ کمزور ہے، اگر فتنے کا خطرہ ہو تو پردہ کرنا چاہئے۔

رضاعت کے اَحکام

[حدیث:۱۱۱۹] "سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ........، إِنَّ حَمْزَةَ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ"۔

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۳۴۰، حدیث نمبر:۲۶۲۵، بَاب تَحْرِيمِ ابْنَةِ الْأَخِ مِنَ الرَّضَاعَةِ)

ترجمہ: ''حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں''۔

تشریح: اس حدیث میں بھی ایک قصہ ہے، اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کی بہن، وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگیں یا رسول اللہ! میری بہن سے آپ شادی کر لیجئے! فرمایا کہ: تیری بہن سے؟ کہا: ہاں! میری بہن سے، فرمایا: تم اس کو پسند کرو گی؟ کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کے پاس پہلے بھی عورتیں کم تو نہیں ہیں، اور میں نے سنا ہے کہ آپ اُمّ سلمہ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہ رہے ہیں؟ فرمایا: لاحول ولاقوۃ! اُمّ سلمہ اس کی لڑکی تو میری ربیبہ ہے، میری گود میں پلی ہے، اگر یہ بھی نہ ہوتا تو وہ ابوسلمہ کی لڑکی ہے اور ابوسلمہ میرے رضاعی بھائی ہیں، اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی یعنی اس کی والدہ میرے نکاح میں نہ ہوتی جب بھی وہ میرے لئے حلال نہیں تھی، اس لئے کہ وہ میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ حمزہ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ اِدھر اُدھر کی عورتوں کو جمع کرتے ہیں، اپنے گھر کی لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ کے چچا کی لڑکی ہے، تو اس موقع پر فرمایا تھا:

"إِنَّ حَمْزَةَ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ۔"

(مسلم ۷/۳۴۰، ۲۶۲۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۴۵۳، کنز العمال ۶/۲۷۷، ۱۵۶۹۴)

"بے شک حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔"

چچا تو ہیں لیکن رضاعی بھائی بھی ہیں، دونوں نے ایک عورت کا دُودھ پیا ہے، تو جس طرح کے سگے بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح جائز نہیں۔

دُودھ پیا تھا حضرت حمزہ نے "ثُوَیبہ" کا جس کو عام طور پر لوگ "ثوبیہ" پڑھا کرتے ہیں، نام رکھتے ہیں، "ثُوَیبہ"، ثویبہ ابولہب کی باندی تھیں، اور جب اس نے جا کر ابولہب کو خوشخبری دی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے تو اس نے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں، کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا تھا، پوچھا کہ: کیا حال ہے؟ کہا کہ: پورا جل رہا ہوں سوائے ایک اُنگلی کے کہ وہ دوزخ سے بَری ہے، کیونکہ جس رات محمد (ﷺ) پیدا ہوئے تھے، تو میں نے اس خوشی میں اُنگشتِ شہادت سے اشارہ کر کے کہا تھا کہ: جا تو آزاد! وہ اُنگلی میری دوزخ سے بَری ہے باقی سارا بدن جل رہا ہے۔

اور انہی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو سب سے پہلے دُودھ پلایا تھا، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی جو آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو سال بڑے تھے، اسی خاتون کا دُودھ پی چکے تھے، اسی لئے حضرت حمزہ جو سیّد الشہداء ہیں، جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے، یہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں اور سگے چچا بھی ہیں۔

اَحکامِ رضاعت

[حدیث: ۱۱۲۰] "عَنْ عَلِيٍّ ....، إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِيْ إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِيْ مِنَ

الرَّضَاعَةِ (يَعْنِيْ بِنْتَ حَمْزَةَ)۔"

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۸ ۳۳، حدیث نمبر: ۲۶۲۳، بَاب تَحْرِيمِ ابْنَةِ الْأَخِ مِنَ الرَّضَاعَةِ)

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک وہ میرے لئے حلال نہیں، یعنی حمزہ کی بیٹی وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا گیا ہے، حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپ عرب بھر کے قبائل کی لڑکیاں لیتے ہیں ان سے نکاح کرتے ہیں، لیکن ہمیں آپ نے چھوڑ رکھا ہے، اپنے دادا کی اولاد کو، بنو ہاشم کو چھوڑ رکھا ہے، کوئی ہاشمی عورت آپ کے نکاح میں نہیں ہے، یہ ہمارے ساتھ بے مروّتی کیوں ہو رہی ہے، آپ بنو ہاشم کو بھی یہ شرف بخشئے کہ کوئی خاتون ان میں سے بھی آپ کے یہاں ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہارے یہاں لڑکی ہے کون سی جس سے نکاح کرلوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! آپ کے چچا حمزہ کی لڑکی موجود ہے، ارشاد فرمایا کہ: وہ میرے لئے حلال نہیں ہے، وہ تو میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے، وہ تو میری بھتیجی لگتی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب العمر تھے صرف دو سال کی بڑائی چھوٹائی تھی، دونوں نے ایک ہی دایہ کا دودھ پیا تھا، اور یہ ابولہب کی باندی ثویبہ تھیں، تو یوں یہ دونوں چچا بھتیجا آپس میں رضاعی بھائی ہوتے تھے، حضرت حمزہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے، حضرت عبداللہ کے بھائی، سگے کا مطلب یہ کہ باقی جو چچا تھے ان کی مائیں الگ تھیں باپ ایک تھے، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور دادی کی اولاد تھے، اس لئے سگے چچا کہا، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سیّد الشہداء ہیں، جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سیّد الشہداء کا لقب عطا فرمایا۔

لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ''سیّد الشہداء'' کہتے ہیں، یہ تمہاری خوشی ہے، ویسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تو لقب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملا ہے، تم کسی اور پر چسپاں کرو تو تمہاری خوشی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن لقب یہ اسی شخصیت پر چسپاں ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لقب دیا۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رضاعی بھتیجی سے نکاح جائز نہیں، جیسا کہ رضاعی پھوپھی سے نکاح جائز نہیں، رضاعی پھوپھو کیسے ہوگی؟ جس خاتون نے کسی بچّے کو دودھ پلایا اس کے شوہر کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا، یہ رضاعی پھوپھی بن جاتی ہے، اس عورت کا شوہر اس کا رضاعی باپ ہے۔

یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ 'افلح' نامی ایک شخص تھے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کی

اجازت چاہی اور کہا کہ: میں تمہارا چچا ہوں! انہوں نے کہا: میرا چچا کدھر سے آ گیا؟ کہا کہ: میں تمہارا رضاعی چچا ہوں، انہوں نے کہا کہ: مجھے عورت نے دودھ پلایا ہوگا مرد نے تو دودھ نہیں پلایا، اس لئے جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لے آتے اور میں ان سے مسئلہ نہیں معلوم کر لیتی اس وقت تک اجازت نہیں دے سکتی۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے ان سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا: ''إِنَّهُ عَمُّكِ (مِنَ الرَّضَاعَةِ) فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ'' (صحیح البخاری ۱۶/ ۲۷۰، ۴۸۳۸، صحیح مسلم ۷/ ۳۳۳، ۲۶۱۹، ابوداوٗد ۵/ ۴۴۲، ۱۷۶۱، نسائی ۱۰/ ۴۵۵، ۳۲۶۳) وہ تیرا رضاعی چچا ہے تیرے پاس آ سکتا ہے، اس سے پردہ نہیں۔

رضاعت کہتے ہیں دودھ کے رشتے کو، حدیث میں آتا ہے:

''يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔'' (مسند احمد بن حنبل ۵/ ۳۹۲، ۲۳۶۰، المعجم الکبیر للطبرانی ۷/ ۱۸۳، ۶۰۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۸۶)

جو رشتے نسب سے حرام ہو جاتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

رضاعی رشتہ دار

[حدیث: ۱۱۲۱] ''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا......، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔'' (صحیح بخاری ج:۱۶، ص:۵۱، حدیث نمبر:۴۷۱۲، باب مَنْ قَالَ لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى......)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: شیرخوارگی صرف بھوک کے وقت میں ہوتی ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں بھی ایک قصہ ہے، ایک اُمّ المؤمنین کے پاس کوئی صاحب بیٹھے تھے، کچھ ایسا محسوس ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو ناگوار لگا ہے، انہوں نے معذرت کے طور پر کہا کہ: یہ میرا رضاعی بھائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ'' (صحیح البخاری ۹/ ۱۲۶، ۲۴۵۳، مشکوٰۃ ۲/ ۲۱۸، ۳۱۶۸، کنز العمال ۶/ ۲۷۱، ۱۵۶۵۹) دیکھ لیا کرو کہ کون تمہارا بھائی ہے؟ ''إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ'' اس لئے کہ دودھ پینے کے اَحکام بھوک کی حالت میں ہوتے ہیں جبکہ بچّہ صرف دودھ پر گزارا کرتا ہے اور وہ دو سال کا زمانہ ہے، دو سال کی میعاد کے بعد اگر بچّہ کسی عورت کا دودھ پیئے تو رضاعت اور حرمت ثابت نہیں ہوتی، وہ بھائی نہیں بنتا۔ عجائبات میں سے یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی روایت کرنے والی ہیں اور خود ان کا مسلک اس کے اُلٹ ہے۔ وہ بڑی عمر میں بھی رضاعت کی قائل ہوجاتی تھیں۔

اصل میں ابوحذیفہ اور ان کی اہلیہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا جب پردے کا حکم نازل ہوا کہ اپنے غلاموں سے پردہ کیا کرو، تو یہ کہنے لگیں کہ: یا رسول اللہ! سالم کو ہم نے جب سے چھوٹا بچّہ تھا جب سے پالا تھا، غلام تھا، بعد میں آزاد کر دیا تھا، تو سالم مولیٰ حذیفہ کہلاتا ہے، تو یا رسول اللہ! یہ بڑا مشکل ہے، اب تو اتنی مدّت گزر گئی تو اس سے پردہ بڑا مشکل ہو جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کو اپنا دودھ پلا دے، اب بیس سال کا نوجوان اس کو فرمایا کہ دودھ پلا دے، چنانچہ انہوں نے کسی برتن میں اپنا دودھ نکال کر پلا دیا، وہ بیٹا بن گیا۔ تمام اُمّت اس پر متفق ہے کہ یہ ان کی خصوصیت تھی، یہ حکم سب کے لئے نہیں تھا۔

رضاعت کا ثبوت

[حدیث:۱۱۲۲] "عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ۔"

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۳۴۹، حدیث نمبر:۲۶۳۲، بَاب فِي الْمَصَّةِ وَالْمَصَّتَانِ)

ترجمہ: "حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دودھ کا ایک بار پینا یا دو بار پستان منہ میں ڈالنا نکاح کو حرام نہیں کرتا۔"

[حدیث:۱۱۲۳] "عَنْ عَائِشَةَ......، لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ۔"

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۳۴۵، حدیث نمبر:۲۶۲۸، بَاب فِي الْمَصَّةِ وَالْمَصَّتَانِ)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک یا دو بار بچّے کا دودھ چوسنا حرمت پیدا نہیں کرتا۔"

تشریح: ان دونوں حدیثوں کا ایک ہی مفہوم ہے، شیرخوار بچّے کے اگر ماں ایک مرتبہ منہ میں دودھ دیدے یا دو دفعہ دیدے یا بچّہ ایک ماں کا دودھ چوس لے یا دو دفعہ دودھ چوس لے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

پہلی حدیث حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کی ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی ہیں۔ اور دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے، اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ بچّے کا پانچ دفعہ دودھ پینا حرمت کو ثابت کرتا ہے اس سے کم نہیں، یہ آیت تلاوت کی جارہی تھی جس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منسوخ تو ہو چکی تھی لیکن بہت سے لوگوں کو اس کے نسخ کا پتا نہیں چلا تھا۔

اب مسئلہ سنو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچّے کے پیٹ میں دودھ کا چلا جانا حرمت کو ثابت کردیتا ہے، اس سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، یعنی کسی عورت نے کسی بچّے یا بچّی کو دودھ پلایا، اگر ایک دفعہ بھی پلادیا تو حرمت ثابت ہوگئی، وہ دونوں بہن بھائی بن جائیں گے۔

بیوی شوہر کے سامنے کسی غیر عورت کے حسن کا ذکر نہ کرے

[حدیث:۱۱۲۴] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ......، لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا۔“ (صحيح بخارى ج:۱۶، ص:۲۷۲، حديث نمبر: ۴۸۳۹، بَاب لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہ بدن لگائے ایک عورت دوسری عورت سے، پھر بیان کرے اس کو اپنے شوہر کے سامنے گویا کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایک عورت دوسرے عورت سے ملے، اس کے بدن کو ٹٹولے، کپڑے دیکھے، پھر جاکر اپنے شوہر سے بیان کرے اور اس کے حسن وجمال کا نقشہ اس انداز سے کھینچے گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یہ بڑی گندی بات ہے، اپنے شوہر کے سامنے کسی غیر عورت کا تذکرہ بری بات ہے، اور اسی طرح میاں بیوی کے تعلقات کا تذکرہ کرنا عورتوں کا عورتوں میں اور مردوں کے سامنے یہ بھی نہایت بے حیائی کی بات ہے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

مرد دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کو طلاق نہ دے

[حدیث:۱۱۲۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔“

(صحیح بخاری ج:۲۰، ص:۲۶۷، حدیث نمبر:۶۱۱۱، بَاب {وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَقْدُورًا})

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کو اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہیں کرنا چاہئے، تاکہ انڈیل لے جو اس کی رکابی میں ہے اسے چاہئے کہ نکاح کرلے جو کچھ اس کا مقدر ہے اس کو مل جائے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی شادی کرنا چاہتا ہے اس کی پہلی بیوی بھی موجود ہے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو عورت جس سے یہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ مطالبہ کرتی ہے کہ پہلی کو طلاق دو، چنانچہ وہ پہلی کو طلاق دے دیتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسری کو بیاہ لایا اب پہلی کہتی ہے کہ

اس کو طلاق دو وجہ اس کی یہ ہے کہ عورتوں میں 'سوتا پا' یعنی غیرت بہت زیادہ ہوتی ہے، عورت اپنی سوکن کو برداشت نہیں کرسکتی اور یہ اس کی کمزوری ہے، اگرچہ یہ کمزوری محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ یہ سمجھتی ہے کہ جس طرح میں شوہر کے تعلق اور محبت میں شرکت کی روادار نہیں ہوں یعنی میں شریک نہیں ٹھہراتی، کہ کسی اور کو بھی اس میں شریک کرلوں، اسی طرح شوہر کو بھی میری محبت اور تعلق میں متفرد اور حنیف ہونا چاہئے، شرکت کو گوارا نہ کرے، شوہر کی محبت دو خانوں میں بٹی ہوئی نہ ہو، لیکن عورت کی اس نفسیات کے باوجود یا یوں کہو کہ عورت کی اس نفسیات کو جاننے کے باوجود اللہ نے مردوں کو چار تک نکاح کرنے کی اجازت دے دی، لیکن پابندی یہ لگائی کہ تم دو عورتوں کے درمیان کانٹے کے تول پر مساوات کرو گے، ایک طرف جھکو گے نہیں، تمہارا معاملہ تمہارا میل اور برتاؤ خرچ اخراجات اس میں دونوں میں سے کسی ایک کو اونچ نیچ نہیں کرو گے اور ان کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کرو گے بلکہ جو معاملہ ایک کے ساتھ ہے وہی دوسری کے ساتھ کرو گے' جتنا اس کو کھلاتے پلاتے ہو اتنا ہی اس کو کھلاؤ پلاؤ گے' جتنا اس کو پہناتے ہو اتنا ہی اس کو پہناؤ گے، غرضیکہ سوئی کے سرے کے برابر بھی تم اس میں جور اور بے انصافی بھی نہیں کرو گے، یہ شرط منظور ہے تو سبحان اللہ!

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③﴾ (النساء)

دو، تین، چار جتنے نکاح کرلو لیکن شرط وہی ہے کہ کانٹے کے تول پر برابری کرنا، ورنہ ایک پر اکتفا کرو یا لونڈی سے کام چلاؤ۔

تو دونوں کی نفسیات کی اللہ تعالیٰ نے رعایت فرمائی اور دونوں کو حدودِ شرعیہ کا پابند فرمایا، اب عورت شرکت کو برداشت نہیں کرتی، لیکن بجا ہے یہ اس کی طبعی چیز ہے، اس کی طبعی چیز پر مؤاخذہ نہیں کریں گے، لیکن زبان سے دوسری سوکن کی تنقیص کرے گی تو پکڑیں گے، اس کی توہین کرے گی تو پکڑیں گے، اسی طرح اگر شوہر دونوں کے درمیان کامل مکمل عدل اور برابری کرتا ہے اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی پروا نہیں کرتا، ایک بدزبان ہے وہ شوہر کو کوستی رہتی ہے اس کے باوجود اس کے حقوق میں برابری کرتا ہے یہ نہیں کہ اس کا رویہ چونکہ میرے ساتھ اچھا نہیں اس لئے میرا رویہ بھی اس کے ساتھ اچھا نہیں، تمہیں اپنا حق ادا کرنا ہے، تم کو اس سے بحث نہ ہو کہ دوسرے کا معاملہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ تو اگر کوئی شخص دو بیویوں کے درمیان شریعت کے منشاء کے مطابق صحیح عمل کرتا ہے تو سبحان اللہ! اور اگر عدل نہیں کرتا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ: قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا، ایک حصے میں روح نہیں ہے، وہ جس کا آدھا دھڑ مفلوج ہے کیسے چلے گا؟ اور جیسے یہ سپاہی لوگوں کو زبردستی مارتے ہیں ایسے ہی فرشتے ان کو ماریں گے اور کہیں گے کہ چل یہ تیرے عمل کی سزا ہے، تو مرد کی ناانصافی پر بھی پابندی لگائی کہ

تمہارے جذبات اپنی جگہ ہیں لیکن مصالح کا تقاضا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینا۔

ابھی کچھ دنوں پہلے ایک گدھی کا بیان اخبار میں چھپا تھا، گدھی اس لئے کہہ رہا ہوں کی اس میں انسانیت نہیں، اس نے لکھا کہ جس طرح مرد کو چار عورتوں سے شادی کی اجازت ہے، اسی طرح عورت کو بھی چار شوہر رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے، یہ گدھی ہے، یہ جانتی نہیں کہ عورت کیا چیز ہے؟ عورت ہونے کے باوجود عورت کو نہیں جانتی، عورت جس طرح یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کے شوہر کا مرکزِ نظر دو ہوں، میری طرف بھی دیکھے اور دُوسری طرف بھی دیکھے، یہ برداشت نہیں کرتی، اس طرح اس کی غیرت اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ خود عورت کا مرکزِ نظر دو ہوں، وہ اس سے بھی تعلق رکھے اور اس سے بھی تعلق رکھے، یہ عورت کی فطرت ہے، اگر کوئی اس فطرت کے خلاف کرتی ہے تو وہ فطرت سے ہٹی ہوتی ہے۔

بہر کیف! اس حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا کہ: اگر کوئی شوہر دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ دوسری بیوی پہلی بیوی کا یا پہلی دوسری بیوی کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے، کیوں؟ تا کہ اس کے برتن میں جو کچھ ہے وہ یہ بھی اپنی رکابی میں انڈیل لے۔

میرے ایک دوست ہیں اس نے دو شادیاں کرلیں، اس خاتون کا میرے پاس فون آیا، میں نے کہا: تیرا کیا بگڑ گیا؟ اتنا امیر گھر ہے، نوح علیہ السلام کی عمر تجھے مل جائے تب بھی دولت ختم نہیں ہوگی۔ لیکن عورت اس کو برداشت نہیں کرسکتی، کہنے لگی: دیکھیں مولانا صاحب! میں آدھے کی رہ گئی ہوں، لیکن عورت ایسا نہ کرے اس کا مقدّر اس کو مل جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص مصلحتوں کی بنا پر چار شادیوں کی اجازت دی ہے، اس لئے عورتوں کو اپنی نفسیات کے خلاف اس کو قبول کرنا چاہئے، میں جانتا ہوں کہ اس خواہش، اس حکم کو قبول نہیں کرتی، لیکن اس کو حکمِ خداوندی سمجھ کر قبول کرنا چاہئے اور اللہ تعالی کے قضاء وقدر کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہئے۔

لیکن یہ عورتیں کسی کو برداشت نہیں کرسکتیں، نہ ہی شوہر کو بزرگ سمجھتی ہیں، ایک بزرگ تھے، وہ ہوا میں اُڑے جارہے تھے، گھر میں آئے تو بیوی کہنے لگیں: تم بڑے بزرگ بنے پھرتے ہو، بزرگ تو وہ تھا جو آج ہوا میں اُڑا جارہا تھا، کہنے لگے: ارے اللہ کی بندی! وہ میں ہی تو تھا، اس پر کہنے لگی: اچھا جب ہی تو میں کہوں کہ یہ ٹیڑھا کیوں اُڑ رہا ہے؟

اپنے گھر میں نہ کوئی تھانیدار ہے، نہ کوئی صدرِ مملکت ہے، اور نہ کوئی کمشنر صاحب ہے، نہ کوئی مولوی صاحب ہے، نہ کوئی پیر صاحب ہے، بس سیدھا سادھا میاں ہے، بیوی کا شوہر ہے، بس اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور ہونی بھی نہیں چاہئے، یہ اپنی نسبتیں باہر ہی رکھو، گھر میں جیسے میاں بیوی رہتے ہیں ویسے ہی رہو۔

بہر حال! عورتوں کو اس کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

لعان کا ایک مسئلہ

[حدیث:۱۱۲۶] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ......، لَا مَالَ لَکَ إِنْ کُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ کُنْتَ کَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاکَ أَبْعَدُ لَکَ مِنْهَا۔“ (قَالَهُ لِرَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَالِيْ؟)

(صحیح مسلم ج:۷، ص:۴۸۶، حدیث نمبر: ۲۷۴۳، کِتَاب اللِّعَانِ باب....، صحیح بخاری ج:۱۶، ص:۴۲۴، حدیث نمبر: ۴۹۳۱، بَاب الْمُتْعَةِ لِلَّتِي لَمْ يُفْرَضْ لَهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَی.....)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصار میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی سے لعان کیا تھا، لعان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی، تو اس نے کہا: یارسول اللہ! میرا مال؟ فرمایا: تیرے لئے مال نہیں ہے، اگر تو نے اس پر سچ بولا ہے تو تیرا مال اس کے بدلے میں گیا جو تو نے اس کی عصمت کو حلال کیا، اور اگر تو نے اس پر جھوٹ بولا ہے تو وہ تیرے لئے اس سے زیادہ بعید ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت اوس انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی، قرآنِ کریم نے یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی بیوی پر تہمت لگائیں تو بیوی کے مطالبے پر ان کو لعان کرنا پڑے گا، لعان یہ ہے کہ مرد چار مرتبہ یہ کہے: ”اللہ کی قسم! میں اپنی اس تہمت لگانے میں سچا ہوں“ چار مرتبہ یہ کہے: ”اللہ کی قسم! میں جو اس کے خلاف بات کہہ رہا ہوں میں اس میں سچا ہوں“ اور پانچویں دفعہ یہ کہے گا: ”مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر یہ سچا ہو“ اس کو لعان کہا جاتا ہے۔ اور لعان کا حکم یہ ہے کہ: ”اَلْمُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ“ (جامع مسانید ابی حنیفہ، نصب الرایہ ۴/۲۰۷، تلخیص لابن حجر) لعان کرنے والے آپس میں جمع نہیں ہوسکتے، ان کے درمیان تفریق ہوجاتی ہے، قاضی ان کے درمیان علیحدگی کردیتا ہے ان کا نکاح ختم۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنھوں نے اپنی بیوی سے لعان کیا تھا فرمایا کہ: اب یہ تیرے پاس نہیں رہ سکتی، انہوں نے کہا کہ: یارسول اللہ! میں نے جو مال خرچ کیا ہے مہر؟ فرمایا: مال تمہیں نہیں ملے گا، دو ہی صورتیں ہیں جو کچھ تم نے کہا ہے یہ سچ ہے یا جھوٹ، اگر تو سچ کہتا ہے تو اس عورت کو اِستعمال کرچکا ہے، اس سے صحبت کرچکا ہے، وہ اس کے بدلے میں ہوگیا، اور اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو یہ تیرے لئے اور بھی زیادہ بری

بات ہے، بہر حال مال اب تجھے نہیں ملے گا۔

نکاح میں محرّمات کے جمع کا مسئلہ

[حدیث:۱۱۲۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.......لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔“ (صحیح بخاری ج:۱۶، ص:۶۳، حدیث نمبر: ۴۷۱۸، بَاب لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا، صحیح مسلم ج:۷، ص:۲۰۵، حدیث نمبر: ۲۵۱۴، بَاب تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمع نہ کیا جائے درمیان عورت کے اور اس کی پھوپھی کے اور نہ درمیان عورت اور اس کی خالہ کے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے جو بات کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ بیان کیا: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (النساء:۲۳) دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اور خدانخواستہ کوئی اس کو حلال سمجھ کر ایسا کرے تو کافر ہو جائے گا، دو بہنوں کو ایک عقد میں جمع نہیں کر سکتے، اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی اور اسی طرح خالہ اور بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں بھی وہی اخوت کا رشتہ آجائے گا۔ ایک حدیث میں فرمایا: ”نہ چھوٹی کی موجودگی میں بڑی کو لا سکتے ہیں، نہ بڑی کی موجودگی میں چھوٹی کو لا سکتے ہیں“۔ بڑی سے مراد ہے خالہ اور پھوپھی اور چھوٹی سے مراد ہے اس کی بھانجی اور بھتیجی (جامع مسانید ابی حنیفہ، کذا فی النسائی، طبرانی)۔

کسی کے عقد میں کسی عورت کی پھوپھی ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھتیجی نہیں آسکتی، خالہ ہو تو اس کی موجودگی میں بھانجی نہیں آسکتی، اور اس کا اُلٹ بھی نہیں ہو سکتا، ہاں! جس طرح ایک بہن کے مر جانے کے بعد یا اس کو طلاق ہونے اور عدت گزر جانے کے بعد جس طرح دوسری بہن سے نکاح ہو سکتا ہے اسی طرح پھوپھی کو طلاق دینے کے بعد اس کی بھتیجی سے نکاح ہو سکتا ہے، پھوپھی کے مرنے کے بعد یا اس کے مطلقہ ہونے اور عدت گزر جانے کے بعد، یعنی جو حکم دو بہنوں کا ہے ٹھیک وہی حکم پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کا ہے۔

عدّت کا حکم

[حدیث:۱۱۲۸] ”عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّهَا ......لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ

أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔" (صحیح بخاری ج:۱۶، ص:۴۰۸، حدیث نمبر: ۴۹۲۱، بَاب الْكُحْلِ لِلْحَادَةِ، صحیح مسلم ج:۷، ص:۴۷، حدیث نمبر: ۲۷۳۳، بَاب وُجُوبِ الْإِحْدَادِ فِي عِدَّةِ الْوَفَاةِ وَتَحْرِيمِهِ فِي......)

ترجمہ: "حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حلال نہیں اس عورت کو جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ وہ سوگ کرے کسی پر تین دن سے زیادہ، ہاں! اپنے شوہر پر سوگ کرے گی چار مہینے دس دن۔"

تشریح: یہ حدیث اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے، ان کی صاحبزادی زینب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلی ہیں، وہ خود بھی صحابیہ ہیں، ان کا قصہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمارہے تھے یہ چھوٹی بچّی تھیں، چھوٹے بچّے شرارت کیا کرتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لنگی باندھ کر اس کے باوجود گھر میں پردہ فرما کر غسل فرماتے تھے، تو یہ بچّی بار بار آتی تھی اور پردہ ہٹا کر جھانکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر کلی ماری، ان کی عمر ستر سال سے زیادہ ہوئی لیکن ساری عمر ان کا وہ چہرہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مارا تھا پندرہ سال کی نوجوان لڑکی کی طرح رہا۔ ان کے چہرے میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ حضرت اُمّ المومنین اُمّ حبیبہ، حضرت امیر معاویہ کی ہمشیرہ رضی اللہ عنہما، ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد وہ خادمہ سے کہنے لگیں: وہ خوشبو کی شیشی اُٹھا کر لانا، وہ لائی اور انہوں نے تھوڑی سے خوشبو لگائی اور جو عورتیں وہاں موجود تھیں ان سے فرمایا: "تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ہم کو زیب و زینت و خوشبو سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، ہاں! اپنے شوہر کی وفات پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے گی، ایک سو تیس دن۔" تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے یہ خوشبو لگائی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ سوگ ختم ہوگیا۔ میرے والد کو مرے ہوئے تین دن ہوگئے، دل میں غم یا صدمہ رہنا یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جگر کا زخم ہوتا ہے جو مٹتے مٹتے مٹتا ہے۔ تین دن میں تو زخم نہیں بھرتا دیر سے آدمی بھولتا ہے لیکن بھول جاتا ہے، ماں باپ کو بھی بھول جاتا ہے آہستہ لیکن تین دن بعد مغموم شکل بنانا اور دیگر مشاغل زندگی کو ترک کردینا سوگ کی وجہ سے تین دن تک جائز ہے لیکن تین دن بعد جائز نہیں، اپنے اپنے کام میں لگو، تین دن سوگ منانے کی اجازت دے دی لیکن تین دن بعد اپنے کاموں میں لگو، زندگی کے معمولات کو اپنے دستور کے مطابق جاری رکھو۔

یہ ہماری شریعت کا اعتدال ہے اور ایک عام قانون بنادیا، یہاں کہتے ہیں کہ سات دن کا سوگ ہوگا

اور لوگوں نے اس کے مختلف معیار بنائے ہوئے ہیں، کوئی بڑا مرے یا چھوٹا مرے، صدمہ اپنی جگہ لیکن سوگ تین دن سے زیادہ نہیں۔ البتہ عورت کا شوہر اگر انتقال کر جائے تو اس کے ذمے چار مہینے دس دن کا سوگ لازم ہے، الا یہ کہ اس کے پیٹ میں بچّہ ہو، اگر عورت اُمید سے ہے تو شوہر کے انتقال کے بعد جب بچّہ پیدا ہو جائے گا چاہے دو دن بعد پیدا ہو جائے یا چھ مہینے بعد پیدا ہو اس وقت اس کی عدّت ختم ہو گی اور اس وقت تک وہ سوگ میں رہے گی تو یہ جو شوہر پر چار مہینے دس دن کا سوگ بتایا ہے یہ اس خاتون کے لئے جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہو تو اس کی عدّت وضع حمل ہے۔

حضرت سبعیہ اسلیمہ ان کے شوہر حجۃ الوداع میں انتقال کر گئے اور چند دن کے بعد ان کے یہاں بچّے کی ولادت ہو گئی تو انہوں نے سوگ ختم کر دیا، کپڑے اچھے پہن لئے، ان کے خاندان کے بزرگ ابوالسنابل بن بعکک کہنے لگے: ''کیا بات ہے اچھے کپڑے پہن لئے ہیں، رشتے وصول کرنے یعنی نکاح کرنے کا ارادہ تو نہیں؟ ''لَعَلَّکِ تَجَمَّلْتِ لِلْخِطَابِ'' پھر کہا: ''جب تک چار مہینے دس دن نہیں گزرتے تو نکاح نہیں کر سکتی۔'' حضرت سبعیہ فرماتی ہیں کہ جب رات ہوئی تو میں نے اپنے کپڑے سمیٹے یعنی اُوپر کی چادر لپیٹی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں نے یہ سارا قصہ ذکر کیا کہ ابوالسنابل بن بعکک نے مجھے یوں کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تیری عدّت ختم ہو چکی ہے اب تو اپنی زیب و زینت بھی کر سکتی ہے اور تو نکاح بھی کر سکتی ہے'' (صحیح مسلم)۔

خِطبہ (پیغامِ نکاح) کے آداب

[حدیث:۱۱۲۹] '' عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ........، وَلَا يَخْطُبُ (الرَّجُلُ) عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ۔'' (صحیح بخاری ج:۷، ص:۳۴۴، حدیث نمبر:۱۹۹۶، بَاب لَا يَبِيعُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَسُومُ عَلَى سَوْمِ........، صحیح مسلم ج:۷، ص:۲۱۰، حدیث نمبر:۲۵۱۹، بَاب تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ پیغام بھیجے نکاح کے لئے تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کے پیغام پر۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ کسی آدمی نے کسی جگہ رشتے کا پیغام بھیجا ہو تو اس کے پیغام پر پیغام نہ بھیجا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ اس کو کیا جواب ملتا ہے، اگر ان کی آپس کی بات طے ہو جائے تو اب پیغام نہ بھیجیں، اور اگر طے نہ ہو اور ان دونوں کی بات ختم ہو جائے تو پھر پیغام بھیج سکتا ہے، جب تک ان کا سلسلہ چل رہا ہے وہ اس وقت تک پیغام نہ بھیجے تاکہ وہ آزادی سے فیصلہ کر سکے اور اس دوسرے آدمی کی

جس نے پہلے پیغام بھیجا تھا کسی قسم کی حق تلفی نہ ہو۔

نکاح میں عورت کی اجازت ضروری ہے

[حدیث: ۱۱۳۰] ”أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ......، لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ أَنْ تَسْكُتَ۔“

(صحیح بخاری ج:۱۶، ص:۱۰۰، حدیث نمبر:۴۷۴۱، بَاب لَا يُنْكِحُ الْأَبُ وَغَيْرُهُ الْبِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهَا، صحیح مسلم ج:۷، ص:۲۳۰، حدیث نمبر: ۲۵۴۳، بَاب اسْتِئْذَانِ الثَّيِّبِ فِي النِّكَاحِ بِالنُّطْقِ وَالْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح نہ کیا جائے بیوہ عورت کا یہاں تک کہ اس سے مشورہ نہ کیا جائے اور نکاح نہ کیا جائے کنواری لڑکی کا یہاں تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ نے کہا کہ: یا رسول اللہ! اس سے کیسے اجازت لی جائے؟ فرمایا: اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”أَيِّم“ بیوہ عورت، اصل میں ”أَيِّم“ بے شوہر عورت کو کہا جاتا ہے جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو یا شوہر نے اس کو الگ کر دیا ہو۔ فرمایا کہ: جب تک اس بیوہ سے پوچھ نہ لیا جائے اور وہ زبان سے اجازت نہ دے، اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کنواری لڑکی سے کیسے اجازت لیں؟ فرمایا کہ: بس اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔ گھر میں اس کے نکاح کی باتیں ہو رہی ہیں اور وہ خاموش ہے یا اس کی والدہ نے اس کے پاس تذکرہ کیا کہ فلاں جگہ تیرا عقد کرنا چاہتے ہیں تیرے ابّا، وہ خاموش رہی بس یہی اجازت ہے۔

یہاں سے دو تین مسئلے معلوم ہو جاتے ہیں:

ایک مسئلہ یہ کہ نکاح کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء کی طرف فرمائی ہے، نکاح نہ کیا جائے یعنی اس لڑکی کا نکاح کرنے والے کوئی دوسرے ہیں، معلوم ہوا لڑکی خود نکاح نہیں کرے گی، سنّت بنی آدم یہی چلی آتی ہے کہ لڑکی کا نکاح اس کے اولیاء کرتے ہیں لڑکی خود نہیں۔ شریف گھرانوں میں یہی دیکھا گیا ہے لیکن اب جدید روشنی ہے، لڑکیاں اپنے آپ ہی کر لیتی ہیں، جدید تعلیم کا ہمیں کچھ تو نفع ملنا چاہئے، ایک تو لڑکیاں جاب کرنے لگی ہیں، لڑکے بے کار پھریں، لڑکیوں کو جاب کرانے اور پھر ان کی ملازمت کا بہترین ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ پھر ان کی شادی نہیں ہو سکتی، شادی رُک جاتی ہے اور اگر ہو بھی جائے تو شوہر سے موافقت نہیں ہوتی۔

میرے سامنے ایسے بہت سے قصے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ نے مرد کو خانہ داری کے لئے یعنی گھر سنبھالنے کے لئے عورت کا محتاج بنایا ہے، گھر میں عورت نہ ہو تو گھر نہیں سنبھلتا، اور عورت کو نان ونفقہ، روٹی پانی کے لئے مرد کا محتاج بنایا ہے وہ بے چاری اپنے شوہر کی دست نگر ہے اس کے ہاتھ پر لاکر کچھ رکھے ورنہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور یہ دونوں چونکہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور اس طرح ان کی گاڑی آپس میں چلتی رہتی ہے، ایک پہیہ ادھر ایک پہیہ اُدھر۔

اب جدید تعلیم اور تہذیب نے اور جدید تہذیب نہیں بلکہ جدید تہذیبی نے عورتوں کو مردوں سے بے نیاز کر دیا، مرد کی ضرورت نہیں، اب عورت کو کیوں؟ اس لئے کہ وہ جاب کرتی ہے وہ خود کما کر کھاتی ہے، نوکری کرتی ہے، یہ لفظ میں اس لئے بولتا ہوں کہ لوگوں کے زبان پر یہ لفظ عام ہے، نوکری کہہ دو، ملازمت کہہ دو، لوگوں کو علمیت ظاہر نہیں ہوتی جب تک یہ انگریزی نہیں بولتے، اور بعض ایسے عقل مند ہیں کہ انگریزی میں لفظ کہیں گے انگریزی جانتے نہیں۔

زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم

تو نتیجہ یہ کہ اوّل تو لڑکی نکاح کرنے کو مانتی ہی نہیں، اور اگر مان بھی جائے تو وہ اپنی نوکری چھوڑنے کو تیار نہیں، اس کو اپنی نوکری سے اتنا پیار ہے جتنا شوہر سے نہیں، جب نوکری اور شوہر کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ نوکری کو ترجیح دیتی ہے، یہ میں افسانہ بیان نہیں کر رہا، یہ واقعات ہیں اور لڑکیاں خود عدالت میں جا کر نکاح کر لیتی ہیں اور ابھی آپ حضرات یوں سمجھتے ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔ ہمارے اندر کا انسان تو کبھی کا مر چکا ہے، ہم انسان نہیں انسانوں کی لاشیں ہیں چلتی پھرتی، اندر کا انسان مر چکا ہے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ شریعت نے مرد کے ذمے بیوی بچّوں کا نفقہ ڈالا اور عورت کے ذمے گھر کا کام کاج، اس طرح دونوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور زندگی خوشگوار زندگی گزرتی ہے، باہمی اعتماد، محبت، اُلفت، جوڑ، قلبی تعلق اور ایک دوسرے کی عزت رکھتی ہے لیکن جدید تہذیب نے ان تمام اقدار کو تلپٹ کر ڈالا ہے، آپس میں ایک دوسرے سے جوڑ ہی نہیں، رسمی طور پر تعلق ہے، بس ایسا ہی اندر سے نہیں ہے، اس لئے سب کچھ کھوکھلا ہو گیا ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ لڑکے لڑکیاں جوان ہیں لیکن ماں باپ نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں، فکر ہی نہیں ہے، مجھے تو بہت خط لکھتے ہیں، ماں باپ بھی لکھتے ہیں، بیویاں بھی لکھتی ہیں، اولاد بھی لکھتی ہے، ہر ایک کے حالات مجھے معلوم ہیں، اب کیا کریں؟ تیس، بتّیس، پینتیس سال ہو گئے جب لڑکی کو تو اب وہ کیا کرے؟ ماں باپ نہیں کرتے، وہ لڑکیاں مجھ سے پوچھتی ہیں کہ پھر ہم کر لیں؟ اب میں ان کو کیا کہوں! ماں باپ کو جب بھی کہا جائے وہ مانتے نہیں۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ: علی! تین چیزوں میں دیر نہیں کرنا، ایک نماز جب اس کا وقت آجائے، دوسرے جب جنازہ آجائے، ہمارے یہاں مکروہ وقت میں جنازہ پڑھنا صحیح نہیں لیکن دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت میں پڑھ دو مکروہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اور تیسرے یہ کہ جب لڑکے لڑکی کا رشتہ مل جائے تو فوراً کردو۔

اور ایک خرابی یہ ہے کہ ماں باپ لڑکے اور لڑکی کی رائے نہیں پوچھتے اور اکثر لڑکے اور لڑکی کی منشا کے خلاف ان کو باندھ دیتے ہیں، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی بیماری کا علاج ارشاد فرمایا ہے، یعنی لڑکی اگر بیوہ ہے اور شوہر کے گھر میں آباد ہو چکی ہے تو اب اس کو ایسی بات کرنے سے شرم زیادہ مانع نہیں ہے، اس لئے کھلے طور پر اس سے مشورہ کیا جاسکتا ہے۔ لڑکی اگر کنواری ہے شوہر کے گھر میں نہیں گئی تو اس کے سامنے کھلے طور پر نکاح کی بات کرنا ذرا حیا کے خلاف شمار کیا جاتا ہے، لڑکی بھی شرماتی ہے، ماں باپ بھی شرماتے ہیں، لیکن اس کا عندیہ اور اس کا اِذن معلوم کرنا ضروری ہے، کنواری لڑکی بھی دل سے راضی ہو تب اس کا وہاں نکاح کرو، ورنہ نہیں۔ اور بیوہ تو جب تک صاف الفاظ میں نہ کہہ دے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں، زبردستی کا نکاح صحیح نہیں۔

میرے سامنے ایسے کیس بھی آئے ہیں کہ ایک لڑکی انکار کرتی رہی اس کو مار مار کر بیہوش کردیا اور بیہوشی کی حالت میں اس کا انگوٹھا لگوادیا، ماں باپ نے کہا: ہماری عزت خراب ہوتی ہے اور لڑکی کو بھیج دیا۔

ایک باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح زبردستی کردیا تھا وہ لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: میں نہیں چاہتی تھی میرے باپ نے زبردستی میرا نکاح کردیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تو اس کو منظور نہ کرے تو یہ نکاح نہیں۔ وہ لڑکی کہنے لگی: مجھے اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح منظور ہے، میں اس پر راضی ہوں جو میرے باپ نے میرا نکاح کیا لیکن میں لڑکیوں کو یہ مسئلہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ والدین لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتے، مجھے اپنے باپ کا نکاح منظور ہے۔ مسئلہ تو بتادیا نا!

تو والدین کو حق نہیں پہنچتا کہ لڑکی کو زبردستی کسی کے گلے ڈالیں، یہ دو بکریوں کا باندھنا نہیں ہے کہ تم انہیں جیسے چاہے باندھ دو، ان کو زندگی گزارنی ہے، مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو تم کیوں زبردستی باندھتے ہو؟ اور ایک دوسرے سے ناراض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، یہ بھی بے وقوفی کی بات ہے۔

کن کن عورتوں سے نکاح جائز نہیں

[حدیث: ۱۱۳۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ......، لَا تُنْكَحُ الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ الْأَخِ وَلَا

ابْنَةُ الْأُخْتِ عَلَى الْخَالَةِ۔" (صحيح مسلم، ج:۷، ص:۲۰۷، حديث نمبر: ۲۵۱۶، بَاب تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ نکاح کیا جائے پھوپھی سے بھتیجی پر، اور نہ بھتیجی سے اس کی خالہ پر۔"

[حدیث:۱۱۳۲] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ......، لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا۔" (صحيح مسلم، ج:۷، ص:۲۰۹، حديث نمبر: ۲۵۱۸، بَاب تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر۔"

تشریح: دونوں ایک ہی حدیث ہے، اور روایت کے الفاظ مختلف ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے نکاح کرنا دُرست نہیں ان میں سات نسبی رشتے ذکر فرمائے:

﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ﴾ (النساء:۲۳)

یعنی ماں، بیٹی، بہن، خالہ، بھتیجی، بھانجی، ﴿وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ تمہاری رضاعی بہنیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس میں سات رضاعی رشتے حرام کردیئے، اس کے بعد دو رشتے سسرالی، ان کو اگر مزید پھیلایا جائے تو زیادہ بن جائیں گے یعنی ساس اور بہو، اور آخر میں فرمایا: ﴿وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ﴾ یہ بھی منع ہے کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، یعنی ایک نکاح میں دو بہنیں جمع نہیں ہوسکتیں، آگے پیچھے نکاح ہوسکتا ہے، اس طرح کہ ایک بہن سے نکاح کیا تھا وہ مرگئی، اب اس کے مرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح کرلیا، یا ایک بہن کو طلاق دے دی اس کی عدّت بھی گزرگئی، اب دوسری بہن سے نکاح کرلیا یہ جائز ہے، یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح صحیح ہے بشرطیکہ ایک نکاح میں دونوں بہنیں جمع نہ ہوں اور اس حدیث شریف میں دو رشتے مزید بتائے ہیں: ایک یہ کہ جس طرح دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی بیٹی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں اور جس طرح دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسی طرح ایک بہن کے ساتھ اس کی بھتیجی کو بھانجی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں۔

یہاں تو روایت میں لفظ نہیں آئے، دوسری جگہ الفاظ ہیں: "وَلَا تُنْكَحُ الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى

"وَ لَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى" (جامع مسانید ابی حنیفہ، سنن ابی داود ۵/ ۴۵۴، ۱۷۶۸) نہ بڑی کو چھوٹی پر اور نہ چھوٹی کو بڑی پر لایا جائے، بڑی سے مراد ہے خالہ اور پھوپھی اور چھوٹی سے مراد ہے بھتیجی اور بھانجی۔ یعنی اگر پہلے سے بھتیجی اور بھانجی کسی آدمی کے نکاح میں ہے تو اس کی خالہ اور پھوپھی کو اس پر نہ لایا جائے۔ مطلب یہ کہ اپنی بیوی کی خالہ سے یا اپنی بیوی کی پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں جب تک کہ یہ بیوی اس کے نکاح میں ہے۔

اور چھوٹی کو بڑی پر نہ لایا جائے، مطلب یہ کہ اگر جس کسی شخص کے نکاح میں ایک عورت ہو اس کی بھتیجی اور بھانجی کو لانا جائز نہیں۔ تو بیوی کے ہوتے ہوئے خالہ کو یا پھوپھی کو لانا جائز نہیں اور بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بھانجی یا بھتیجی کو لانا جائز نہیں۔ یہ گویا: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (النساء: ۲۳) کی نبوی تشریح ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے تشریح فرمائی۔

یہ مسائل الحمدللہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہیں، لیکن بعض بے چارے دین سے اور دین کے علم سے اور دین والوں کی صحبت سے اتنا دُور ہوگئے ہیں کہ بعض لڑکوں نے مجھے لکھا ہے کہ میری خالہ میری ہم عمر ہے، میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اندازہ کرو! نعوذ باللہ! حالانکہ یہ تصوّر بھی حرام ہے۔

یہاں ہم بیوی کی خالہ کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں، تمہاری خالہ کے بارے میں نہیں یا تمہاری سگی بھتیجی بھانجی کے بارے میں نہیں بلکہ تمہاری اہلیہ کی بھانجی، بھتیجی، خالہ اور پھوپھی ان سے نکاح جائز نہیں ہے، میں نے کہا کہ عام طور سے لوگ ان مسئلوں کو جانتے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ یہاں تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اپنی سگی خالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

بدبخت! اپنی ماں سے کیوں نہ کرلیتا؟ لیکن ان لوگوں سے کیا بعید ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" (بخاری ۲۲/ ۲۹۸، ۶۷۷۵) تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے، "حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِيْ جُحْرِ ضَبٍّ" (اگر ان میں سے کسی نے گوہ کے بل میں پاؤں دیا ہوگا، تم بھی ضرور دو گے، "حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ" (ترمذی ۹/ ۲۳۵، ۲۵۶۵) اور ان میں سے اگر کسی (بدبخت) نے اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کی ہوگی تو تم بھی کرو گے، تم میں بھی ایسے ہوں گے (ابن ماجہ، طبرانی، مسند احمد بن حنبل)۔

یہ اُمّت رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں پوری کررہی ہے۔ اور جب تک آنحضرت ﷺ کے مزاج سے اور آپ کے دین سے ہٹ جائے تو وہ اُمّت کہلانے کی مستحق نہیں رہتی اور سنّت کی خلاف ورزی کرنے کے بعد ان کے درمیان نفاق اور شقاق پیدا ہوجاتا ہے، ایمان وہ دولت ہے جو اُمّت کو جوڑتی ہے، اور نفاق وشقاق وہ نحوستیں ہیں جو اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے نبوّت ملنے کے بعد تیئس سال قیام فرمایا، تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منوّرہ میں۔ مکہ مکرّمہ میں احکام نہیں تھے، تیرہ سال گزرے مگر کوئی حکم نہیں تھا، ہاں! نماز کا حکم تھا وہ بھی دو وقت کی، فجر اور عصر، سن تیرہ میں جب آنحضرت ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تب آپ پر پانچ نمازیں نازل ہوئیں، اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد پھر ہجرت کا حکم ہوگیا گویا اَحکام کی باقاعدہ پابندی کا باقاعدہ آغاز وہاں معراج سے شروع ہوتا ہے۔ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا حکم بھی تھا، لیکن اس کی مقداریں بھی معیّن نہیں کی گئی تھیں۔

اس زمانے کی جو سورتیں اور آیتیں ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ لمبی نہیں چھوٹی ہیں اور بیشتر مضامین ان کے آخرت، آخرت کا یقین، جنّت و دوزخ، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کا بیان۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان، رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم، آنحضرت ﷺ کو صبر، تسلی، یہ مضامین ہیں۔ گویا یقین دل میں اُتارا جارہا تھا۔ میں نے کہا کہ اَحکام تو نہیں تھے لیکن مجاہدہ کرواتے تھے، اور دو قسم کا مجاہدہ تھا، ایک مجاہدہ مخالفوں کے ذریعے سے کروارہے تھے، ٹھکائی بھی خوب ہوتی تھی مسلمانوں کی، جتنا کسی کو ذلیل کیا جاسکتا ہے اور جتنی کسی پر لعنت ملامت کی جاسکتی ہے وہ کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر کی، آنحضرت ﷺ کی ذاتِ عالی پر اِیمان لانا گویا ان مصائب اور بلاؤں کا طوفان تھا، اس میں آدمی گھر جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانچ یا چھ میں مسلمان ہوئے ہیں اور چالیس آدمیوں کی تعداد انہوں نے پوری کی تھی، اندازہ کرو! حضور ﷺ کو اس دعوت کے راستے میں کتنی مشقّت برداشت کرنا پڑی ہوگی، چھ سال گزر رہے ہیں اور چالیسواں آدمی مسلمان ہوا، وہ بھی اس طرح لیا کہ یا اللہ! دیدے۔ ’’اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَدِ الْعُمَرَيْنِ!‘‘ (کنز العمال ۱۱/۵۸۱، ۳۲۷۶۸، مسند احمد بن حنبل ۱۱/۴۷۴، ۵۶۴۳، کذا فی الترمذی ۱۲/۱۴۱، ۳۶۱۴)۔ یا اللہ! دو عمروں میں سے ایک عمر دیدے، یا عمر بن ہشام، یا عمر بن خطاب، ہمارا دعوت کا کام ٹھیک نہیں چلتا، یا اللہ! عطا فرمادے۔ دُعا کی، اللہ نے منظور فرمالی، گئے تھے محمد ﷺ کی گردن مبارک اُتارنے، اپنی گردن دے بیٹھے، لمبا قصہ ہے۔

دارِ اَرقم ایک جگہ تھی پہلے وہاں لائبریری بنی ہوئی تھی، اب وہاں سے سب کچھ اُڑادیا، سب حرم میں شامل ہوگیا، آنحضرت ﷺ وہاں تشریف فرما تھے، چند صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے اور انہی میں شیرِ خدا اسد اللہ الغالب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ’’أَسَدُ اللهِ وَأَسَدُ رَسُوْلِهٖ‘‘ اللہ اور اللہ کے رسول کے شیر ہیں۔ اور عجیب بات یہ کہ ان کو بھی مسلمان ہوئے چار پانچ روز ہوئے تھے، یہ جب پہنچے تو لوگوں نے دروازے کی دراز سے دیکھا کہ عمر آرہے ہیں، کانپ گئے کہ عمر آرہے ہیں، حضرت عمر کی دہشت ایسی تھی، حضرت حمزہ نے کہا: گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ادھر اگر عمر ہے تو ادھر حمزہ ہے، آنے دو دیکھ لیتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

دروازہ کھول دو آنے دو، اندر داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے گریبان پکڑ لیا اور فرمایا: عمر! کہاں پھر رہے ہو؟ کہا: یا رسول اللہ! مسلمان کر لیجئے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ دعوت کا کام ایمان اُتارنے کے لئے تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم چٹان پر لٹا کر مکہ کی گرمی اللہ کی پناہ! ایک دن مجھے حرم شریف سے باہر نماز پڑھنا پڑی، بس کچھ نہ پوچھو کہ کیا ہوا میرے ساتھ! حالانکہ نیچے کچھ کپڑا بھی بچھایا تھا، گرم چٹان پر لٹا کر اُوپر بھی گرم چٹان رکھتے کہ ہل نہ سکیں، اور یہ خبیب اور یہ صہیب رضی اللہ عنہما۔ ایک دن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات ہو رہی تھی جب وہ خلیفہ تھے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ذرا پیچھے سے میرا کپڑا اُٹھائیے! کپڑا اُٹھایا تو کمر پر اتنے بڑے بڑے داغ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے: حضور! آگ کے انگاروں پر مجھے لٹا دیا جاتا تھا اور ان انگاروں کو میرا خون اور چربی بجھاتی تھی۔

میں نے کہا کہ صرف مجاہدے کروانے تھے، اَحکامات کچھ نہیں، پہلے مسلمان ہو جاؤ، کیا کرو گے؟ یہ بعد میں بتائیں گے! پہلے کرنے کی صلاحیت تو اپنے اندر پیدا کرو۔

اور دُوسرا مجاہدہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے تھا کہ ایک مہینے تک حکم تھا: ﴿قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ‏ ۝۲ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انْقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا ۙ‏ ۝۳ اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ﴾ (المزمل) رات کا تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر پوری رات قیام کیا کیجئے، فرمایا آدھا کر لیں یا اس سے کچھ کم کر لیں، یا اس سے کچھ زیادہ کر لیں، پیمانہ آدھی رات ہے، گھڑی گھنٹے ہی نہیں، رات آدھی کب ہوتی ہے، اس کا اندازہ کرتے کرتے پوری رات گزر جاتی تھی، یہ اُوپر سے مجاہدہ یہ نیچے سے مجاہدہ، یہ مجاہدہ تھا جس نے صحابہ کرام میں وہ ایمان پیدا کر دیا تھا۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ﴾ (ابراہیم:۴۶) ان کافروں کے مکر ایسے ہیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں (مگر صحابہ نہیں ٹلے)۔ کافروں کے مکر، سازشوں اور ان کی خوفناک تدبیروں سے قریب تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، لیکن صحابہ کرام ایسے راسخ فی الایمان ہو گئے تھے کہ نہیں ہٹ سکے، کوئی خوف اور لالچ ان کو ایک انچ کیا ایک بال برابر بھی ان کے ایمان سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اب سمجھے ہو کہ نہیں!

لوگ کہتے ہیں کہ علم، تعلیم، تعلّم، پڑھنا، پڑھانا، بس سیکھو۔ جب تک دعوت کے راستے سے تم میں ایمان نہیں آئے گا اس وقت تک پڑھنے پڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یعنی معتد بہ فائدہ، کتابیں، رسالے اور فتوے تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان چیزوں کو مانتے ہوں، اور آج ہمارے دلوں کی استعداد نے ماننے سے انکار کر دیا ہے، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ دعوت کے کام کو پھر اسی نہج پر لایا جائے، ادھر سے بھی گالیاں پڑیں اور ادھر سے بھی مشقتیں آئیں، گھر سے بے گھر ہوں، بیوی بھی طعنہ کر رہی ہے، ماں باپ بھی طعنہ کر رہے ہیں ملا بن گیا۔ اور جماعتوں کی جماعتیں طعنہ کر رہی ہیں کہ ان تبلیغ والوں کی علامت کیا ہے؟ آدھی پنڈلی! میں نے

کتاب پڑھی ہوئی ہے اس لئے بتاتا ہوں، کہتے ہیں آدھی پنڈلی تک پاجامہ، سر پر عمامہ، کان پر مسواک۔ کبھی کہتے ہیں بستر بند پارٹی اور پارٹیاں تو چندہ بھی کرتی ہیں یہ پارٹی تو کسی سے چندہ بھی نہیں کرتی۔

آج جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی لوگ اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں، نہ جماعت کی حیثیت سے اور نہ انفرادی حیثیت سے، تو بھئی! کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو دعوت کا کام ہے یہ دعوت کا کام بنیاد ہے، جتنی مضبوطی سے دعوت چلے گی اتنی تیزی سے دین آئے گا، اور جتنی گہرائی کے ساتھ کوئی شخص دعوت کا کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اتنا ہی گہرا ایمان پیدا فرمائیں گے، تو یہ دعوت کا کام جو نکل کر کیا جاتا ہے یہ ایمان سیکھنے کا کورس ہے، بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اگر صحیح اُصولوں کے مطابق ٹھیک اُصولوں کے مطابق امیر کی اطاعت کرتے ہوئے ساتھیوں کی رعایت کرتے ہوئے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے ہوئے اور قدم اُٹھایا جائے اس راستے میں تو تین چلے یا چار مہینے میں دین پر چلنے کی استعداد پیدا ہو جائے گی، یہ نہیں کہ تبلیغی بن گیا۔ جیسے مشائخ اجازت دیتے ہیں خلافت دیتے ہیں کہ تمہیں بیعت کرنے کی اجازت ہے، اس کا یہی مطلب ہے کہ آئندہ اس میں استعداد پیدا ہوگئی ہے اِن شاء اللہ، اگر یہ اس استعداد کو بڑھائے تو اللہ تعالیٰ اس سے کام لیں گے۔

شغار کا حکم

[حدیث:۱۱۳۳] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ ......، لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ۔“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام میں شغار نہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ: اسلام میں شغار نہیں۔ جاہلیت میں لڑکیوں کے نکاح میں وٹے کا رواج تھا، بدلے کا۔ وٹہ سٹہ لیکن رواج ایسا تھا کہ ایک لڑکی دُوسری لڑکی کا مہر قرار پاتا تھا، یہ ان لڑکیوں کے تبادلے کرتے تھے، تو مہر نہیں ہوتا، یہ لڑکی کا ادل بدل ہی مہر قرار پاتا، اس کی لڑکی لے لی اپنی لڑکی دے دی، یہ نکاح صحیح نہیں۔ اور اس میں چند خرابیاں ہیں: ایک تو یہ کہ آزاد عورت کسی کا مہر نہیں بن سکتی مگر لونڈی کو مہر بنانا صحیح ہے۔ دوسری یہ کہ لڑکی کو گویا اپنا غلام سمجھا ملکیت سمجھا ماں باپ نے کہ جس جہنّم میں چاہیں اس کو جھونک ڈالیں، یہ بھی غلط ہے، کیونکہ گزر چکا ہے کہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ ایک لڑکی اپنے گھر میں خوش ہے اور دوسری لڑکی خوش نہیں ہے تو ایک کو اس کے میاں نے طلاق دے دی اب اس کے بدلے میں وہ لڑکی جو اپنے گھر میں خوش تھی اس کو بھی چلتا کریں گے، کیونکہ نکاح بدلے کا تھا، تو طلاق بھی بدلے کی ہوگی۔ ایک خرابی یہ تھی کہ لوگ جاہلیت کی وجہ سے اس بات سے عار کرتے تھے کہ ہم اپنی لڑکی دیں

اور وہ ہمیں نہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان جاہلی رُسوم کو مٹانے کے لئے اور صحابہ کرام کے بابرکت قلوب میں ان رسموں سے نفرت دلانے کے لئے فرمایا: ''لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ'' اسلام میں شغار نہیں۔

اب رہا حکم! دُوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کا نکاح کردیا جائے تو نکاح ہوتا ہی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمادیا: ''لَا شِغَارَ'' ہمارے امام ابوحنیفہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب ایک لڑکی کا نکاح کیا کسی مسلمان مرد کے ساتھ اور یہ کہا کہ: اس لڑکی کا تجھ سے نکاح کیا، اس نے کہا: میں نے قبول کیا، نکاح ہوگیا اور مہر کا ذکر کرنا بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔ اگر مہر غلط رکھا جائے تو اس کا ذکر ضروری نہیں، بغیر مہر کے ذکر کے بھی نکاح ہوجائے گا، بعد میں مہرِ مثل لازم آئے گا تو چونکہ ان دونوں لڑکیوں کو ایک دُوسرے کا مہر قرار دیا گیا ہے، لہٰذا مہر غلط ہوا۔ اور دونوں لڑکیوں کو ان کے خاندان کا مہرِ مثل دلوائیں گے، لیکن نکاح صحیح قرار پائے گا، نکاح شروطِ باطلہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتا، غلط شرط کوئی لگادے تو نکاح ہوجاتا ہے، لیکن شرط باطل ہوگی۔

اور ایک یہ ہے ہمارے ہاں وٹے کا رواج، پنجاب میں بہت ہے اور معلوم نہیں دوسرے علاقوں میں ہوتا ہوگا، یعنی لڑکیوں کا تبادلہ کرتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم دوگے تو تمہیں دیں گے، گویا ایک کا رشتہ دوسرے کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک لڑکی دوسری کا مہر تو نہیں، ہر ایک کا مہر الگ الگ ہے، چاہے پنجابی جاہل سوا بتیس پر ہی نکاح رکھیں، ہم پوچھتے ہیں کہ کتنا مہر رکھیں؟ کہتے ہیں: شرعِ محمدی سوا بتیس روپے! سوا بتیس روپے کہاں سے شرعِ محمدی آئی؟

بہرکیف! یہ تو شغار تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، اس کا وٹے کے رشتے سے کوئی تعلق نہیں، باقی میں اس وٹے کے رشتے کا حامی نہیں ہوں، بعض قباحتیں اس میں بھی پائی جاتی ہیں، جو جاہلیت کی رسمیں تھیں وہ اس میں بھی پائی جاتی ہیں۔

یہاں ایک صاحب آتے رہتے ہیں، ان کو جس شخص نے لڑکی دی تبادلے میں اس کی بہن لی۔ یعنی اس کا خسر بہنوئی بھی ہے، اور اس نے نکاح کیا ہوا تھا' پہلی بیوی سے بگاڑ تھا وہ گھر پر نہیں آتی تھی تو اس نے آڑ میں نکاح کیا تھا اور اپنی لڑکی دے کر نکاح کیا تھا، پہلی بیوی کو معلوم ہوا فوراً آگئی اور آکر آباد ہوگئی۔ اب دو ہوگئیں، اب اس کی بہن کو اتنا ستاتے ہیں، جاہل لوگ ہیں، اب اس کی بیوی اس کو مجبور کرتی ہے کہ تم اس کی لڑکی کو طلاق دو، وہ ہماری لڑکی کو طلاق دے، حالانکہ یہ ٹھیک ٹھاک اپنے گھر میں آباد ہیں، کئی کئی بچّوں کے والدین ہیں۔ اس قسم کی قباحتیں اس میں پائی جاتی ہیں، اس لئے کوشش ہو کہ ایسا نہ کیا جائے، یہ وٹے سٹے کا رواج ختم کریں لیکن مشکل یہ پیش آتی ہے کہ لڑکیوں پر تسلط ہمیشہ والدین کا رہا ہے، اور ان کی شرافت سے والدین نے ہمیشہ ناجائز فائدہ اُٹھایا، سوائے نیک لوگوں کے، پٹھانوں کے یہاں کچھ قبائل لڑکیوں کو باقاعدہ

بیچتے ہیں اور نام رکھا ہوا ہے مہر کا۔

ایک صاحب میرے شاگردوں میں سے ہیں، مجھے خط لکھا، میں نے اس کو بلوا کر کہا: تمہارے علماء اس کی مخالفت نہیں کرتے کیا؟ علماء مسئلہ نہیں بتاتے؟ معلوم نہیں صدیوں سے کب سے یہ رواج چلا آ رہا ہے؟ کہنے لگا: علماء خود جا کر ملوث ہو جاتے ہیں، ایک بھی آدمی نہیں ہے جو اس کے خلاف آواز اُٹھائے اور جہاد کرے۔

یہ ہمارے قاری عبداللہ جو یہاں آتے ہیں ان کے والد قاری رحیم بخش صاحب یہاں کراچی کسی دوست کی بچّی کا عقد تھا اس لئے یہاں آئے ہوئے تھے، اس نے بہت فرمائش کر کے قاری صاحب کو بلوایا تھا، تو ایک بہت غریب خاندان کی لڑکی کوئی اس کا رشتہ نہیں لیتا تھا اور وہ ان کے پاس پڑھی تھی، وہ قاریہ حافظہ تھی، باپ اس کا اتنا غریب کہ کوئی رشتہ نہیں لیتا، حضرت قاری صاحب کے صاحبزادے قاری اہل اللہ، قاری عبداللہ کے چھوٹے بھائی یہ ان کے ساتھ تھے، قاری اہل اللہ کو وہ کہنے لگے: تیرا نکاح کردیں چپکے سے! اور اس کے باپ سے کہہ دیا کہ: تیری بچّی میں اپنے لڑکے کے لئے لیتا ہوں، ابھی جب نکاح ہوگا تو ساتھ ہی تیری بچّی کا نکاح بھی کردیں گے اور کچھ پیسے بھی دیئے کہ جاؤ بچّی کے لئے کچھ کپڑے بھی خرید لو، دُلہن لے کر چلے گئے آج وہ ماشاءاللہ اپنے گھر میں خوش ہیں، اللہ ان کو سعادتیں اور برکتیں عطا فرمائے وہ پورا مدرسہ چلا رہی ہے۔

حضرت قاری صاحب کی ایک بچّی سمندری میں ایک جگہ فیصل آباد کے قریب وہاں حفظ کا مدرسہ ہے۔ قاری صاحب کے پاس ایک لڑکا پڑھ کر گیا تھا، اس نے قاری صاحب کو خط لکھا کہ میں سیّد ہوں آپ کے پاس قرآن بھی حفظ کیا ہے، اور دس جماعتیں پاس ہوں، نوکری نہیں، گھر بھی نہیں، کھانے کو روٹی بھی نہیں ہے، نہ پہننے کو کپڑا ہے، نہ روزگار ہے، نہ حیثیت ہے، نہ وجاہت ہے، اب مجھے کوئی لڑکی نہیں دیتا، کوئی وظیفہ بتایئے۔ حضرت قاری صاحب گھر گئے، اہلیہ سے کہا: ایک نیکی کا کام کرتی ہے؟ میں تجھے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں کیونکہ بچیوں کے معاملے میں عورتوں سے مشورہ لیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: بچیوں کے معاملے میں ان کی ماؤں سے پوچھو، وہ بچیوں کے مزاج سے واقف ہوتی ہیں اور آگے بچیوں کو بسانا آباد کرنا بھی انہی کے قبضے میں ہوتا ہے، انہی کی تعلیم و تلقین سے بچیوں کو اپنے گھر میں آباد ہونے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ جو ماں اپنی بچّی کو آباد نہ کرنا چاہے تو بچّی کبھی آباد نہیں ہوتی، یہ میرا تجربہ ہے۔ تو قاری صاحب کہنے لگے: یہ نیکی کا کام کرلو جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔ کہنے لگے: اہلیہ نے کہا: آپ کام تو بتائیں کیا ہے؟ کہا: پہلے مان لو تب! کہا: چلئے ٹھیک ہے، آپ جنّت کی ضمانت دیتے ہیں تو بتایئے کیا ہے؟ جو بھی میرے لئے ممکن ہوگا وہ کروں گی! قاری صاحب نے وہ خط دیا، اب کون ماں ایسی ہوگی جو گھر میں ایسا داماد لائے جس کا نہ گھر ہو، نہ پہننے کو ہو، نہ کھانے کو ہو، نہ کوئی روزگار، بڑے بڑے علماء کی بیویاں بھی کہتی ہیں: جا کام کر اپنا، جا کر مسجد میں درس دیا کر، تجھے پتا تو ہے نہیں دُنیا

جہان کا۔ وہ نیک عورت کہنے لگی: آپ نے بہت بڑا وعدہ کیا ہے، میں اللہ کے بھروسے پر اس رشتے کو قبول کرتی ہوں، کام تو بہت مشکل بتایا۔ حضرت قاری صاحب نے اس سیّدزادے لڑکے کو لکھا کہ تم اپنی والدہ کو لے کر آجاؤ یہاں ایک رشتہ ہے تمہیں دکھا دیں گے، تمہیں پسند آجائے تو نکاح ہوجائے گا۔ وہ خوش خوش آئے قاری صاحب کے یہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن لڑکے کی والدہ کہنے لگی کہ: وہ رشتہ کہاں ہے؟ دکھائیں ہمیں! قاری صاحب کی اہلیہ کہنے لگیں کہ: یہ لڑکی پھر رہی ہے، یہی رشتہ ہے! کہا: لڑکی تو پسند آئی لیکن ہم بہت نیچے کے لوگ ہیں اور آپ بہت اُونچے لوگ ہیں۔ کہنے لگے: اُونچ نیچ کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ لڑکی پسند ہے کہ نہیں؟ کہا: لڑکی تو پسند ہے! فرمایا: یہی رشتہ ہے تمہارا! نکاح کردیا اور لڑکی کو بھی ساتھ رُخصت کردیا۔

قاری صاحب کے صاحبزادے بتارہے تھے کہ قاری صاحب نے اپنی بچیوں کو مختلف سامان نہیں دیا، لیکن اس بچّی کو دیا تاکہ اس کو یہ احساس نہ ہو کہ مجھے غریبوں کے یہاں جھونک دیا، اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا کہ جاؤ اپنا بندوبست کرو۔ آج وہ بچّی ماشاءاللہ سب سے زیادہ خوش حال ہے، مدرسہ چلارہی ہے، بہترین قسم کا مدرسہ، وہ سمندری میں۔ میرے اکابرین کے یہاں تو الحمدللہ! یہی طریقہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سنّت پر عمل کرنے کی مجھے بھی تھوڑی سی توفیق عطا فرمائی، اللہ نے پریشانی نہیں دی۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تو بہت ہی اُونچے بزرگ تھے، اہلیہ نے کہا کہ: لڑکی جوان ہوگئی ہے، کہا: اچھی بات ہے! مسجد میں گئے ایک لڑکے کی نماز بہت پسند آئی اس کو بلایا پوچھا: بیٹے! تمہارا نکاح ہوگیا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہنے لگے: چلو تمہارا نکاح کردیتے ہیں۔ لڑکے کو بلایا صرف نماز دیکھ کر خوش ہوگئے، یہ نہ پوچھا کہ اس کا گھر کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ والدین اس کے کون ہیں؟ الحمدللہ! ہم نے بھی نہیں پوچھا تھا لڑکے کو دیکھ لیا تھا، ہمیں معلوم نہیں کہ کون لڑکا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کیا کاروبار ہے؟ کیسے لوگ ہیں؟

تو یہ جو لوگوں کی زیادتیاں ہیں اس کا ایک قصور یہ ہے کہ لڑکیوں کو اپنی ذاتی جائیداد سمجھتے ہیں، لڑکیوں کو بیچتے ہیں، کیا ان قبائل کے مولویوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے اکابر کی سنّت پر عمل کرے اور اس مردہ سنّت کو زندہ کرے؟ ساٹھ ہزار، ستر ہزار، ایک لاکھ، دولاکھ، تین لاکھ روپیہ لڑکی کی قیمت لگتی ہے، ان میں لوگ ویسے ہی غریب ہوتے ہیں، رقم لڑکا پہلے لے کر آئے اس کے بعد لڑکی دیتے ہیں۔

کتابُ البُیُوع

اپنے ہاتھوں کی کمائی

[حدیث: ۱۱۳۴] ”حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ....، أَنَّ دَاوُدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔“

(صحیح بخاری ج:۷، ص:۲۳۶، حدیث نمبر:۱۹۳۱، بَاب كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت داؤد نبی علیہ السلام نہیں کھاتے مگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھانا کھاتے تھے، اپنی ہاتھوں کی محنت سے کھانا کھاتے تھے۔

یوں کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول تھا ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا، رات کو تن تنہا گشت کرتے تھے، رعایا کے احوال معلوم کرتے تے اور ساتھ یہ بھی معلوم کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ بے پہچان ہوکر لوگوں سے معلوم کرتے تھے، اب ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی ہیں لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے؟ پیغمبرانہ اعمال، پیغمبرانہ اخلاق، پیغمبرانہ عدل وانصاف، کوئی شکایت نہ کرتا، ایک دن اسی طرح جارہے تھے راستے میں ایک بڑھیا ملی، اس سے پوچھا: اماں! داؤد کیسا آدمی ہے؟ کہنے لگی کہ: بہت اچھا آدمی ہے۔ لیکن اس میں ایک عیب ہے وہ یہ کہ روٹی سرکاری خزانے سے کھاتا ہے، واپس آگئے اور اللہ سے دعا کی کہ اس بڑھیا نے ایک بات کہی ہے، بات تو اس کی ٹھیک ہے، اب میں رعایا کا کام کروں تو اپنی محنت مزدوری کس وقت کروں؟ اور محنت مزدوری کروں تو رعایا کے کام کس وقت کروں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کے نتیجے میں ان کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم بنادیا:

﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۝ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ (سورۃ سبا)

ترجمہ: ''ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا، تو لوہے کی زرہیں بنایا کر اور اندازے کی کڑیاں بنایا کر۔''

کڑیوں کے لئے کوئی سانچا بھی بنا لیا ہوگا، ان کے ہاتھ میں لوہا بالکل موم، بیٹھے بیٹھے بنا لیتے پھر اس کی زرہیں بنا لیتے۔ ''زرہ'' اس لباس کو کہا جاتا ہے جو جنگ میں لباس پہنا جاتا ہے، اور اس کو فروخت کرتے تھے اور اس سے گھر کا خرچ چلاتے تھے، سرکاری خزانے سے نہیں کھاتے تھے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ سب سے بہتر کھانا داؤد علیہ السلام کا ہے، وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے، اور سب سے بہتر نماز داؤد کی نماز ہے وہ آدھی رات تک سوتے پھر ایک تہائی تک قیام کرتے پھر چھٹا حصہ سوتے تھے، رات کو کل چھ حصوں میں تقسیم کر کے پہلے تین گھنٹے آرام کیا، پھر دو گھنٹے قیام کیا، پھر ایک گھنٹہ آرام کیا۔ اور سب سے بہتر روزہ داؤد علیہ السلام کا ہے، ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن افطار کرتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام تو پیغمبر تھے، پیغمبر کا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلیفہ اس سنّتِ داؤدی پر عمل پیرا تھے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے تنخواہ لی، حضرت ابوبکر بزازی کا کام کرتے تھے کپڑا بیچتے تھے، خلیفہ بننے کے بعد بازو پر کپڑا ڈال کر بازار بیچنے جارہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا، پوچھا: کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا: بازار جاؤں گا۔ فرمایا: آپ بازار جائیں گے تو پھر رعایا کا کام کون کرے گا؟ کہنے لگے: پھر بازار نہ جاؤں تو بچّے روٹی کہاں سے کھائیں گے؟ انہوں نے مہاجر و انصار کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور کہا: یہ خلیفہ کاروبار کرنا چاہتے ہیں، ان کا کوئی وظیفہ مقرر کردو، وہ وظیفہ اتنا کم تھا کہ بمشکل روٹی پوری ہوسکتی تھی۔

''حکایاتِ صحابہ'' میں شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے: اہلیہ نے کہا: میٹھا کھانے کو جی چاہتا ہے، فرمایا: میرے پاس تو اتنا ہی ہے، تم اس میں سے بچا لو۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ عرصے میں اتنا جمع کرلیا جس سے کوئی میٹھی چیز تیار ہوسکے، وہ میٹھی چیز پیش کی گئی، پوچھا: یہ کہاں سے آگئی؟ فرمانے لگیں کہ: ہم نے تھوڑا تھوڑا سا بچا کے اتنا رکھ لیا تھا۔ فرمایا کہ: اتنا وظیفہ میرا زائد ہے، اتنا اور کم کردیا جائے، معلوم ہوا کہ اس کے بغیر بھی گزارہ ہوسکتا ہے۔

کُل مدّتِ خلافت دو سال ہے، مرتے وقت وصیت کردی کہ اتنی مقدار کہ جتنا کل وظیفہ لیا ہے اتنی مقدار بیت المال میں واپس جمع کردی جائے، ایک دانہ بھی بیت المال کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمے نہیں، اور یہی کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا، ایک ایک دانہ سرکاری خزانے میں جمع کردیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو ویسے ہی غنی تھے ماشاء اللہ انہوں نے کبھی ایک پیسہ لیا ہی نہیں، اور یہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے، ان جیسی نیکی کون کرسکتا ہے؟ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے

بھی کچھ نہ کچھ حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی میں کر کے دکھا دیا۔

حضرت داود علیہ السلام کا اپنی کمائی سے کھانا

[حدیث: ۱۱۳۵] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، خُفِّفَ عَلٰى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔" (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۲۲۶، حدیث نمبر: ۳۱۶۴، بَاب قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى {وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا} الزُّبُرُ.....)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہلکا کیا گیا حضرت داود علیہ السلام پر قرآن، پس وہ حکم فرماتے تھے اپنی سواری کے بارے میں کہ اس پر زین رکھی جاتی تھی وہ قرآن پڑھ لیتے تھے زین رکھنے سے پہلے اور نہیں کھاتے تھے مگر اپنی ہاتھ کی کمائی سے۔"

تشریح: اس حدیث میں حضرت داود علیہ السلام کا ایک معجزہ اور ان کا ایک عمل ذکر کیا گیا ہے، ان کا معجزہ تو یہ کہ خدام کو حکم فرماتے تھے اپنی سواری تیار کرنے کے لئے، اتنی دیر میں کہ وہ سواری تیار کریں اس پر کاٹھی وغیرہ لگائیں وہ اپنی زبور کی تلاوت کر لیتے تھے، یہاں ذکر کیا گیا ہے قرآن پڑھ لیتے تھے اس سے مراد زبور ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت داود علیہ السلام کی زبور بہت عمدہ قسم کی تھی اور ضرب الامثال تھی یعنی ایک قسم کی نظم بھی تھی اور ساتھ کے ساتھ حکمت کی باتیں بھی تھیں لیکن اس وقت تورات میں جو مجموعہ زبور کا پایا جاتا ہے وہ نہیں ہے، تمام کتابوں کو اہل کتاب نے بدل ڈالا ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ ہوا تھا، مباحثہ شاہ جہاں پور کے نام سے مشہور ہے، وہاں حضرت نے بحث کی کہ تمہاری کتابوں میں تحریف ہوئی ہے، کہنے لگے تحریف تو نہیں ہوئی غلطیاں ہیں اور غلطیاں کیا ہیں؟ ایک لاکھ غلطی ہے، معمولی بات ہے، حضرت نے فرمایا کہ چلو جتنی غلطیاں ہیں تم ان کی نشاندھی کر دو اس کو چھوڑ دیتے ہیں باقی کا ہم اعتبار کر لیں گے، کہنے لگے ان کی تعین نہیں کر سکتے، تو حضرت نے اس موقعے پر ارشاد فرمایا کہ تم ہی بتاؤ بقول تمہارے ایک لاکھ غلطی تمہاری کتاب میں اور ہم نے کہا ایسا کر لو کہ جو غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی کر لو باقی ہم اس کو ٹھیک کر لیں گے لیکن تم نے کہا کہ ہم وہ بھی نہیں کر سکتے تو جس صحیفے میں جس دستاویز میں ایک لاکھ غلطی ہو اور بتانے والا بتا بھی نہ سکے تو تم بتاؤ کہ وہ صحیح ہو گا؟

میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو مجموعہ تورات کا اس وقت ہمارے سامنے ہے اس میں زبور بھی ہے اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب بھی لیکن کوئی چیز بھی ان سے قابل اعتماد نہیں، اس لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے نصیحت فرمائی: ''لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ'' (بخاری ۲۲/ ۸ ۴ ۳، ۶۸۱۴) اہلِ کتاب اپنی کتاب میں سے کوئی چیز بتائیں ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو، نہ کہو کہ ٹھیک ہے نہ کہو کہ غلط ہے بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ: ''آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ'' ہم اللہ پر اور اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں تو حضرت داود علیہ السلام کا ایک معجزہ تو یہ تھا کہ اتنے میں خدام ان کی سواری تیار کرتے اتنے میں وہ پوری زبور پڑھ لیتے تھے اور ہماری عقل میں یہ بات نہیں آئے گی کہ وہ کیسے پڑھ لیتے تھے؟ یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں بھی بتائی گئی ہے ان کی کرامت ہے لوگوں کو فرماتے کہ سواری تیار کرو پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔

میرا ایک لفظ یاد رکھو، انبیاء کرام کے معجزات ہوتے ہیں، اولیاء اللہ کی کرامات ہوتی ہیں، معجزات اور کرامات کو تمہاری عقل کے پیمانے سے نہیں ناپا جاسکتا اور تولا جاسکتا، ایک بات تو یہ فرمائی اور دوسری بات یہ فرمائی کہ حضرت داود علیہ السلام بادشاہ تھے، ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام وہ بھی بادشاہ تھے اور انہوں نے تو یہاں تک دُعا کی تھی: ﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي﴾ (ص:۳۵) اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو نہ ملے، اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی، بہر حال وہ بھی نبی وہ بھی نبی، اہل کتاب ان دونوں کو نبی نہیں مانتے دونوں کو بادشاہ کہتے ہیں، ہم مسلمان نبی مانتے ہیں تو حضرت داود علیہ السلام کا ایک معجزہ تو یہ تھا کہ سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور اپنی زبور پڑھ لیتے تھے۔

دوسرا ان کا کارنامہ یہ بیان فرمایا کہ اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا کھانا کھاتے تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، ملکی خزانے ان کے قبضے میں ہیں لیکن ان کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، اپنے ہاتھ سے کمائی کرتے تھے اور کھانا کھاتے اور اس کو قرآن میں ذکر کیا گیا: ﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ﴾ (سبا:۱۰) ہم نے لوہا ان کے لئے نرم کر دیا تھا، لوہے کی کڑیا جوڑ کر اس طرح جس طرح کوئی لکڑی جوڑ ہوتا ہے ایسا ایک کڑی کو دوسری کے ساتھ ملا کر زرہیں بناتے تھے اور اس کو بیچتے تھے اور اس کی روٹی کھاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعۂ معاش

حیاۃ الصحابہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی (عبداللہ الہزینی) نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعۂ معاش کیا تھا؟ آپ کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی مارکیٹ ہوگی، بڑے کارخانے ہوں گے، اور آپ کے لنگر جاری ہوں گے، نہ بھائی! ایسا کچھ نہیں تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

[حدیث: ۱۱۳۶] ''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ! لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ. جَاءَنِيْ مَلَكٌ وَاِنَّ حُجْزَتَهٗ لَتُسَاوِي الْكَعْبَةِ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَاِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا. فَنَظَرْتُ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ اِلٰى أَنْ ضَعْ نَفْسَكَ... فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا." (مشکوٰۃ ص: ۵۲۱)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں، اور فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور (وہ بہت ہی طویل تھا) مجھ سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ سلام کہتے ہیں (سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو سلام بھجوایا گیا ہے۔) اور ارشاد فرماتے ہیں کہ بادشاہ نبی بن کر رہنا چاہتے ہو یا فقیر نبی بن کر رہنا چاہتے ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے) ان کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، انہوں نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، مطلب یہ کہ اپنے آپ کو بالکل گرادو، (یعنی یہ کہو کہ بادشاہ نبی نہیں، فقیر نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا اللہ! میں بادشاہ نبی نہیں بلکہ فقیر نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔"

ایک اور روایت میں ہے، فرمایا:

"وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوْعُ يَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ." (مشکوٰۃ ص: ۴۴۲)

ترجمہ: "لیکن ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوک لگے تو میں آپ کی طرف عاجزی کروں اور آپ کو یاد کروں، اور جب پیٹ بھر کر کھالوں تو آپ کی حمد کروں اور آپ کا شکر کروں۔"

خلاصہ یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن ملا کرے تاکہ کھا کر تیرا شکر ادا کروں اور دوسرے دن نہ ملا کرے تو میں صبر کروں اور شکر کروں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری معیشت اسی پر گزری ہے۔

درمیان میں ایک بات آگئی، کہ ہر نبی کے دو مشیر آسمان اور دو زمین کے ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے:

"عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَلَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ، وَوَزِيْرَانِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَأَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَأَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ

فَأَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ۔“ (ترمذی ص:۲۰۹)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو مشیر آسمان سے اور دو مشیر زمین سے مقرر کئے ہیں جو اس کو مشورے دیتے ہیں، اور میرے دو مشیر زمین کے ہیں، اور دو مشیر آسمان کے ہیں، زمین کے مشیر ابوبکر و عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) اور آسمان کے مشیر جبرئیل و میکائیل (علیہما الصلوٰۃ والسلام) ہیں۔“

آپ ﷺ چونکہ محبوب خلائق ہیں اس لئے انسان تو انسان، ملائکہ اور پہاڑ بھی آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ نَظَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى أُحُدٍ فَقَالَ: اِنَّ أُحُدَ جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ۔“ (مسلم ج:۱ ص:۴۴۶)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے احد پہاڑ کو دیکھا اور فرمایا: بے شک یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ چیز نہیں رکھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وزیرِ خزانہ:

[حدیث:۱۱۳۷] ”عَنْ عَبْدِاللهِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ: لَقِيْتُ بِلَالًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مُؤَذِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَلْبٍ فَقُلْتُ: يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِيْ كَيْفَ كَانَتْ نَفَقَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَا كَانَ لَهٗ شَيْءٌ اِلَّا اَنَا الَّذِيْ كُنْتُ اِلٰى ذٰلِكَ مِنْهُ مُنْذُ بَعَثَهُ اللهُ اِلٰى أَنْ تُوُفِّيَ، فَكَانَ اِذَا أَتَاهُ الْمُسْلِمُ فَرَاٰهُ عَائِلًا يَأْمُرُنِيْ فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَقْرِضُ فَأَشْتَرِيْ الْبُرْدَةَ وَالشَّيْءَ فَأَكْسُوْهُ وَأَطْعِمُهٗ، حَتّٰى اِعْتَرَضَنِيْ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ: يَا بِلَالُ! اِنَّ عِنْدِيْ سَعَةً فَلَا تَسْتَقْرِضْ مِنْ أَحَدٍ اِلَّا مِنِّيْ، فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ تَوَضَّأْتُ ثُمَّ قُمْتُ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ فَاِذَا الْمُشْرِكُ فِيْ عِصَابَةٍ مِّنَ التُّجَّارِ فَلَمَّا رَاٰنِيْ قَالَ: يَا حَبَشِيُّ! قُلْتُ: يَا لَبَّيْهِ۔ فَتَجَهَّمَنِيْ وَقَالَ قَوْلًا عَظِيْمًا ـ أَوْ غَلِيْظًا ـ وَقَالَ: أَتَدْرِيْ كَمْ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الشَّهْرِ؟ قُلْتُ: قَرِيْبٌ، قَالَ: اِنَّمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ أَرْبَعُ لَيَالٍ فَاٰخُذُكَ بِالَّذِيْ لِيْ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَ الَّذِيْ أَعْطَيْتُكَ مِنْ كَرَامَتِكَ وَلَا مِنْ كَرَامَةِ صَاحِبِكَ وَاِنَّمَا أَعْطَيْتُكَ لِتَصِيْرَ لِيْ عَبْدًا فَأَذَرَكَ تَرْعٰى فِي الْغَنَمِ كَمَا

كُنْتَ قَبْلَ ذٰلِكَ، قَالَ: فَأَخَذَنِيْ فِيْ نَفْسِيْ مَا يَأْخُذُ فِيْ أَنْفُسِ النَّاسِ فَانْطَلَقْتُ فَنَادَيْتُ بِالصَّلَاةِ حَتّٰى اِذَا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ وَرَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى أَهْلِهِ فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَأَذِنَ لِيْ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ! اِنَّ الْمُشْرِكَ الَّذِيْ ذَكَرْتُ لَكَ أَنِّيْ أَتَدَيَّنُ مِنْهُ قَدْ قَالَ كَذَا وَكَذَا، وَلَيْسَ عِنْدَكَ مَا يُقْضٰى عَنِّيْ وَلَا عِنْدِيْ وَهُوَ فَاضِحِيْ فَأْذَنْ لِيْ أَنْ آتِيْ بَعْضَ هٰؤُلَاءِ الْأَحْيَاءِ الَّذِيْنَ قَدْ أَسْلَمُوْا حَتّٰى يَرْزُقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُقْضٰى عَنِّيْ! فَخَرَجْتُ حَتّٰى أَتَيْتُ مَنْزِلِيْ فَجَعَلْتُ سَيْفِيْ وَجِرَابِيْ وَرُمْحِيْ وَنَعْلِيْ عِنْدَ رَأْسِيْ فَاسْتَقْبَلْتُ بِوَجْهِيَ الْأُفُقَ، فَكُلَّمَا نِمْتُ اِنْتَبَهْتُ فَاِذَا رَأَيْتُ عَلَيَّ لَيْلًا نِمْتُ حَتّٰى اِنْشَقَّ عُمُوْدُ الصُّبْحِ الْأَوَّلِ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَنْطَلِقَ فَاِذَا اِنْسَانٌ يَدْعُوْ: يَا بِلَالُ! أَجِبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى آتِيَهِ فَاِذَا أَرْبَعُ رَكَائِبَ عَلَيْهِنَّ أَحْمَالُهُنَّ! فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ: أَبْشِرْ! فَقَدْ جَاءَكَ اللّٰهُ بِقَضَاءِ دَيْنِكَ، فَحَمِدْتُّ اللّٰهَ، وَقَالَ: أَلَمْ تَمُرَّ عَلَى الرَّكَائِبِ الْمُنَاخَاتِ الْأَرْبَعِ؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلٰى! قَالَ: فَاِنَّ لَكَ رِقَابَهُنَّ وَمَا عَلَيْهِنَّ ـ فَاِذَا عَلَيْهِنَّ كِسْوَةٌ وَطَعَامٌ أَهْدَاهُنَّ لَهُ عَظِيْمُ فِدَكَ! ـ فَاقْبِضْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اقْضِ دَيْنَكَ! قَالَ: فَفَعَلْتُ فَحَطَطْتُّ عَنْهُنَّ أَحْمَالَهُنَّ ثُمَّ عَلَفْتُهُنَّ ثُمَّ عَمَدْتُّ اِلٰى تَأْذِيْنِ صَلَاةِ الصُّبْحِ، حَتّٰى اِذَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتُ اِلَى الْبَقِيْعِ فَجَعَلْتُ أُصْبَعِيْ فِيْ أُذُنَيَّ فَقُلْتُ: مَنْ كَانَ يَطْلُبُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنًا فَلْيَحْضُرْ! فَمَا زِلْتُ أَبِيْعُ وَأَقْضِيْ وَأَعْرِضُ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى فَضَلَ عِنْدِيْ أَوْقِيَّتَانِ أَوْ أَوْقِيَةٌ وَنِصْفٌ ـ ثُمَّ اِنْطَلَقْتُ اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ ذَهَبَ عَامَّةُ النَّهَارِ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي الْمَسْجِدِ وَحْدَهُ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَا فَعَلَ مَا قِبَلَكَ؟ قُلْتُ: قَضَى اللّٰهُ كُلَّ شَيْءٍ كَانَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَبْقَ شَيْءٌ، قَالَ: فَضَلَ شَيْءٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ! دِيْنَارَانِ، قَالَ: أُنْظُرْ أَنْ تُرِيْحَنِيْ مِنْهُمَا! فَلَسْتُ بِدَاخِلٍ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ أَهْلِيْ حَتّٰى تُرِيْحَنِيْ مِنْهُمَا، فَلَمْ يَأْتِنَا أَحَدٌ فَبَاتَ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى أَصْبَحَ وَظَلَّ فِي الْمَسْجِدِ الْيَوْمَ الثَّانِيْ، حَتّٰى اِذَا كَانَ فِيْ آخِرِ النَّهَارِ جَاءَ رَاكِبَانِ فَانْطَلَقْتُ بِهِمَا

فَكَسَوْتُهُمَا وَأَطْعَمْتُهُمَا، حَتّٰى إِذَا صَلَّى الْعَتَمَةَ دَعَانِيْ، فَقَالَ: مَا فَعَلَ الَّذِيْ قِبَلَكَ؟ قُلْتُ: قَدْ أَرَاحَكَ اللهُ مِنْهُ، فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللهَ شَفَقًا مِنْ أَنْ يُدْرِكَهُ الْمَوْتُ وَعِنْدَهُ ذٰلِكَ، ثُمَّ اتَّبَعْتُهُ حَتّٰى جَاءَ أَزْوَاجَهُ فَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ امْرَأَةٍ حَتّٰى أَتٰى مَبِيْتَهُ۔ فَهٰذَا الَّذِيْ سَأَلْتَنِيْ عَنْهُ۔" (حیاۃ الصحابۃ ج:۲ ص:۱۹۴ تا ۱۹۶)

ترجمہ: "عبداللہ الہوزینی سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے، حلب میں میں نے ان سے ملاقات کی، میں نے کہا: اے بلال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا، کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا بنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی، ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر (جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا) اس سے قرض لینا شروع کر دیا (جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا، اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا) ایک مرتبہ میں وضو کر کے آذان کہنے کے لئے کھڑا ہی تھا تا کہ نماز کے لئے آذان دوں کہ وہ مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا او حبشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور برا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا قریب ختم کے ہے، کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں (اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا) میں نے جو قرض دیا ہے وہ نہ تو تیری بزرگی کی بنا پر دیا ہے اور نہ تیرے ساتھی کی کسی بزرگی کی بنا پر دیا ہے، میں نے تو صرف اس لئے قرض دیا ہے تا کہ تو میرا غلام بن جائے، اور اسی طرح چھوڑ دوں کہ تو بکریاں چراتا پھرے جیسا کہ پہلے تھا۔ (یہ کہہ کر چلا گیا) مجھ پر دن بھر جو گزرنا چاہئے تھا وہی گزرا تمام دن رنج وصدمہ سوار رہا۔ میں نے جا کر اذان دی، جب عشاء کی نماز پڑھ لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف گئے (تو میں بھی پیچھے چلا گیا) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر کے اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، میں نے کہا:

اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے، جس سے میں قرض لیتا رہتا ہوں، آج اس نے اس اس طرح کہا ہے، (اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ!) نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں، وہ ذلیل کرے گا، اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں، جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے گا، میں حاضر ہو جاؤں گا، یہ عرض کر کے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال اٹھائی، نیزہ اٹھایا، جوتہ اٹھایا (یہ ہی سامان سفر تھا) اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا (کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا) رات کو جب بھی تھوڑی سی آنکھ لگتی پھر خوف سے اچانک بیدار ہو جاتا، صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا، بیٹھی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو، اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بیباقی کا انتظام فرما دیا، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ کا گزر ان چار اونٹنیوں کے پاس سے ہوا؟ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی تیرے حوالے، (میں نے جب دیکھا) تو اس میں کپڑا اور کھانے کا سامان تھا، فدک کے رئیس نے یہ نذرانہ آپ ﷺ کے لئے بھیجا تھا، (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا) آپ یہ سامان قبضہ میں لے لیں اور اپنا قرض ادا کریں، میں نے ایسے ہی کیا، ان اونٹنیوں سے میں نے سامان اتار دیا پھر میں نے ان کو چارہ ڈالا، پھر میں نے صبح کی اذان کے لئے ارادہ کیا، جب آپ ﷺ نے نماز پڑھا لی تو میں بقیع کی طرف گیا، کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے میں نے کہا جس نے حضور اکرم ﷺ سے قرض لینا ہے وہ حاضر ہو جائے، میں وہ مال بیچتا رہا اور قرض ادا کرتا رہا، اور بیچنے کے لئے سامان لوگوں کو دکھاتا رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا قرض سب ادا ہو گیا، میرے پاس صرف دو اوقیہ یا ڈیڑھ اوقیہ باقی بچی، پھر میں مسجد کی طرف گیا اور دن کا اکثر حصہ گزر گیا، حضور اقدس ﷺ اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے، میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی

ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں دو دینار باقی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے، ضرورتمند آئے نہیں، تو حضور ﷺ نے دوسرے دن مسجد ہی میں آرام فرمایا، دن کے آخری حصہ میں دو آدمی سواری پر آئے میں ان دونوں کو لے کر گیا، دونوں کو کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا، دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا، حضور ﷺ نے اللہ جل شانہ کی حمد وثنا فرمائی، حضور ﷺ کو یہ ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آ جائے اور کچھ حصہ مال کا آپ ﷺ کی مِلک میں رہے، اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی گزران تھی جو تو نے مجھ سے پوچھی۔"

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کے معاملے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس آدمی نے کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں حضور اقدس ﷺ کا وزیر خزانہ تھا، جب بھی کوئی مہمان آتے، ایک یا زیادہ...... ان کو کپڑے کی ضرورت ہوتی، ان کو روٹی کی ضرورت ہوتی، ان کو کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی، آنحضرت ﷺ مجھے ارشاد فرماتے تھے، اور میں کسی سے قرض لے لیتا، اور اس ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دیتا، ایک دن ایک مشرک یہودی مجھے ملا، وہ کہنے لگا کہ تمہیں ہر مہینے قرض لینا پڑتا ہے، تم مجھ سے قرض لے لیا کرو (یہودی اور اتنا فیاض...... ماشاء اللہ!) مجھ سے قرض لے لیا کرو اور پروا نہ کرو، میں نے کہا بہت بہت شکریہ، چنانچہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تو میں اس کے پاس پہنچ جاتا قرض کے لئے، ابھی مہینہ ختم ہونے میں کوئی تین چار دن باقی تھے، میں وضو کر کے اذان کے لئے تیاری کر رہا تھا کہ اتنے میں وہ یہودی آیا اور اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے، مجھے کہنے لگا کہ او حبشی غلام! مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں، میں نے کہا کوئی یہی دو چار دن باقی ہیں، کہنے لگا، اگر مہینہ ختم ہونے پر میرا قرض ادا نہ کیا تو تجھ کو بیچ دوں گا، اسی طرح اُونٹ، بکریاں جا کر چرائے گا جس طرح پہلے چرایا کرتا تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

مجھے وہ صدمہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا، عشاء کی نماز کے بعد میں حاضر خدمت ہوا اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ یہودی جس سے میں قرض لیا کرتا تھا اس نے مجھے ایسا کہا ہے، وہ یہودی ہے، اس کو تو کوئی ادب نہیں، لحاظ نہیں، اگر حضور ﷺ اجازت فرمائیں تو اتنی دیر کے لئے باہر چلا جاؤں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی انتظام فرما دیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا! (آنحضرت ﷺ کی اس "بہت اچھا" پر مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے، کبھی آنحضرت ﷺ نے کسی کو نہیں ٹوکا) فرمایا کہ میں نے اپنی تلوار،

اپنی ڈھال اور اپنے جوتے سرہانے رکھ لئے اور صبح صادق کے انتظار میں بیٹھ گیا کہ صبح ہوتو جاتا ہوں، روشنی ہوجائے ذرا، اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آنحضرت ﷺ تجھ کو یاد فرماتے ہیں، میں حاضر خدمت ہوا، آنحضرت ﷺ کے درِ دولت پر چار اُونٹنیاں بیٹھی تھیں، اور لدی ہوئی، ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضے کا انتظام فرمادیا ہے، یہ اُونٹنیاں جو غلے سے لدی ہوئی ہیں، فدک کے بادشاہ نے مجھے بھیجی ہیں، جاؤ اپنا قرضہ ادا کرو، یہ تمہاری ہیں، میں بہت خوش ہوگیا، آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی، میں نے ان اُونٹنیوں کو بھی بیچا، اُونٹنیاں بھی تھیں اس میں اس پر جو بار لدا ہوا تھا وہ بھی تھا، اس یہودی کا بھی قرضہ ادا کیا اور بھی جتنے قرضے تھے ادا کئے، میں نے حاضرِ خدمت ہوکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا تمام بوجھ ادا کردیا ہے، فرمایا کچھ بچا بھی ہے، عرض کیا حضرت! کچھ ابھی باقی ہے، ارشاد فرمایا کہ میں مسجد سے گھر اس وقت جاؤں گا جب تم اس کو خرچ کردوگے، میں نے کہا: حضرت! اتنا جلدی تو خرچ نہیں ہوسکتا، فرمایا پھر میں نہیں گھر جاتا، رات اسی مسجد میں گزاروں گا، دوسرے دن وہ میں نے نمٹایا اور آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ یارسول اللہ! وہ سارا مال خرچ ہوگیا ہے، ٹھکانے لگ گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! اور آپ اپنے گھروں میں تشریف لے گئے، تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو جاکے سلام کہا، تو وہ صاحب جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعۂ معاش کیا تھا، ان کے سوال کا جواب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعۂ معاش یہ تھا۔

چند سکوں کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آئی

[حدیث:۱۱۳۸] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَاهِمُ الْوَجْهِ فَخَشِيْتُ ذٰلِکَ مِنْ وَجْعٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ! مَا لَکَ مِنْ سَهْمِ الْوَجْهِ؟ فَقَالَ مِنْ أَجْلِ الدَّنَانِيْرِ السَّبْعَةِ الَّتِيْ أَتَيْنَا بِهَا أَمْس أَمْسَيْنَا وَهُوَ فِيْ خصم الْفِرَاشِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَتَتْنَا وَلَمْ نُنْفِقُهَا۔“

(مسند احمد)

ترجمہ: ”ایک رات آنحضرت ﷺ باہر سے گھر میں تشریف لائے اور پریشانی کی حالت میں تھے، اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ڈر گئی شاید آپ کو کوئی تکلیف ہے، میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا کچھ تکلیف ہے؟ آپ بے چین سے ہیں، سرہانے سے وہ چند سکے نکال کرکے دکھائے، فرمایا یہ آج خرچ نہیں ہوسکے۔“

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

”مَا ظَنَّ مُحَمَّدٌ لَوْ لَقِيَ اللّٰهُ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ وَمَا تَنْفِيْ هٰذَا مِنْ مُحَمَّدٍ لَوْ لَقِيَ اللّٰهُ وَهٰذَا عِنْدَهٗ۔“ (بیہقی ج:۶ ص:۳۵۶)

ترجمہ: ”مجھے اس چیز سے شرم آتی ہے کہ اگر میری وفات اس حالت میں ہو جائے کہ یہ سکے میرے پاس موجود ہوں تو میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟“

آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ازواج مطہرات کو ان کے نفقات دے دیتے تھے، ہر ایک کا خرچہ دے دیتے تھے، نو ازواجِ مطہرات تھیں رضی اللہ عنہن، ہر ایک کو دے دیتے تھے، اور وہ بھی تو ہماری مائیں تھیں، آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات تھیں رضی اللہ عنہن، آنحضرت ﷺ صبح کو دیتے اور شام کو وہ بھی فقیر ہوتیں، تمام کا تمام خرچ کر دیتیں، جو بھی ملتا تھا، اپنے پاس وہ بھی نہیں رکھتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے:

”أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ أُمِّ ذَرَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أُتِيَتْ عَائِشَةُ بِمِائَةِ أَلْفٍ فَفَرَّقَتْهَا وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صَائِمَةٌ فَقُلْتُ لَهَا: أَمَا اسْتَطَعْتِ فِيْمَا أَنْفَقْتِ أَنْ تَشْتَرِيَ بِدِرْهَمٍ لَحْمًا تُفْطِرِيْنَ عَلَيْهِ۔ فَقَالَتْ: لَوْ كُنْتِ اَذْكَرْتِنِيْ لَفَعَلْتُ۔“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۳۱۴، الاصابہ ج:۴ ص:۳۵۰)

ترجمہ: ”اُمِّ ذرہ رضی اللہ عنہا (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں) سے روایت ہے کہ ایک لاکھ دینار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیئے گئے جو (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بوری مستقل دراہم کی پہنچی، آنحضرت ﷺ کے بعد کا قصہ ہے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تقسیم کرنا شروع کر دیا، سارا نمٹا دیا، اور روزے سے تھیں، اور گھر میں روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، خادمہ کہنے لگی کہ حضرت! شام کو روزہ افطار کرنے کے لئے کم از کم کچھ رکھ لیتے، روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں، فرمانے لگیں یا تو پہلے یاد دلا دیتی تو میں کچھ رکھ لیتی، اب عورتوں کی طرح طعنے دینے کا کیا فائدہ؟“

مسلمان بھائی کے سودے پر سودا کرنا

[حدیث: ۱۱۳۹] ”عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ....، لَا يَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ۔“ (صحیح بخاری ج:۷، ص:۳۸۱، حدیث نمبر:۲۰۲۰، بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ وَأَنَّ بَيْعَهٗ مَرْدُوْدٌ لِأَنَّ ......، صحیح مسلم ج:۷، ص: ۲۲۳، حدیث نمبر: ۲۵۳۰، بَابُ تَحْرِيْمِ الْخِطْبَةِ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيْهِ حَتّٰى يَأْذَنَ أَوْ يَتْرُكَ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنا مال دوسرے کے بیچے ہوئے پر نہ بیچے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا: کسی کے سودے پر سودا نہ کیا کرو۔ ایک دو آدمیوں کا آپس میں سودا ہوگیا، تمہیں معلوم ہے کہ ان کا سودا ہوگیا، تم کہتے ہو: یار مجھے اتنے کی دے دو! اس کو پھسلا دیتے ہیں، اور پھسلا کر پھسلا دیتے ہیں پہلے کے سودے سے، یہ حرام ہے۔ کسی کے سودے پر سودا کرنا اس کو حرام فرمایا حتی کہ اگر کسی نے کسی جگہ نکاح کا پیغام بھیجا وہ جب تک ان کی بات ایک طرف نہ ہوجائے اس وقت تک دوسرے آدمی کا وہاں رشتہ بھیجنا جائز نہیں اگر اس کو معلوم ہو اور اگر معلوم نہ ہو تو معذور ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ فلاں جگہ رشتے کی بات چل رہی ہے فلانے کی تو پھر کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہاں رشتہ بھیجے جب تک کہ بات ایک طرف نہیں ہوجاتی، یا وہ راضی ہوجائیں تو بات ختم ہوگئی۔ رشتے پر راضی ہوگئے پھر تو طے ہوگیا یا پھر وہ ہٹ جائیں۔ یہ ہیں وہ شریعت کے اخلاق جن کے ذریعے سے انسانیت سکھائی گئی، ان آداب شرعیہ اور اخلاق شرعیہ کو چھوڑنے کے بعد انسان انسان نہیں رہے، بلکہ ہمارے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، ہمارے حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ فرماتے تھے: دُنیا بیت الحمیر ہے، گدھوں کا گھر ہے، یہاں انسان ہیں کتنے؟ انسانیت تو انسانیت والے اعمال اور اخلاق سے ہوگی، یہ تو چلتے پھرتے انسانوں کی لاشیں ہیں، مردار جن میں انسانی اخلاق نہیں ہیں، ہمیں تو شریعت نے یہ تعلیم دی ہے اور ایسے محاسن اخلاق کی تعلیم دی ہے کہ سبحان اللہ! ”بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ“ (الشفاء للقاضی عیاض، موطا امام مالک ۵/۱۴۰۵، ۳۸۶، الدر المنثور للسیوطی) مجھے بھیجا ہی اس لئے گیا ہے تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں۔

[حدیث: ۱۱۴۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ......، لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ۔“ (صحیح مسلم ج:۸، ص: ۴۴، حدیث نمبر: ۲۷۸۸، بَاب تَحْرِيمِ بَيْعِ الرَّجُلِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَسَوْمِهِ عَلَى...، صحیح بخاری، ج: ۹، ص: ۲۴۸، حدیث نمبر: ۲۵۲۵، بَاب الشُّرُوطِ فِي الطَّلَاقِ وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ بھاؤ کرے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کو دُوسرے مسلمان کے بھاؤ پر بھاؤ نہیں کرنا چاہئے، یعنی ایک شخص سودا کر رہا ہے کسی شخص سے کہ کیا قیمت ہے؟ تو جب تک کہ ان کی بات پوری نہیں ہوجاتی تیسرا آدمی آکر درمیان میں دخل نہ دے، اور کہے: ”میں بھی لینا چاہتا ہوں یہ چیز کتنے کی ہے؟“ تو جب تک ان دونوں کی بات مکمل نہ ہوجائے یعنی یہ بات واضح نہ ہوجائے کہ وہ لے رہا ہے یا نہیں، اس وقت تک تیسرا شخص

بیچ میں آکر ان کے سودے کو خراب نہ کرے۔

ذخیرہ اندوزی کی مذمت

[حدیث: ۱۱۴۱] ”أَنَّ مَعْمَرًا ....، مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔“

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۳۱۲، حدیث نمبر:۴۰۱۲، بَاب تَحْرِيمِ الِاحْتِكَارِ فِي الْأَقْوَاتِ)

ترجمہ: ”حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے غلہ بند کر کے رکھا وہ خطا کار ہے۔“

تشریح: یہ حدیث غلہ بند رکھنے کے بارے میں ہے، جس وقت قحط کی حالت ہو یعنی غلے کی قلت ہو اور لوگ اس کی وجہ سے تنگی میں مبتلا ہوں، ایسی حالت میں جس شخص نے غلہ دبا کر رکھا ہے، ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذرا اور مہنگا ہو جائے پھر نکالیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص گناہگار ہے۔

سنن ابنِ ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”جو شخص گرانی کی حالت میں غلہ بند رکھے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کوڑھی اور محتاج کریں گے۔“ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے کہ: ”جس نے چالیس دن قحط کی حالت میں غلہ بند کیا وہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہوا اور اللہ تعالیٰ اس سے دُور ہوئے۔“

یہاں چند مسائل ہیں، ایک یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین کا غلہ محفوظ رکھتا ہے، بازار میں نہیں لاتا تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، اس حدیث کا مصداق وہ شخص ہے جو غلے کی خرید و فروخت کرتا ہے۔

دُوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بازار میں رزق کی تنگی نہ ہو اور قحط کی حالت نہ ہو، بلکہ عام طور پر چیز ملتی ہے تو اس صورت میں غلے کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، اس میں کراہت نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اگر قلت پیدا ہو جائے تو غلے کو بازار میں لے آئے پھر ذخیرہ اندوزی نہ کرے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قحط کی حالت میں غلے کا بند رکھنا ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے اور لوگوں کو ضرر پہنچانا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑی وعیدیں فرمائی ہیں، جیسا کہ ابھی آپ نے سنا صحیح مسلم کی حدیث میں اس کو گناہگار کہا ہے، ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ یہ کوڑھی اور محتاج ہو کر مرے گا، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ اللہ سے جدا ہوا اور اللہ اس سے جدا ہوا (ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمر)۔

اور ایک روایت میں یوں ہے:

”اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ وَالْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ۔“ (کنز العمال ۴/ ۱۸۲، ۱۰۰۷۲ عن ابن المسیب)

جو شخص باہر سے غلہ منگواتا ہے، درآمد کرتا ہے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو، اس کو اللہ تعالیٰ روزی عطا فرماتے ہیں، ان کا بھی بھلا ہوگا، اس کا بھی بھلا ہوگا، اور جو غلہ دبا کر رکھتا ہے یہ ملعون ہے، اس کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون فرمایا۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کیا صرف غلے کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے یا دُوسری چیزوں کا بھی یہی حکم ہے؟ مثلاً: کھانے پینے کی چیزیں جو لوگوں کے روزانہ کام آنے والی ہیں، صرف ان کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے یا عام استعمال کی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے؟ بہت سے اکابر نے فرمایا کہ: کھانے پینے کی چیزوں سے متعلق ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ تمام ضروریاتِ زندگی جن کی وجہ سے لوگوں کو تنگی پیش آئے ان کا یہی حکم ہے۔ لوگ خاص موقعوں پر ذخیرہ اندوزی کرکے مصنوعی قلّت پیدا کردیتے ہیں، پھر اس کے دام بڑھادیتے ہیں، حتیٰ کہ جانوروں کے چارے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح دوائیوں یا اسی قسم کی اور اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کرنا جس سے اللہ کی مخلوق کی پریشانی ہو، یہ جائز نہیں۔

قرض کی ادائیگی میں نیت کا دخل

[حدیث:۱۱۴۲] ”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ۔“ (صحیح بخاری ج:۸، ص:۲۱۵، حدیث نمبر:۲۲۱۲، باب مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَوْ إِتْلَافَهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے مال لے ایسے طور پر کہ ان کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کرواتے ہیں، اور جو شخص لوگوں کے مال لے تلف کرنے کی نیت سے، تو اللہ تعالیٰ (دُنیا و آخرت دونوں میں) اس کو برباد کردیتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں سے مال لیتا ہے اور نیت اس کی ادا کرنے کی ہے، مال لینا بطور قرض کے بھی ہوسکتا ہے، بطور عاریت (مانگنا) اور بطور امانت کے بھی ہوسکتا ہے، جیسے کاروبار کے لئے کسی سے پیسہ لیا اس خیال سے کہ یہ کہہ کر کہ اس میں جو نفع ہوگا وہ تقسیم کرلیا کریں گے، روپیہ آپ کا، محنت میری ہوگی، اور اس میں اللہ تعالیٰ جو نفع عطا فرمائیں گے وہ آدھا آپ کا آدھا میرا ہوگا۔ غرضیکہ دُوسرے کا مال لیا خواہ قرض کے طور پر لیا ہو یا عاریت یا امانت کے طور پر لیا ہو، اور لیتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو ادا کردے گا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ادا کروادیتے ہیں۔ قرض لیا حاجت کے طور پر

یعنی شدید ضرورت کی بنا پر لیا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، اور لیتے وقت نیت یہ تھی کہ ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کروا دیتے ہیں، یہاں نقل کیا ہے کہ ابنِ ماجہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قرض دار کے ساتھ ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ قرض ادا کردے، بشرطیکہ نیت بُری نہ کرے'' اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتے ہیں یعنی اس کی مدد فرماتے ہیں، بشرطیکہ لے کر بیٹھ جانے کی نیت نہ کرے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بے ضرورت بھی قرض لے لیتے تھے اور اسی نیت سے قرض لیتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کے ساتھ ہو۔ اور یہی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے کہ وہ کبھی بغیر ضرورت کے بھی قرض لے لیتی تھیں، ان سے عرض کیا گیا: آپ کو تو قرض کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر کیوں قرض لیتی ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے کے لئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کی نیت قرض ادا کرنے کی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ایک محافظ اور مددگار مقرر ہوجاتا ہے۔ تو یہ ان حضرات کا ذوق تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی برکت حاصل کرنے کے لئے قرض لیتے تھے۔

برعکس اس کے بعض اکابر کا ذوق یہ ہے کہ وہ قرض لینے سے احتیاط کرتے تھے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ قرض لینے کے بعد اس کے ادا کرنے کی پھر مہلت ملے گی یا نہیں؟ اور اس کا پتا نہیں کہ آدمی کی نیت تو خراب نہیں ہوجائے گی؟ اور یہ بات معلوم بھی ہے کہ جو شخص مقروض ہوکر مرے، اس کا قرض ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے قرضے کے بدلے پکڑا رہتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب جنازہ لایا جاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے تھے کہ اس کے ذمے قرض تو نہیں؟ اگر عرض کیا جاتا کہ اس کے ذمے قرض نہیں ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے، اور اگر بتایا جاتا کہ اس کے ذمے قرض ہے تو ارشاد فرمادیتے: ''اپنے بھائی کی نماز پڑھو'' اور خود نہیں پڑھاتے، یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے محروم رہ جاتا۔ غالباً حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک جنازہ لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ عادت پوچھا کہ: اس کے ذمّے قرض تو نہیں ہے؟ بتایا گیا کہ: اس کے ذمّے قرض ہے چار دینار یا کچھ ایسا ہی بتایا، تو ارشاد فرمایا:

''صَلُّوْا عَلٰی أَخِیْکُمْ۔''

(مسند احمد بن حنبل ۷/۲۸۶، ۹/۲۳۹، ۱۳ و مستدرک حاکم ۳/۳۶۸، ۱۲۸۹)

ترجمہ: ''اپنے بھائی پر نماز جنازہ پڑھ لو۔''

میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کا قرض میرے ذمّے، آپ نماز پڑھا دیجئے۔ فرمایا: بہت اچھا جب تک کہ اس کے قرضے کا کوئی شخص کفیل نہیں بن گیا اس وقت تک جنازہ نہیں پڑھایا۔ اور یہ ابتداء میں ہوتا

تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کشائش دے دی تو پھر آپ ﷺ یوں فرماتے: اس کے ذمّے قرض تو نہیں ہے؟ اگر عرض کیا جاتا: اس کے ذمّے قرض ہے تو ارشاد فرماتے: اس کا قرضہ میرے ذمّے ہے۔ اور ایک عام اعلان فرما دیا تھا:

"مَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِلْوَرَثَةِ وَمَنْ تَرَکَ ضَیَاعًا أَوْ دَیْنًا أَوْ عِیَالاً (وَفِیْ رِوَایَةٍ: أَوْ کَلًّا فَأَنَا وَلِیُّهُ) فَعَلَيَّ وَإِلَيَّ۔"

(مسند احمد بن حنبل ۳۰/۴، ۴۵۵، ۱۴۴، ۱۹، ۸۳لفظ "عیالا" مسند احمد میں نہیں ہے)

ترجمہ: "جو شخص مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے وارثوں کو ملے گا اور اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مرتا ہے یا بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے چھوٹے بچے، تو قرض میرے ذمّے اور بچے میرے سپرد، ان کا نان نفقہ میرے ذمّے۔"

اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی یا آپ ﷺ کے ہر جانشین کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ مقروضوں کے قرضے کی ذمہ داری اُٹھائے، یہ ہر حکومت کا فرض ہے۔

اس میں علماء کے دونوں ہی قول ہیں، بہر حال آنحضرت ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانے میں یہی رہا، اس کی مثال آج تک ہمیں نہیں ملے گی کہ اگر کوئی مقروض مرا تو حکومت اس کے قرضے کی ذمہ دار ہوتی تھی اور اس کے اہل وعیال کے نان نفقے کی بھی ذمہ دار ہوتی تھی، یوں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنا غنی کر دیا تھا کہ کسی شخص کے مقروض مرنے کا اس طرح مقروض ہونا کہ اس کے مال میں قرضہ ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو، اس کی مثال تو مشکل سے ملتی ہوگی، مقروض ہوتے تھے صحابہ کرام لیکن ان کے پاس اتنا مال ہوتا تھا اور وہ وصیت کر جاتے تھے کہ میرا اتنا مال فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا جائے۔

الغرض جس شخص کے ذمّے قرضہ ہو اس کا معاملہ اٹکا رہتا ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا نہ ہو جائے، اس لئے وارثوں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے میّت کے قرضے کو ادا کریں۔ میں نے بتایا تھا کہ جس دن میرے والد ماجد کا انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے، تو میں نے جنازے پر اعلان کر دیا کہ اگر والد صاحب کے ذمّے کسی کا قرضہ ہو وہ ہمارے ذمّے ہے، ہم سے وصول کر لے، یہ آج سے بری الذمہ ہیں، اور ہم گواہ بھی نہیں مانگیں گے کوئی شخص اگر آ کر کہہ دے کہ ہمارا اتنا قرضہ ان کے ذمّے ہے، ہم اس پر گواہ نہیں مانگیں گے، بغیر گواہوں کے صرف اس کے کہہ دینے پر دے دیں گے، اللہ کا شکر ہے کہ یہ معاملہ نمٹ گیا، ہمارے یہاں رسمیں تو بہت ادا کی جاتی ہیں، تیجہ، چالیسواں، فلانا، لیکن یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ اس کے ذمّے قرضہ بھی ہے؟ نہ مولوی صاحب پوچھتے ہیں جنازہ پڑھاتے ہوئے اور نہ کھانے والے پوچھتے ہیں، چالیسویں کا کھانا کھانے والے بھی نہیں پوچھتے۔

قرآنِ کریم میں جہاں وراثت کے اَحکام بیان کئے ہیں، وہاں بار بار فرمایا ہے:

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ﴾، ﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ﴾،

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ﴾، ﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصٰی بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ۙ﴾

(النساء:۱۱،۱۲)

ہر فقرے کے بعد ان کلمات کو دُہرایا ہے، یعنی تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے مال میں چوتھا حصہ ہے اگر ان کی اولاد ہو اور اگر ان کی اولاد نہ ہو تو تمہارا نصف حصہ ہے، بعد اس کے کہ وصیت پوری کی جائے جس کی وہ وصیت کر کے جائیں یا بعد اس کے کہ ان کا قرض ادا کیا جائے۔

یعنی پہلے ان کا قرض ادا کیا جائے، اسی طرح تمام رشتہ داروں کے بارے میں جن کی وراثت کا حکم بیان فرمایا ہر فقرے میں یہ تاکید فرمائی کہ پہلے وصیت اور قرض ادا کیا جائے، لیکن وصیت کو پہلے ذکر فرمایا قرض کو بعد میں ذکر فرمایا، حالانکہ دَین وصیت سے پہلے ہوتا ہے، یعنی آدمی مرجائے تو قرض پہلے ادا کیا جاتا ہے، میراث کی کتابوں میں اور فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ مرنے والے کے ترکے سے چار حق متعلق ہوتے ہیں:

۱: اس کی تجہیز و تکفین مِنۡ غَیۡرِ تَقۡتِیۡرٍ وَّلَا تَبۡذِیۡرٍ۔ نہ اس میں بخل و کنجوسی سے کام لیا جائے، اور نہ اسراف اور فضول خرچی سے کام لیا جائے، میّت کے کفن دفن پر جو خرچے ہوتے ہیں وہ اس کے مال میں سے ادا کئے جائیں۔

۲: بعد اس کے میّت کا قرضہ ادا کیا جائے گا اس کے کُل مال میں سے، گھر کا سامان، اس کا مکان، یا اس کے علاوہ اور جو چیز بھی اس کی ملکیت میں تھی اس کو پہلے فروخت کر کے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا، کُل مال میں سے چاہے وارثوں کے لئے ایک پیسہ نہ بچے۔

۳: قرضہ ادا کرنے کے بعد اَب جو مال باقی بچے گا اس میں سے تہائی مال میں وصیت جاری ہوگی، اگر وہ کوئی وصیت کر گیا ہو۔

۴: اور چوتھا اس کو حقوقِ شرعیہ کے مطابق تقسیم کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے جو حصے مقرر کئے ہیں ان حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

تو سب سے پہلی چیز قرضہ ادا کرنا ہے اور لوگ عام طور پر اس سے غافل ہیں، اور میں عرض کرچکا ہوں کہ جب تک میّت کا قرضہ ادا نہ کیا جائے وہ مقید رہتا ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

یہ بزرگوں کی دو قسمیں ہوئیں، اور تیسری قسم ان بزرگوں کی جو کسی صورت میں قرض لیتے ہی نہیں

تھے، چاہے بھوکے مر جائیں۔ وہ کہتے تھے اپنے نفس سے قرض لے لو، اس کے ساتھ اُدھار کر لو، لیکن کسی اور سے قرضہ نہ لو۔ قطب الارشاد اِمامِ ربّانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرّہٗ انہوں نے اپنے وصیت نامے میں تحریر فرمایا کہ: ''بندے کے یہاں قرض لینے کا دستور ہی نہیں ہے، اس لئے میرے قرض کی کوئی فکر نہ کرنا۔''

یہ تو فرمایا تھا ان لوگوں کے بارے میں جو کسی سے مال لے بطور قرض کے یا بطور امانت کے یا بطور ودیعت کے، عاریت کے طور پر کسی سے کوئی شے مانگ لی، یہ واپس کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اس کو حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے قرضہ ادا کر دیں گے۔

اور اگر کوئی شخص کسی سے قرض لیتا ہے اور خیال یہ ہے کہ اسے کھا پی جائے گا، بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں وہ لیتے ہی اس نیت سے ہیں کہ دینا نہیں ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت میرے ذمّے کسی کا ایک پیسہ قرضہ بھی نہیں، اگر یاد نہ ہو تو دُوسری بات ہے، اللہ کا فضل ہے، خیر۔ تو اگر کوئی شخص اس نیت سے قرضہ لیتا ہے کہ کھا پی جائے گا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''أَتْلَفَهُ اللّٰهُ'' اللہ تعالیٰ اس کو برباد کر دے گا دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ پیش گوئی بھی ہوسکتی ہے اور بددُعا بھی ہوسکتی ہے، اور دونوں صحیح ہیں، اس لئے کسی سے قرضہ لینا اور پھر اس کے ادا کرنے کی فکر نہ کرنا یہ اس ارشاد کا مصداق ہے، اللہ اس کو برباد کر دے گا، نعوذ باللہ، استغفر اللہ!

اب لوگ بینکوں سے قرضہ لیتے ہیں کہ بعد میں معاف کروالیں گے، یہ بھی ایک دستور چلا ہے، لیکن بڑے لوگ معاف کرواسکتے ہیں، چھوٹے لوگ تو معاف نہیں کرواسکتے۔ لیکن بینکوں سے قرضہ لینے والا کوئی چھوٹ گیا ہو تو چھوٹ گیا ہو، ورنہ کوئی چھوٹ نہیں سکتا، دُنیا میں برباد ہوتے میں نے کئی لوگ دیکھے ہیں۔

اس لئے میری نصیحت یہ ہے دوستوں کو کہ وہ بھیک مانگ کر کھانا پسند کریں لیکن بینکوں سے قرضہ کبھی نہ لیں، ہرگز نہ لیں۔

مفلس کا بیان

[حدیث:۱۱۴۳] ''أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ ......، مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ أَوْ إِنْسَانٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ۔'' (صحیح مسلم ج:۸، ص: ۱۹۲، حدیث نمبر: ۲۹۱۳، باب مَنْ أَدْرَكَ مَا بَاعَهُ عِنْدَ الْمُشْتَرِي وَقَدْ أَفْلَسَ فَلَهُ الرُّجُوعُ فِيهِ، صحیح بخاری ج:۸، ص: ۲۴۲، حدیث نمبر: ۲۲۲۷، بَاب إِذَا وَجَدَ مَالَهُ عِنْدَ مُفْلِسٍ فِي الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ ....)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:
جس نے پایا اپنا مال بعینہٖ کسی آدمی کے پاس جو مفلس ہوگیا تھا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے بہ نسبت دوسروں کے۔''

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایک آدمی مفلس ہوگیا، اور دُوسرے آدمی نے بعینہٖ اپنا مال اس کے پاس پایا تو یہ شخص جس کو اپنا مال بعینہٖ مل جائے وہ زیادہ مستحق ہے۔ یہاں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اس حدیث کے سمجھنے میں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی سے کوئی چیز خرید کر لے گیا، مثال کے طور پر دو ہزار میں، بعد میں مفلس ہوگیا، اور اتفاق سے وہ چیز اس کے پاس بعینہٖ موجود ہے تو جس شخص کے مفلس ہونے کا فیصلہ قاضی کردے کہ یہ شخص مفلس ہے جس کو کہتے ہیں دیوالیہ نکل گیا، تو جس کے مفلس ہونے کا قاضی فیصلہ کردے تو حکم یہ ہوتا ہے کہ جتنی اس کے پاس پونجی ہے وہ لے لو، جب اس کے پاس کچھ مال آئے گا اس وقت یہ دیدے گا اور اس کے سوا کیا کیا جائے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر لے گیا تھا اور پھر وہ مفلس ہوگیا تو یہ اپنی چیز جاکے اُٹھالے، یہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔

اِمام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ اس کا مستحق نہیں، وہ چیز اس کی ہے ہی نہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ وہ شخص اُدھار پر ایک چیز لے کر گیا تھا، پیسے تھے نہیں، تو اس چیز کا مالک ہوگیا یا نہیں؟ اب اس کا مالک کون ہے؟ بیچنے والا مالک ہے یا خریدنے والا؟ ظاہر ہے کہ خریدنے والا مالک ہے، جب خریدنے والا مالک ہے تو یہ دُوسرے کی چیز کیسے ہوئی؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس کی چیز بعینہٖ اس کے پاس موجود ہو، یہ تو اس کی چیز ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر اس خریدار سے ٹوٹ جائے وہ چیز، وہ اس کی قیمت وصول کرے گا اور اگر بیچ دے تو بیچ سکتا ہے۔ غلام تھا کسی کا تو اس کو آزاد کرسکتا ہے، کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو ہبہ کرسکتا ہے، کوئی رُکاوٹ نہیں شریعت کی طرف سے۔ تو جب اس کو بیچ سکتا ہے، اس کو ہبہ کرسکتا ہے، آزاد کرسکتا ہے، توڑ سکتا ہے، دریا میں پھینک سکتا ہے تو دُوسرا شخص کیسے اس کا مالک ہوا؟ اور کیسے اس کی چیز ہوئی؟ چیز تو اس کی ہے۔

ہمارے اِمام فرماتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کسی شخص کی ودیعت تھی، جس کو امانت کہتے ہیں، یا مانگ کر کوئی چیز لی ہوئی تھی، یا کسی اور طریقے سے چیز لی ہوئی تھی، بیع کے طریقے سے نہیں، مالک نہیں بنایا تھا اس کو، وہ مالک نہیں تھا اس کا، تو اَب یہ شخص اپنی چیز واپس لے سکتا ہے، یہ مطلب ہے اس حدیث کا۔

بیعِ سَلَم کا بیان

[حدیث:۱۱۴۴] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ......، مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ۔“ (صحیح مسلم ج:۸، ص: ۳۰۹، حدیث نمبر: ۳۰۱۰، بَابُ السَّلَمِ، صحیح بخاری ج:۷، ص: ۴۹۲، حدیث نمبر: ۲۰۸۶، بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُومٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بیعِ سلم کرے کھجور میں، پس اس کو چاہئے کہ بیع کرے معلوم پیمانے کی اور معلوم وزن کی اور مقررہ مدت کی۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون جو ہے اس کو سمجھنے کے لئے یہ بات سمجھ لیجئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان حضرات کے یہاں بیع سلم کا رواج تھا، کھجوروں کو بیعِ سلم کے طور پر دے دیا کرتے تھے اور بیعِ سلم کا مطلب یہ تھا کہ غریب قسم کے آدمی کسان کاشتکار ان کے پاس پیسے تو اتنے ہوتے نہیں تھے، فصل ابھی تیار نہیں ہوئی تو رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو کوئی آدمی ان سے پیشگی کھجور خرید لیتا تھا اور پیسے ان کو نقد ادا کر دیتا تھا۔ ہمارے یہاں بھی ہوتا ہے، یعنی فصل ابھی تک بازار میں نہیں آئی، اس کے آنے میں ابھی وقت ہے تو کوئی بیوپاری جا کر کسانوں اور کاشتکاروں سے وہ غلہ خرید لیتا ہے اور پیسے ادا کر دیتا ہے، ظاہر بات ہے کہ جب پیسے نقد دے رہا ہے اور چیز اُدھار لے رہا ہے تو سستی لے گا، جیسے کہ چیز نقد ہو اور پیسے اُدھار ہوں تو ظاہر بات ہے کہ چیز مہنگی ہوگی۔

غریب غرباء کو اس قسم کی بیع کی ضرورت پیش آتی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ مدینہ یہ معاملہ کیا کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس میں بدمزگی بھی پیدا ہو جاتی تھی، یہ کہتا: میں نے ایسی کھجوریں کہی تھیں، وہ کہتا: نہیں ایسی کہی تھیں، ایک کہتا: میں نے اس بھاؤ کی کہی تھیں، اور دُوسرا کہتا: نہیں، اس بھاؤ کی کہی تھیں، ایک کہتا: میں نے یہ میعاد مقرر کی تھی، دُوسرا کہتا: نہیں، یہ میعاد مقرر کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو تو جائز رکھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت فرمادی: ”مَنْ أَسْلَفَ فِيْ تَمْرٍ“ جو کھجور میں بیعِ سلم کرے تو ایک مقررہ پیمانے سے کرے، یعنی پیمانہ مقرر کر لیا جائے، اگر ناپ کر دینے کا رواج ہے تو ناپ معلوم ہو، یا اگر تول کر دینے کی چیز ہے تو وزن معلوم ہونا چاہئے اور میعاد بھی معلوم ہونی چاہئے، ہمارے فقہائے حنفیہ نے بیعِ سلم کے لئے چھ شرطیں مقرر کی ہیں:

۱: جنس معلوم ہو۔

۲ : نوع معلوم ہو، مثلاً: گندم کی بہت اقسام ہیں، گندم تو جنس ہوئی، اور اس کی بہت سی اقسام ہیں، یہ اس کی نوع ہوئیں۔ اسی طرح کھجور ایک جنس ہے، مدینہ میں اس کی ایک سو بیس قسمیں ہیں، یہ سب اس کی نوع ہیں، کوئی عجوہ ہے، کوئی دُوسری ہے، تو نوع بھی معلوم ہونی چاہئے۔

۳ : تیسری یہ کہ صفت معلوم ہو، یعنی اعلیٰ درجے کی ہوگی یا گھٹیا درجے کی ہوگی۔ بعضی چیزوں میں تین درجے ہوتے ہیں، ایک نمبر ایک کی ہوتی ہے، ایک نمبر دو کی ہوتی ہے، ایک نمبر تین کی ہوتی ہے۔

۴ : وزن معلوم ہونا چاہئے کہ اتنا وزن ہوگا۔

۵ : میعاد مقرر کرنی چاہئے۔

۶ : اور رقم طے کرنی چاہئے تاکہ اگر بھول چوک ہوجائے تو جھگڑا پیدا نہ ہو۔

یہ چھ صفات ہوگئیں۔ اور حضراتِ صاحبین (یعنی امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک شرط اور بھی ضروری ہے کہ یہ بھی تعیین کرنی چاہئے کہ یہ چیز کس جگہ ادا کی جائے؟ لینے والا کہاں لے؟ یا دینے والا کہاں دے گا؟ یہ بھی طے ہونا چاہئے، یہ ساتویں شرط ہے۔

امامِ اعظم علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: جس جگہ سودا ہوا ہے وہی جگہ متعین ہے، سودے کی جگہ لاکر دے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس بیع کے لئے شرط ہے کہ پیسے نقد ادا کردیئے جائیں پورے کے پورے، ورنہ بیع باطل ہوجائے گی جیسا کہ حدیث میں ہے:

"نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ۔"

(سنن الدارقطنی ج:۷، ص:۱۵۱، ۳۱۰۵)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھار کی بیع اُدھار سے کرنے سے منع فرمایا (کہ پیسے بھی اُدھار اور مال بھی اُدھار)۔"

بیع کہتے ہیں سودے کو، سودے کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱ : سودا بھی نقد، قیمت بھی نقد۔

۲ : سودا نقد ہے، قیمت اُدھار ہے، اس کو نسیئہ کہتے ہیں۔ (اُدھار)

۳ : سودا اُدھار ہے، اور قیمت نقد ادا کی جارہی ہے، اس کو بیعِ سلم کہتے ہیں۔

اور چوتھی چیز یہ کہ دونوں چیزیں اُدھار ہوں، شریعت میں اس کی اجازت نہیں، اور اس کے لئے ایک اہم ترین شرط یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ اس سودے کو فسخ کرنا پڑے تو اس کے بدلے میں کوئی اور چیز نہیں دے سکتے، یہ ہوگا کہ لینے والا پیسے واپس لے لے، یہ نہیں کہ سودا ہوا تھا مثال کے طور پر گندم کا اور آپ کہتے ہیں کہ چاول یا چنے یا کپاس اس کے بدلے میں لے لو، اس کی اجازت نہیں، تو یہ بیعِ سلم ہے اور اس کی مختصر سی

کیفیت میں نے ذکر کی، باقی اس کی لمبی تفصیل ہے اور بہت سے مسائل ہیں، جس کا کچھ حصہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''بہشتی زیور'' میں بھی ہے اور کچھ حصہ اس کا ''صفائی معاملات'' میں بھی ہے۔

بیع وشراء کا اصول

[حدیث:۱۱۴۵] ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ......، مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهُ۔'' (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۷۷، حدیث نمبر: ۲۸۱۷، بَاب بُطْلَانِ بَيْعِ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اناج خریدے تو اس کو ویسے ہی نہ بیچ دے جب تک کہ اس کو تول نہ لے (اور قبضہ نہ کرلے)۔''

تشریح: یہ حدیث بیع وشراء کے متعلق ہے کہ جو شخص غلہ خریدے تو اس کو آگے نہ بیچے جب تک کہ اس کو ناپ تول نہ کرلے اور قبضہ نہ کرلے۔ کہتے ہیں کہ مروان نے اپنے علاقے میں چونکہ وہ بہت بڑے علاقے کا گورنر تھا، تو اس نے اپنے سپاہیوں کو چٹھی جاری کردی تھی یعنی کارڈ دے دیئے تھے کہ تم جاکر فلاں جگہ سے غلہ وصول کرلو۔ اب ان لوگوں نے یہ کیا کہ وہ چٹھیاں آگے بیچنا شروع کردیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: تو نے سود کو حلال کردیا، اس لئے کہ لوگ بغیر قبضہ کئے ہوئے اناج کی چٹھیاں آگے بیچ ڈالتے ہیں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جو چیز آدمی خریدلے جب تک اس کو قبضہ نہ کرلے اس کو آگے نہ بیچے۔

یہ بات میں پہلے بھی بتاچکا ہوں کہ یا تو یہ خود اس تول کے وقت موجود ہو جب یہ تولی جارہی تھی، یا اس کا کوئی نمائندہ موجود ہو، تو اس صورت میں دوبارہ تولنے کی ضرورت نہیں، اور اگر یہ خود بھی موجود نہیں تھا اور اس کا کوئی نمائندہ بھی موجود نہیں تھا، تو جب تک اس کو تول نہ لے، نہ اس کو بیچ سکتا ہے نہ اس کو کھا سکتا ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ اس میں آج کل بہت لوگ مبتلا ہیں، دُکان دار سے کہہ دیا کہ اتنا سامان ہمارے گھر پہنچا دو، سامان گھر پہنچ جاتا ہے، اس میں سے کھاتے رہتے ہیں، مہینے کے بعد اس کا حساب کرلیتے ہیں۔ یا تو یہ ہونا چاہئے کہ جتنا سامان آیا تھا اس کے اتنے پیسے، کم آیا تھا یا زیادہ آیا تھا، اس سے بحث نہیں، بس اس کے اتنے پیسے۔ اور اگر وزن کا اعتبار ہے تو اس تول کے وقت آپ کا موجود ہونا ضروری ہے، یا اس کو دوبارہ تول کرلیں۔

اب تو لوگوں نے حرام کھانے کے بہت سے طریقے ایجاد کرلئے، کچھ یہ معاملات ہمارے اور کچھ سودی نظام اس کے تحت یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے، ان تمام چیزوں نے مل ملا کر رزق کی برکت کو ختم کردیا

ہے، اوررزق سے جو دِل میں نور پیدا ہوتا تھا وہ ظلمت سے بدل گیا ہے، دل اندھے ہوگئے، حق اور باطل کی تمیز آہستہ آہستہ ختم ہوگئی، اب لوگوں کو یہ سمجھانا بھی مشکل ہے کہ سود کیوں حرام ہے؟ یہ معاملہ کیوں ناجائز ہے؟ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا یہ کیوں حرام ہے؟ یہ ایسا کیوں ہے؟ تو فرمایا تھا: یہ اس لئے کہ اگر نہیں مانو گے تو سر پر اتنے جوتے لگیں گے کہ ایک بال بھی نہیں بچے گا، یہ اس کا علاج ہے۔ تم ہوتے کون ہو یہ پوچھنے والے کہ یہ کیوں ناجائز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص غلہ خریدلے تو اس وقت تک نہ لے جب تک کہ اس کو کیل نہ کرلے، ناپ تول نہ لے، اب کوئی پوچھے کہ یہ کیوں؟ تو وہی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ والی بات کہیں گے: اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی تو اتنے جوتے لگیں گے کہ ایک بال بھی باقی نہ بچے گا۔ اب ان کو ایک ایک بات سمجھائیں، یہ خود ہی بنے پھرتے ہیں عاشقانِ رسول، اور کچھ تو ایسے کہ 'کیوں' پر ہی اکتفا کرلیتے ہیں، اور کچھ اس سے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ایسی ہی بنائی ہوئی بات ہے۔ گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا یا نہ فرمانا، ان کے ذہنِ ناقص کے تابع ہے۔ تو مسئلہ اتنا ہے کہ جب کوئی چیز خریدو تو اس کو بیچنے سے پہلے اس کو تول لو اور اس کو اپنے قبضے میں کرلو۔ ایک دُوسری حدیث میں آتا ہے:

''نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبِضْ''

(ترمذی ۵/۱۰۱، ۱۲۱۲، جامع الاصول)

ترجمہ: ''منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے جس پر قبضہ نہ کیا ہو۔''

جانور کا دُودھ روک کر بیچنے کی ممانعت

[حدیث: ۱۱۴۶] ''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ۔'' (صحیح بخاری ج:۷، ص: ۳۸۰، حدیث نمبر: ۲۰۱۹، بَاب النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ وَأَنَّ بَيْعَهُ مَرْدُوْدٌ لِأَنَّ .... صحیح مسلم ج:۸، ص: ۶۲، حدیث نمبر: ۲۸۰۴، بَاب حُكْمِ بَيْعِ الْمُصَرَّاةِ)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے ایسی بکری خریدی جس کا دُودھ کئی دنوں سے نہیں نکالا گیا تھا، پھر وہ خریدنے والا اس کو واپس کرنا چاہے تو اس کے ساتھ ایک صاع غلہ یا کھجور بھی دیدے۔''

تشریح: یہ حدیث ہے ''مُحَفَّلَة'' کے بارے میں، اس کو ''مُصَرَّاة'' بھی کہتے ہیں، منڈی سے

کوئی مویشی گائے، بھینس، بکری وغیرہ خریدی جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ منڈی سے جو جانور آتا ہے اس میں کوئی عیب ہوتا ہے، اور لوگ اس کے عیب کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، اب ایک جانور کو لایا گیا منڈی میں اور تین چار وقت سے اس کا دُودھ نہیں نکالا تھا، اب اس بیچارے جانور کے تھن اتنے اکڑے ہوتے ہیں کہ اس کا بُرا حال ہو رہا ہے، گاہک دیکھ کر کہتا ہے کہ واہ! خرید کر لے آتا ہے، ایک دفعہ دُودھ دوہا تو پندرہ کلو، دُوسرے وقت میں دوہا تو دو کلو، زیادہ سے زیادہ چار نکل آیا، اس کو ''مصراۃ'' بھی کہتے ہیں اور ''محفلۃ'' بھی کہتے ہیں، یعنی وہ جانور جس کے تھنوں میں مالک نے کئی دنوں کا دُودھ جمع کر رکھا ہو۔ اب حدیث میں یہ فرمایا: جو شخص کسی ایسے جانور کو خرید لے پھر اس کو واپس کر دے تو چاہئے کہ ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر، تقریباً آٹھ پونڈ غلہ اس کے ساتھ واپس کر دے، یعنی اس نے جو اس کا دُودھ پیا ہے اس کی جگہ ایک صاع واپس کر دے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم ان تینوں اماموں کے نزدیک مسئلہ اسی طرح ہے جو اس حدیث شریف میں ذکر کیا گیا کہ اگر کسی نے ایسا جانور خرید لیا تو وہ واپس کر دے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک صاع غلے کا واپس کر دے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ نہیں ہے، اس لئے کہ اس حدیث اور کچھ دیگر احادیث و اصول شرع میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، ان میں سے ایک اُصول جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: ''اَلْغُنْمُ بِالْغُرْمِ'' (شرح معانی الآثار، الاشباہ النظائر ۱ / ۲۴۴) یعنی نفع تاوان کے ساتھ۔ جس چیز کا تاوان انسان کے ذمے ہے اس کا نفع بھی اس کے واسطے ہے۔ اب یہ شخص جو جانور خرید کر لے آیا ہے، اگر خدانخواستہ رات کو مر جائے تو اس کا گیا یا اُس کا گیا؟ ظاہر ہے کہ اِس ہی کا گیا، مشتری یعنی خریدار جب کسی چیز کو خرید کر لے آتا ہے تو اس کے تاوان میں داخل ہو جاتا ہے، اس کے ضمان میں داخل ہو جاتا ہے اور مالک یعنی بیچنے والے کا تعلق اس سے ختم ہو جاتا ہے، تو جب یہ شخص خرید لایا اور اَب اس کا تاوان اس کے ذمے ہے، اگر کوئی نقصان ہوا تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہے تو اس کے جو منافع ہیں اس کا بھی یہ خود ہی ذمہ دار ہوگا، اس کے منافع بھی اسی کے ہوں گے، پھر یہ ایک صاع کیوں واپس کرے اس کو؟

اور دُوسری بات یہ کہ چارہ یہ بھی ڈالتا رہا ہے، اتنے دن کا چارہ بھی تو یہ ڈالتا رہا ہے، تو جس نے چارہ ڈالا تو دُودھ بھی یہ پئے گا یا یہ دُودھ کسی اور کا ہے؟ اس نے جب مویشی کو چارہ ڈالا تو دُودھ بھی اسی کا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ایک صاع واپس کرے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے دن بعد واپس کر رہا ہے؟ ایک دن کے بعد یا دو دن کے بعد یا تین دن کے بعد؟ تو ۱۵ کلو دُودھ تو اس نے پہلے دن دوہا، دس یا پندرہ کلو ایک وقت دُودھ نکالا، دو چار کلو دُوسرے وقت نکالا، اس کی کوئی تعیین نہیں کہ

کتنا نکلا؟ اتنا حکم ہے کہ ایک صاع واپس کردو، اس کا کیا مطلب؟ اگر اس نے بیس کلو دودھ اس کا پیا ہے تب بھی ایک ہی صاع اس کا واپس کرے، تو دُودھ تو متعین نہ ہوا کہ کتنا ہے؟ لیکن تاوان متعین ہوگیا کہ صاع واپس کرے، جبکہ شریعت کا اُصول یہ ہے کہ جتنی چیز کا نقصان کیا ہے اتنا ہی تاوان۔ ان وجوہات اور ان کے علاوہ اور دیگر وجوہات کی بنا پر حضرت اِمام رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس پر فتویٰ نہیں ہے۔ علّامہ حافظ ابنِ قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس حدیث پر بڑی لمبی گفتگو کی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد یہ موجود ہے اور یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص موقع پر یہ بطور مصالحت کے ایسا کیا، دو فریقوں میں صلح کروانی تھی، خریدار واپس کرنا چاہتا، لہٰذا فرمادیا کہ تم واپس لے لو اور خریدار سے کہا کہ تم ایک صاع اس کے علاوہ مزید دے دو۔ قطعِ نزاع کے لئے ایک خاص صورت میں یہ حکم ارشاد فرمایا، یہ حکم عام قاعدے کے طور پر نہیں کہا تھا۔ اور اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب سود کو حرام قرار نہیں دیا گیا تھا، اس لئے کہ اس میں سود کی شکل پائی جاتی ہے، اور یہ دُرست نہیں۔

بہرحال اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں، اور دُوسرے قواعدِ شرعیہ کی بنا پر جو حدیث سے ثابت ہیں اور مقرر ہیں، یہ حدیث مؤوّل ہے۔

عُمریٰ کے اَحکامات

[حدیث:۱۱۴۷] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ ....، مَنْ أَعْمَرَ رَجُلًا عُمْرٰی لَہٗ وَلِعَقِبِہٖ فَقَدْ قَطَعَ قَوْلُہٗ حَقَّہٗ فِیْھَا وَھِيَ لِمَنْ أُعْمِرَ وَلِعَقِبِہٖ۔“

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۳۷۹، حدیث نمبر:۳۰۶۳، بابُ العُمْرٰی)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی کو گھر دے دیا عمر بھر کے واسطے تو وہ شخص اور اس کے وارث اس گھر کے مالک ہوگئے، سو دینے والے کی اس بات نے اس کے حق کو کاٹ دیا، اور وہ گھر اسی کا ہوگیا جس کو اس نے دیا اور اس کے وارثوں کا بھی۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنا ایک مکان یا کوئی اور ایسی چیز کسی کو کہہ دیا کہ میں نے تجھے عمر بھر کے لئے دی، اس کو ”عمریٰ“ کہتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم بیان فرماتے ہیں، یہ عام دستور تھا، بھلے زمانوں میں کچھ زیادہ ہی تھا اور تھوڑا بہت شاید کچھ اس زمانے میں بھی ہوگا، عمر بھر کے لئے کسی کو کوئی چیز دے دی، یہاں تو اَب سود کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے، مکان بنایا اور کسی ضرورت مند

کو دے دیا تو اَب یہ کون کرتا ہے، ہر کوئی سوچتا ہے اچھا ہے وہ پیسے ہی آ جائیں، لیکن بھلے زمانوں میں یہ عام دستور تھا، خالی مکان کو لوگ بجائے کرایہ لینے کے ویسے ہی کسی کو دے دیا کرتے تھے، مگر ایک بات اور بھی ہے کہ اس زمانے میں لوگ مکان پر قبضہ بھی نہیں جماتے تھے۔

ہمارے دوست بتا رہے تھے کہ ایک آدمی کسی کے مکان میں بطور کرایہ دار کے رہا، معمولی کرایہ تھا، اس وقت دس یا بارہ سال رہا، یا کم وبیش، اس نے سارے کا سارا جو کرایہ اتنی مدت میں دیا وہ کوئی پچاس ساٹھ ہزار بنتا تھا، سب اس نے دیا، لیکن جب بارہ سال کے بعد مالک نے اس کو کہا: ''مجھے ضرورت ہے مکان خالی کر دو'' تو کہنے لگا: ''میں کہاں چلا جاؤں؟'' القصہ ایک لاکھ روپیہ لے کر اس نے مکان خالی کیا، یہ مسلمانوں کے معاشرے میں ہو رہا ہے، یہ ہم لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، کوئی ظالم کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے، بلکہ اگر سچ پوچھو تو قانون ظالم کی حمایت کرے گا، مظلوم کی نہیں۔ قانون نے ایک اُصول قائم کر لیا ہے کہ جہاں عدالت میں ایک مرد اور عورت کا مقدمہ جائے، مرد ظالم اور عورت مظلوم، بس ایک اُصول طے کر لیا، لہٰذا فیصلہ عورت کے حق میں ہوتا ہے لازماً، مرد چاہے جنید بغدادی کا بیٹا ہو، اور عورت چاہے کسی ہلاکو خان کی بیوی ہو، مگر ہماری عدالت فیصلہ عورت کے حق میں کرے گی، مرد کے حق میں نہیں، اِلَّا نادراً۔

کرائے دار اور مالک مکان عدالت میں چلے جائیں، تو کرائے دار کے حق میں فیصلہ ہوگا، عدالت مالک سے پوچھتی ہے کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں؟ اب کیا بتائیں کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں، سو جھوٹ بولو وہاں جا کر، فلاں وجہ، فلاں کام، حالانکہ کچھ نہیں کرنا، یہ قانون خود جھوٹ بلواتا ہے، اس لئے کہ سچ کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

میرے دوست نے یہ بات مجھ سے ذکر کی کہ ساٹھ ہزار روپے دے کر اس کو خالی کروایا، اور کئی سال وہ جو اس کے مکان میں رہا وہ بھی ساٹھ یا پچاس ہزار روپے بنتے ہیں۔ بجلی، پانی، گیس کا بل الگ دینا پڑا، اور جائیداد کا ٹیکس الگ دینا پڑا، سارے ٹیکس خود دینے پڑے اور اس نے جو کرایہ ادا کیا وہ تھا ساٹھ ہزار، جب نکلا تو وہ ڈیڑھ لاکھ مانگ رہا تھا، اور ایک لاکھ معاملہ طے ہوا، یعنی چالیس ہزار روپیہ اس جرمانے کا کہ اس بے ہودہ آدمی کو تم نے اپنے گھر ٹھہرایا کیوں؟ تو میں نے کہا کہ: جب لوگوں کی ایسی حالت ہو جائے تو پھر بغیر سود کے اس زمانے میں کوئی قرضہ کیوں دے؟ کیسے دے؟ کس اعتماد پر دے؟ اور کسی کو مکان دے تو کیسے دے؟

جامعہ خیر المدارس ملتان کا ایک شمالی دروازہ تھا، وہ کیان استھان کہلاتا تھا، وہ پورے کا پورا حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے مدرسے کے نام الاٹ کرا لیا تھا، کچھ لوگ آئے، کہنے لگے: ''جی رات یہاں گزارنی ہے'' حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت دے دی، قبضہ کر کے بیٹھ گئے، ایک رات کے لئے

آئے تھے آج تک نہیں گئے اور نہ جائیں گے۔ ان کو کوئی خدا کا خوف نہیں کہ یہ وقف کی زمین ہے، یہ مدرسے یا مسجد کی زمین ہے، کوئی خوف نہیں، قیامت آئے گی تو بھگتیں گے۔ اتنا معیار مسلمانوں کا نیچے گر گیا، کوئی اخلاق کا نیچے کا معیار بھی تو ہونا چاہئے ناں! کوئی اخلاق کا، شرافت کا کچھ تو معیار ہونا چاہئے، اتنا نیچے آ گئے ہم لوگ۔

اور یہ کہانی چند لوگوں کی نہیں، میری آپ کی بھی ہے، ہم میں سے کسی کے قبضے میں آ جانا چاہئے، شرط یہ ہے کہ قانون ہم پر گرفت نہ کرے، انسان ہمیں رسوا نہ کریں، کوئی ہمیں پکڑے نہیں، کوئی ہمیں ذلیل نہ کرے، کوئی ہمیں دیکھ نہ لے، پھر ہم شیر ہیں۔ قبر میں جو ہوتا ہے ہوئے، اور حشر میں جو ہوتا ہے ہو، اکثر یہی قصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، یہ میں شکایت اس لئے کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کا اخلاق یہ نہیں ہونا چاہئے، مسلمان کو اتنا نیچے نہیں اُترنا چاہئے، مسلمان تو بہت اُونچی چیز ہے۔

تو بھلے زمانوں میں دستور تھا کہ کسی ضرورت مند کو مکان دے دیا، حتیٰ کہ زراعت کی زمین دے دی، ایک کسان کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہے، دُوسرے کے پاس کم ہے، اس کو دے دی، چلو تم کاشت کرو۔ احادیث موجود ہیں، جس بھائی کے پاس زمین ہو وہ اس کو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دیدے، اور اس کو کرائے پر نہ دے۔ اب یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے، یہ بھلے زمانوں کے قصے ہیں، مکان فالتو ہے، دے دو کسی ضرورت مند کو، رہے گا اور تمہارے بچوں کو دُعائیں دے گا، اور زمین فالتو ہے تو وہ دے دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: ہم ایک سفر میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ جس شخص کے پاس زائد سواری ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے، جس کے پاس زائد کپڑا ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ ہمارا حق اپنی ملکیت میں صرف ان چیزوں میں ہے جو ہماری ضرورت کی ہیں، جو ہماری ضرورت سے زائد ہیں ان میں ہمارا کوئی حق نہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے مہینے کے لئے، دو مہینے کے لئے، سال کے لئے کسی شخص کو ایک محدود مدت کے لئے مکان یا دُکان یا زمین دی، تو وہ اس وقت کے گزرنے کے بعد اس کو واپس لے سکتا ہے، لیکن جس نے یوں کہہ کر دی کہ تجھے عمر بھر کے لئے دیتا ہوں تو اس کے اس کہنے سے اس کا حق ختم، وہ چیز اس کی ہوگئی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ہوگئی، اب یہ نہیں کہے گا کہ جب تک تو زندہ ہے اس وقت تک تیری اور پھر میری، یہ نہیں ہوگا، بلکہ بات یوں ہوگی کہ جب تک تو زندہ ہے تیری اور جب تو مرجائے گا تو تیرے وارثوں کی۔

نادار کو مہلت دینے کی فضیلت

[حدیث:۱۱۴۸] ’’عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ....، مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ

أَظَلَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ۔" (سنن ترمذی ج: ۵، ص: ۱۲۷، حدیث نمبر: ۱۲۲۷، بَاب مَا جَاءَ فِي إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهِ، صحیح مسلم ج: ۱۴، ص: ۲۹۵، حدیث نمبر: ۵۳۲۸، بَاب حَدِيثِ جَابِرِ الطَّوِيلِ وَقِصَّةِ أَبِي الْيُسَرِ)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو محتاج قرض دار کو مہلت دے یا قرض میں سے کچھ چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا اس دن جس دن کہ اس کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔''

تشریح: اس حدیث میں کسی نادار مقروض کو مہلت دینے یا اس کا قرضہ چھوڑ دینے کی فضیلت ذکر کی، ایک آدمی نے قرض لے لیا، لیکن ناداری کے سبب اس تاریخ پر قرضہ نہیں دے سکتا، تو یہ اس سے کہتا ہے: کوئی بات نہیں، جب ہوں دے دینا، پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، جب تمہارے پاس ہوں دے دینا۔ یا چھوڑ ہی دے، تو جو شخص کہ کسی تنگ دست کو قرضے میں مہلت دیدے یا اس کا قرضہ ویسے ہی چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور صحیح بخاری کی مشہور روایت ہے: ''سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ'' (بخاری ۳/۵۱، ۶۲۰ و مسلم ۵/۲۲۹، ۱۷۱۲) سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے پاس ان کو عرش کا سایہ دے گا جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اس حدیث کی شرح میں میں نے ذکر کیا تھا کہ ستر آدمی تقریباً ایسے ہیں جن کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے سات اُس حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں اور آٹھویں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

مختلف احادیث کو جمع کیا جائے تو قریب قریب تعداد ستر بنتی ہے، یعنی ستر آدمی نہیں ہیں بلکہ ستر قسمیں ہیں، کسی نہ کسی قسم میں تو انسان آجائے، عربی زبان و ادب کے شہ سوار مولانا ابو الحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے، اس میں بخاری کی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کا عنوان ذکر کیا ہے: ''كُنْ أَحَدَ السَّبْعَةِ'' عربی ادب کی کتاب ہے اس میں یہ ذکر کیا کہ ان سات آدمیوں میں سے ہونے کی کوشش کرو، کہ تمہارا شمار بھی ان سات میں سے کسی نہ کسی میں آجائے۔

بہر کیف یہاں معسر اور تنگ دست کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، قرضہ دینے کے بعد جب وصول نہیں ہوتا تو طبیعت بہت بدمزہ رہتی ہے، اس لئے بعض لوگوں کے یہاں تو قرض دینے کا دستور ہی نہیں ہے، وہ دیتے ہی نہیں، میں نے جب اپنے لئے مکان لیا تھا، بہت سے دوستوں کو خطوط لکھے تھے میں نے کہ کتنا قرضہ آپ دے سکتے ہیں اور کتنی مدت کے لئے دے سکتے ہیں، تو ایک دوست نے لکھا: ''ایک پیسہ بھی

نہیں دُوں گا'' میں نے ان کو براہِ راست خط نہیں لکھا تھا بلکہ کسی آدمی کے ذریعے بھیجا تھا، انہوں نے کہا: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کو قرضہ نہیں دیا کرو۔ میں نے کہا: کوئی بات نہیں، اچھی بات ہے، وہ میرے بہت اچھے دوست ہیں لیکن قرضہ نہیں دیا۔ ایک بات دل میں بیٹھ گئی، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ دینا ان کے لئے آسان مگر قرض دینا ان کے لئے مشکل، اور وجہ بالکل ظاہر ہے کہ صدقہ دے کر قصہ بالکل فارغ کر دیا، اور قرضہ دے کر وصول ہو نہیں رہا، یہ ذہن کے لئے کانٹا بنا ہوا ہے، پوچھنے کی ڈیوٹی الگ مستقل لگ گئی، اور جب پوچھو تو جواب نہیں، یہ بہت کم ایسا ہوگا کہ کوئی یوں کہے کہ بھائی میرے ذمے تمہارا قرضہ تھا یہ لے لو۔ مقروض کے پیچھے جب جوتیاں چٹخاؤ تو پھر وہ ترسا ترسا کے تھوڑا سا دیتا ہے، یہ ہمارے معاشرے کا رواج ہے، تو ایسے میں قرضہ کون دے؟ اور اسی لئے اب سود پر قرضہ ملے گا، مفت پر قرضہ نہیں ملے گا، انہی وجوہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ دینا ایک صدقے کا ثواب ہے، اور کسی کو قرض دینا اٹھارہ صدقے کا ثواب ہے، لیکن یہ بھی لازم ہے کہ جو شخص قرضے لے بلا ضرورت نہ لے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب ادا کرنے کی قدرت ہو تو فوراً ادا کرے، خود تو تنگی اُٹھا لے لیکن دُوسرے کا قرضہ ادا کر دے۔ بہت سے لوگ قرضہ ادا نہیں کرتے، اپنا کاروبار چلاتے رہتے ہیں، کہ اگر میں نے قرضے کی رقم اس میں سے نکال دی تو کام ٹھپ ہو جائے گا، دُوسرے کا ٹھپ نہیں ہوتا، اپنے ٹھپ ہونے کی فکر ہے، بڑی بے جا بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ" (بخاری ۸/۶۶، ۲۱۲۵ و مسلم ۸/۲۰۵، ۲۹۲۴)

مال دار کا ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے، یہ مقروض کے ساتھ ساتھ ظالم بھی ہے، وہ بیچارہ قرضہ دینے والا مظلوم ہے، لہٰذا کسی کو قرضہ دینا بڑی ہمت کا کام ہے، اور قرضہ دینے کے بعد وصول کرنا بڑی ہمت کا کام ہے، میں تو بھول ہی جاتا ہوں، کسی کو دیتا ہوں، کہتا ہوں دینا ہے تو دیدے گا، ورنہ بھول جاتا ہوں۔ تو جو شخص کہ مہلت دے گا تنگ دست کو قرضے میں یا اس کے قرضے کو ساقط کر دے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے پاک عرش کا سایہ اس کو نصیب فرمائے گا۔

اس پر آپ کو دو قصے سناتا ہوں، ایک قصہ تو صحیح بخاری میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا بڑا مال دار، وہ اپنے ملازموں سے کہہ رہا تھا کہ کسی کو تنگ نہیں کرنا، اگر کسی کے ذمے قرض ہو، اُدھار ہو، کسی کو تنگ نہیں کرنا، اگر کوئی کہے کہ میرے پاس گنجائش نہیں ہے، تو کہنا: ٹھیک ہے، پھر دے دینا۔ دُنیا میں سدا کون رہا ہے، وہ شخص بھی مر گیا، جب بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ میرے بندوں کو مہلت دیتا تھا، میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو مہلت دُوں، یہ عاجز مخلوق ہو کر ترحم اور شفقت سے کام لیتا تھا کہ کسی کو تنگ نہ کرو، ملتا ہے تو ملے ورنہ چلو، تو میں غنی الاغنیاء ہوں، فرمایا اس کو لے جاؤ جنّت میں بغیر حساب کتاب کے۔

ایک دُوسرا قصہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے، علّامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' میں بھی نقل کیا ہے اس کو، ایک حاکم تھے، بہت اچھے اور ہاتھ کے بھی سخی تھے، ایک دفعہ بیمار ہوئے تو کوئی عیادت کے لئے نہیں آیا، انہوں نے لوگوں سے پوچھا: کیا بات ہے کوئی ملنے نہیں آیا؟ ساتھیوں نے بتایا: آپ کے لوگوں کے ذمے قرضے ہیں، وہ شرمندگی کی وجہ سے آپ کے سامنے آنکھیں اُٹھا نہیں سکتے، آئیں گے کیسے؟ بغداد کا کوئی ایسا آدمی نہ ہوگا جس نے آپ سے قرض نہ لے رکھا ہو، آئے گا کون؟ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو منادی کو بلایا اور کہا: شہر کی گلیوں میں اعلان کردو کہ میرے قرضے جتنے لوگوں کے ذمے تھے سب معاف۔ یہ اعلان ہوگیا، اب جو عیادت کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا، دہلیز ہی ٹوٹ گئی، پاؤں سے گھس گھس کر، تو وہ مہلت دینے کا قصہ ہے، یہ معاف کردینے کا ہے۔

شفعہ کا مسئلہ

[حدیث: ۱۱۴۹] ''عَنْ جَابِرٍ ......، مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فِي رَبْعَةٍ أَوْ نَخْلٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ فَإِنْ رَضِيَ أَخَذَ وَإِنْ كَرِهَ تَرَكَ۔''

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۳۱۸، حدیث نمبر:۳۰۱۶، بَاب الشُّفْعَةِ)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا کوئی شریک ہو گھر میں، یا کسی باغ میں، پس اس کو یہ حق نہیں کہ اس کو فروخت کرے یہاں تک کہ اپنے شریک کو اطلاع دے، پھر اگر وہ راضی ہوجائے تو لے لے، نہ چاہتا ہو تو چھوڑ دے۔''

تشریح: اس حدیث میں شفعہ کا مسئلہ بیان کیا ہے، ایک مکان یا باغ میں یا کسی قطعہ اراضی میں دو آدمی شریک ہیں، ایک ان میں سے اپنا حصہ بیچنا چاہتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو بیچنے کا حق نہیں جب تک کہ اپنے ساتھی کو اطلاع نہ کرے کہ میں اپنا حصہ بیچنا چاہتا ہوں، پہلے اس کو بتائے اگر وہ کہے کہ میں ہی لے لوں گا تو ٹھیک ہے، اور اگر وہ کہے کہ بیچ رہے ہو تو بیچ دو میرے پاس تو گنجائش نہیں ورنہ میں لے لیتا، تو پھر دُوسرے کو دے سکتا ہے، یعنی اس کو اطلاع کئے بغیر اس سے چھپا کر اس کو فروخت کردینا صحیح نہیں، اس لئے کہ جب دُوسرا آدمی آئے گا تو وہ اس کا شریک بن جائے گا اور شریک مختلف قسم کے ہوتے ہیں، کوئی شریف ہوتا ہے، کوئی شریر ہوتا ہے، تو اس لئے شریعت نے شفعہ کا حق رکھا ہے، اس شخص کے لئے جو اس جائیداد میں خود شریک ہو یا منافع میں شریک ہو یا اس کا ہمسایہ ہو، تاکہ بُرے شریک یا بُرے ہمسائے سے یہ بچ سکے، لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ حقِ شفعہ کو پیسے لے کے چھوڑ دے کہ بھائی! تم اتنے پیسے لے لو حقِ شفعہ چھوڑ دو۔

سونے اور چاندی کے بدلے بیع کا حکم

[حدیث:۱۱۵۰] ”......کُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ ......مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ۔“

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۲۷۲، حدیث نمبر:۲۹۸۱، بَاب بَيْعِ الْقِلَادَةِ فِيهَا خَرَزٌ وَذَهَبٌ)

ترجمہ: ”حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو چاہیئے کہ سونا چاندی نہ دے مگر برابر برابر وزن کے ساتھ۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص چاندی کو چاندی کے بدلے میں یا سونے کو سونے بدلے میں لے تو جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ برابر برابر لے۔

اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے روای ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جنگِ خیبر کے بعد جب خیبر فتح ہوگیا اور مالِ غنیمت ہاتھ آ گیا وہاں تجارت اور لین دین شروع ہوگیا، جس کے مطلب کی جو چیز نہیں تھی وہ بیچ دی اور جو مطلب کی تھی لے لی، تبادلہ کرلیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس کوئی ہار تھا جس میں سونے چاندی کا جڑاؤ تھا، تو میں نے اس کے جواہرات کو اُکھاڑا، میں نے یہ ہار خریدا تھا بارہ اشرفی یعنی بارہ دینار کا، خریدنے کے بعد جب اس کا سونا چاندی وغیرہ جب اُکھاڑا تو سونا چاندی بارہ اشرفی سے زیادہ کا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اگر سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ یا چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ کرنا چاہے تو برابر سرابر ہونا چاہیئے، ورنہ سود لازم آئے گا۔ تو تم نے جو بارہ کا ہار خریدا اس میں سونا بارہ سے زیادہ نکلا، تو یہ سود ہوا۔

ہمارے فقہاء فرماتے ہیں اگر ایسی چیز خریدی جس میں سونا لگا ہوا ہے یا چاندی لگی ہوئی ہے تو اگر سونے والی چیز سونے کے بدلے یا چاندی والی چیز چاندی کے بدلے خریدنا چاہتا ہے مثلاً یہ سونے کا ہار ہے اس کو سونے کے بدلے خریدنا چاہتا ہے یا چاندی کا ہار چاندی کے بدلے خریدنا چاہتا ہے تو اس کی قیمت اتنی مقرر کی جائے کہ اس میں جو سونا لگا ہوا ہے اس سے قیمت تھوڑی سی زیادہ ہو، مطلب یہ کہ قیمت اس سے برابر یا اس سے کم نہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ سونا تو سونے کے بدلے ہوجائے گا اور باقی قیمت اس چیز کے بدلے ہوجائے گی جس میں یہ سونا لگا ہوا ہے، مثال کے طور پر کسی تلوار پر چاندی یا سونے کا خول چڑھا ہوا ہے اور آپ اس کو خریدنے جارہے ہیں، تو پہلے یہ اندازہ کر لیجیے کہ اس پر کتنا سونا اور چاندی ہے؟ اگر اس کو الگ

کرلیا جائے تو اس کا کتنا وزن ہوگا؟ اس سے زیادہ قیمت میں اس کو خریدنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اس پر دس تولے سونا لگا ہوا ہے، تو جتنی قیمت دس تولے کی ہے اس سے زیادہ پیسے آپ دیں، تاکہ دس تولے کے پیسے دس تولے کے بدلے ہو جائیں اور باقی پیسے تلوار کے بدلے میں ہو جائیں۔

خنزیر اور شراب کی بیع حرام ہے

[حدیث: ۱۱۵۱] ”عَنْ جَابِرٍ......، إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ۔“

(صحیح بخاری ج:۷، ص: ۴۸۴، حدیث نمبر: ۲۰۸۲، بَاب بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے شراب اور مردار کے بیچنے کو اور خنزیر اور بتوں کے بیچنے کو، اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں ارشاد فرمائی۔“

تشریح: یہ حدیث فتح مکہ کے موقع کی ہے، جس میں فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار خنزیر اور شراب کے خریدنے اور بیچنے کو منع فرمایا ہے، یعنی یہ چیزیں بھی حرام اور ان کو بیچ کر ان کے پیسے کھانا بھی حرام، ٹی وی بھی حرام اور اس کو بیچ کر اس کو کھانا بھی حرام، یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ وہ تمام چیزیں جو شرعاً حرام ہیں ان کو بیچ کر ان کا نفع کھانا بھی حرام۔

شراب پینا اور بیچنا دونوں حرام ہیں

[حدیث: ۱۱۵۲] ”.....فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ...... إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا (يَعْنِى الْخَمْرَ)۔“

(صحیح مسلم ج:۸، ص: ۲۴۳، حدیث نمبر: ۲۹۵۷، بَاب تَحْرِيمِ بَيْعِ الْخَمْرِ)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک جس نے اس کا پینا حرام کیا، اسی نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا، یعنی شراب کا۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس ذاتِ عالی نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک صاحب شراب کا مشکیزہ باہر سے لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں شراب کا ایک مشکیزہ لایا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا وہ بعد میں معلوم ہوا کہ حرام ہوگئی ہے، چپکے سے آہستہ سے کسی نے کہا کہ کسی غیر مسلم کے پاس بیچ دینا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سن لی تو فرمایا: جس نے اس

کا پینا حرام کیا، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا، شراب کا پینا بھی حرام، اس کا بیچنا بھی حرام، اس کا بنانا بھی حرام، اور حد یہ ہے کہ جو شخص شراب اُٹھا کر لے جائے اس پر بھی لعنت، شراب پر لعنت، اس کے بنانے والے پر لعنت، اس کے خریدنے والے پر لعنت، اس کے اُٹھانے والے پر لعنت،، اس کے پینے والے پر لعنت۔

اس حدیث کے ضمن میں چند مسائل ذکر کرتا ہوں:

ایک یہ کہ شراب سے اگر کسی کو نشہ ہوجائے اور وہ نشے میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، بہت سے لوگ مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہیں کہ شوہر نے نشے کی حالت میں طلاق دی تھی، مدہوش تھا، اس کو علم نہ تھا، تو مدہوش کی طلاق واقع ہوجاتی ہے بشرطیکہ وہ حرام کے نشے کے ساتھ مدہوش ہوا ہو، اگر کسی جائز اور پاک چیز کا استعمال کیا تھا اور اتفاق سے چڑھ گئی دماغ کو اور اس سے مدہوش ہوگیا اس حالت میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، یا مثال کے طور پر کسی کافر نے زبردستی اس کو پلا دی اور اس کو نشہ ہوگیا اور نشے میں بدمست ہوکر اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس سے بھی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ اس نے اپنے اختیار سے نہ دی، تو حرام نشہ جو اپنے اختیار سے کیا ہو تو اگر اس سے آدمی مدہوش ہوجائے اور طلاق دے تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور حرام نشہ نہ ہو لیکن کسی وجہ سے اس سے مدہوشی ہوئی اور طلاق دی تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔

دُوسری بات یہ کہ جس چیز کا استعمال حرام اس کی خرید وفروخت بھی حرام، شراب کا پینا حرام تو اس کی خرید وفروخت بھی حرام، مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں، اگر کسی مسلمان کے شراب کے مٹکے کسی نے توڑ دیئے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن غیرمسلم کے حق میں مال ہے، اگر غیرمسلم کے مٹکے توڑے تھے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، تو یہاں سے ایک بہت بڑا اُصول معلوم ہوا کہ جس چیز کا استعمال حرام ہے اس کا خریدنا اور بیچنا بھی حرام ہے۔

یہیں سے ٹی وی کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے، اس کا دیکھنا بھی حرام، اس کا خریدنا بیچنا بھی حرام، اور اسی طرح دُوسری چیزیں بھی ہیں، مردار حرام ہے، اب کوئی مردار کا گوشت بیچے وہ بھی حرام۔ حرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو قیمت حاصل ہوگی اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو مردار کا حکم ہے، اگر کسی نے مرا ہوا جانور کسی بھنگی کے پاس بیچ دیا، تو وہ لوگ تو استعمال کرلیتے ہیں تو اس رقم کا استعمال بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مردار کا کھانا۔

اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوجائے گا جیسا کہ دیہاتوں میں رواج ہے کہ اگر بھینس مرگئی، اس کو مرنے سے پہلے ذبح نہیں کرسکے تو چوڑوں کے پاس اس کی کھال بیچ دیتے ہیں کہ اس کو لے جاؤ، وہ پیسے دے دیتے ہیں اور کھال اُتار لیتے ہیں، تو مردار کی کھال بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا بیچنا بھی حلال نہیں، اِلّا یہ کہ مردار کی کھال کو اُتار لیا اور اس کو رنگوالیا، اب وہ پاک ہوگئی، اب اس کا بیچنا جائز ہے، مردار کی کھال کو

رنگوا لیا جائے تو پاک ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دیکھا کہ ایک بکری مری ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: ”هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِأَهَبِهَا“ تم نے اس کے چمڑے سے کیوں نفع نہیں اُٹھایا؟ کہا کہ: یارسول اللہ! یہ تو میتہ ہے، مردار ہے، فرمایا: ”أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ“ (سنن الترمذی ۶/۳۳۸، ۱۶۵۰، نسائی ۱۳/ ۱۶۴، ۴۱۶۸، ابن ماجہ ۱۰/ ۴۶۷، ۳۵۹۹) جس کھال کو رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے، اس کے بعد اس کو بیچ بھی سکتے ہیں، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام اس کا بیچنا خریدنا بھی حرام، البتہ اگر کسی کے پاس شراب ہو تو اس میں سرکہ ڈال کر اس کا سرکہ بنا لیا کرتے ہیں، شراب کا سرکہ بن جاتا ہے، شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ یہ مسئلہ ائمہ میں مختلف فیہ ہے، اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جب شراب کو سرکہ بنا لیا تو اس کا استعمال جائز ہے، لیکن شراب کو سرکہ بنانا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں، ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں ہے لیکن بنا سکتا ہے، تحریم کا حکم نہیں لگاتے۔

سود اُدھار میں ہے

[حدیث: ۱۱۵۳] ”أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ......، قَالَ إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۸۳، حدیث نمبر: ۲۹۹۱، باب بَيْعِ الطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۴۰۱، حدیث نمبر: ۲۰۳۲، باب بَيْعِ الدِّينَارِ بِالدِّينَارِ نَسَاءً)

ترجمہ: ”حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سود تو صرف اُدھار میں ہوتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: سود تو اُدھار میں ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کا مقابلہ اسی چیز سے کیا جائے، جیسے گندم کا گندم کے ساتھ، جو کا جو کے ساتھ، اور کمی بیشی کے ساتھ کیا جائے تو یہ تو کھلا ہوا سود ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ جو کا تبادلہ گیہوں کے ساتھ کیا گیا تو کمی بیشی تو ٹھیک ہے، لیکن اُدھار جائز نہیں، اُدھار کرنا سود ہے، سودا نقد ہونا چاہئے۔ اسی طرح سونے چاندی کا تبادلہ کرتے ہیں کہ سونے کا تبادلہ کیا چاندی کے ساتھ اور چاندی کا سونے کے ساتھ، تو ظاہر ہے کہ سونے اور چاندی کی مقدار میں تو فرق ہوگا لیکن اس میں تو اُدھار جائز نہیں۔ اُدھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔ یہ مطلب ہے کہ اس حدیث کا سود تو اُدھار میں ہوتا ہے۔ یعنی اُدھار کو لوگ معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ اس سے سود لازم آتا ہے۔ باقی سود کے موٹے موٹے مسائل ”بہشتی زیور“ میں دیکھو اور ایک حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ

ہے ''صفائی معاملات'' اس میں دیکھ لو، بطور خاص جو لوگ کہ سونے اور چاندی کا کام کرتے ہیں ان کو ضرور اس کے مسائل سیکھ لینے چاہئیں۔

پھل پکنے سے پہلے بیچنے کا حکم

[حدیث: ۱۱۵۴] ''أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ....، لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ۔'' (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۱۰۱، حدیث نمبر: ۲۸۳۶، بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلَاحِهَا بِغَيْرِ شَرْطِ الْقَطْعِ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ بیچو کھجور یہاں تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر ہوجائے، اور نہ بیچو پھل کو کھجور کے بدلے میں (کم یا زیادہ کرکے)۔''

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: کھجور کے پھل کو اس وقت تک نہ بیچو جب تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوجائے، اس میں بڑی طویل بحث ہے کہ ابھی بور لگا ہوا ہے پھلوں کا اور پھلوں کو بیچ دیا، یہ بیع صحیح نہیں جب تک پھل نہ نکل آئیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک کہ پک جائیں ان میں مٹھاس اور شیرینی پیدا ہوجائے جب بیچو۔ ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کام میں استعمال ہوسکیں، اصل میں ہمارے نزدیک کسی پھل کو خریدنے کے بعد اس کو درخت پر چھوڑنا جائز نہیں، خریدار کو چاہئے کہ ان کو کاٹ لے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ پک جائیں تو چند دن ان کو ٹھہرا سکتا ہے، یہ پھلوں کی بیع سے متعلق مسئلہ ہے کہ درخت پر پھل آجائیں تو بیع کی جائے، یا پھر اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جگہ ٹھیکے پر لے لی جائے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ پھل خرید لئے جاتے ہیں، زمین پر مالک کا قبضہ رہتا ہے، تین تین سال کے لئے خرید وفروخت ہوجاتی ہے۔

اور دوسری بات اس حدیث شریف میں یہ فرمائی کہ ثمر کو تمر کے بدلے میں مت بیچو، ثمر کا معنی ہے کھجور کے اوپر جو پھل لگا ہوا ہے اور تمر کا معنی خشک کھجوریں، یہ کہہ کر درخت دے دیا: ''مجھے اتنے میں کھجوریں دے دو اور درخت تمہارا'' یہ سود ہوجائے گا، کیونکہ اگر وہ کم وبیش نکلا تو پھر کھجور کا تبادلہ جب کھجور کے ساتھ ہو تو اس کا دونوں طرف برابر ہونا ضروری ہے، کمی بیشی سود ہے، حرام ہے۔

تجارت میں مسلمان کو نقصان نہ پہنچایا جائے

[حدیث: ۱۱۵۵] ''سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ ....، لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ

فَاشْتَرٰی مِنْهُ فَإِذَا أَتٰی سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔"

(صحیح بخاری ج:۸، ص:۵۳، حدیث نمبر: ۲۷۹۶، بَاب تَحْرِيمِ تَلَقِّي الْجَلَبِ)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آگے بڑھ کر اناج کی کھیپ وصول نہ کیا کرو، سو جس بیوپاری کی کھیپ آگے بڑھ کر خرید لی جائے جب وہ کھیپ کا مالک بازار میں آوے تو اس کو اختیار ہے یعنی چاہے پہلے بیچے کو دُرست رکھے یا نہ رکھے، اپنا وہی اناج بازار میں بیچ لیوے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ایک تجارت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، ہوتا یہ تھا کہ یہ جو چھوٹے شہر ہوتے ہیں قصبات، دو چار ہزار کی آبادی ہوتی ہے، وہاں باہر سے غلہ لے کر لوگ آتے ہیں، مجھے تجربہ ہے، ماموں کانجن میں لوگ لکڑیوں کے گٹھے لے کر آیا کرتے تھے باہر سے اُونٹوں یا گدھوں پر لاد کر اور جب بازار میں لاتے تھے تو جو بازار میں قیمت ہوگی وہ ان کو ملے گی اور شہر والوں کو نفع ہوگا، لیکن جو ہوشیار لوگ تھے وہ باہر جا کر وصول کر لیتے تھے راستے میں ہی، شہر میں آنے ہی نہیں دیتے تھے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو ''تلقی جلب'' کہتے ہیں، 'جلب' جالب کی جمع ہے اور جالب کا معنی باہر سے غلہ یا چیزیں درآمد کرنے والا، تو درآمد کرنے والے بیوپاری سودا گر یہ تو جلب ہو گئے، 'تلقی' کا معنی آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرنا، شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کرنا، یعنی شہر سے باہر نکل کر راستے ہی میں ان سے جا ملے اور ان سے چیز خرید لی، ایسا نہ کرو، اس کی ممانعت فرمائی، اور ممانعت کی دو وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ یہ باہر جا کر اس بیوپاری کو دھوکا دیں گے اور اس کی چیز صحیح بھاؤ پر نہیں بکے گی، پھر شہر میں لا کر یہ شہر والوں کو دیں گے اور دُوسری بات یہ کہ کبھی ایسا ہو جائے گا کہ شہر میں چیز نہیں آنے دیں گے اور جب شہر میں تنگی پیدا ہو جائے گی تو پھر یہ مہنگی بیچیں گے، ذخیرہ اندوزی کا اندیشہ ہے، اس لئے منع کر دیا۔

اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ جس شخص نے شہر سے باہر جا کر کسی بیوپاری سے کوئی چیز خرید لی تو اس کا مالک جب شہر میں آئے گا اور بھاؤ معلوم کرے گا اور اگر اس کو معلوم ہوا کہ اس کو دھوکا ہوا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ اپنے سودے کو رکھے یا فسخ کر دے۔

عام علماء کے نزدیک باہر جا کر اس طرح چیز خریدنا مکروہ ہے، لیکن اگر یہ خرید لے گا تو سودا ہو جائے گا اور جمہور علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اس طرح دھوکا کھا جائے اور زیادہ پیسے کے بجائے تھوڑے پیسے اس کو ملیں تو بازار آ کر اس کو اختیار ہوگا، چاہے رکھے چاہے نہ رکھے۔ لیکن ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو دھوکے کا اندیشہ ہے تو اس کو چاہئے کہ شرط لگا دے کہ میں شہر جا کر بھاؤ معلوم کروں گا پھر میرا پکا سودا ہوگا، ورنہ اگر گڑبڑ ہوئی تو مجھے اس کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اگر شرط لگا دے گا کہ مجھے تین دن تک

اختیار ہے سودا رکھنے یا نہ رکھنے کا تو پھر وہ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے وہ مختار ہوگا، لیکن اگر اس نے کوئی شرط نہیں لگائی اور چونکہ سودا کامل ومکمل ہو چکا ہے اور چیز کا زیادہ بھاؤ نکل آنا کوئی عیب نہیں جس کی وجہ سے اس کا سودا واپس کروایا جائے، لہٰذا اس صورت میں اس کا سودا پکا ہو جائے گا اور اس کو کوئی اختیار نہیں ہوگا، جبکہ عام علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی اختیار ہوگا۔

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے لوگ اسی لئے مخالف ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص آیا جس نے خریداری کرلی اور پھر وہ مالک شہر میں آیا تو اس کو اختیار ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختیار رکھا ہوگا، مجرد اتنی بات سے اختیار نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں اور یہ حدیث کے خلاف نہیں، اس کو کسی حکیم نے کہا تھا کہ وہ بغیر خیار کے بیچے؟ اس کو چاہئے تھا کہ وہ کہتا کہ مجھے اختیار ہوگا، اس کو کیا جلدی پڑی تھی بیچنے کی، کس نے اس کی گردن پر تلوار رکھی تھی کہ ضرور بیچو اور فروخت کرو؟ اس نے اپنے اختیار سے بیچا ہے۔

مسلمان بھائی کے مال کی حرمت

[حدیث: ۱۱۵۶] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ .....، أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ (وَفِي مَقَامٍ آخَرَ:) فَبِمَ يَسْتَحِلُّ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ۔“

(صحیح بخاری ج:۷، ص: ۴۲۵، حدیث نمبر: ۲۰۴۸، باب إِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا ثُمَّ أَصَابَتْهُ .....)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے تو کس طرح اپنے مسلمان بھائی کے مال کو حلال سمجھے گا؟“

تشریح: اس حدیث کا مضمون پہلے آچکا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ کچے پھل کو بیچنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس موقعے پر ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے، پھل نہ لگے درختوں کو، تو تم اپنے بھائی کے مال کو کس وجہ سے حلال سمجھو گے اور اس کو جائز سمجھو گے؟ مطلب یہ کہ درخت کو پھل تو لگا نہیں اور تم فرض کرو دس ہزار کا ٹھیکہ لے لیا ہے اور پھل لگا نہیں اور اب تم نے جو دس ہزار وصول کر لیے کس بناء پر وصول کرلیا ہے اور تمہارے لئے یہ کس طرح حلال ہوگا؟ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی آدمی کسی چیز کا سودا کرلیتا ہے کسی پھل کا سودا کرلیتا ہے تو فوری طور پر

اس کا کاٹنا لازم ہے اس کو درخت پر نہیں چھوڑ سکتا اور ظاہر بات ہے کہ جب اس کو کاٹنا ہے تو وہ پیسے بھی اتنے ہی دے گا یا سودا اس وقت کرے گا جبکہ پھل پورا آ جائے گا۔

قبضے سے پہلے خریدا ہوا سامان آگے نہیں بیچا جاسکتا

[حدیث:۱۱۵۷] ”.....جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ.....، إِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا فَلَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَهُ۔“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۷۹، حدیث نمبر: ۲۸۱۹، بَاب بُطْلَانِ بَيْعِ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو غلہ خریدے تو اس کو بیچ نہیں جب تک کہ تو اس کو وصول نہ کرلے قبضے میں نہ لے لے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جب تم غلہ خریدو تو جب تک کہ اس کو وصول نہیں کر لیتے اور قبضہ نہیں اس پر کر لیتے اس کو آگے نہ بیچو، غلے کی تخصیص نہیں بلکہ وہ تمام منقولہ چیزیں جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے سب کا یہی حکم ہے اور تمام ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہی حکم ہے کہ جب تک ان پر قبضہ نہ کرلیا جائے اس وقت تک ان کا نہ تو استعمال کرنا جائز اور نہ آگے بیچنا جائز اور قبضہ کرنے کے لئے ایک یہ کہ آدمی وصول بھی کرلے۔

اس مسئلے میں ہمارے ہاں بہت گڑبڑ ہوتی ہے، بعض اکابر کے یہاں گھر میں ترازو رکھی ہوئی ہوتی تھی جب بھی کوئی چیز دکاندار کی طرف سے آتی تھی جب تک کہ اس کو تول نہ لیتے اس کو استعمال نہیں کرتے تھے، اب پتہ نہیں دکاندار نے زیادہ دے دیا ہو تول کر یا کم دے دیا ہو، اگر تمہارے سامنے دکاندار نے تولا ہے تو اس کو تولنے کی ضرورت نہیں قبضہ ہو گیا ہے تمہارا لیکن اگر تمہارے سامنے نہیں تولا تو پہلے تو لو پھر استعمال کرو لیکن ہم لوگ اس معاملے میں کوئی زیادہ چھان بین نہیں کرتے، تو ایک گڑبڑ یہ ہوتی ہے کہ چیز خریدلی اس پر قبضہ نہیں کیا آگے بیچ دی، اس اگلے والے نے آگے بیچ دی اس نے آگے بیچ دی دس جگہ بک گئی چیز ابھی تک آئی نہیں، یہ تمام غیر شرعی وجوہ ہیں یعنی اس کا بیچنا جائز نہیں ہے آگے جب تک کہ قبضے میں نہ آجائے اور بعض جگہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کاغذات بیچے جاتے ہیں چیز خریدی بھی نہیں گئی کاغذات ہی بک رہے ہیں صرف، کسی کو موٹر منگوانے کا پرمٹ مل گیا اسی کاغذ کی خرید و فروخت ہو رہی ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اس کاغذ کی خرید و فروخت حرام ہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع باطل ہے۔

ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس سے

[حدیث:۱۱۵۸] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ......، لَا صَاعَيْ تَمْرٍ بِصَاعٍ وَلَا صَاعَيْ حِنْطَةٍ بِصَاعٍ وَلَا دِرْهَمَ بِدِرْهَمَيْنِ۔“

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۲۷۹، حدیث نمبر:۲۹۸۷، بَاب بَيْعِ الطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ بیچو دو صاع کھجور کے بدلے میں ایک صاع اور نہ ایک درہم کو بدلے میں دو درہم کے۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس کے ساتھ اگر کیا جائے تو برابر برابر کیا جائے مثلاً اچھی کھجوریں اور گھٹیا کھجوریں اگر کھجور کا بدلہ کھجور سے کرنا چاہتے ہیں تو برابر کرنا چاہیئے یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ دو ٹوپے گھٹیا کھجوروں کے ردی کھجوروں کے اور ایک ٹوپا بڑھیا کھجوروں کا اچھی کھجوروں کا ایسا نہیں ہونا چاہیئے اور اسی طرح ایک اچھی گندم ہے اور ایک گھٹیا ہے گندم کا گندم سے تبادلہ کرنا ہے تو برابر ہونا چاہیئے ایک درہم کا دو درہم کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں، ایک روپے کا تبادلہ دو روپے کے بدلے میں جائز نہیں۔

اب ہوتا ہے یہ ہے مجھے ایک صاحب نے خط لکھا کہ اسٹیٹ بینک میں جو ملازم ہیں اس نے لکھا تھا کہ برانچوں کو بھیجنے کا حکم ہوتا ہے نئے نوٹ لیکن وہ لوگ جو ملازمین ہیں وہ نئے نوٹ خود رکھ لیتے ہیں پرانے نوٹ آگے بھیج دیتے ہیں اور پھر ان نئے نوٹوں کو ہار بنانے والوں کے پاس بھیج دیتے ہیں مثال کے طور پر سو روپے کی گڈی ہے چھوٹی چھوٹے نوٹوں کی وہ اس کو ایک سو پانچ ایک سو دس کی دیتا ہے پانچ سو روپے کی نوٹ والی گڈی ہے تو بجائے پانچ سو کے پانچ سو بیس یا پانچ سو تیس کی دیتے ہیں یہ اوپر والا ہمارا کمیشن ہے، مجھے اس قسم کے خطوط پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شیطان ایسی تدبیر سمجھاتا ہے ان لوگوں کو، ہمارا ذہن کبھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا تو بھائی ایک روپے کے بدلے میں دو روپے لے لینا یا ایک روپے کے بدلے میں اس سے کم لینا یہ سود ہے یہ سارا کاروبار ہی سود ہے، البتہ ایک ملک کی کرنسی کا کسی دوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو وہ جیسے بھی چاہو کر لو، بازار کے بھاؤ کے مطابق امریکی ڈالر ۳۷ کے لگ بھگ جا رہا ہے ۳۶ کا دے دو یا ۳۷ کا دے دو کسی کو اجازت ہے کم کا لو زیادہ کا لو لیکن امریکی ڈالر اگر تم یہ چاہو کہ چھوٹے نوٹ ایک سو ایک لے کر ایک نوٹ سو کا امریکی ڈالر کا لے لوں یہ جائز نہیں ہے۔

بہرکیف یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ایک جنس کا تبادلہ جب اسی جنس کے ساتھ ہو تو کمی بیشی جائز نہیں ہے، سو روپے کے بدلے میں آپ سو ہی لے سکتے ہیں نہ ایک سو ایک لے سکتے ہیں اور نہ ننانوے لے سکتے ہیں۔

[حدیث:۱۱۵۹] ”عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ......، لَا صَاعَيْ تَمْرٍ بِصَاعٍ وَلَا صَاعَيْ حِنْطَةٍ بِصَاعٍ وَلَا دِرْهَمَ بِدِرْهَمَيْنِ۔“

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۲۷۹، حدیث نمبر:۲۹۸۷، بَاب بَيْعِ الطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیچنا صحیح نہیں دو صاع کھجور کا ایک صاع کے بدلے میں اور نہ دو صاع گیہوں کا ایک صاع کے بدلے میں۔ اور نہ درہم کا دو درہموں کے بدلے میں۔“

خرید وفروخت میں خیار کا حکم

[حدیث:۱۱۶۰] ”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ........، إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ۔“

(صحیح بخاری ج:۷، ص:۳۱۲، حدیث نمبر:۱۹۷۴، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبَيْعِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بن خلال سے فرمایا تھا کہ جب کوئی چیز تُو خرید لیا کرے تو کہہ دیا کر مجھے دھوکا نہ دینا، دھوکا نہ دینا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت اوس بن حلال ان کے صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ابّا بھولے ہیں ان کو سودے کرنے کا بہت شوق ہے اور ہر سودے میں کوئی نہ کوئی ان کے ساتھ گھپلا ہوجاتا ہے، دھوکا ہوجاتا ہے، ردّی چیز اُٹھا کر لے آتے ہیں گھر میں، بس شوق ہے ان کو خریداری کا، یا رسول اللہ! ان کو آپ فرمادیجئے بہت نقصان ہوجاتا ہے، آپ ان کو بند کریں یہ نہ چیزیں خریدیں نہ بیچیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو فرمایا کہ مجھے تو یہ بیماری ہے خریدنے کی، بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے، اس موقعے پر ارشاد فرمایا کہ تم جب سودا کرو کسی سے تو تم یوں کہہ دیا کرو **لَا خِلَابَةَ** بھائی دھوکا نہیں ہے **رَجَعَ الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ**۔ مجھے تین دن کا اختیار ہوگا چاہے اس کو رکھوں یا نہ رکھوں، جیسے سودا کرلینا پہلے بچّوں سے گھر میں آکر مشورہ کرلینا اگر وہ کہیں کہ ٹھیک نہیں تو واپس کردینا، چنانچہ وہ ایسا ہی کرنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تو اگلے سے کہہ دیتے تھے کہ **لَا خِلَابَةَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ** میں دغابازی نہیں کرتا مجھے تین دن کا اختیار ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص سودا کرنا ضروری بھی سمجھتا ہے لیکن یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ عزیز واقارب میں بیوی بچّے شاید اس پر نکتہ چینی کریں اور پسند نہ کریں، اگر خریدوں گا تو گھر والے ناراض ہوں گے اور اگر نہیں خریدوں گا یہ چیز نہیں ملے گی پھر، ایسے چکر میں کوئی شخص مبتلا ہوجائے تو اس

کے لئے شریعت نے بیع الخیار رکھی ہے یعنی سودا کرتے وقت یہ کہہ دے کہ بھائی مجھے تین دن کا اختیار ہوگا، تین دن زیادہ سے زیادہ ایک دن کا اختیار ہوگا تو بھی ٹھیک ہے، دو دن کا اختیار تو بھی ٹھیک ہے، تین دن کا اختیار رکھ لو اور تین دن کے اندر اچھی طرح سوچ و بچار کر کے مشورہ کر لے گھر والوں سے بھی بیوی بچّوں سے اور دوست احباب سے بھی، اگر پسند آجائے اور ارادہ ہو رکھنے کا تو کہہ دے ٹھیک ہے ورنہ کہہ دے میں ختم کرتا ہوں، یہ خیار بائع بھی رکھ سکتا ہے مشتری بھی، کسی نے ایک چیز بیچی ہے اس نے خیار رکھ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دن تک یہ بیع پکی نہیں ہے اور مشتری نے اگر خیار رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ۳ دن کے اندر اس کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔

یہاں شریعت نے بہت عمدہ سہولت دی ہے اس کو بیع خیار کہتے ہیں اور ایک خیار اور ہوتا ہے خیار عیب یعنی آپ کوئی چیز خرید کر لے جا رہے ہیں، اس میں گھر جا کر دیکھا کوئی عیب نظر آگیا تو آپ اس عیب کی بناء پر اس کو واپس کر سکتے ہیں اور شرعاً بیچنے والے کو اس کا واپس لینا لازم ہے۔

ایک تیسری قسم ہے خیار کی خیارِ رویت، ایک چیز آپ نے بن دیکھے خرید لی تھی کسی چیز کا سودا کر لیا کپڑے کا جانور کا سودا کر لیا لیکن دیکھا نہیں تھا تو چیز کہ بن دیکھے خرید لی تھی دیکھنے کے بعد اگر پسند نہ آئے تو شرعاً اس کے واپس کرنے کی اجازت ہوگی لیکن بیچنے والے مالک نے بھی بن دیکھے چیز بیچی تھی اس کو بھی اختیار ہوگا اور ایک چوتھی قسم کا خیار ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے وہ ہے خیارِ مجلس جس مجلس میں سودا ہوا ہے لین دین ہوا ہے سودا مکمل ہو گیا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں جب تک مجلس قائم ہے ہر ایک کو مشتری بائع دونوں کو سودے کو ختم کرنے کا اختیار ہوگا ہمارے نزدیک نہیں۔

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ **اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارُ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا** اس سے وہ استدلال کرتے ہیں، خیر یہ علمی بحث ہے ہمارے لئے وہی کہ جب سودا ہو گیا اب اس کو فسخ کرنے کا کسی فریق کو اختیار نہیں، ہاں دوسرا ایک طریقہ اس کو فسخ کر سکتا ہے اس کو **اِقالہ** کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ایک بھائی دوسرے بھائی سے کوئی چیز لے لے یا دے دے لیکن بعد میں وہ پچھتائے تو اس کو واپس کر لینی چاہئے، دوسرے فریق کو چاہئے کہ وہ واپس کر دے لیکن یہ قانونی چیز نہیں ہے اخلاقی چیز ہے۔

خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانا

[حدیث: ۱۱۶۱] "عَنْ أَبِي قَتَادَةَ...... إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ۔" (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۱۶، حدیث نمبر: ۳۰۱۵، بَاب النَّهْيِ عَنْ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ)

ترجمہ: ”حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیچنے میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچا کرو اس لئے کہ چیز سودے کو تو چالو کر دیتی ہے لیکن برکت کو مٹا دیتی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ بیع میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کیا کرو اس لئے کہ اس سے سودا تو بک جاتا ہے لیکن برکت مٹ جاتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی دکاندار کے پاس کوئی گاہک آتا ہے مثال کے طور پر کپڑے کا دکاندار ہے اس کے پاس کوئی خریدار آتا ہے تو پچاس قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اس کے اتنے پیسے ملتے تھے مگر میں نے دیئے نہیں حالانکہ جھوٹ ہے، جھوٹ بول کر وہ چیز بیچ دیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں کے کھانے سے چیز بلاشبہ بک جائے گی لیکن برکت مٹ جائے گی اس میں برکت نہیں رہے گی، حلال رزق ہو تھوڑا ہو اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتے ہیں اور غلط مال ہو چاہے زیادہ ہو اس میں برکت نہیں رہتی۔

ہمارے شیخ حضرت زکریا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ہمارے گھر میں ایک پلنگ تھا جب حضرت فرماتے تھے اس وقت کی بات ہے کہ پلنگ ہے ہمارے گھر میں وہ ہمارے دادا کے وقت کا ہے اور بالکل ٹھیک ٹھاک ہے، چار پشتیں اس پر گزریں وہ استعمال بھی ہوتا رہا لیکن نہ اس کی چول خراب ہوئی نہ اس کی کوئی چیز خراب ہوئی، اس بات کو بیان کرنے کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ برکت کے یہی معنیٰ ہیں کسی چیز میں برکت ہو جائے، اس کا یہی مطلب ہے کہ چیز تھوڑی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے استعمال ہو رہی ہے۔

پھلوں کو بیچنے کا صحیح وقت

[حدیث:۱۱۶۲] ”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ....، لَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ.......“ (صحیح بخاری ج:۷، ص:۴۰۷، حدیث نمبر: ۲۰۳۵، بَاب بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَهِيَ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَبَيْعُ......)

ترجمہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیع نہ کرو کھجور کی یہاں تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کھجور کی بیع نہ کیا کرو جب تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر نہیں ہوتی، یہ حدیث اس موضوع کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اوپر آ چکی ہے۔

ایک کے بدلے دو کی خرید و فروخت

[حدیث:۱۱۶۳] ”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ......، لَا تَبِيعُوا الدِّينَارَ بِالدِّينَارَيْنِ

وَ لَا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ۔"

(صحیح مسلم ج:۸، ص:۲۵۵، حدیث نمبر:۲۹۶۷، بَاب الرِّبَا)

ترجمہ: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار کو دو دینار کے بدلے اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے نہ خریدو۔"

سونے چاندی کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر ہونا چاہئے

[حدیث:۱۱۶۴] "عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ......، لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ لَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَ لَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ لَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَ لَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ۔"

(صحیح بخاری ج:۷، ص:۳۹۹، حدیث نمبر:۲۰۳۱، بَاب بَيْعِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ بیچو سونے کو سونے کے ساتھ مگر برابر اور زیادہ نہ کرو بعض کو بعض پر اور نہ بیچو چاندی کو چاندی سے مگر برابر اور زیادہ نہ کرو بعض کو بعض پر اور نہ بیچو غائب سونے چاندی کو موجود کے بدلے۔"

تشریح: ان دو حدیثوں کا ایک ہی مضمون ہے، ایک دینار کو دو دینار کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں نہ لو تم، دینار سکہ ہوتا تھا سونے کا اور درہم سکہ ہوتا تھا چاندی کا جیسا کہ پرانے زمانے میں اصطلاح چلتی تھی اب تو لوگ ان اصطلاحوں کو بھی بھول گئے ہیں، "کھوٹے سکے" ان میں کھوٹ ملا ہوا ہوتا تھا تو کوئی روپیہ اچھا ہے خالص چاندی کا ہے اور کوئی کھوٹ ملا ہوا ہے تو اس طرح ایک روپے کو کئی روپے کے بدلے میں خرید لیا جاتا تھا مالیت کو دیکھتے ہوئے یہی مالیت کے سکے کو دیکھتے ہوئے سونے کی ایک اشرفی جو کہ خالص اور عمدہ ہوتی تھی کھوٹ ملی ہوئی اشرفی کے بدلے میں جب اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی تو وہ زیادہ دی جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ نہیں یہ نہیں ہونا چاہئے سونے کا بدلہ سونے کے ساتھ تو برابر برابر چاہے اچھی کوالٹی کا سونا ہو اور دوسری طرف گھٹیا نوعیت کا ہو، اسی طرح ادھر اچھی قسم کی چاندی ہے اور ادھر گھٹیا قسم کی چاندی ہے لیکن وزن کا اعتبار ہوگا وزن میں چونکہ دونوں برابر ہیں اس لئے کم و بیش لینا یا دینا جائز نہیں ہوگا۔

اگلی حدیث میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے اور اس میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ جب سونے کی بیع سونے کے ساتھ کرو چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ کرو تو برابر برابر ہونی چاہئے وَ لَا تُشِفُّوا کمی بیشی نہ کرو کہ ایک کم ہو ایک زیادہ ہو اور دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ دونوں طرف نقد سونا ہونا چاہئے ادھار نہیں

ہونا چاہیے، اس لئے غائب کو ناجز کے بدلے میں نہ بیچو، ناجز کے معنی نقد اور غائب کے معنی ادھار یعنی ایک طرف چیز ہے اور ایک طرف نہیں ہے تو خلاصہ یہ کہ سونے کا تبادلہ جب سونے کے ساتھ ہو تو برابر ہونا چاہئے، تمہیں اختیار ہے کہ تم سونے کے ساتھ سونے کا تبادلہ نہ کرو سونے کا چاندی کے ساتھ کرلو یا قیمت کے ساتھ کرلو اور چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ کرنا ہو تو برابر کرنا چاہئے دونوں طرف ایک جیسی چاندی ہو یا گھٹیا بڑھیا ہو۔

اور دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ سونے چاندی کا جب تبادلہ ہو خرید وفروخت ہو تو ایک طرف سے نقد اور ایک طرف سے ادھار نہیں ہونا چاہئے یہ سود ہے، ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے مدرسے کے قریب ایک ہندو سنار تھا وہ مدرسے میں بزرگوں کے پاس آتا رہتا تھا اور سونے کی خرید وفروخت کے لئے مسائل معلوم کرتا رہتا تھا، جب خریدار اس کے پاس آتے اور کوئی معاملہ کرتے تو وہ کہتا کہ یہ صورت تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے، لوگ اس سے جھگڑتے کہ اپنے مذہب کو ہم جانتے ہیں یا تم جانتے ہو؟ وہ مسکرا کے کہتا ہے کہ علماء سے پوچھ لو۔

خیر! سونے چاندی کی خرید وفروخت کے مسائل نازک ہیں اور اسی بناء پر فقہاء نے اس کا مستقل باب باندھا ہے باب الصرف، صرف کے معنی سونے چاندی کا تبادلہ اور اس میں سود لازم آتا ہے اس لئے اس معاملے میں علماء سے مسائل پوچھنے چاہئیں۔

سود کو حلال قرار دینے کی نام نہاد مجدّدانہ کوشش

[حدیث: ۱۱۶۵] ”عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائكة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنيةً۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۴۶)

ترجمہ: ”سود کا ایک درہم کھانا ۳۶ بار زنا کرنے سے بدتر ہے۔“

[حدیث: ۱۱۶۶] ”عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: الربا سبعون جزءًا أیسرھا أن ینکح الرجل أمه۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۴۶)

ترجمہ: ”سود کے ستر درجے ہیں، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے منہ کالا کرے۔“

تشریح: قریباً ایک صدی سے جب سے غلام ہندوستان پر مغرب کی سرمایہ داری کا عفریت مسلط

ہوا، ہمارے مجتہدین سود کو ''اسلامی سود'' میں تبدیل کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں، اور بعض اوقات وہ ایسے مضحکہ خیز دلائل پیش کرتے ہیں جنھیں پڑھ کر اقبال مرحوم کا مصرعہ:

''یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!''

یاد آجاتا ہے۔ ہمارے قریبی دور میں ایوب خان کے زیر سایہ جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے سود کو ''اسلامائز'' کی مہم شروع فرمائی تھی، جس کی نحوست یہ ہوئی کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اپنے فلسفہ تجدّد کے ساتھ ایوب خان کے اقتدار کو بھی لے ڈُوبے۔ اب نئی حکومت نے اسلام کے نظامِ معاشیات کی طرف پیش رفت کا ارادہ کیا، ابھی اس سمت قدم اُٹھنے نہیں پائے تھے کہ ہمارے لکھے پڑھے مجتہدوں کی جانب سے ''الامان والحفیظ'' کی پکار شروع ہوگئی۔ ان حضرات کے نزدیک اگر انگریز کا نظامِ کفر مسلط رہے تو مضائقہ نہیں، مغرب کا سرمایہ داری نظام قوم کا خون چوس چوس کر ان کی زندگی کو سراپا عذاب بنادے تو کوئی پروا نہیں، کمیونسٹوں کا ملحدانہ نظام انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی صف میں شامل کردے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اسلام کے عادلانہ نظام کا اگر کوئی نام بھی بھولے سے لے ڈالے تو خطرات کا مہیب جنگل ان کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے، گویا ان کے ذہن کا معدہ دورِ فساد کی ہر گلی سڑی غذا کو قبول کرسکتا ہے، نہیں قبول کرسکتا تو بس اسلام کو، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

اس موضوع پر چند دن پہلے عالی جناب جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین صاحب کا ایک مضمون دو قسطوں میں ''رِبا قطعی حرام ہے'' کے زیرِ عنوان کراچی کے روزنامہ ''جنگ'' میں شائع ہوا، معلوم نہیں جناب جسٹس صاحب کا اسلامی مطالعہ کس حد تک وسیع ہے؟ وہ دورِ جدید کے کس اِجتہادی مکتبِ فکر سے وابستہ ہیں؟ اور خود آں موصوف کو منصبِ اِجتہاد پر سرفرازی کا شرف کب سے حاصل ہوا ہے؟ لیکن ہمارے مجتہدین اپنے دعوے کو جس قسم کے دلائل سے آراستہ کرنے کے خوگر ہیں، افسوس ہے کہ موصوف کا معیارِ استدلال ان سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہے۔ بلکہ اس مضمون میں علم وفہم کی وہ ساری بوالعجبیاں موجود ہیں، جو ہمارے نومشق مجتہدین کا طرۂ افتخار رہے۔

ان کی تحریر پڑھ کر قاری کو جو سب سے بڑی مشکل پیش آتی ہے وہ یہ کہ جسٹس صاحب ''رِبا قطعی حرام ہے'' کا عنوان دے کر آخر کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وہ کبھی یہ فرماتے ہیں کہ ہماری زبان میں جس چیز کو ''سود'' کہا جاتا ہے، وہ ''رِبا'' نہیں۔ کبھی یہ بتاتے ہیں کہ بینکوں کے ''سود'' کو دورِ جدید کے بعض علماء نے حلال ومطہر قرار دیا ہے۔ کبھی یہ سمجھاتے ہیں کہ متقدمین بھی ''سود'' کی بعض صورتوں کو جائز قرار دیتے تھے۔ کبھی سود کی حرمت کو تسلیم فرماکر ''نظریۂ ضرورت'' ایجاد فرماتے ہیں۔ کبھی یہ وعظ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ''سود'' چھوڑنے کی غلطی کی تو خدانخواستہ ہماری معیشت تلپٹ ہوجائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

ایک جسٹس جو برسہا برس تک عدالتِ عالیہ کی کرسی پر رونق افروز رہا ہو، جس کی ساری عمر ماشاء اللہ انگریزی قانون کی موشگافیوں میں گزری ہو، اور سچ جھوٹ کے درمیان امتیاز جس کی خوبی بن گئی ہو، کیا اس سے ایسی ژولیدہ فکری کی توقع کی جاسکتی ہے۔۔۔؟

جسٹس صاحب کو پہلے دوٹوک بتانا چاہئے تھا کہ وہ بینک کے سود کو حرام سمجھتے ہیں یا حلال اور مطہر؟ اگر حرام سمجھتے ہیں تو ان کی یہ ساری کہانی غیر متعلق ہوجاتی ہے کہ سود کی فلاں فلاں قسمیں۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ حلال بھی سمجھی گئی ہیں۔ اس صورت میں ان کا فرض یہ تھا کہ وہ ہمیں بتاتے کہ وہ کون کون سے اضطراری حالات ہیں جن کی بنا پر وہ بینکوں کو اس حرام خوری کی ''رُخصت'' عطا فرما رہے ہیں۔ اور اگر وہ بینک کے سود کو ''حلال ومطہر'' سمجھتے ہیں تو ان کی نظریۂ ضرورت ورُخصت کی بحث قطعاً لغو اور غیر متعلق بن جاتی ہے۔ اس صورت میں انہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ قرآن وسنّت کے وہ کون کون سے دلائل ہیں جن سے بینک کے ''سود'' کا تقدس ثابت ہوتا ہے۔ آخر دُنیا کا کون عاقل ہے جو ایک پاک اور حلال چیز کا جواز ثابت کرنے کے لئے ''اضطرار'' کی بحث شروع کردے۔۔۔؟

خلاصہ یہ کہ موصوف کے مضمون سے قاری کو یہ سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کس چیز کو ثابت کرنے کے درپے ہیں؟ اس طرح ان کا سارا مضمون ایک مبہم دعویٰ کے اثبات میں فکری انتشار کا شاہکار بن کر رہ جاتا ہے۔

دعویٰ کے بعد دلائل پر نظر ڈالئے تو اس میں بھی افسوسناک غلط فہمیاں نظر آتی ہیں، سب سے پہلے انہوں نے ''مقصدِ کلام'' کے عنوان سے ''رُخصت'' کی بحث چھیڑی ہے، اور چلتے چلتے وہ یہ تک لکھ گئے ہیں:

> ''بڑے بڑے علمائے دِین نے بھی اس حقیقت کو پہچانا ہے اور ''رِبا'' (یا سود) کے معاملے میں مجبوری بلکہ خاص حالات میں ''رُخصت'' یا ''اجازت'' کو تسلیم کیا ہے۔''

جسٹس صاحب کا یہ فقرہ میرے لئے ''جدید اِنکشاف'' کی حیثیت رکھتا ہے، مجھے معلوم نہیں وہ کون کون ''بڑے بڑے علماء'' ہیں جنھوں نے ''خاص حالت'' میں سود لینے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ اگر جناب جسٹس صاحب اس موقع پر ان ''بڑے بڑے علماء'' کے ایک دو فتوے بھی نقل کردیتے تو نہ صرف ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا، بلکہ ان کا ہولناک دعویٰ ''خالی دعویٰ'' نہ رہتا۔

رُخصت کی بحث:

رُخصت اور اضطرار کی بحث میں فاضل جج صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اسے ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نہ تو ''اضطرار'' اور ''رُخصت'' کی حقیقت سے واقف ہیں، نہ ''رُخصت'' کے مدارج اور ان کے الگ الگ اَحکام ہی انہیں معلوم ہیں، نہ انہوں نے اس کے لئے فقہ واُصول کے ابتدائی رسالوں

ہی کو دیکھنے کی زحمت فرمائی ہے، انہوں نے کہیں سے سن لیا کہ مجبوری کی حالت میں حرام کھانے کی بھی اجازت ہے، اس کے بعد سود کھانے کی مجبوری کا سارا افسانہ ان کے اِجتہاد نے خود ہی تراش لیا۔

اسلام کی نظر میں سود خوری کس قدر گھناؤنا اخلاقی، معاشی اور معاشرتی جرم ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ زنا اور قتل ایسے افعالِ شنیعہ پر بھی وہ لرزہ خیز سزا نہیں سنائی گئی جو سود خوری پر سنائی گئی ہے، قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۲۷۸
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقایا رہتا ہے اسے یک لخت چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو!“

تمام بد سے بدتر کبیرہ گناہوں کی فہرست سامنے رکھو اور دیکھو کہ کیا کسی گنہگار کے خلاف خدا اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے؟ اور پھر یہ سوچو کہ جس بدبخت کے خلاف خدا اور رسول میدانِ جنگ میں اُتر آئیں اس کی شورہ بختی کا کیا حشر ہوگا؟ اس کو خدائی عذاب کے کوڑے سے کون بچا سکتا ہے؟ اور اس بدترین مجرم کو جو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ لڑ رہا ہے، کون عقل مند ”اُصولِ رُخصت“ کا پروانہ لا کر دے سکتا ہے...؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ جو شخص انفرادی طور پر سود خوری کے جرم کا مرتکب ہے وہ انفرادی حیثیت سے خدا اور رسول کے خلاف میدانِ جنگ میں ہے، اور اگر یہ جرم انفرادی دائرے سے نکل کر اجتماعی جرم بن جائے اور مجموعی طور پر پورا معاشرہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرنے لگے تو خدائی عذاب کا کوڑا پورے معاشرے پر برسنے لگے گا، اور دُنیا کا کوئی بہادر ایسا نہ ہوگا جو اس جرم کے ارتکاب کے باوجود اس معاشرے کو خدا کے عذاب سے نکال لائے۔

یہ بدنصیب ملک ابتدا ہی سے خدا اور رسول کے خلاف بڑی ڈھٹائی سے مسلح جنگ لڑ رہا ہے، اس پر چاروں طرف سے خدائی قہر و غضب کے کوڑے برس رہے ہیں، ”فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَاب“ کا منظر آج ہر شخص کو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے۔ ملک ستر اَرب روپے کا مقروض ہے، نوّے ہزار جوان ذلیل بنیوں کے ہاتھ میں قیدی بنا چکا ہے، دِلوں کا سکون چھن چکا ہے، راتوں کی نیند حرام ہو چکی ہے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ”روٹی، روٹی“ کی پکار چاروں طرف سے سنائی دے رہی ہے، لیکن وائے حسرت اور بدبختی کہ اب بھی عبرت نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے ”نو مجتہد“ صاحب پروانہ ”رُخصت“ لئے پہنچ جاتے ہیں۔ اور حالات کی

دُہائی دے کر سود کو حلال کرنے کے لئے ذہانت طباعی کے جوہر دِکھاتے ہیں۔ قرآنِ کریم، خدا اور رسول کے ساتھ "صلح" کو، سود چھوڑ دینے کے ساتھ مشروط کرتا ہے، اور جو لوگ سود چھوڑ دینے کا اعلان نہ کریں انہیں مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتا، لیکن محترم جسٹس صاحب فرماتے ہیں کہ سود بھی کھاؤ اور مسلمان بھی رہو، سود کا لین دین خوب کرو اور میدانِ جنگ میں خدائی عذاب کے ایٹم بم سے حفاظت کے لئے اُصولِ رُخصت کی خانہ ساز ململ جسٹس صاحب سے لیتے جاؤ...!

جسٹس صاحب بتائیں کہ "سود خور" کے خلاف تو قرآنِ کریم اعلانِ جنگ کر چکا ہے، قرآنِ کریم کی وہ کون سی آیت ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی خودساختہ مجبوری میں "سود خور" کی "صلح" خدا اور رسول سے ہوسکتی ہے اور حالات کا بہانہ بنا کر خدا اور رسول کو میدانِ جنگ سے واپس کیا جاسکتا ہے؟ انہیں "الف"، "ب"، "ج" کے برخود غلط حوالے دینے کے بجائے قرآنِ کریم کے حوالے سے بتانا چاہئے تھا کہ اس اعلانِ جنگ سے فلاں فلاں صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ جسٹس صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ "سود خور" بہ نصِ قرآن، خدا اور رسول سے جنگ لڑ رہا ہے، خواہ امریکہ کا باشندہ ہو یا پاکستان کا، اس کی صلح خدا اور رسول سے نہیں ہوسکتی، جب تک وہ اپنے اس بدترین جرم سے باز آنے کا عہد نہیں کرتا۔ نہ آپ کی نام نہاد "رُخصت" کا تارِ عنکبوت اسے خدائی گرفت سے بچا سکتا ہے۔

قرآنِ کریم کے بعد حدیثِ نبوی کو لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف سود کھانے، کھلانے والوں پر بلکہ اس کے کاتب و شاہد پر بھی لعنت کی بددُعا کی ہے، اور انہیں راندۂ بارگاہِ خداوندی ٹھہرایا ہے:

"عن علی رضی اللہ عنه أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعن آکل الربا أو موکله وکاتبه۔" (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائکة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: درهم ربا یأکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثین زنیةً۔"

(مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ: "سود کا ایک درہم کھانا ۳۶ بار زنا کرنے سے بدتر ہے۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

"عن أبی هریرة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: الربا سبعون جزءً أیسرها أن ینکح الرجل أمه۔" (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ: "سود کے ستر درجے ہیں، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں

سے منہ کالا کرے۔‘‘

جسٹس صاحب فرمائیں! کہ کیا دُنیا کا کوئی عاقل ’’مجبوری‘‘ کے بہانے سے لعنت خریدنے، ۳۶ بار زنا کرنے اور اپنی ماں سے منہ کالا کرنے کی ’’رُخصت‘‘ دے سکتا ہے۔۔۔؟

جسٹس صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ ’’مجبوری‘‘ کسے کہتے ہیں؟ اور آیا جس مجبوری کی حالت میں مردار کھانے کی ’’رُخصت‘‘ دی گئی ہے، وہ مجبوری پاکستان کے کسی ایک فرد کو بھی لاحق ہے۔۔۔؟

دینیات کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جس ’’مجبوری‘‘ میں مردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کئی دن کے متواتر فاقے کی وجہ سے جاں بلب ہو، اور اسے خدا کی زمین پر کوئی پاک چیز ایسی نہ مل سکے جس سے وہ تن بدن کا رشتہ قائم رکھ سکے، تو اس کے لئے سدِ رمق کی بقدر حرام چیز کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اور اس میں قرآنِ کریم نے ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ کی کڑی شرط لگارکھی ہے۔

یہ ہے وہ ’’اُصولِ ضرورت‘‘ جس کو جسٹس صاحب کا ’’آزاد اِجتہاد‘‘ کروڑ پتی سیٹھ صاحبان پر چسپاں کررہا ہے۔ جسٹس صاحب بتائیں کہ پاکستانی سودخوروں میں کون ایسا ہے جس پر ’’تین دن سے زیادہ فاقہ‘‘ گزر رہا ہو اور اسے جان بچانے کے لئے گھاس، ترکاری بھی میسر نہ ہو۔۔۔؟

(اور پھر یہ کہ حالتِ اضطراری میں بھی جس چیز کے کھانے کی اجازت ہوتی ہے، اس سے وہ چیز حلال نہیں ہوجاتی، بدستور حرام ہی رہتی ہے، بس ضرورت کے تحت کھانے کی اجازت ہے، واللہ اعلم بالصواب!)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(چار جلدیں)

(منتخب احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ وتشریح)

خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ وصال تک ہر ہر لمحہ خالق ارض وسما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں کے ذریعہ محفوظ کرادیا ہے۔ دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عمل وکردار اتنے تحقیقی اور سند کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کو امت کی رہنمائی کے لیے مرتب فرمادیا ہے۔

ہمارے جدِّ امجد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب ''معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا طریقہ، عقائد ونظریات، زہد وتقویٰ، اخلاقیات، حسنِ سلوک، طہارت وپاکیزگی، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وعمرہ، آدابِ معاشرت، کھانے پینے کے آداب، لباس اور زیب وزینت، علاج معالجہ، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، فضائلِ جہاد وشہادت اور دیگر موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کی سادہ اور دل نشیں انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے جو علماء طلباء اور عوام الناس میں بے حد پسند کی گئی ہے۔

عرصہ دراز سے ہمارے دوست واحباب، معزز قارئین اور ہمارے بعض کرم فرماؤں کا شدت سے تقاضا تھا کہ حضرت شہیدِ اسلامؒ کی تصانیف آن لائن پڑھنے اور استفادہ کے لئے دستیاب ہوں۔ چنانچہ اکابرین کی توجہات، دعاؤں اور مخلص ماہرین ومعاونین کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز تگ ودو کا ثمرہ ہے کہ ان کتب کو نہایت خوبصورت اور جدید انداز میں تیار کیا گیا ہے، چنانچہ آپ مطالعہ کے لئے فہرست سے ہی اپنے پسندیدہ اور مطلوبہ موضوع پر ''کلک'' کرنے سے اس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ کسی بھی صفحہ پر موجود فہرست کے آپشن کو استعمال کر کے فہرست تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

''شہیدِ اسلام پورٹل'' کے پلیٹ فارم سے حضرت شہیدِ اسلام نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کو انٹرنیٹ کی دنیا میں متعارف کرانے کی سعادت حاصل کرنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں سربسجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ہمارے اکابرین کے علوم و معارف کا فیض عام فرمائے۔

جن حضرات کی دعاؤں اور توجہات سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد مشکور ہوں خصوصاً میرے والد ماجد مولانا محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم، شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر (ناظم مکتبہ لدھیانوی)، جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔ آمین

مفتی محمد الیاس لدھیانوی
بانی و منتظم ''شہیدِ اسلام پورٹل''
www.shaheedeislam.com
Info@shaheedeislam.com
+923219264592
یکم رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ

نوٹ: Mobile اور IPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے

"Adobe Acrobat" کو "PDF Reader" کے طور پر استعمال کریں۔

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نظر میں

۱

حدیث کی اہمیت وحجیت پر مفید
رسالہ ''انکارِ حدیث کیوں؟''
ایمانیات، موت، برزخ اور قیامت
کے حالات، جنت کے مناظر
جہنم کے احوال، دنیا سے بے رغبتی
حسن سلوک اور صلہ رحمی

۲

طہارت و پاکیزگی، وضو وغسل
کے احکام، نماز کی فضیلت واہمیت
مسجد کے آداب، نفل نمازیں
زکوٰۃ اور اس کی ادائیگی، صدقہ وخیرات
روزے کی فضیلت، تراویح، اعتکاف
لیلۃ القدر کی فضیلت، حج وعمرہ سے
متعلق احادیث

۳

ذکر واذکار
فضائل قرآن، دعا اور
اس کے آداب، اسلامی معاشرت
ومعاملات، کھانے کے آداب پینے کے
آداب واحکام، لباس اور زیب وزینت
علاج ومعالجہ نکاح وطلاق، اور
خرید وفروخت سے متعلق احادیث
کی تشریح وتوضیح

۴

علم کی فضیلت
سنت وبدعت کا بیان
جہاد کی فضیلت، شہید کے احکام
غزوات کا بیان، فتنہ وفساد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
صحابیاتؓ، اور امہات المومنین
کے فضائل ومناقب

Designed by Talha Tahir

مکتبہ لدھیانوی
18- سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
021-34130020-0321-2115595-0321-2115502
www.shaheedeislam.com